

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

وَسَلَّمَ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَلَيْهِ

سید احمد رضا  
آریب منزل  
پاکستان چوک کوئٹہ

هُدًى بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (البصائر)

# بصائر حکیم الامت

حقیقت تصوف و سلوک

ازالہ اوہام و شکوک

حکیم الامت مجدد ملت محی السنن حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تصانیف و تالیفات میں سے ایسے مجددانہ و مصلحانہ مضامین جن کا متن خصوصیت کے ساتھ تصوف و سلوک سے ہے اور جن کی اثر و رسوخ و نفعات کتاب سنت کے قوی دلائل کے ساتھ کی گئی ہے اور جن میں تجسد یدنی و اصلاحی انفرادیت کی شان نمایاں ہے۔ منتخب و جمع کر کے اس کتاب میں خاص ربط و ہمنوات کے ساتھ مرتب و مددگار کیا گیا ہے۔

اب دوسرا طبعی طبع مع اضافہ تجسد یدہ و نظریہ ثانی شائع کیا جا رہا ہے  
مُرتب و مؤلف

حضرت عارف بالشرط اکبر محمد عبدالعزیز مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز

نَاشِر  
\* اَلْب مَنَزَل  
سَعَادَاتِ كِنِي

یاکین پبلشرز کراچی

(حسب الارشاد و عنایت خصوصی حضرت مؤلف مدظلہ العالی)

قیمت چالیس روپے

۱۳۰۰ھ ۱۹۷۹ء

سعید پبلیشرز

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝

فَالهَمَّهَا جُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۝

ترجمہ: اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا، پھر اس کی بدکاری اور ہینزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو القا کیا۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا، اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا۔ (سورہ الشمس)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت اول:

۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء عیسوی

باہتمام:

امتیاز الدین صاحب ادارہ اشاعت اسلام، ناظم آباد کراچی

اشاعت دوم:

محرم الحرام ۱۴۰۰ھ ہجری،

باہتمام:

محمد شاہد زکی عفی عنہ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی

کتابت:

سید امیر حسین شیرکوٹی، مجلہ رقم

(مطبوعہ ایجوکیشنل پبلسیشن پاکستان چوک کراچی)



U32625

## اَشَارَةُ مَضَامِين

# بصائر حکیم الامت

نہرت مضامین

تعارف عارفی مدظلہ

غانت تالیف

دیباچہ از سید سلیمان ندوی

باب ۱ — مختصر سوانح حیات و آداب سلوک

حالات و مصروفیات زندگی

آداب سلوک

باب ۲ — حقیقتِ طریق

باب ۳ — لوازماتِ طریق

باب ۴ — متعلقاتِ طریق

باب ۵ — بعضی اصطلاحاتِ طریق

باب ۶ — احوال کیفیاتِ دو سادس و خطرات

باب ۷ — اخلاقِ حمیدہ

باب ۸ — احیاءِ رذیلہ

باب ۹ — انتخابِ تربیتِ سالک

باب ۱۰ — مقالاتِ حکمت

۱. مسائلِ سلوک . عرفانِ حافظ

۲. احادیث سے استنباط . بعض مسائلِ عرفیت

۳. مدارفِ مشنوی . ملفوظات



# فہرست مضامین

## ”بصائر حکیم الامت“

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۷	تربیت گاہ باطن	۱۷	تعارف عارفی مدظلہ
۶۹	سیاست تربیت	۲۱	غایت تالیف
۷۵	مجاز بیعت کے لئے شرائط استعداد		حقیقت تصوف کا مکتشف اعظم
۷۶	مجاز بیعت	۲۵	مقدمہ از حضرت سید سلیمان ندوی رح
۷۹	مجاز صحبت	۳۳	مختصر سوانح حیات و آداب سلوک
۷۷	حقیقت اجازت بیعت	۳۴	حالات و مصروفیات زندگی
۷۸	اپنے طریق پر اطمینان و تشکر	۳۳	یومیہ نظم الاوقات
۷۹	حقیقت طریق	۵۲	آداب سلوک
۸۰	حقیقت الطریقہ	۵۵	حقیقت تصوف علم با عمل ہے
۸۵	شریعت	۵۷	شاہی سلوک
۸۵	شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت	۵۷	امریض باطنی کالاجواب علاج
۹۱	طریق کار	۵۸	غایت بیعت
۹۲	طریقیت	۵۹	عملی اصلاح
۹۲	طریقیت کی حقیقت	۶۰	بیعت میں مناسبت باہمی شرط ہے
۹۹	شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت	۶۱	چاروں سلسلوں میں بیعت
	کی تعریف اور ان کا باہمی تعلق	۶۲	بیعت لینے کا طریقہ
۱۰۱	تصرف و سلوک کی وضاحت	۶۳	سالکین طریق کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ہدایت
۱۰۳	علامہ سلوک		تربیت کے چند اصول
۱۰۲	مکتوب ملقب بہ روح الطریق	۶۵	بعض تعلیمی ضابطے
۱۰۵	مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق	۶۶	ادراہ و وظائف
۱۰۶	سلوک مستون	۶۷	

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۵۸	عامی فارغ کا دستور العمل	۱۰۶	حاصل طریق نصرت
۱۵۹	عالم مشغول کا دستور العمل	۱۰۷	مقاصد طریقت کے حصول کا دستور العمل
۱۵۹	عالم شارح کا دستور العمل	۱۱۴	مزید ہدایات
۱۶۶	طریق ذکر و اذکار تیس	۱۱۵	وفاحت تہجد پر سلوک
۱۶۹	بروقت کا معمول	۱۲۶	علامت مقربین
۱۶۹	ذکر جہل و جہنی کے معنی	۱۲۷	لوازمات طریق
۱۷۰	سلطان اذکار کے آثار	۱۲۸	عقائد کی اصلاح بنیادی ضرورت ہے
۱۷۰	ذکر شمار کے ساتھ اور بے شمار میں فرق	۱۲۸	اتباع سنت ہی مدار طریقت ہے
۱۷۱	ذکر میں دل نہ لگتا	۱۳۱	اتباع سنت کی برکت تکمیل سلوک میں
۱۷۲	ذکر کے نافع ہونے کی تہ و تہی شرط	۱۳۲	تصرف کی ضرورت اور اس کا رواج
۱۷۲	مقدار ذکر	۱۳۳	اصلاح باطن اور اس کے لوازمات
۱۷۲	انوار و کشف قابل التفات نہیں	۱۳۶	بیعت
۱۷۳	انوار ذکر	۱۳۶	اثبات بیعت اور اس کی حقیقت
۱۷۳	آثار ذکر	۱۳۸	شیخ مصلح و مہر طریقی
۱۷۴	ذکر سالی کی ضرورت	۱۴۰	صحبت شیخ کا فیض
۱۷۵	اسمائے مفردہ کا ذکر تو کہیں کسی	۱۴۱	صحبت اہل اللہ
	حجت سے منقول نہیں	۱۴۲	تصور شیخ
۱۷۵	ذکر سالی کو پاس انعام پر ترجیح ہے	۱۴۴	مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستثنیٰ نہیں
۱۷۶	ذکر کے وقت زبان کا بند ہونا گناہ گار	۱۴۵	بیعت کرنے میں عورتوں کا ہاتھ
	اور اس سے اسم مبارک کا ادا کرنا		ہاتھ میں لینا ناجائز ہے۔
	دونوں حالتیں محمود ہیں	۱۴۶	تقویٰ لازم طریق ہے
۱۷۶	نماز اور ذکر کے متعلق یہ خیال آنا کہ یاد	۱۴۶	ذو برحاضر میں اہل اللہ کی
	ذکر کی ضرورت نہیں اس کا نسبت		صحبت کی اہمیت
۱۷۷	نماز سے مقصود تسلی ذکر ہے	۱۴۷	متعلقات طریق
۱۷۸	ذکر اور نماز میں سترق کو ذکر میں	۱۴۸	دعاء
	بساطت ہے اور نماز میں ترکیب	۱۴۸	ضرورت دعاء
۱۷۹	ترک مستحبات کا انجمن اچھا نہیں	۱۵۰	قبولیت دعا اور اس کا طریق کار
۱۸۳	مسئلہ ذکر جہل و جہنی	۱۵۳	اذکار
۱۸۳	ریاضت و مجاہدہ کا بیان	۱۵۷	سالک کے لئے خاص اذکار اور
۱۸۴	ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت	۱۵۸	دستور العمل
			عامی مشغول کا دستور العمل

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۲۳	الہام حق	۱۸۷	مجاہدات دریاغات کی ضرورت
۲۲۴	خراب	۱۸۸	مجاہدے میں اعتدال
۲۲۶	ریاضت میں عنسوں کی ممانعت	۱۸۹	مجاہدہ و ریاضت کے اقسام
۲۲۶	فراست مومن	۱۹۳	مجاہدہ نفس
۲۲۷	بعض اصطلاحات طریق	۱۹۶	مجاہدہ ثانیہ
۲۲۸	اصطلاحات کی تشریح	۱۹۷	مجاہدہ ناعلمہ مفید بلاخطر
۲۲۸	اصطلاحات سے بے علمی مضر نہیں	۱۹۸	تخلیہ و تخلیہ
۲۲۸	قرب نوافل	۲۰۰	نازکسل کے ساتھ ادا کرنا بھی مجاہدہ ہے
۲۲۹	قرب شرافت	۲۰۱	مقاومت نفس میں سہولت کا طریقہ
۲۳۰	حقیقت قرب	۲۰۷	مراقبہ
۲۳۴	نسبت و مقام کی تفصیل	۲۰۲	ماہیت و حقیقت
۲۳۴	نسبت باطنی کی علامت	۲۰۳	مراقبہ محبت حق
۲۳۴	نسبت سلب نہیں ہوتی	۲۰۳	حدیث اَعْبُدُ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ
۲۳۵	سیر الی اللہ و سیر فی اللہ	۲۰۶	کا صحیح مطلب
۲۳۵	مقام فنا کی تحقیق	۲۰۶	مراقبہ موت
۲۳۸	فنائے اصطلاحی کی ترقی بقا سے ہوتی ہے	۲۰۷	مراقبات محض علاج ہیں
۲۳۹	طریق کا اول و آخر قدم فنا ہے	۲۰۸	تفکر
۲۴۰	تلوین و تمکین	۲۰۸	حقیقت تفکر
۲۴۱	اطمینان قلبی کی تفسیر	۲۰۹	تفکر کی ضرورت
۲۴۲	انوار و انوار کا مکشوف ہونا	۲۱۰	طریق فکر
۲۴۳	لطائف کے الوان و انوار	۲۱۱	فکر اور مراقبہ دونوں مطلوب ہیں
۲۴۴	غیر مقصود ہیں	۲۱۱	استغراق
۲۴۴	لطائف ستہ	۲۱۲	توجہ و تفرق
۲۴۴	تجلی ذاتی	۲۱۳	توجہ معارف کے متعلق
۲۴۵	علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین	۲۱۴	کشف
۲۴۵	وعدۃ الوجود اور وعدۃ الشہود	۲۱۴	حقیقت کشف
۲۴۶	مراتب لاہوت و جبروت و	۲۱۶	کشف و کرامات کی حقیقت
	ناسوت و لاہوت	۲۱۷	کرامت
		۲۱۷	کرامت سے متعلق تحقیق اہم
		۲۲۳	معارف و حقائق
		۲۲۳	الہام

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۷۸	علاج بعض اقسام قبض	۲۲۷	احوال و کیفیات مساویں و خطرات
۲۸۰	حالت بیہوشی و قبض	۲۲۸	احوال و کیفیات
۲۸۱	آثار بیہوشی	۲۵۱	نفسانی ملکات کی حقیقت
۲۸۲	آخرت کی پریشانی کا علاج	۲۵۲	عقلی و طبعی احوال میں فرق
۲۸۳	امور اختیاری و غیر اختیاری	۲۵۲	انفعال و افعال
۲۸۵	انتیاری و غیر اختیاری امور کی تفصیل	۲۵۳	امور طبیعہ فطری و غیر فطری
۲۸۷	بعض اوقات اختیاری و غیر اختیاری میں فرق معلوم نہیں ہوتا	۲۵۳	کامیابی و ناکامی کا استدلال
۲۸۸	غیر اختیاری فی نسبہ الاختیار	۲۵۴	کیفیات سے غلط ہے
۲۹۵	عوارض نمودہ و غیر نمودہ کا معیار	۲۵۶	کیفیات باطنی مطلوب نہیں
۲۹۶	غیر اختیاری امور میں نہیں ہیں	۲۵۷	حالت کا مقصود نہ ہونا
۲۹۷	امر علیہ اختیاری پر شبہ کہ جو اسباب	۲۵۸	احوال و کیفیات کا مضر ہونا
۲۹۸	مفروضہ تہمیل طریق سلوک ملقب ہے	۲۵۹	حالت کا یکساں نہ رہنا
۳۰۵	اسلمیل العاری فی السبیل	۲۶۰	اپنا ہر حال ناقص ہے
۳۰۶	شرف اعمال	۲۶۱	بد حالی کا علاج
۳۰۷	ذرات کے لئے عبادت ضروری ہے	۲۶۲	قلب میں سختی کی حقیقت
۳۰۸	تفصیل	۲۶۲	عقلی اور اعتقادی قرار مطلوب ہے
۳۰۹	حدیث النفس	۲۶۳	ذکر طبعی
۳۱۱	حدیث نفس کا غلبہ کا علاج	۲۶۴	حالت شوق و افس
۳۱۳	یکسوئی	۲۶۵	شوق و افس میں فرق
۳۱۴	یکسوئی کے اقسام	۲۶۵	ذوق و شوق مطلوب نہیں
۳۱۵	وساوس و خطرات	۲۶۶	افس مع احمق کا اثر
۳۱۶	وساوس و خطرات اور ران کا علاج	۲۶۷	حالت رفیعہ
۳۱۷	وساوس کا علاج	۲۶۸	آثار محمودہ
۳۲۳	وساوس نکالنے کی تدبیریں	۲۶۹	حالت محمودہ کا باقی نہ رہنا مضر نہیں
۳۲۴	وساوس کا سہل و سہل علاج	۲۷۰	نزول تجلی
۳۲۵	ذکر الیقین و ارفع و ساوس ہے	۲۷۰	آثار نزول
۳۲۸	خاطر	۲۷۱	قبض و بیض
۳۲۹	شک اور تردد کا علاج	۲۷۲	منافع قبض
۳۳۰	عزیز بقدر خاص محاسبہ ہے	۲۷۳	تفسیر کی حکمتیں
		۲۷۴	قبض کی مبارک حالت

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۵۸	خوف درجا کی حالت	۳۳۱	خوف اور احتیاط کی بھی حد ہے
۳۵۸	حقیقت تو واضح	۳۳۱	موت سے ڈر ضعف قلب کی وجہ سے ہے
۳۶۰	تواضع اور بغض فی اللہ	۳۳۲	دوسرے کا علاج مسنونہ
۳۶۱	فلانہ تواضع و وسعتِ رحمت و عظمت حق تعالیٰ	۳۳۳	اخلاقِ حمیدہ
۳۶۲	اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا	۳۳۴	حقیقتِ نفس - تشریح
۳۶۳	حقیقتِ شکر	۳۳۵	حقیقتِ اخلاق
۳۶۵	صبر و شکر و غمبیرہ	۳۳۵	نیت و حقیقتِ نیت
۳۶۵	حقیقتِ صبر	۳۳۶	نیت و ارادہ
۳۶۹	بیماری میں اضطراب کا ہونا خلاف صبر و توکل نہیں	۳۳۶	احتمال
۳۷۰	تواضعی باحق و تواضعی بایصبر	۳۳۷	حقیقتِ اخلاص
۳۷۱	حقیقتِ توکل	۳۳۸	عدمِ اخلاص کا شبہ اور اس کا علاج
۳۷۱	اسام و احکام توکل	۳۳۹	تحدیثِ بالنعمة
۳۷۲	حقیقتِ تفویض	۳۴۰	حقیقتِ صدق
۳۷۵	طریق کار	۳۴۱	حقیقتِ تقویٰ
۳۷۶	طریق حصول	۳۴۲	حقیقتِ عبدیت
۳۷۶	تفویض عقلی مطلوب ہے	۳۴۳	علامتِ عبدیت
۳۷۷	منصوص دعاؤں کا اثر نہ ہونا اس میں عبدیت	۳۴۴	حقیقتِ محبت
۳۷۷	و تفویض کا امتحان ہے	۳۴۵	حصولِ محبت کا طریقہ
۳۷۷	توکل و تفویض میں فرق	۳۴۶	وصولِ بطریقِ جذب
۳۷۸	جمیعت و تفویض	۳۴۷	محبتِ الہی کا غلبہ
۳۷۸	اپنی رلے اور تجویز کے نفاذ کرنے کے برکات	۳۵۰	حُبِ حق و حُبِ نبوی میں تلازم
۳۷۹	تفویض ترک اعراض علی الحق ہے	۳۵۱	حقیقتِ خشوع
۳۸۰	رضا	۳۵۲	طریقِ خشوع فی الارادہ
۳۸۰	رضا کی حقیقت	۳۵۳	طریقِ خشوع فی الاعمال
۳۸۲	رضا بالقضاء	۳۵۵	حقیقتِ خوف
۳۸۳	حقیقتِ زہد	۳۵۶	خوفِ مطلوب اور اس کی ضرورت
۳۸۵	حقیقتِ توبہ	۳۵۷	طریق کار
۳۸۵	ضرورتِ توبہ	۳۵۸	رجا
		۳۵۹	حقیقتِ رجا
		۳۶۰	رجا کے درجات

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۱۲	حقیقت کبر	۳۸۶	طریقہ توبہ
۴۱۲	کبر کے اقسام اور ان کا علاج	۳۸۹	توبہ کی حد
۴۱۴	کبر کا علمی و عملی علاج	۳۹۲	توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ
۴۱۸	حجاب اور کبر میں فرق		ملے تو اس کے لئے توبہ ہی سے
۴۱۸	انقباض کبر نہیں		حقوق العباد معاف ہو جائیں گے
۴۱۹	عجب کا علاج	۳۹۳	اعتقاد عدم قبولیت توبہ کا مذموم ہونا
۴۲۰	خورد بینی و بد بینی کا علاج	۳۹۳	بالاسحار ہم بستخرون
		۳۹۴	رضائے الہی معلوم کرنے کی صورت
۴۲۱	حقیقت شہوت	۳۹۴	اصل طریق عبدیت
۴۲۴	عشق مجازی	۳۹۵	عبدیت کا مقصود
۴۲۴	عشق مجازی کی مضرت سے		
	بچنے کی ترکیب	۳۹۷	اخلاق رذیلہ
۴۲۶	حسن پرستی	۳۹۸	رذائل فلسفی چیزیں ہیں
۴۲۸	معاجبہ	۳۹۸	اخلاق ذمہ کا امالہ
۴۲۹	رغبت انظرارہ الی الایسنبیہ	۳۹۹	اخلاق ذمہ کا علاج
	کا علاج	۳۹۹	کسی گناہ کو سفیرہ سمجھ کر کرنا جہل ہے
۴۳۰	بد نظری کی شکایت پر دعا کی درخواست	۴۰۲	موصیت کو مفسر نہ سمجھنا
۴۳۱	حسن کو دیکھنا اختیار ہی ہے		شیطان کی کید ہے
۴۳۱	بد نظری کا علاج	۴۰۳	نفس کے مکائد کی تحقیق
۴۳۱	گائے بجانے کی طرف میلان	۴۰۵	ایک ایسا راقبہ جس سے اپنے
	ہونے کا علاج		عیوب نظر آئیں
۴۳۲	حقیقتِ ریا	۴۰۶	حقیقتِ دنیا
۴۳۳	طاعات میں رضائے خلق کا مقصود	۴۰۷	حُبِ دنیا
	ہونا ریا ہے	۴۰۸	حقیقتِ حُبِ جاہ
۴۳۳	ریا کے خیال سے نیت کا بد نہنا مقبر نہیں	۴۰۹	حُبِ دنیا اور حُبِ جاہ کا علاج
۴۳۴	ریا میں قصد کو بدل لینا کافی نہیں بلکہ		
	اس کا استحضار ضروری ہے۔	۴۰۹	حُبِ مال
۴۳۵	آفاتِ لسانی	۴۱۰	حُبِ مال کا علاج
۴۳۵	گالی دینا		

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۵۴	حقیقتِ حرص	۴۳۵	لعنت کرنا
۴۵۵	کس کے پاس اچھی چیز دیکھ کر	۴۳۵	دل لگی اور متحیر کرنا
	دل چاہنے کا علاج	۴۳۶	چغنی خوری
۴۵۶	اثراتِ نفس	۴۳۷	مدحِ سرائی
۴۵۶	برگمانی کا علاج	۴۳۷	کذب (جھوٹ)
۴۵۷	تصفیہٴ نفس و قلب	۴۳۸	جھوٹ کا علاج
۴۵۸	حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزیں	۴۳۹	ردکھی یا گرخت بات کرنا
	نفرت ہو جانا محمود ہے	۴۴۰	فضول گوئی کا علاج
۴۵۹	انتخاب از تربیتِ السالک	۴۴۱	زبان پرست ابونہ ہونے کا علاج
	نافعیتِ تربیتِ السالک	۴۴۱	لغو عمل کی بے برکتی
۴۶۰	تربیتِ السالک کے جو ابیات	۴۴۲	ذکر اللہ سے نفعِ جس کا تدارک
۴۶۱	کا الہامی ہونا	۴۴۳	غیبت
۴۶۲	منتخب مضامین	۴۴۳	غیبت کا علاج
۴۶۲	طریق الواصل الی اللہ بعدد الفاس الخلاق	۴۴۴	غیبت کا ایک عجیب علی علاج
۴۶۴	قول عن عرفۃ نفسہ فقد عرف ربہ کی شرح	۴۴۵	غیبت اور بسیار خوری کا علاج
	تصور حق خود مقصود نہیں ذریعہ مقصود ہے	۴۴۵	غیبت کے وقت کلام سے
۴۶۶	حضور کی شدتِ سکرات کا راز		رکنا سکتا حسن ہے
۴۶۶	عدم ایمان کی حقیقت	۴۴۶	حقیقتِ غضب و غصہ
۴۶۷	فرق دعویٰ و تحدیث بالنعیۃ	۴۴۸	غصہ کا علاج
۴۶۸	ایمان کے معنی پر شبہ کا ازالہ	۴۴۹	حقیقتِ بغض و کینہ
۴۶۹	نجاتِ اعمال پر ہے ایمان پر نہیں	۴۵۰	حقیقتِ حسد
	اس کا جواب	۴۵۱	طریق کار اور علاج
۴۷۱	غیر مؤمن ہونے کا شبہ	۴۵۲	کبر اور حسد کا علاج
۴۷۱	اتباع سنتِ نعمتِ عظمیٰ ہے	۴۵۲	حقیقتِ اسراف
۴۷۳	اتباع سنتِ صبرِ مصالح پر غالب ہے	۴۵۳	حقیقتِ تجسس
۴۷۳	صدورِ اعمال کے وقت ایک قسم کی	۴۵۳	تجسس کا علاج
	نورانیت محسوس ہونا نعمتِ عظمیٰ ہے		

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۸۶	دوام عمل کی حقیقت	۴۸۴	حدیث لاخیر من لا یألف ولا یؤلف
۴۹۰	نازد ذکر کو یکسوئی سے محروم رکھنا اس		پر شبہ اور اس کا جواب
	رحمت میں بھی حکمت ہے	۴۸۵	تخیلات کے هجوم کا علاج
۴۹۰	نازد ذکر میں هجوم خیالات غیر اختیارات ہیں	۴۸۶	درد و شریف چھوٹا ہونا یا بڑا پڑھنا بہتر ہے
۴۹۱	بے تدبیری بھی تدبیر ہے		جس میں دلچسپی ہو
۴۹۱	معمولات میں فرق پڑنے سے قلق طبعی	۴۸۷	زیادت انجذاب الی الشیخ بہ نسبت انجذاب
	مضر نہیں		الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
۴۹۲	شکایت الی اللہ مذموم نہیں	۴۸۸	عافیت طلب کرنا تفویض و رضا کے
۴۹۳	امراض روحانی کا علاج		خلافت نہیں
۴۹۴	باوجود اپنے کو حقیر جاننے کے جب کسی میں	۴۸۹	تحقیق تو قدر و تعدد نسبت باطنہ
	عیب نظر آتا ہے تو اپنے کو اچھا	۴۹۰	عذر کی وجہ سے نادمہ کا بدل مجاہدہ نظر آ رہی
	خیال کرنا۔ اس کا علاج		یعنی تشویشات وغیرہ ہیں
۴۹۴	نفس کے کسی مشتبہ رذیلہ کا خود علاج	۴۹۱	ناز جماعت پر آمادہ کرنے میں
	تجویز کرنا مبتدی کے لئے مفید		سخن کا علاج
	نہ ہوگا۔	۴۹۲	آرام کی چیزوں سے بے رغبت نہ ہونا چاہئے
۴۹۶	اپنے کو کسی مقام خاص کا مستحق سمجھنا	۴۹۲	موت سے خوف دراصل حق تعالیٰ سے
۴۹۷	تفادلت نماز فرض و نفل		خوف ہے
۴۹۸	عمل میں زیادہ کاوش کرنا غلطی ہے	۴۹۲	بروقت موت عذاب کا ڈر اس میں شان
۴۹۹	ریلے خیال سے عمل ترک کرنا شیطان کا خیال ہے		عظمت باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلانا،
۴۹۹	معمولات میں پابندی نہ ہو سکتا	۴۹۳	رضائے حق کو مقصود سمجھنا بڑی دولت ہے
۵۰۰	خیالات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے	۴۹۵	اعمال میں بے توجہی کا علاج
۵۰۱	ارادہ اور نیت کا بھی اجبر ملتا ہے	۴۹۶	غیر واجب کا ترک شیطانی نہیں
۵۰۱	ادلہ اور فکر معاش بھی طاعت ہے	۴۹۶	بوقت گرائی طبع عبادت میں اجسر
۵۰۲	خلافت طبع امر کے لئے یہ سمجھنا کہ اپنے سے خاص		زیادہ ملتا ہے
	کا نتیجہ ہے۔	۴۹۷	مسائل ان طبع میں تغیر پیدا ہونا موجب غم نہیں
۵۰۳	حفاظت مال کا عبادت ہونا	۴۹۷	رفع تقاضا رض در نگیر بران مقام
۵۰۶	ناز میں ذکر قلبی کے موجود ہونے میں		و دلتہ ان مقام
	کوئی مضائقہ نہیں	۴۹۹	اپنی حالت کا نقص سمجھنا اور تادیل کو
۵۰۶	غیر اختیاری اور کا تدارک		منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے
۵۰۷	آثار رضا	۴۹۹	خفیت فکر یہ بھی دشمنہ اجبر ہے



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۲۱	باطنی احوال کے حصول میں عجلت کی مذمت	۵۰۸	تنگی رزق کے لئے غلام کو وظیفہ جائز ہے
۵۲۱	منہی کو بھی بکر شیطان سے غافل نہ رہنا چاہئے	۵۰۸	لوگوں سے تکلیف پہنچنے پر چین نہ آنا
۵۲۲	صدر لغزش پر اللہ تعالیٰ کا اپنے مجتہدین سے معاملہ	۵۰۸	معصیت نہیں
۵۲۲	ذاتِ صفات میں اتباعِ ظن کی مذمت	۵۰۸	حالات اور کیفیات کا انتظار بیکار ہے
۵۲۲	خشوع حاصل کرنے کا سہل طریقہ	۵۰۹	عوارض نفسانی کا علاج
۵۲۳	ذکر سے طلب کا اطمینان	۵۰۹	اتباعِ شریعت کی نیت سے ہونا چاہئے
۵۲۳	شرعی احکامات کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے	۵۰۹	ذکر وارد کی نیت سے
۵۲۴	عزالت کا شرط وصول ہونا	۵۱۰	صبر کی دعا، بلا کی دعا ہے
۵۲۴	ترغیبِ صحبت فقراء و اہل اللہ	۵۱۱	امور دنیویہ کے فنا کا استحضار ان کی نیت کا علاج ہے
۵۲۴	مال و جاہ کی کثرت مقبولیت کی علامت نہیں	۵۱۲	موجودہ نعمتوں پر شکر نہ کرنا بھی موجب سلب ہو سکتا ہے
۵۲۵	سالک کو اپنے مقام کا دھوکا	۵۱۳	دالود کے لئے طولِ حیات کی دعا کرنا
۵۲۵	سالک کے غدر کے قبول و رد کا ناز	۵۱۳	اجلِ مستحق کے خلافت نہیں
۵۲۶	الہامِ کاشفوت	۵۱۴	طبیعت میں تعطلِ حالتِ یقین ہے
۵۲۶	اہل اللہ کے قلوب کو مضبوط کیا جانا	۵۱۵	اصلاحِ حال انکشاف پر موقوف نہیں
۵۲۷	حقوق و اسطیٰ نعمت کی دلیل	۵۱۵	ناز میں غیر ناز کا خیال ضرور قائم نہیں
۵۲۷	اہل دنیا کا توحیدِ فالص سے انقباض	۵۱۷	صرف مجھ کو اعلیٰ عاقبت دارین کرنا
۵۲۸	احادیث سے استنباط	۵۱۷	خلافت سنت ہے
۵۲۸	علوم و بہی	۵۱۹	انتخاب از صد پند اشرف
۵۲۸	عادتِ جلد	۵۲۱	مکتوبِ ملقبہ پر الیم فی التسم
۵۲۸	ناز میں وسوسوں کا علاج	۵۲۲	غلبہٴ ہیبت کے وقت کا مراقبہ
۵۲۹	علاج برائے دفعِ وسوسہ	۵۲۹	مقالاتِ حکمت
۵۲۹	ناز میں حضورِ قلب	۵۳۰	مسائل الشلوک
		۵۳۰	توحیدِ کامل
		۵۳۰	معرفة و حجاب
		۵۳۱	توحیدِ افعال
			صفات و ذات

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۴۱	دعا میں کہنا کہ اپنے اولیاء کے صدقہ	۵۴۰	ایشاد در فضائل
	اس میں شبہ خیر منقول ہونے کا	۵۴۱	نجات کے لئے عمل شرط ہے، بزرگوں
	اور اس کا جواب		کی نسبت کافی نہیں۔
۵۴۲	مسرت عقلی علامت ایمان ہے	۵۴۱	اہل طریق سے توسل کرنا
۵۴۴	گذشتہ دنیوی کامیابی یاد آکر دل کا	۵۴۲	بزرگوں کو خوش کرنے کے لئے خدمت
	برابر ہونا مذموم نہیں		کرنا بیاہ نہیں
۵۴۵	جو کثرت کلام ناشی ہے انبساط و	۵۴۳	اکا بیکہ بھی اپنی اصلاح سے
	انقباض عن الخلق سے خود لغت		غافل نہ رہنا چاہئے۔
	مستقلہ ہے		معارف مقنوی
۵۴۶	رموخی کے انتظار کی ضرورت نہیں	۵۴۴	عرفان حافظ
	اگر قصد تقادمت میں		بعض مسائل طریقت
	کامیابی ہو	۵۴۳	طوائف بستہ کی تحقیق
۵۴۷	حصول نسا کا طریقہ	۵۴۳	مشاہدے کی حقیقت
۵۴۹	طریق باطن میں اشتیاق و تلبیس	۵۵۵	لذت روحانیہ لذت نفسانیہ
۵۵۰	کامیابی کے لئے طلب شرط ہے	۵۵۶	میں ذوق
۵۵۱	غلامی کے تین حق ہیں	۵۵۷	اخلاق رذیلہ کا امانہ
۵۵۳	عبادت میں غلو منع ہے	۵۵۹	کبر کی علامات اور ان کا علاج
۵۵۴	قبض شدید مقام عبدیت کے حصول	۵۶۳	نفس کے میلان معصیت کی وجہ
	کا بہت بڑا سبب ہے	۵۶۴	ہر وقت نفس کا جائزہ لیتے رہنا
۵۵۵	سلطان الاذکار		ضروری ہے۔
۵۵۶	البیعة فی حد البیعة	۵۶۴	طریقتہ اصلاح نفس
۵۵۸	سب مصائب کا گناہ کا نتیجہ	۵۶۶	مجاہدہ دائمی کی ضرورت
	نہیں ہوتے	۵۶۹	قبول ذکر کی علامت
۵۶۱	تکالیف کا تحمل نہ ہونا ضعف ایمان	۵۷۱	دعا میں واحد کے صفیے میں الحاح
	کی دلیل نہیں		زیادہ اور صیغہ جمع میں شرکت
۵۶۳	حصول نشور کا اہتمام تکالیف		کا ثواب ہے۔ غلبہ کیفیت کا
	مالا لیطاق ہے		اعتبار ہے۔
۵۶۳	تدکبیر لغت		
۵۶۴	علم ذات کا داعیہ عین ایمان ہے اور		
	اس کی تمنائیں مطلوب		

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۱۷	علم کے بر نسبت عمل زیادہ قابل اہتمام ہے	۵۹۱	تشبیہ و تنزیہ میں فرق
۶۱۷	مصائب مجاہدہ غیر اختیاری ہیں	۵۹۷	تشبیہ کا مسلک بے حد خطرناک ہے
۶۱۸	مصائب کا راز		بخلاف تنزیہ کے، ولیکن تنزیہ
۶۱۹	معصیت بڑی ہلک چیز ہے		محض بھی تشفی بخش نہیں۔ اس کے
۶۱۹	اللہ نسلے کی رضا حاصل کرنا ہی		معلق تحقیق عجیب
	دافع پریشانی ہے		
۶۲۰	ناکامیوں پر عدم سکون کا علاج	۶۰۵	ملفوظات
۶۲۰	عشق کی حقیقت تفویض ہے	۶۰۵	تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے،
۶۲۱	نماز میں حضور قلب کی ترکیب		اس کا ثبوت
۶۲۲	کاملین پر بھی غلبہ حال ہوتا ہے	۶۰۶	علم دین ہی معتمد اخلاق سے
۶۲۳	انسان اسی قدر عمل کا مکلف ہے	۶۰۶	علم دین کے ساتھ اخلاق کی تقسیم
	جس قدر اس کے ارکان میں ہو	۶۰۷	ایک حدیث جامع ایمان و اعمال
۶۲۳	نعمتوں کا تدارک	۶۰۷	ایمان ظاہر و باطن
۶۲۴	اپنے گناہوں پر توبہ کو بیکار سمجھنا	۶۰۸	حقیقت ایمان
	حماقت ہے	۶۰۹	حقیقت عبدیت
۶۲۵	نفس و شیطان کے خطرات	۶۰۹	اتباع رسول
	میں مشرق	۶۱۰	تعلق مع اللہ ہی دوائے غم و مصائب ہے
۶۲۵	دروہ ایسی طاعت ہے جو کبھی	۶۱۰	غیرت و حیا
	رہ نہیں ہوتی	۶۱۱	سالک کو ثمرات کی ہوس نہ چاہئے
۶۲۶	رخصت و عزیمت پر عمل	۶۱۱	جاہ عبد الخلق و جاہ عبد الحق
۶۲۶	حیات طیبہ کا راز	۶۱۲	تلقین کی صلاحیت کا انداز
۶۲۷	اپنے انجام کی کسی کو خبر نہیں	۶۱۳	کیفیت باطنی مقصود نہیں دوام عمل مقصود ہے
۶۲۸	اعمال پر جب ترا	۶۱۳	سالک و غیر سالک کی حالت میں مشرق
۶۲۹	بندے کا کام صرف اللہ کو	۶۱۴	وصول کا اسرار طریقہ
	راضی کرنا ہے	۶۱۵	محققین کی نظر میں ہر چیز آئینہ جمال الہی
۶۲۹	حرفِ آخر		ہی جاتی ہے
		۶۱۵	انعامات الہیہ کا صحیح استعمال
			ذنیوی ثروت کے ساتھ بھی
		۶۱۶	زہد جمع ہو سکتا ہے
		۶۱۶	طلب جاہ حماقت ہے

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ عَرْضِے نَاشِرِے

حضرت عارف یاشہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مظاہر العالی خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز نے کئی قابل قدر کتابیں تصنیف و تالیف فرمائی ہیں جن میں اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم: "ناشر حکیم الامت" اور "ذریعہ نظر کتاب بصائر حکیم الامت" خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کو بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے۔

"بصائر حکیم الامت" جو فن تصوف پر ایک معرکہ آرا کتاب ہے جو نہ صرف شائقین تصوف کے لئے بلکہ ہر مسلمان کے لئے بھلائی اور کارآمد ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ نے حکیم الامت کے مجددانہ و مصلحانہ مضامین تصوف و سلوک کا انتخاب مقرر مگر جامع طریق پر اس کتاب میں بہایت حسن ترتیب پیش کر کے ایک عظیم خدمت انجام دی جس کا اعتراف وقت کے مقتدر علماء نے بھی کیا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند نے اسے اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:۔

سیدی خدمت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ لوقہ تخلص نے جو علمی و عملی کمالات عطا فرمائی اور تصوف کے مقام بلند پر نائز فرمایا۔ وہ تو طالب علمی کے زمانے ہی سے معروف و مشہور اور آپ کے ساتھ کرام کی نظر میں سچا سچ اس کی برکت سے حق تولد نے اپنی معرفت کاملہ اور امور دین کی فاعل ہونے اور امت سے نوازا اور اصلاح امت کے ساتھ جو بغیر اذہ شغف اور اصلاح کی آسان اور موثر تدبیریں اختیار فرمائی ہیں۔ اللہ آپ کو عطا ہو میں وہ ایسی چیز ہے جو امت میں خاص خاص ہی حضرات کو نصیب ہوتی ہیں۔

آپ کی تصانیف، مواعظ، ملفوظات پڑھنے والے ہزاروں سالوں کی زندگیوں میں ان سے خاص دینی انقلاب پیدا ہوا، ہر جگہ بر طیقہ میں مشاہدے میں آیا جس کو دیکھتے ہوئے آپ کو اس قدر نادم و محذور امور میں اللہ سمجھا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں۔ مگر حضرت کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات جو شائع ہو کر منظر عام پر آئے ہیں ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ ان سب کو خرید کر جمع کرنا پھر ان کو پڑھنا ہر کسی کے لئے آسان نہیں۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت کی محدودانہ تعلیمات و ارشادات میں سے زیادہ اہم چیزوں کو منتخب کر کے عوام کی آسان زبان میں شائع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی بہت سی کتابیں حضرت کی حیات سے لیکر اب تک پڑھی تعداد میں شائع ہو چکی ہیں (بصائر حکیم الامت)۔ اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو تصوف و سلوک کے ہر گہر مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے (

اس وقت کراچی میں حضرت کے نقشبند قدم پر کام کرنے والے محترم اخی فی اللہ حاجی ڈاکٹر عبدالحی صاحب مجددانہ افادہ خلق میں مشوارہ کلام کر رہے ہیں۔

محترم مولانا محمد احمد صاحب پھول پوری (الآبادی) مدظلہ، جو حضرت مولانا شاہ  
فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے ایک برگزیدہ بزرگ ہیں اور علوم ظاہری  
و باطنی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بدرجہ کمال متصف فرمایا ہے اپنے ایک مکتوب میں حضرت ڈاکٹر  
صاحب کو تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت کا ہدیہ مبارک بصائر حکیم الامت مدخل کر دلی مسرت کا باعث ہوا۔ حضرت کی محبت  
میرے لئے اللہ پاک کی عظیم نعمت ہے، اللہ پاک حضرت کے درجات بلند فرماتے رہیں اور صحت اور  
قوت کے ساتھ مدت دراز تک حضرت کا فیض جاری رہے۔ کتاب اسوۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
اور بصائر حکیم الامت، امت کے لئے عجیب و غریب چیز ہے۔ حضرت کی دونوں کتابیں بعد شوق پڑھنا  
ہوں مجلس میں کبھی سناتا ہوں۔ بصائر بھی مجلس میں سنائی خود بھی الحمد للہ بہت متاثر ہوا اور اہل مجلس بھی بہت  
متاثر ہوتے۔ عجیب و غریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے حضرت سے ایسا مبارک  
کام لیا امت کے لئے، طالبین و سالکین کے لئے عجیب چیز ہے۔ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا  
فرمائیں۔

بصائر حکیم الامت کا یہ دورہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن ہدیہ ناظرین ہے۔ یہ کتاب فن  
نصرت و سلوک میں موجودہ ترتیب کے ساتھ ایک منفرد درجہ رکھتی ہے۔ مندرجہ بالا اعلیٰ محترم  
کی آراء کے پیش نظر اس کتاب کی افادیت کے بارے میں ہمارا کچھ مزید لکھنا لا حاصل ہے  
بہر حال اس مبارک کتاب کی طباعت اور اس کی ظاہری خوبوں کو اس کی باطنی خوبیوں کے  
شایان شان کرنے کے لیے ہم نے ہر امکانی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک  
کتاب سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

ناشر

ادب منزل کراچی  
یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

# تعارف عارفی مدظلہ

حضرت ڈاکٹر شاہ محمد عبدالحی صاحب عارفی مدظلہ العالی محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عارف کے ساتھ متعارف بھی بنایا ہے۔ خصوصاً موصوف کی تالیفات "اسوۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" اور "ماثر حکیم الامت" کو جو خواص و عوام میں مقبولیت نصیب ہوتی اس سے انہیں مصنفین کی صف میں ایک ممتاز مقام ملا اور ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ تاہم کسی بزرگ اور عظیم شخصیت کی سیرت و تعلیم پر روشنی ڈالنے والے کے متعلق یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس شخصیت عظیمہ سے کس نوعیت کا تھا اور وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اس میں اس کے ذاتی مشاہدات اور معلومات و تاثرات کا کتنا حصہ ہے؟ خصوصاً شعبہ تصوف و سلوک کے بارے میں یہ سوال زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ایک نازک اور اہم طرہ ہے، اور اس کے متعلق ایک شیخ و مصلح کی خصوصیات اور اس کے اصول تعلیم و تربیت سمجھنے کے لئے تذکرہ نگار کو اس کے ساتھ مناسبت و ہم ذوقی ہونا لازم ہے اگرچہ قلب مصاحبت، قلبت مناسبت کی دلیل نہیں۔ مگر طول مصاحبت، قوت مناسبت کی ایک علامت یقیناً ہے، اس لئے کسی شیخ کامل خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے جیسے مجدد وقت کے اصول تعلیم و تربیت کے متعلق اگر ایسا شخص روشنی ڈالے جو مدت دراز تک اپنے قلب کو اس کے فیضان نور سے مشور کرتا رہا ہو تو اس کے بیان کا وزن یقیناً اہل نظر کی نگاہ میں زیادہ ہوگا۔

عرفان کی جو موجیں ذہن و دماغ سے براہ قلب باہر آتی ہیں وہ دوسروں کے قلب و ذہن کے لئے انقلاب انگیز ہوتی ہیں۔ صرف دماغی موجیں آپ عرفان کے طالبوں کی پیام نہیں بجا سکتیں۔ اس لئے اس موقع پر یہ بتانا بلکہ صحیح تر الفاظ میں جتنا مناسب

معلوم ہوا کہ حضرت عارفی کا تعلق حضرت حکیم الامت سے کتنا قوی اور مدید رہا ہے اور حضرت مؤلف کتاب ہذا میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ دیدہ ہوتا ہے نہ کہ شنیدہ۔

حضرت عارفی مدظلہ کے آبا و اجداد کا وطن مالوٹ ضلع اٹارہ (یوپی۔ انڈیا) تھا۔ اور ان کا تعلق ایک معزز اور شاہی زمانے کے صاحب منصب خاندان سے ہے۔ حضرت عارفی مدظلہ بمقام کدورہ ریاست باؤنی (ضلع جھانسی، یوپی) محرم ۱۳۱۶ھ مطابق جون ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے جد امجد مولوی کاظم حسین صاحب صدیقی اپنے زمانے کے علوم عربی و فارسی کے بڑے مستند عالم تھے اور موصوف کو سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر صاحب مجددی دہلوی سے شرف بیعت حاصل تھا اور اپنے پیرومرشد کے مخصوص وابستگان میں سے تھے۔ حضرت عارفی نے اپنی ابتدائی عربی کی معمولی تعلیم اور ادب فارسی میں سیر حاصل تعلیم اپنے جد امجد سے حاصل کی اور ان کے فیوض باطنی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پھر انگریزی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی تو ابتدائی تعلیم کانپور میں پانی پھر علی گڑھ کالج سے بی اے پاس کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی سند حاصل کر کے دس سال تک ضلع ہردوئی میں وکالت کرتے رہے۔ یہ پیشہ موصوف کے مزاج فطری سے مناسبت نہ رکھتا تھا، اس لئے افتاد طبع کے تقاضے سے وکالت ترک کر دی اور اپنے ذریعہ معاش کے لئے ۱۹۳۶ء سے ہومیوپیتھی طریقہ علاج کو اختیار کیا اور ۱۹۳۶ء تا ۱۹۵۰ء جو نیور میں مطب کرتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۰ء میں کراچی آکر مطب کرنے لگے اور یہی سلسلہ اب تک جاری ہے۔

۱۹۲۷ء میں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد شرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

سے شرف بیعت حاصل ہوا اور ۱۹۳۶ء میں خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت حکیم الامت کی آخر حیات تک تقریباً ۱۷ سال تعلیم و تربیت اور اخذ فیوض کا روحانی سلسلہ جاری رہا۔

اس مدت دراز میں مجموعی طور پر برسوں مکاتبت، مجالست و مصاحبت کی نعمت سے بہرہ اندوز ہوتے۔ اس طویل مصاحبت کا اثر واضح کرنے کے لئے جناب مسعود حسن صاحب مرحوم کا ایک تاثر بطور مثال کتاب "ماثر حکیم الامت" سے نقل کر رہا ہوں مرحوم جنہوں نے مدت دراز تک حضرت عارفی مدظلہ سے استفادہ کیا تھا اپنا مشاہدہ و تجربہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کو حضرت مجدد وقت حکیم الامت قدس سرہ کے ملفوظات و مواعظ کے ان حصوں کو بھی جو ایک حد تک عالمانہ ہوتے ہیں، عام فہم اور سادے الفاظ میں بیان فرما کر عتدہ کشائی فرماتے ہیں یہ طویل حاصل ہے جو صرف سننے ہی سے اور تجربے ہی سے سمجھ میں آ سکتا ہے اس کا الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے :-"

بلاشبہ حضرت عارفی مدظلہ صحیح معنی میں اس کے حقدار ہیں کہ مینخانہ اشرفی کی بادۂ عرفان کی سبیل لگاتیں جس کا ماشا اللہ سلسلہ جاری ہے۔ مناسب ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ایک ممتاز خلیفہ حضرت علامہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ نقل کر دوں جو موصوف نے حضرت عارفی مدظلہ کی مشہور تصنیف "ماثر حکیم الامت" پر تحریر فرمائی تھی۔

"خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کہے یا ایک دکان معرفت، اس کے دورِ بر اوّل کا تذکرہ ہی بزرگوں سے سُننا۔ البتہ دوسرے دور میں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی مجلس کو بھولنا آنکھوں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔"

۶ نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

اس مجلس کے جریدہ نوش ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور بھولنا اب تک بھی بہت سے موجود ہیں۔ کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب برکاتہم



کو حق تعالیٰ نے حضرت سے بچپن و وجودِ خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا۔ خلیفہ مجاز تو بچہ اللہ اور بھی ہیں مگر شیخ کارنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہو کرتے ہیں۔ ہمارے محترم خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے فرمایا تھا

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں جلا کردہ دستِ دلدار ہوں میں

اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ عن غیر حق سے محفوظ رکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب صاحب کا یہ شعریا آیا کرتا ہے اور حیب ان کو دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈوی کا مصرع بھی زبان پر آجاتا ہے،

ع ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانے میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ العزیز کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چن لیا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپ کے فیوض و برکات سے نفع عطا فرمائیں۔ فقط

ترانہ

یکے از خدام حکیم الامت قدس سرہ العزیز

احقر العباد

محمد اسحاق صدیقی (سندیوی) ثم لکھنوی عنی

سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوہ لکھنؤ

حال مشرف

شعبہ تخصص فی الدعوة والارشاد

درسہ اسلامیہ - بنوری ٹاؤن

کراچی نمبر

یکم ذیقعدہ الحرام ۱۳۹۷ھ

۳

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء

## غایتِ تالیف

پیش نظر کتاب "بصائر حکیم الامت" تصوف و سلوک کے موضوع پر حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی تھانوی مدنی کے محققانہ و مجددانہ منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔

مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح مسائل تصوف و سلوک کو اپنی مصلحانہ جدوجہد و توجہات خصوصی کامرکز بنا لیا تھا اور اپنی متعدد تصانیف اور اکثر و بیشتر مواعظ و ملفوظات کے ذریعے سے کس طرح اس کی حقیقت و غائت اور اہمیت و ضرورت کو واضح کیا ہے اور کس طرح طریقت کو دین مبین کا ایک اہم شعبہ ثابت کرتے ہوئے اس طریق کے اختیار کرنے والوں کے لئے جن شرائط کا لازم ہونا اور حصول مقاصد کے لئے جن ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے اس کی وضاحت فرمائی ہے اصطلاحات طریق کی کس طرح عام فہم تشریح کی ہے، اور باطنی احوال و کیفیات رموز و اسرار و معارف و حقائق کی کس بصیرت افزا انداز سے عقدہ کشائی کی ہے۔ اخلاق حمیدہ و رذیلہ کے محرکات پر کیسی حکیمانہ و عارفانہ نظر ڈالی ہے اور ان کے اکتساب و اجتناب کے لئے کیسے سہل الجہل و سہل العمل مجربات و معالجات پیش کئے ہیں۔

اس کے علاوہ طالبین السالکین طریق کی تعلیم و تربیت اور ان کی تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کے لئے کیسا معیاری نصاب و مسلک مقرر و متعین فرمایا ہے جو خالصتہً کتاب سنت کے اصول کے مطابق منضبط کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا امور پر نظر ڈالنے سے بعض اکابر اہل نظر کا خیال ہے کہ ایسے اصول و ضوابط کے ساتھ علوم باطنی یعنی تصوف و سلوک کی تدوین و اشاعت عام کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس حقیقت مذکورہ کو خاص طور پر نمایاں اور متعارف کرانے کے لئے اور نفع خواہوں

عوام کے خیال سے اس کتاب میں چند اہم و مناسب عنوانات کے تحت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف تصانیف مواعظ و موقوفات سے خاص مضامین تصوف و سلوک کو منتخب و جمع کر کے باقاعدہ فن کی حیثیت سے مرتب کیا گیا ہے۔

مگر یہ کام بہت اہم اور مجھ ایسے بے مایہ علم و عمل کے لئے بہت دشوار تھا۔ عمر طبعی کا ضعف اور مشاغل زندگی سے عدیم الفرستی خود ہمت شکن تھی۔ مگر میں نے اپنے طالب علمانہ اور والہانہ ذوق کے تقاضے سے جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا وہ جمع کر لیا۔ بایں ہمہ نہ تو خاطر خواہ مضامین کا انتخاب ہو سکا اور نہ صحیح عنوانات اور حسن ترتیب کا اہتمام بن پڑا۔ یہ جو کچھ ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے،

وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافعیت اور ہدایت اور اس ناکارہ کے لئے سرمایہ آخرت بنائیں۔ آمین۔

یہ تالیف شاید حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تمنا و خواہش ہی کا ثمرہ ہے جو ذیل میں درج ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخر ایام علالت میں جب جناب علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت کے خلیفہ ارشد بفرص عیادت تھانہ بھون تشریف لے گئے، اس وقت کے حالات کے سلسلہ میں حضرت سید صاحب تحریر فرماتے ہیں: "خانقاہ تھانہ بھون میں میرے جائے قیام پر حضرت والا کی طرف سے حضرت کی اخیر تصنیف "یوادر التوادر" کا ایک نسخہ مولوی جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچا یا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کر کے شائع کرو۔ اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا۔ دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمایا چاہا تو خاکسار نے حضرت

کے زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ مجھ کو یہ ارشاد مبارک مولوی جمیل احمد صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا ہے، مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد مولوی جمیل احمد صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے، یعنی اس کتاب یوادرالنواد سے اقتباس یا عام کتابوں سے۔ انہوں نے سنا یا کہ اس کو میں نے خود اچھی طرح نہیں سمجھا۔ بعد کی حاضری میں موقع پا کر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا، نہیں عام کتابوں میں جو مضمون نظر آئیں ان کو یکجا کر لیا کرو۔ (رسالہ معارف اعظم گڑھ، جلد ۵۲)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش اور فرمائش خصوصاً آخر لمحات زندگی میں پھر سید صاحب ایسے علامہ سے اپنی جگہ بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ اس کے بعد حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مسلسل تغیرات اور وقتی تفکرات زندگی اور خرابی صحت کے باعث اس سعادت کے حاصل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

اے با آرزو کہ خاک شدہ

حضرت کی مختلف تصانیف سے اکثر مضامین منتخب کئے گئے اور کتابی صورت میں حضرت کی حیات ہی میں شائع ہوئے ہیں مثلاً "الرفیق سوا، الطریق، اشرف المسائل، انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ وغیرہ، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بطور خود اپنے خاص خاص اہم مضامین کو یکجا کر کے 'یوادرالنواد' کے نام سے شائع فرمایا، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں بالکل آخر ایام میں شائع ہوا تھا اور اس کا دوسرا حصہ بعد میں 'السبائح' کے نام سے شائع ہوا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولانا عبد الباقی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ العزیز) نے ایسے انتخاب کے چار مجموعے، تجدید تصوف و سلوک، تجدید دین کامل، تجدید تعلیم و تبلیغ اور تجدید معاشیات، کے نام سے شائع کئے ہیں جو نہایت مفید ہیں اور جن سے حضرت کی مجددانہ تعلیم و تربیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ناکارہ بھی اسی نوعیت کا ایک گلدستہ ہر یہ ناظرین کو رہا ہے۔ مگر میں اپنی صلاحیت فہم اور استعداد علمی کی کمی کے احساس و اعتراف کے ساتھ مستدعی ہوں کہ مضامین کی نایافت

اور اہمیت کے پیش نظر ان کے بے ربط اور بے ترتیب ہونے کے سقم سے چشم پوشی کی جائے اور  
اس عاجز ناتواں کی مغفرت کے لئے دعا کی جائے ۔  
فدائیت دید و دل رسم آرائش پیرس ازین خراب ذوق گل چینی چہ داند باغبانہا  
مگر میرا یہ اقدام ع

صلائے عام ہے یا رانِ نکتہ داں کے لئے

اس کتاب کے تمام مضامین حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل کتب  
سے منتخب کئے گئے ہیں :-

نشر الطیب - التکشف - بوادر النواذیر - البدائع - اشرف السوانح -  
انادات یومیہ - کمالات اثنیہ اور مطبوعہ تربیت السالک - کتاب شریعت و  
طریقیت (مولف مولوی محمد دین صاحب) (اشرف المسائل) مسائل سلوک (الطاس عیسیٰ)  
اس کتاب میں ایک مضمون مولوی عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تجدید  
دین کامل" سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ مضمون بطور دیباچہ سید سلیمان ندوی کا تحریر کردہ ہے  
اس سے کتاب ہذا کے موضوع پر باحسن الوجہ روشنی پڑتی ہے۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک عالمگیر  
شہرت کے مستند و معتبر دریگانہ عصر سیرت نگار اور مقبول خاص و عام تالیف  
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤلف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری و باطنی علوم  
میں بہت سے فضائل و کمالات سے متصف فرمایا تھا۔ وہ حضرت حکیم الامت مولانا  
تھانوی قدس سرہ العزیز کے خلفاً میں ایک مخصوص و ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ان کو اپنے  
شیخ سے بڑی و اہمانہ عقیدت و محبت تھی۔ اس دیباچہ میں انہوں نے اپنے علم و عرفان  
سے اپنے پیر و مرشد کے تہنیر علمی اور ترفع مقام روحانی کا اعتراف بھی کیا ہے، اور  
تعارف بھی کرایا ہے۔

# حقیقتِ تصوف کا مکتشفِ اعظم

— اور —

## فنِ حصولِ احسان و تقویٰ کا مجددِ کامل

(از علامہ سید سلیمان ندوی رح)

پیش نظر اوراق میں ایک ایسی ہستی کا مرقع پیش کیا جا رہا ہے جو اپنے وقت میں مجموعہ کمالات اور جامع انواع فضائل تھی۔ عالم۔ حافظ۔ قاری۔ مدرس مفسر۔ محدث۔ فقیہ۔ واعظ۔ صوفی۔ متکلم۔ متاخر۔ ناظم۔ ماسٹر۔ اویب اور خانقاہ نشین۔ شیخ سب کچھ تھی، لیکن اس نے سب سے بڑھ کر اپنے تمام فضائل و کمالات کو فنِ تصوف کی اصلاح و تکمیل میں صرف فرما دیا، اور دوسرے علوم و فنون میں سے ہر ایک پر عالمانہ اطلاع اور محققانہ عبور کے باوجود ان میں سے کسی کو اپنا تہا اور مخصوص شغل نہیں بنایا۔ بلکہ اپنے تمام علوم و فنون اور کمالات کو صرف اسی ایک فن شریف کی خدمت میں لگا دیا۔ اس لئے یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ اس کو تمام دوسرے علمی اور علی کمالات صرف اسی لئے دیئے گئے تھے کہ اس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کس پرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں یہ حالت غربت تھا جس کی حقیقت پر تہہ بہ تہہ پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی۔ اور جو خود دکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دیاداری اور کسبِ مداش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آگیا تھا۔ اور جہاں اس کا وجود تھا بھی وہ محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ

ہو کر رہ گیا تھا، یا اوراد و وظائف کے نصاب کا، سلف صالحین نے اس فن کے جوابدہ مسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان تھا وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقابل افہام و تفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی۔ بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک و تصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ طریقت و شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں ایک کو دوسرے سے گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند مبتدعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بھٹا گیا تھا۔

صوفیانہ خانوادوں کی جہالت اور مدعوی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا یا اور مقبولیت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا۔ خانقاہوں کا کام صرف اعراض و فائدہ کا اہتمام اور سماع و رقص و قوالی کا انصرام رہ گیا تھا۔ مقررہ دنوں اور مہینوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر فاتحہ خوانی کر لیں۔ مٹھائی کھالیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی سازندے کے ترانے پر ہنسی کر لیں اور زیادہ ٹھیس تو وحدۃ الوجود کی آڑے کر شوخی اور بے باکی اور زندگی کے اشعار و مضامین پڑھ لیں اور سر دھن لیں۔ چند سینہ بہ سینہ راز تھے جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جا رہا تھا۔ تصحیح عقائد تحسین عبادت۔ اثبات سنت۔ اصلاح اعمال اور ادائے حقوق العباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے مٹ چکا تھا۔ علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے یا باطن سے نا آشنا تھے۔ اس لئے ان کے پسند و نسیب کی حیثیت صوفیوں میں تفسیح ناشناس سے زیادہ نہ تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ چونکہ طریقت کے اصل راز سے واقف نہیں اس لئے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی اور علمائے ظاہر چونکہ باطن سے منکر یا نا آشنا تھے ان دکاندار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت اور گمراہی قرار دینے لگے تھے اور اس کے اصول و مسائل کو غلط شریعت اور مخالف کتاب و سنت سمجھتے تھے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا مطلق وجود ہی نہ تھا۔ بے شبہ  
 جا بجا صحیح و صالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے۔ کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری  
 اور ان کی تعلیم و تربیت کی برکت بھی عیاں تھی۔ لیکن یہ جو کچھ تھا خواص کے لئے تھا اور جرد  
 حلقوں میں تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اشخاص کی تلقین و ہدایت تو ہو رہی تھی مگر  
 تدوین فن، ترتیب اصول تحقیق مسائل، تالیف رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتاب  
 سنت کی اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام  
 کہیں نہیں ہو رہے تھے اور نہ خطب و مواعظ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کے خیالات  
 کی اصلاح کی کوشش کی جا رہی تھی اور نہ ردِ شبہات دفعِ شکوک اور دفعِ ادہام کے لئے  
 کوئی سلسلہ تھا اور نہ سالکین کی ظاہری و باطنی تربیت کی کوئی ایسی درس گاہ تھی جس میں راہ  
 کی مشکلات کو علمی و فنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو اور نہ کہیں کوئی ایسی مسند بھی تھی جہاں  
 شریعت و طریقت کے مسائل پہلو پہلو بیان ہوتے ہوں۔ جہاں تفسیر و فقہ و حدیث کے  
 ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے ہوں جو کتاب و سنت میں موجود ہیں  
 جہاں ایک طرف قال اللہ و قال الرسول کا ترانہ بلند ہو اور دوسری طرف عبودیت و بندگی  
 کے امر اور اتباع سنت کے روز بھی سکھائے جاتے ہوں۔ جہاں جس قلم سے احکام  
 فقہی کے فتاویٰ نکل رہے ہوں، اسی قلم سے سلوک و طریق کے مسائل بھی شائع ہو رہے  
 ہوں جس منبر سے نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے فقہی مسائل و اشکاف بیان کئے جا رہے  
 ہوں، اسی منبر سے روحانی حقیقت اور ان کی قلبی اداکاری کے طریق بتائے جا رہے  
 ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت مجددِ ملت  
 (مرشدی مولانا مولانا شاہ اشرف علی) علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا اور وہ کام ان سے  
 لیا گیا جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ زمانہ کالتفاضل تھا کہ اس کے مقتضیات نے جو نئی ضرورتیں پیدا



کر رکھی ہیں دین کی حفاظت کے لئے ان کا بندوبست کر دیا جائے چنانچہ ایک طرف کلام پاک کی تفسیر کی جلدیں تیار ہوئیں۔ دوسری طرف احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نئے مجموعے ترتیب پائے۔ تیسری طرف نقد و تناوی کا سرمایہ جمع ہوا۔ چوتھی طرف علم اسرار و حقائق کی تدوین ہوئی۔ پانچویں گوشہ میں تصوف کے اصول جمع کئے گئے جو اب تک جمع نہیں ہوئے تھے۔ ان میں ان کے ان احوال و کیفیات پر گفتگو کی گئی جن کے نہ سمجھنے سے بیسیوں قسم کی گمراہیاں راہ پائی ہیں ایک اور سمت میں مولانا روم (رحمۃ اللہ علیہ) کی مشنومی کے دفتر کھولے گئے جن کے سپرد صدیوں سے حقائق و دقائق کے خزانے ہیں۔ عوام کی طرف توجہ کی گئی تو زندگی کی روح کا سراغ لگایا گیا لہذا ان کی شادی و بیاد کے مراسم کی اصلاح کی گئی۔ نیک و صالح بیسیوں کے لئے بہشتی زیور کا سامان کیا گیا۔ بچوں کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کے آداب و اصول مرتب فرمائے، مدرسین کے قواعد و ضوابط کے نقشے بنائے گئے، داد و ستد اور خرید و فروخت اور معاملات کے دینی اصول سمجھائے اور دین کی تعلیم میں شریعت کی وسعت دکھائی گئی جس میں مسلمان کی پوری زندگی ولادت سے موت تک سماگئی۔ عوام مسلمانوں کی رہبردی کے لئے مواعظ کی سیکڑوں مشعلیں جا بجا روشن کی گئیں اور بیسوں شہروں میں پھر پھر کر ان کو غفلت کی نیند سے جوقایا گیا۔ علماء اور فقہاء اور محققین کے لئے بوادر و نوادر اور بدائع کے سلسلے قائم کئے، مدرسوں کی بند شدہ راہ جو ائمہ، مجتہدین کی خطاؤں کے استدراک کے لئے رجوع عن الخطا کے کلمہ اعلان تھی۔ وہ تریح الراجح کے نام سے کھولی گئی اور اپنی ہر غلطی و خطا کا علی ردس الا شہاد اعلان کیا گیا تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے تو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے شکر و شہادت کا جواب دیا گیا۔ باطل فرقوں کی تردید میں رسائل لکھے گئے۔ اخلاق و اعمال اور حقوق العباد کی اہمیت ظاہر کی گئی، اور ہزاروں مسلمانوں کو ان کی وہ تعلیم دی گئی جس کو مسلمان عوام کیا خواص بھی نبھلا بیٹھے تھے۔

اصول و ضوابط اور آداب کی وہ تربیت فرمائی گئی جو دین سے لفتہ ریبا صدیوں سے قاجار کی جاچکی تھی اور پھر اپنے بعد اپنی روش پر تعلیم و تربیت کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب مجازین کو چھوڑا، جو ان کے بعد بھی ان کاموں میں مصروف ہیں۔ اس حلقہ فیض میں علماء بھی داخل ہوئے، تعلیم یافتہ بھی، عوام بھی، غریب بھی۔ امراد بھی بہت بڑے بڑے عہدہ دار بھی، زمیندار بھی، تاجر اور سوداگر بھی اور مفلس و قلاش بھی۔ اس سے اس دائرہ کی وسعت کا اندازہ اب بھی کیا جاسکتا ہے۔ مدارس پر غور کیجئے۔ دارالعلوم دیوبند بھی مظاہر العلوم سہارنپور بھی، دارالعلوم ندوہ بھی۔ یہاں تک کہ پہلا علی گڑھ کالج اور موجود مسلم یونیورسٹی بھی اور وہ سیکڑوں مدارس جو ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلے ہیں، جغرافیائی حیثیت سے غور کیجئے تو سرحد سے لیکر منگال مدرس اور گجرات بلکہ حجاز افریقہ اور ان تمام ملکوں تک جہاں جہاں ہندوستانی مسلمان پھیلے ان کے اثرات بھی ساتھ ساتھ پھیلے ہیں۔ راقم کو ہندوستان کے در دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا مگر جہاں گیا یہ معلوم ہوا کہ وہ روشنی وہاں پہلے سے پہنچی ہوئی ہے اور کوئی نہ کوئی اس روشنی سے بھلا ضرور منور ہے اس تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، مواظب و ملحوظات کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی۔ مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی دینی تعلیم کا بندوبست ہوا۔ رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا۔ سنن نبوی کا احیاء ہوا۔ غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی۔ بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سینے گرمائے۔ اور اللہ کی یاد سے دل روشناس ہوئے اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا پھر شبلی، حسینی اور بسطامی و جیلانی اور سہروردی و سرمدی بزرگوں کے خزانوں سے منور ہو گیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ وہ شان تجریدی تھی جو اس صدی میں مجدد وقت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست  
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ



سے حقائق ایمانی و دقائے فہمی، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کو برملا افکاش کیا تھا اور اسی لئے دنیا نے اس کو حکیم الامت کہہ کر پکارا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔

## تصانیف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور رسائل کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے اور کل کی کل تحقیقات علمیہ، حقائق دینیہ اور نکات احسانیہ سے لبریز ہیں، ان میں تفسیر ہبیمان القرآن، شرح مشنوی، فتاویٰ امدادیہ الشرف الی القصوف اور بہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ملفوظات اور مواعظ و خطبات کی تعداد سیکڑوں کی حد تک ہے، ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث مشریف کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک و طریقت کے نکتے، اخلاقی فضائل و ردائیل کی حکیمانہ تحقیق اور ان کے حصول اور ازالہ کی تدابیر اور زمانہ حال کے شکوک و شبہات کے جوابات سب کچھ ہیں۔ تصانیف میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ایک ایک مستقل کتاب بن جائے۔ چنانچہ حضرت کے تربیت یافتوں نے اس قسم کے بیسیوں مجموعے تیار کئے ہیں۔ سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ بواویر النور کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق رفات کے دن تک اہتمام یہ رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لئے اٹھا رکھا جائے۔ عظیم الشان دفتر الگ ہے۔ تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سادہ منہ مسائل و مواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے۔ حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک احتیاط اور رعایت کر کے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے۔ حضرت کا ترجمہ قرآن پاک سہولت بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے۔ بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں

کی کتاب ہے مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لئے انتہائی احتیاط و کاوش کا نتیجہ ہے۔ تفسیر بیان القرآن کو یوں سمجھنا چاہئے کہ روح المعانی اور تقاسیر ماسبق کی اردو میں درج محتاطانہ ترجمان ہے۔ سلوک و طریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں عاقلانہ تصوف کی حقیقت جوگ سے مل گئی تھی اس کو زوائد و حواشی سے صاف کر کے قدام اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد و ورع، کمال اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زمانے میں نمونے کے لئے پیدا کیا۔ وہ آئی اور شاٹھ برس کے مجاہدہ کا نمونہ دکھا کر واپس ہو گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و ادخلہ اعلیٰ علیین و صلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامین و آلہ واصحابہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد رب العالمین۔

سیح میرزہ محمدان

سلیمان

۸ شعبان ۱۳۶۲ھ

(رسالہ معارف نمبر ۲ جلد ۵۲۔ اگست ۱۹۴۳ء) دار المصنفین اعظم گڑھ

نوٹ

حضرت سید سلیمان ندوی رح کا مضمون

”حکیم الامت کے آثار علمیہ“

کتاب ”ماثر حکیم الامت“ میں ملاحظہ فرمائیے

## حدیث

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ما اعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث فی امتی علی راس کل مائۃ من یجد لہا ذنبہا  
 ترجمہ: اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے (شخص) کو پیدا فرمائے گا جو  
 اس (امت) کے لئے اس کے دین کو نیا کرے گا۔

## مختصر سوانح حیات

— و —

## آداب سلوک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰ

## حالات و مصروفیات زندگی

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالوٹ و مقام پیدائش تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی ہندوستان تھا۔ آپ کا یوم ولادت باسعادت چہار شنبہ ۵ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ ہے۔ قصبہ میں آپ کے آبا و اجداد کا خاندان نہایت معزز و ممتاز تھا۔ آپ کے والد ماجد منشی عبدالحق صاحب بڑے صاحبِ وجاہت، صاحب منصب اور صاحب جائداد تیس تھے اور بڑے اہل دل بزرگ تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سبباً فاروقی مذہباً حنفی تھے اور سلسلہ امدادیہ صابریہ چشتیہ سے وابستہ ہو کر منصب خلافت و رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ حضرت کا بچپن ملتان ہی میں گذرا اور وہیں ناظرہ و حفظ قرآن اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر علوم دینیہ کی تکمیل کے لئے ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور جید علماء اور مدرسین سے فیضانِ علوم حاصل کر کے ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے گویا ادھر چودھویں صدی کا آغاز ہو رہا تھا اور ادھر احیاء و تجدید دینِ مبین کے لئے یہ مجددِ عصر تیار ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فضلِ عظیم تھا کہ حضرت کو مدرسہ دارالعلوم دیوبند ایسی شہرہ آفاق اور مستند درس گاہ میں تحصیلِ علوم اور تکمیلِ درسیات کا موقع نصیب ہوا جہاں خوبی قسمت سے

اس وقت بڑے منتخب اور یگانہ عصر و جامع کمالات و صفات اہل اللہ اور اساتذہ کا مجمع تھا جن کے فیوض و برکات علمی و ایمانی کا آج بھی عالم اسلام معترف ہے۔ ان میں اکثر حضرات جناب حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر مکی قدس سرہ العزیز کے سلسلہ سے وابستہ اور بعض ان کے خلفائے راشدین میں تھے، ایسے نورانی ماحول میں اور ان حضرات کے فیضانِ صحبت سے بعونہ تعالیٰ حضرت رُکی باطنی صلاحیت و استعداد بھی تربیت پذیر ہوئی رہی۔

یوں تو تمام بزرگوں اور اساتذہ کی توجہاتِ خصوصی کی سعادت حضرت رُکی کو حاصل تھی۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کو خاص طور پر حضرت کے ساتھ محبت و شفقت کا تعلق تھا اور حضرت رُکی کو بھی ان بزرگوں کے ساتھ نہایت والہانہ عقیدت و محبت تھی چنانچہ اکثر و بیشتر ان حضرات کا ذکر بڑے کیف و سرور کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت رُکی کو مدرسہ دیوبند میں داخل ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز سے حصول سعادت کا زیادہ موقع نہیں ملا کیونکہ سال بھر کے بعد ہی حضرت مدوح کا وصال ہو گیا تھا۔ البتہ اول الذکر دونوں بزرگوں سے رابطہ قلبی بہت بڑھتا رہا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ کو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز سے اس درجہ عقیدت تھی کہ سوائے حضرت حاجی صاحب کے اور کسی سے ایسی نہ تھی۔ میں نے ایسا جامع ظاہر و باطن بزرگ کوئی اور نہیں دیکھا، اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی تھی مگر مولانا رُح کے ساتھ غیر استدلالی تھی۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں اول مولانا رُح ہی سے مدرسہ دیوبند میں بیعت کی درخواست کی تھی لیکن مولانا نے طالب علمی کے زمانے میں بیعت کرنے کو خلاف مصلحت اور خارج تحصیل علوم دینیہ خیال فرما کر عذر کر دیا لیکن میں نے ہمیشہ ان کو اپنا شیخ ہی سمجھا اور ہمیشہ اہم



امور میں ان سے مشورہ لے کر عمل کرتا تھا۔ حضرت مولانا کی مجھ پر خاص عنایت تھی اور میرا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔ میں جب حاضر خدمت ہوتا تھا تو فرماتے تھے "بھائی جب تم آجاتے ہو تو زندہ ہو جاتا ہوں" حضرت حاجی صاحب کا تذکرہ بہت ذوق و شوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ "بھائی تم نے تو حضرت حاجی صاحب کے پکے پھل کھائے ہیں اور ہم نے کچے پھل کھائے ہیں (یعنی حضرت حاجی صاحب کے اخیر زمانے کے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں) ایک بار حضرت کا گنگوہ میں وعظ ہو رہا تھا تو جو کوئی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس سے فرماتے کہ ایک عالم حقانی کا وعظ ہو رہا ہے وہاں جاؤ۔ سنو۔ میرے پاس کیا بیٹھے ہو" حضرت مولانا اکثر اپنے بعض طالبین و سالکین کو بھی بغرض تربیت حضرت رحمہ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز نے مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس

اول تھے۔ فن درس و تدریس اور علوم ظاہرہ میں یگانہ روزگار تھے اور بڑے صاحبِ بلبل اور صاحبِ کشف و کرامات اولیائے کاملین میں سے تھے۔ حضرت کو ان سے بڑی عقیدت و محبت و گردیدگی تھی۔ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس ہونہار طالب علم کے ساتھ بڑی مہربانہ شفقت اور توجہ فرماتے تھے انہوں نے اپنی روحانی فراست سے سمجھ لیا تھا کہ اس طالب علم کے طالع بیدار سے اس کے مستقبل کے روشن آثار نمایاں ہیں۔

بالائے سرش ز ہوش مندی

می تاقت ستارہ بلندی

چنانچہ ان کی موجودگی میں خصوصیت کے ساتھ خاص خاص حقائق و معارف و نکات و دقائق علمیہ بیان فرمایا کرتے۔ حضرت اپنی مجلس میں حضرت مولانا کے ایسے ملفوظات کا بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے اور فرماتے تھے کہ "ان کا حلقہ درس کیا ہوتا تھا ایک حلقہ توجہ الی اللہ ہوتا تھا۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں اور

آنکھوں سے آنسو جاری ہیں :

حضرتؒ کی دستار بندی ۱۳۰۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی  
قدس سرہ العزیز کے متبرک و مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ اس سال مدرسہ دیوبند میں بڑا شاندار  
جلسہ منعقد ہوا اس موقع پر حضرتؒ اپنے چند رفقاء کے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب  
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم میں ایسی استعداد نہیں کہ ہمیں دستار  
فضیلت عطا کی جائے اس سے مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی۔ یہ سنکر مولانا کو جو خوش  
آگیا اور فرمایا "تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں ان  
کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیے باہر جاؤ گے تب  
تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سارا میدان  
صاف ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا،

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے باطنی علوم و اعمال کی تکمیل و تہذیب کے لئے  
بھی ایک یگانہ عصر شیخ المشائخ حضرت حاجی شاہ محمد امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر  
مکی قدس سرہ العزیز سے شرف تعلق عطا فرمایا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے فضائل و خصوصیات سے  
متصف فرمایا تھا۔ اس زمانے میں عرب و عجم کے کثیر المقداد علمائے عظام اور صوفیائے  
کرام ان کے حلقہ بگوش عقیدت تھے اور ان کے فیوض و برکات سے شرفاً و عزتاً ہر طبقہ کے  
طالبان طریقت فیضیاب و سیراب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیگر اوصاف کمالات  
کے ساتھ خاص طور پر فن تصوف و سلوک میں ایک مجددانہ و مجتہدانہ ذوق و مسلک سے  
بہرہ اندوز فرمایا تھا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت حکیم الامت سے مستقبل میں اہم خدمات دین خصوصاً تصوف و سلوک میں ایک اصلاحی و انقلابی کام لینا منظور تھا اس لئے اس کام کی استعداد و قابلیت پیدا کرنے کے لئے بھی، ایک ایسے ہی جامع شریعت و طریقت اور صاحب فراست شیخ کی ضرورت تھی۔ واقعات پر نظر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ منجانب اللہ حضرت حاجی صاحب کی توجہ خود بخود ابتدا ہی سے غائبانہ طور پر حضرت کی طرف مبذول ہونے لگی تھی چنانچہ ایک بار بغیر کسی خاص ذکر و مذکور کے حضرت حاجی صاحب نے اپنے ہم وطن منشی عبدالحق صاحب حضرت کے والد ماجد سے از خود کہا بھیجا کہ آپ جب حج کو آئیں تو اپنے ساتھ اپنے لڑکے کو ضرور لیتے آئیں۔ حالانکہ حضرت کی ولادت حضرت حاجی صاحب کی ہجرت کے بعد ہوئی تھی اور انہوں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔

۱۲۹۹ھ میں جب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ہاتھ ایک عریضہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں روانہ کیا جس میں استدعا کی کہ حضرت مولانا سے بیعت فرما لینے کے لئے سفارش فرمادیں۔ حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا سے اس کا تذکرہ فرمایا اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ ”اچھا میں خود ہی ان کو بیعت کئے لیتا ہوں اور حضرت رح کو کبھی تحریر فرمایا کہ میں نے خود آپ کو بیعت کر لیا ہے مطمئن رہیں“

۱۳۰۱ھ میں جب حضرت رح علوم درسیہ سے فارغ ہوئے تھے اسی زمانے میں کانپور کے مدرسہ رفیقہ عام ”میں ایک مدرس کی ضرورت تھی حضرت کو وہاں تدریس کے لئے بلایا گیا حضرت رح کئی سال تک اس مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ کے نظم و نسق سے غیر مطمئن ہو کر تعلق منقطع کر لیا پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ کانپور کی جامع مسجد میں درس دینے لگے اور وہاں

ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ اس مدرسہ کا نام حضرت نے مسجد کی مناسبت سے "مدرسہ جامع علوم" موسوم فرمایا یہ مدرسہ یونانیوں مارتی کرتا رہا اور کچھ مدت کے بعد بہت مشہور و معروف ہو گیا۔ (اور اب تک بفضلہ تعالیٰ قائم ہے)

دوران قیام کانپور شوال ۱۲۱۰ھ میں ایسے اسباب رسائل روز نما ہوئے کہ حضرت اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی اور دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نے ان کو کچھ دنوں کے لئے اپنے پاس رہنے کے لئے روکنا چاہا مگر حضرت کے والد صاحب نے اس وقت حضرت کی مفارقت کو گوارا نہ فرمایا اور اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ حضرت حاجی صاحب نے حضرت والی سے فرمایا کہ اب کی بار حج کو آؤ تو کم از کم چھ ماہ کے قیام کے ارادے سے آنا۔ حضرت ۱۲۱۰ھ میں دوسری بار حج کے لئے تشریف لے گئے اور اپنی طلب صادق اور حضرت شیخ کے منشاء اور ان کی خواہش کے مطابق وہاں چھ ماہ تک قیام کا ارادہ کر لیا۔ حضرت کو اپنے پیروم شد کی صحبت بابرکت میں فراغت قلب کے ساتھ رہنے اور باطنی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لئے یہ بہت معتتم موقع نصیب ہوا اس کی قدر کرتے ہوئے حضرت اپنا سارا وقت حضرت شیخ ہی کی خدمت اور معیت میں گزارنے لگے اور ہمہ وقت ان کے علوم عارفانہ اور مقالات حکمت سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔ اس کے علاوہ عبادات ناقلہ اور حسب ہدایت شیخ ریاضات و اوراد معمولہ حضرات صوفیائے کرام میں بھی مشغول رہے۔

حضرت حاجی صاحب اسی موقع کے منتظر تھے چنانچہ نہایت شفقت و محبت کے ساتھ اپنے مرید صادق کی تربیت باطنی کی طرت متوجہ ہو گئے اور اپنے نوخیز طالب و سالک طریق کی فطری صلاحیت و استعداد اور جوہر قابل کا اندازہ کرتے رہے اور وہ تمام علوم باطنی اور سرارد رموز روحانی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر وارد اور القا فرمائے تھے حضرت کے

قلب مصفیٰ میں منتقل فرماتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس تلیل عرصہ میں حضرت شیخ کی توجہات خاص سے حضرت رحمہ اللہ کا سینہ مبارک دولت معارف و حقائق باطنی کا خزینہ اور انوار تجلیات روحانی کا آئینہ بن گیا اور محبت حق سبحانہ تعالیٰ اور محبت نبی الرحمة صلی اللہ علیہ وسلم کا سوز و گداز رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ حضرت حاجی ضا اچھے مرید سعید کی ترقی باطنی کا اندازہ فرما کر بہت مطمئن و مسرور تھے۔ بعض وقت جو ش محبت میں آکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو الہامی علوم مجھ کو عطا فرمائے ہیں وہ ان کی زبان پر جاری فرمادیے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ یہ ہو بہا رہے ہر و طریق ایک دن رہبر طریق بنے گا اور امت مسلمہ کے لئے رشد و ہدایت کا علمبردار ہوگا۔

بالآخر ہر صورت سے مطمئن ہو کر اور اپنے ذوق و مسلاک سے تامل و مہم آہنگی کے آثار نمایاں دیکھ کر اپنا جانشین بنا لیا اور باذن اللہ تعالیٰ خلعتِ خلافت اور منصب ارشاد و ہدایت سے سرفراز فرمایا اور خلق اللہ کی رہنمائی کے لئے تعلیم و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب حضرت کا وہاں سے واپسی کا وقت آیا تو بکمال محبت و شفقت گلے لگا کر فرمایا: میاں اشرف علی میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام معاصرین پر خاص فضیلت عطا فرمائی ہے ذاک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ پھر ان دو وصیوں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

دیکھو وطن پہنچ کر تم کو باطنی کیفیات میں ایک حالت شدید پیش آنے لگی گھبرانا نہیں مجھ کو مطلع کرتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ جب مدرسہ کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو تو پھر وطن پہنچ کر ہماری خانقاہ اور مدرسہ میں تو کلاً علی اللہ مقیم ہو جانا تم سے انشا اللہ تعالیٰ خلق کثیر کو نفع پہنچے گا۔

۱۳۱۱ھ میں حج سے واپسی پر کانپور پہنچ کر حضرت پھر درس و تدریس کے کام میں لگ گئے اس طرح ایک طرف تو درس و تدریس کی مداومت اور تبحر و تفکر سے علوم

میں نچنگی اور ترقی ہوتی رہی۔ دوسری طرف عبادات و ریاضات میں مشغولی سے باطنی کیفیات و حالات میں عروج و ارتقا ہوتا رہا۔ اسی زمانے میں اکثر و بیشتر مواقع پر حضرتؒ کے تبلیغی و اصلاحی و عظیم بھی ہوتے رہے جو قلم بند ہو کر شائع بھی ہوتے رہے، اور اسی زمانے میں حضرتؒ کی مجالست میں ایک حلقہ ذکر اللہ بھی قائم ہو گیا جس میں طالبین حق و سالکین طریق جمع ہو کر حضرتؒ کی تعلیم و تربیت باطنی سے مستفیض ہونے لگے، اہل فوق حضرتؒ کے ارشادات و مقالات حکمت کو قلم بند کرتے اور شائع کرتے رہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ حضرتؒ کے عالمانہ و عارفانہ کمالات کا شہرہ اطراف میں ہونے لگا اور خواص عوام میں حضرتؒ کی ذات کو ایک ہر و عزیز می کی شان حاصل ہو گئی۔

مگر حضرت شیخ کی خدمت سے واپسی پر مزاج اور انداز زندگی میں ایک گونہ رپودگی اور وارفتگی سی طاری رہنے لگی۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ انقباض باطنی و کیفیات روحانی کی شدت سے میں اس قدر بے قابو ہو گیا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ اپنی جان دیدوں۔ (شاید یہ وہی حالت رفیعہ تھی جس کا اشارہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت فرمایا تھا) حضرتؒ نے اپنی اس مضطربانہ حالت کی اطلاع اپنے شیخ مرتبی باطن کو کی کہ حضرتؒ "آپ تو اتنی دُور ہیں اور میری یہاں یہ حالت ہو رہی ہے، کیا کروں، حضرت حاجی صاحبؒ اس اطلاع سے بہت متاثر ہوئے اور جواب تحریر فرمایا کہ "جب تک فقیر زندہ ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں" میں برابر تمہاری طرف متوجہ ہوں تم اطمینان رکھو۔ ان محبت بھرے الفاظ میں ایسی جاں نواز تاثیر تھی کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "خط پڑھتے ہی معاسکوں محسوس ہونے لگا اور تمام معمولات و متاعل رفتہ رفتہ بحال ہو گئے" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، اشرف السوانح حصہ اول)

حضرتؒ نے دوران قیام کا پندرہ دن و تدریس کے سلسلہ میں چودہ سال بسر کئے یہی زمانہ منجانب اللہ ان کے ذہنی و روحانی صلاحیت و استعداد کے نشوونما کا اور علوم ظاہری

و باطنی کے بار آور ہونے کا تھا اور اسی زمانے میں تجربہ و مشاہدہ کی بنیاد پر عام مسلمانوں کے اصلاح عقائد و اعمال کے لئے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بے اختیار جذبہ اولیٰ شریعتاً صادقاً میں پیدا ہو رہا تھا جس سے حضرت ہمہ وقت متاثر رہنے لگے اور موجودہ انہماک و اشتغال کی زندگی سے طبیعت گھبرانے لگی مستقبل میں پیش نظر مقاصد کے حصول کے لئے فراغت قلب و یکسوئی درکار تھی چنانچہ مدرسہ کی ملازمت ترک کرنے کا ارادہ کر لیا اور چند وجوہات و معدودات پیش کر کے آخر کار ۱۳۱۵ھ میں سبکو دہشی حاصل کر لی اور اپنے وطن تھانہ بھون تشریف لے گئے اور اس کی اطلاع اپنے پیر و مرشد کو کر دی وہاں سے جواب آیا۔

” بہتر ہو آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہو گا اور آپ ہمارے مدرسہ اور خانقاہ کو از سر نو آباد کریں میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور آپ کا مجھے خیال رہتا ہے “

قصہ تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) بڑے شہروں (دہلی سہارنپور) سے دور اور ذرائع آمد و رفت کے اعتبار سے اس زمانے میں بالکل الگ تھلگ پرانے زمانے کے رئیسوں کی ایک بستی تھی اس بستی سے بالکل باہر خانقاہ امدادیہ واقع تھی، یہ وہی خانقاہ تھی جہاں کچھ زمانہ پہلے اللہ تعالیٰ کے تین برگزیدہ خلوت گزین بندے درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے، یعنی حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب۔

یہ حضرات میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی کے خلفائے راشدین تھے، اور اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض و برکات سے خواص و عوام کو فیض رسانی میں مشغول تھے۔ پھر جب انقلاب آیا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد مولانا شیخ محمد صاحب کا انتقال ہو گیا اور حضرت حاجی صاحب مکرمہ ہجرت فرما کر چلے گئے۔ کچھ مدت کے لئے یہ خانقاہ ضرور غیر آباد ہو گئی

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مقبول بندوں کی یادگار کو قائم رکھنا اور مستقبل میں اس خاندان کو ایک عالمگیر رشد و ہدایت و علوم ظاہری و باطنی کی نشر و اشاعت کا جلیل القدر مرکز بنانا منظور تھا اور اس اہم و عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد ملت محی السنن مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو ازل ہی سے منتخب فرمایا تھا۔ حضرت نے وطن پہنچ کر اپنے پیرومرشد کی تمنا اور ہدایت کے مطابق خانقاہ امدادیہ میں سکونت اختیار کرنے کا انتظام کیا اور توکل علی اللہ بظاہر ایک گونہ عارضی بے سرو سامانی مگر حقیقتاً مستقبل کے غیر فانی ساز و سامان کے ساتھ اپنے بزرگوں کی مقدس مندرشد و ہدایت پر تمکن ہو گئے اس طرح پیرومرشد حضرت حاجی صاحب کی تمنا اور پیش گوئی پوری ہو گئی۔

حضرت نے خانقاہ میں مقیم ہو کر شروع ہی سے اپنی آئندہ زندگی کے انضباط اور اہم خدمات دین کے انصرام کے لئے اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک لائحہ عمل مقرر فرمایا اور اسی کے مطابق اپنے پیش نظر کام کے سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے اس وقت حضرت کی عمر تینٹھارہ سال تھی۔

حضرت کو فطرتاً حسن انتظام اور نظم الادقات کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ اپنی نجی ضروریات کے لئے، تصنیف و تالیف کے لئے اور مجلس اجاب میں تعلیم و تربیت کے لئے ایسے فراغت کے اوقات مقرر فرمائے کہ ہر کام آسانی و اطمینان سے سرانجام ہوتا رہے۔ اس نظم الادقات میں اس قدر انضباط و جامعیت تھی کہ آخر ایام تک اس میں سرموزق نہیں آیا۔

## یومیہ نظم الاوقات

حضرت روح کارہائشی مکان خانقاہ سے کچھ تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔ خانقاہ ہی کے اندر قدیم زمانے کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ حضرت پنج گانہ نماز اسی مسجد میں ادا فرماتے تھے۔



اور خود امامت فرماتے تھے۔ آخر عمر میں ضعف اور چند معدورات کی وجہ سے ایک قاری صفا کو امامت کے لئے مقرر فرما دیا تھا۔ جنوب کی طرف مسجد سے ملی ہوئی ایک سہ دری تھی جس میں حضرت حاجی صاحب کے زمانے کے دو حجرے ہیں۔ حضرت کی نشست گاہ یہی سہ دری تھی اور یہیں مجلس منعقد ہوتی تھی۔ خانقاہ میں ایک طرف کچھ حجرے بھی تھے جس میں مہمان اور ذاکرین و سالکین آکر مقیم ہوا کرتے تھے۔

صبح فجر کی اذان کے بعد ہی حضرت مکان سے خانقاہ تشریف لے آتے تھے نماز کے بعد کچھ معمولی ضروریات سے فارغ ہو کر مشی (چہل قدمی) کے لئے باہر میدان میں کچھ دور تک چلے جاتے تھے اور اسی دوران اپنے چند اوراد وغیرہ پورے کر لیتے۔ واپسی پر خانقاہ کی سہ دری میں نماز اشراق ادا کرتے اور پھر تھوڑی دیر کے لئے مکان تشریف لے جاتے۔ واپس آ کر عموماً گیارہ بجے تک یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ عام طور پر اس وقت کسی کو آنے اور ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی خاص مہمان جو مختصر مدت کے لئے آئے ہوں ان کے لئے تصنیفات سے فارغ ہو کر تھوڑا وقت مجلس خاص کا دے دیتے ورنہ مکان تشریف لے جاتے۔ کھانا تناول فرما کر اور کچھ دیر آرام فرما کر پھر خانقاہ آجاتے اور قیلولہ فرماتے۔ ظہر کی اذان پر نماز کے لئے تیاری فرماتے۔ نماز ظہر کے بعد عصر کی اذان تک خانقاہ کی سہ دری میں مجلس عام منعقد ہوتی اس میں قصبہ و آلے اور باہر سے آئے ہوئے لوگ شریک ہوتے شرکاء میں علماء و ذاکرین۔ شاعلیں امیر و غریب، پڑھے لکھے اور بغیر پڑھے لکھے، سب ہی طرح کے لوگ ہوتے جن کی تعداد روزانہ کم و بیش بیس پچیس ہوا کرتی تھی۔ اس وقت جو لوگ کہیں باہر سے آتے ان سے مصافحہ کے بعد مختصر سی مزاج پرسی اور دریافت حال کر لیتے اور مناسب جگہ پر بیٹھنے کے لئے فرمادیتے، زیادہ گفت گونہ فرماتے تاکہ دیر تک ایک طرف متوجہ رہنا دوسرے لوگوں پر بار نہ ہو۔

اہل مجلس خاموش بیٹھے ہوئے حضرت کی باتیں سنا کرتے، کبھی کسی نے کوئی مناسب

سوال کیا تو اس کا جواب فرمادیتے۔ کوئی تعویذ طلب کرتا تو لکھ کر دیدیتے کوئی دعا کے لئے عرض کرتا تو دعا فرمادیتے اس وقت حضرت مختلف قسم کی متفرق باتیں کیا کرتے، کبھی حالات حاضرہ کے وقتی ضروریات اور تقاضوں کے متعلق کبھی بزرگوں کے حالات و حکایات کبھی عام پسند و نصائح کبھی تصوف سلوک کی وضاحت وغیرہ۔ اکثر و بیشتر حضرت کے یہ ارشادات و مقالات حکمت قلم بند ہوتے رہتے اور شائع ہوتے رہتے۔ اس صورت سے "الانفادات الیومیہ" کے نام سے کئی جلدیں مرتب ہو کر شائع ہوئیں جو شریعت و سنت و طریق کے مختلف النوع مضامین و حقائق و معارف کا بڑا مفید و سبق آموز ذخیرہ ہیں۔

اسی عرصہ میں خطوط کے جواب بھی تحریر فرمایا کرتے جن کی تعداد کم از کم تقریباً پچیس تیس تک روزانہ ہوا کرتی تھی۔ خطوط کے جواب التزاماً روز کے روز تحریر کر کے واپس کر دیئے جاتے تاکہ مکتوب الیہ کو زحمت انتظار نہ ہو۔ زیادہ تر یہ خطوط اصلاحی تعلق رکھنے والوں کے ہوتے جو اپنی باطنی حالات و کیفیات، خطرات و وساوس یا دینی امور میں ذہنی کشمکش اور اندیشوں کا حل دریافت کرتے یا تصوف و سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ حضرت جان سب کے جواب خطوط کے حاشیہ ہی پر معاً قلم برداشتہ لکھ دیا کرتے، وہ خطوط جن میں کوئی خاص اہم مضامین ہوتے (وہ مع جوابات) منتخب کر لئے جاتے اور بنیہاً ظہار نام شائع کر دیئے جاتے جو "تر بیت السالک" کی ضخیم جلدوں میں مدون ہو کر شائع ہوتے رہے۔ اسی طرح بعض خطوں میں لوگ قبھی مسائل اور حالات حاضرہ کی ضروریات اور تقاضوں میں شریعت کی ہدایات یا مسائل دریافت کرتے، ان میں سے بھی خاص مضامین کے خط مع جواب منتخب کر لئے جاتے اور شائع کر دیئے جاتے جو "امداد فقہاوی" کی کئی ضخیم جلدوں میں جمع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ روزانہ انہیں معمولات کے ساتھ اذان عصر کے وقت یہ مجلس ختم ہو جاتی۔ نماز عصر کے بعد حضرت اپنے دونوں مکانوں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے، ترب کی اذان سے پہلے واپس آ جاتے پھر نماز

مغرب سے فارغ ہو کر کچھ دیر اپنی نشست گاہ سد درمی میں تشریف رکھتے اور کچھ متفرق کاموں میں کچھ دیر مشغول رہتے۔

حضرت کا بیعت کرنے کا معمول بھی عموماً بعد مغرب ہی تھا۔ پھر فارغ ہو کر مکان تشریف لے جاتے اور عشا کی نماز مسجد میں اکر ادا فرماتے، اس کے بعد پھر آرام کے لئے مکان تشریف لے جاتے۔

چوبیس گھنٹوں میں یہ ایسے سیدھے سادے بے تکلف معمولات تھے کہ برسوں تک گردش ایام سے ان میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور یہی کمال استقامت فوق الکرامت ہے جس وقت بھی جس حال میں حضرت ہوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بالکل اطمینان کی حالت میں فراغت قلبیہ کے ساتھ ہیں لیکن جب ان کے مختلف مشاغل زندگی اور ہمہ گیر مختلف النوع تصانیف و تالیفات پر نظر کی جاتی ہے اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ صرف اپنی ذات سے سن تہا حضرت نے جو علمی و تحقیقی اور اصلاحی و تبلیغی خدمات انجام دی ہیں وہ بڑے بڑے اداروں سے بھی ممکن نہ تھا۔ یہ سب ایک مضبوط و مستقل نظم الاوقات ہی کی برکت تھی کہ تجدید دین اور تبلیغ دین کا عظیم الشان اور فقیہ المثل تحریری و تقریری ذخیرہ امت مسلمہ کے لئے حضرت نے اپنی حیات ہی میں فراہم کر کے صدیوں تک کے لئے شائع فرما دیا۔ تصانیف و تالیفات کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وقت گذرتا گیا اور حضرت کے نصب العین کے مطابق اس خانقاہ کی اہمیت

اور خصوصیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب یہ خانقاہ

ایک ایسا شہرہ آفاق ہمہ گیر ادارہ بن گئی جو ایک ہی وقت میں علوم و فنون دینیہ کی

ایک معیاری جامعہ بھی تھی جہاں سے دین مبین کے اہم اور دقیق مسائل کی تحقیق و تحقیق کا زبردست کام ہوا۔ یہی خانقاہ ایک مثالی دینی مدرسہ بھی تھی جہاں علوم قرآن و حدیث کا درس بھی دیا جاتا تھا اور تہذیب اخلاق کی علمی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند و معتبر دارالافتاء بھی تھی۔ جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی اور یہی خانقاہ تعلیم و تربیت روحانی اور تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق باطنی کی ایک ممتاز و منفرد تربیت گاہ تھی جہاں بڑے بڑے جید علماء مسلمانوں کے عوام کے ہر طبقہ کے لوگ ایک قلیل عرصہ میں تربیت باطن و تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر اور حقیقت تصوف و سلوک کا عرفان حاصل کر کے شائع طریق بنے اور منصب شد و ہدایت پر فائز ہو کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔

اسی زمانے میں تقریباً چالیس سال تک حضرت کالک کے طول و عرض میں بڑی کثرت سے تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رہا۔ بڑے بڑے شہروں میں مشہور دینی درس گاہوں انگریزی تعلیم گاہوں اور اسلامی انجمنوں کے شاندار جلسوں میں بار بار حضرت کے کثرت سے بڑے انقلاب انگیز اصلاحی و عظیم ہوئے بعض وقت و عظ کا یہ سلسلہ چار چار گھنٹہ تک جاری رہتا تھا ہزاروں کی تعداد میں لوگ دہا ہا ہا انداز میں جمع ہوتے تھے، اور دینی و دنیوی تقاضوں سے آگاہ ہو کر ایمانی تقویت حاصل کرتے۔

حضرت کے مواعظ کا موضوع خاص طور پر عقاید کی اصلاح، اعمال کی درستی، معاملات کی اہمیت اور اخلاق کی پاکیزگی کے لئے ہوا کرتا تھا۔ حضرت کی مساعی و جدوجہد کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے ضمیر میں اسلامی شعور و شعائر کا جذبہ بیدار ہونے لگا اور حق و باطل کا صحیح معیار واضح ہو گیا۔ اکثر و بیشتر مواعظ قلم بند ہوئے اور طبع ہو کر شائع ہوئے اور بہت سے وعظ صرف قلم بند ہو کر محفوظ رہے اور شائع نہ ہو سکے۔ تاہم شائع شدہ مواعظ کی تعداد تقریباً چار سو سے زائد ہے جو اب بھی وقتاً و وقتاً

تجدیدِ اشاعت ہو رہے ہیں اور ان سے مسلمان اب بھی مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

حضرت کی سوانح حیات پر نظر کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہ کی اس زمانے میں چونکہ احیائے سنت، اعلاء کلمۃ الحق اور اصلاح امت کا ایک عظیم الشان اور غیر فانی کام لینا منظور تھا اس لئے ابتدائے عمر ہی میں حضرت کے دل میں تبلیغ و اشاعت دین کا ایک مجددانہ و مصلحانہ ذوق اور تقاضا ودیعت فرمادیا تھا ابھی درس و تدریس ہی کا زمانہ تھا کہ حضرت نے اپنی خداداد فراست اور عام معلومات و تجربے کی بنا پر محسوس کیا کہ اس وقت عام طور پر مسلمان تعلیمات دین سے نا آشنا اور غافل ہوتے جا رہے ہیں اور اس وجہ سے طرح طرح کی گمراہیوں، غلط فہمیوں اور کوتاہیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اس زمانے میں مسلمانوں میں دو بڑے خطرناک رجحانات شدت پکڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو انگریزوں کے برسرِ اقتدار ہونے کی وجہ سے مغربی فلسفہ اور تہذیب و معاشرے کا اثر پھیل رہا تھا جس سے عام طور پر تعلیم گاہیں، تجارتی ادارے اور سرکاری محکمے اور عوام متاثر ہو رہے تھے جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی تعلیمات کی کمی کی وجہ سے بلا قید و بند ایک آزادانہ زندگی کی رو پیدا ہو گئی تھی۔ عام طور پر دین اسلام کی عظمت و وقعت دلوں سے کم ہونے لگی تھی اور دنیوی ترقی اور مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری دل کشی و جاذبیت سے عام مسلمان متاثر ہو کر اپنے مذہب سے بیگانہ اور نا آشنا ہونے لگا بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے اس کو شعائر اسلام سد راہ معلوم ہونے لگے، یہاں تک کہ مغرب زدہ آزاد دماغ میں یہ بات آنے لگی تھی کہ اس ترقی یافتہ زمانے میں احکامات شرعیہ پر عمل کرنا ممکن نہیں، خصوصاً معاملات معاشرت و اخلاقیات ایسے امور زندگی ہیں جن کو تقاضائے وقت کے لحاظ سے حسب ضرورت اپنے موافق بنایا جاسکتا ہے۔ مذہب سے ان کا کوئی واسطہ نہ ہونا چاہئے۔ دین بسین کے ان تین اہم اور بنیادی ارکان سے اس قسم کا انحراف دراصل

ایک درجہ میں ایمان ہی سے برگشتہ ہونے کے مترادف ہے۔ یہ فتنہ مسلمانوں کی عاقبت خراب کرنے کے لئے اس دور میں نہایت شدید و عبرت ناک تھا۔

حضرتؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے بڑی شد و مد کے ساتھ تبلیغ شروع فرمائی۔ اس موضوع پر سیکڑوں وعظ مختلف عنوانات کے ساتھ بیان فرمائے اور متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جو کثرت سے طبع ہو کر شائع ہوئیں۔ مثلاً انتباہات مفید بہشتی زیور

فروع الایمان، اصلاح النیال، حیوۃ المسلمین، آداب المعاشرت، اصلاح انقلاب امت، وعظ اسلام حقیقی، محاسن اسلام، دعوت الحق وغیرہ۔ بعونہ تعالیٰ مشرق سے غرب تک تمام

ملک میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کو ان سے خاطر خواہ نفع اور رہنمائی حاصل ہوئی۔ فلسفہ جدید کی

ظلماتی اثرات سے اور دین کے متعلق مختلف ادبام و شکوک سے ذہن پاک و صاف

ہو گئے۔ حضرتؒ نے کتاب و سنت کی روشنی میں دین کے ہر شعبہ میں اسلام کی فطری تعلیمات

کو بڑے دلکش اور دل نشین اور قابل قبول اور قابل عمل انداز میں صلائے عام کے ساتھ اہل فکر و

نظر کے سامنے پیش کیا اور ہر عنوان سے ثابت کر دیا کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایسا واحد

مذہب ہے جس کا تعلق انسان کی زندگی میں ہر ضرورت و ہر تقاضا شدہ بشری سے ہے اور ہر حائ

اور ہر دور میں ہر فرد اور ہر جماعت کے لئے نہ صرف قابل عمل بلکہ شرافت نفس اور تہذیب

و تمدن میں ترقی کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔

اس ہمہ گیر مصلحانہ تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی شعور اور اسلامی شعائر

کی طرف رجحان پیدا ہونے لگا۔ ہر طبقہ کے اکثر و بیشتر انگریزی تعلیم یافتہ لوگ خصوصاً سرکاری

محکموں کے بڑے بڑے عہدہ دار و کیل۔ بیرٹرنجج، منصف، مجسٹریٹ کثرت سے حضرتؒ

کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور بعض تو حلقہ بگوش عقیدت ہو گئے اور بعض کی باطنی تسلیم و

تربیت سے دینی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی کہ حضرتؒ نے ان کو اپنے خلفائے

مجازین صحبت " میں شامل فرمایا تھا۔ اس طرح حضرتؒ نے اس دورِ حاضر میں

ایک ایسی زندہ مثال قائم فرمادی کہ مسلمان خواہ کسی مشغلہ زندگی میں ہو اگر چاہے تو پکا و میدار بن سکتا ہے یہ حضرتؑ کی ایسی کرامت اور ایسا کارنامہ تبلیغ دین ہے جو ہر اعتبار سے انفرادیت کا درجہ رکھتا ہے۔

### ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ

ایسا کام نہ اس وقت اس طرح کہیں باضابطہ ہو رہا تھا اور نہ بعد میں کہیں اس کی مثال ملتی، دوسری اہم چیز جو حضرت رح کے دل و دماغ میں کاوش و اضطراب پیدا کر رہی تھی وہ دور حاضر کی خانقاہی فقیری و درویشی کی ہنیت کذالی تھی جہاں کتاب و سنت سے بالکل بیگانہ اور بے نیاز ہو کر چند جوگیا نہ رسم اور طریقہ نفس کشی ہی کو اصل حق ہونے کا ذریعہ اور چند ملحدانہ عقاید کو حاصل تصوف و سلوک سمجھ لیا گیا تھا یہ ایک عالمگیر فتنہ تھا جس میں اکثر دینی رجحان رکھنے والے نادان عوام مبتلا ہو رہے تھے، الا ماشاء اللہ حضرتؑ نے اپنی تمام مصلحتانہ توجہ اور مجددانہ تبلیغ کی جدوجہد اسی طبقہ کے لئے بھی خاص طور پر مبذول فرمائی اور اس موضوع پر عقاید و اعمال کی اصلاح کے لئے متعدد کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں سیکڑوں دعوے و ملفوظات قلم بند کر کے شائع فرمائے اور قرآن و حدیث کی غیر متزلزل سند کے ساتھ تمام باطل عقائد کا رد اور تمام غیر اسلامی رسم و روایات اور غیر معقول اور ملحدانہ رموز و اسرار باطنی اور گمراہ کن اصطلاحات کی تردید فرمائی اور نہایت نمایاں طور پر واضح کر دیا کہ طریقت یعنی تصوف و سلوک یا دوسرے الفاظ میں تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس دین مبین ہی کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اور اس پر شریعت و سنت کے مطابق عمل کرنا ایک درجہ میں ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے (چنانچہ کتاب ہذا تمام تر اسی موضوع کی تشریح و وضاحت پر مشتمل ہے)

اس کے علاوہ دین کے پانچوں شعبوں میں یعنی عقاید کے معاملہ میں فساد و الحاد کی

شمیت عبادات میں شمولیت، معاملات میں حق تلفیاں اور ظلم



معاشرے میں فواحشات و منکرات کی ترویج اور اخلاقیات میں نفسانیت و شہانیت کا قلب اور آمیزش ان سب سے اس زمانے میں عام طور پر ذہن ماؤت ہو رہے تھے اور الاماں اللہ، خواص و عوام سب ہی اس میں مبتلا ہو رہے تھے۔

حضرت رحمہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان سب مفسد و منکرات کی اصلاح فرمائی اور صحیح عقائد و اعمال کے لئے تصانیف و مواعظ و ملفوظات کے ذریعہ ایک ہمہ گیر تبلیغ فرمائی اور اس سے بجز اللہ خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

اسی طرح علوم دینیہ کے متعلق قرآن مجید کی تفاسیر میں احادیث سے استنباط میں فقہ کی توجیہات میں تصرف کی غایات میں جہاں جہاں خواص و عوام غلط فہمیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہو گئے تھے وہاں اس مجدد عصر کی نظر اصلاح کار فرما نظر آتی ہے اور ان علوم کے ہر باب میں مفصل تصانیف موجود ہیں۔

یوں تو علوم دینیہ کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سب ہی تصانیف و تالیفات اپنے مضامین کی جامعیت و نافعیت و انفرادیت کے اعتبار سے بے نظیر و بے مثال ہیں۔ لیکن حضرت رحمہ کے مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اور تربیت السالک علوم ظاہری و باطنی کے ایک بحر بیکراں ہیں۔ ان مواعظ و ملفوظات میں اکثر و بیشتر آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، فقہ اور طریقت کے متعلق بہت ہی نادر اور نازک و لطیف تفاسیر، تشریحات، تنقید و تدقیق بیان کی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ دنیا و آخرت کے متعلق مسلمانوں کے لئے ہزاروں قسم کے علوم اور معلومات کا بڑا گراں پایہ ذخیرہ ہیں۔ اسی طرح کتاب تربیت السالک بھی اہل باطن و اہل سلوک کے ہزاروں طرح کے احوال و کیفیات روحانی اور لذات و محرکات نفسانی اور او بام و مشکوک کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مہمانہ تحقیق و تدقیق کا عجیب و غریب مجموعہ اور علوم و ہوبہ کا بے نظیر خزینہ ہے۔



خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رح کی مصلحانہ و مجددانہ القرا دیت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت رح کی تمام تصانیف و تالیفات تمام مواعظ و موقوفات یعنی تمام تحریری و تقریری کا بزنامہ ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں اور آشکارا نظر آئے گی کہ دین مبین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اس حکیم الامت مصلح شریعت طریقت کے اصلاحی و تجدیدی جد و جہد کے احاطہ کے اندر نہ آگیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی عطا کردہ توفیق و نصرت و اعانت سے کثیر التعداد کثیر الاشاعت و کثیر المنفعت ایک بے نظیر و غیر فانی معتبر و مستند سرمایہ علوم و دینیہ و حکم ایمانیہ یہ مجدد عصر امت مسلمہ کی رشد و ہدایت کے لئے اپنی مختصر حیات کے بعد آٹھ نسلوں کے واسطے چھوڑ گیا ہے جو مسلمانوں کے حق میں ایک عظیم انعام و احسان ہے اللہ تعالیٰ اپنے اس مقبول بندے کو اپنے ابدی و سرمدی مقام قرب و رضا میں بہم ترقی درجات عطا فرمادیں آمین بحق سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بالآخر دین مبین کا یہ آفتاب عالمیاب نصف صدی سے زائد زمانے تک عالم اسلام کی فضاؤں میں اپنی ایوان از روز و غمیر فانی شعاعیں چھو کر ۸۲ سال کی عمر میں ۱۵ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء کی شہنہ کی شام میں غروب ہو گیا

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

اب یہ پیکر صدق و صفا ابدی و سرمدی رحمتوں کے ساتھ اپنی ارض وطن مالوف کے آغوش ناز میں آسودہ و خواہیدہ ہے۔

ہرگز نیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

مدفن: قبرستان موسوم بہ تکیہ جانب شمال خاقتانہ تھانہ بھون۔ مؤلف

# آداب سلوک

## حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مذاق سلوک

دردِ حاضر میں تہذیبِ اخلاق اور تزکیہٴ نفس کے لئے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مجددانہ و مصالحانہ اندازِ تعلیم و تربیت تھا۔ مقاصدِ تصوف و سلوک کے حاصل کرنے کے واسطے کتاب و سنت کی مطابقت میں سالکین و طالبینِ طریق کی تعلیم و تربیت کے ایسے ضوابط و دستور العمل مقرر فرمائے تھے کہ ہر درجہ و استعداد کا طالب حق ان کے مطابق عمل کرنے سے بغیر کسی کاوش و تردد کے اور بغیر کسی مشقت شدیدہ و مجاہدہ و تذبذب کے مقصودِ طریقی سے واقف ہو کر بہت جلد کامیاب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو مسائلِ سلوک میں جو خاص فہم و فراست و دلچسپی فرمائی تھی اس کے متعلق بطورِ تحدیثِ نعمت حضرت فرماتے ہیں: جو خدا کی نعمت مجھ کو حاصل ہے اس کو بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تربیتِ باطن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بہت آسان طریقے عنایت فرمائے ہیں، نیز امراضِ باطن کی تشخیص میں اللہ تعالیٰ نے فہم عطا فرمائی ہے اس میں رائے بہت کم غلطی کرتی ہے اور اکثر جو تجویز کیا جاتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے اور نافع ہوتا ہے۔ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کی دعاؤں اور توجہات کی برکت ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ فنِ تصوف کے امام تھے، مجدد تھے مجتہد تھے جو فنِ مدتوں سے مردہ ہو چکا تھا ان کے واسطے سے پھر از سر نو زندہ ہوا۔ حضرت فرماتے تھے کہ کوئی بھی مقصود ہو جو جب تک اس کے حاصل کرنے کے لئے صحیح ذرائع اختیار نہ کئے جائیں مقصود کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ تہذیبِ اخلاق اور تزکیہٴ نفس بھی دین کا ایک اہم اور بنیادی شعبہ ہے، اس کے حصول کے لئے بھی کتاب و سنت کے ضابطے اختیار کرنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے مقصود

کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ میری نظر میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور میری تعلیم و تربیت کا سارا دار و مدار اسی پر ہے میں طاقی میں تہذیب اخلاق کو سب سے زیادہ مقدم سمجھتا ہوں چنانچہ جب اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے طالب و سالک کو پہلے ہی سے اس بات کی فہم پیدا کرادی جاتی ہے۔ "حضرت" اکثر اس کی وضاحت فرماتے رہتے تھے کہ ذکر و اذکار بے شک نہایت ضروری اور مفید امور ہیں لیکن اخلاق و اعمال کی خرابی ایسا حجاب ہے جو ان کے اثرات و اوزار کو روح میں سرایت کرنے سے روک دیتا ہے اس لئے جب تک اصلاح اخلاق و اعمال نہ ہو اس وقت تک ذکر و اذکار سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔ عام طور پر حقیقت نامتاس صوفیاء و مشائخ کے یہاں اذکار و اشغال ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اصلاح اخلاق و اعمال کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک و طالب طریقی حقیقت مقصود سے بے خبر رہ کر ہمیشہ احوال و کیفیات کے چکر میں سرگرداں اور رضائے حق سے محروم رہتا ہے۔ حضرت نے اس دقیق اور اہم نکتہ سے اہل دل و اہل نظر کو آگاہ فرمایا اور اس کو اپنا اصول تربیت قرار دیکر ہمیشہ طالبین و سالکین کو سب سے پہلے اپنے اخلاق و اعمال درست کرنے کے لئے ہدایت و تلقین فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ "کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک قدر نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اخلاق و اعمال درست نہ ہوں۔ ذکر و شغل میں تو مزہ آتا ہے نہ کہ اسے تو چین نہ آئے عمل تو وہ ہے جس میں نفس پر تنگی ہو پھر رضائے حق حاصل کرنے کے لئے اس عمل کو اختیار کرے، اس طرح چاہے خود اپنے اوپر تکلیف اٹھالے مگر دوسرے کے حقوق ضرور ادا کرتا رہے۔" (اشرف السوانح)

فرمایا کہ دو گھنٹہ ضربیں لگائیں کیا مشکل ہے، تھوڑی دیر محنت کرنی پھر دن بھر رات بھر آزاد۔ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو رات دن اپنے نفس پر آ رہے چلا ہوں۔ قدم قدم پر یہ فکر ہو کہ کونسا کام جانتا ہے اور کونسا نا جانتا ہے؟

طالبین کے اندر اہتمام دین اور فکرِ جائز و ناجائز پیدا کر دینا ہی تو شیخ کی حقیقی کرامت اور اس کے صاحبِ فیض و برکت ہونے کی بٹن علامت ہے اور اس کا اصلی فرض منصبی بھی یہی ہے۔ (اشرف السوانح)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ”مجھ کو کسی ادبیات کا اتنا اہتمام نہیں جس قدر تہذیبِ اخلاق و دیانت کا ہے کیونکہ درس و تدریس کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال بھی نہیں ہے مثلاً میں اس پر زیادہ نظر نہیں کرتا کہ کس نے جماعت سے نماز پڑھی اور کس نے نہیں پڑھی۔ کیونکہ ادل تو عذر کا احتمال ہے دوسرے اس سے صرف فاعل کا حرج ہے کسی دوسرے کو اذیت نہیں۔ بخلاف اس کے کہ کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو جس سے دوسرے کو اذیت ہو اس لئے اس کا اہتمام کے ساتھ تدارک کیا جاتا ہے“ (اشرف السوانح)

## حقیقتِ تصوفِ علمِ باعمل ہے

(۱) ہمارے نزدیک حقیقتِ تصوف کی صرف علمِ باعمل ہے اور عمل وہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اور جو سالک کے اختیار میں ہے اس کے علاوہ سب چیزیں زائد ہیں اگر وہ عطا ہو جائیں اور شیخ ان کو بتلا دے تو نعمت ہے اور قابلِ شکر اور عطائے ہوں یا عطا ہو کر زائل ہو جائیں تو ان کی تحصیل کی فکر یا ان کے زوال پر قلق طریق میں ناجائز اور باطن کے لئے سخت مضر ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ شیخ کو اطلاع تو سب حالات کی ضروری ہے۔ اپنی رائے سے یا کسی خوب یا وارث کی بنا پر کوئی کام کرنا طریق میں ناجائز نہیں۔ پھر اس اطلاع کے بعد شیخ تدبیر اس کی کرے گا جس کا تعلق امر و نہی سے ہو بقیہ کی تدبیر اس کے ذمہ نہیں اس لئے طالب کو اس کا مطالبہ یا انتظار بھی طریق میں ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مرض یا کوئی

اثر و اقبی یا خیا بنی تکلیف دہ یا کوئی آفتِ داخلی یا خارجی، عارضی یا لازم ہو جائے اس کا تدارک بھی شیخ کے فرض منصبی کے حدود سے خارج ہے۔ (تربیت السالک) (۳) ملفوظ۔ فرمایا کہ طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے کے قبل اس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے۔ خاص کر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اس پر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگتا تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رحبیری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی کیفیات کا بزرگی سے کیا تعلق۔ ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فساق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں اور حیب وہ ان کیفیات

ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کو اصلاح نفس اور اصلاح اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے اس لئے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اصل مقصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے جس کا طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو بتلایا ہے۔ (اشرف السوانح ص ۱۹۵)

حضرت دالا اپنی اس ترتیب کے متعلق یہ فرمایا کرتے تھے کہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تو سلوک کی اصل ترتیب یہی ہے کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنیہ کی تکمیل کے بعد اذکار و اشغال شروع کرتے تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ اس زمانے میں عمریں اور ہمتیں دونوں قاصر ہیں تو انہوں نے اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں نے اپنے زمانے کے طالبین کی مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طریق اور اکابر متاخرین کے طریق کے بین بین طریق اختیار کیا ہے یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو گئی ہے اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے۔ اس وقت اذکار و اشغال بھی بتلا دیتا ہوں اور پھر

دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا رہتا ہوں غرض میں نے اکابر متاخرین کے طریق میں اپنے زمانے کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں۔ (اشرف السوانح ص ۱۹۲-۱۹۱ حصہ دوم)

## شاہی سلوک

حضرت والا کا انداز تعلیم تربیت یہ تھا کہ نہ تو ریاضات کراتے نہ مجاہدات، نہ ترک تعلقات نہ ترک لذات و مباهات بلکہ یہ تاکید فرماتے کہ خوب راحت و آرام سے رہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو معین عباد ہو البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو اور ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو۔ بس اللہ تعالیٰ نے مقصود کا جھولہ یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی، یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں آج کل ضعف غالب ہے البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے مگر نہ اتنا کم کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا ہو جائے، یہی شاہی سلوک ہے۔

(اشرف السوانح)

حضرت اپنے متعلقین مریدوں اور عقیدت مندوں سے ہمیشہ بہت ہی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ ملتے جلتے تھے مجلس میں اکثر دلچسپ مزاحیہ باتیں بھی کیا کرتے تھے۔

## امراض باطنی کالاجواب علاج

تعلیم و تربیت باطنی کے سلسلہ میں اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ حضرت نے اتنا واضح فرمایا ہے کہ صدیوں سے اس کا ایسا عام مفہوم بیان نہ ہوا تھا اور اس سے اتنا کام لیا ہے کہ ہزاروں مشکلات طریق اس کے ذریعہ سے حل فرمادیں جب کوئی طالب اصلاح

اپنے کسی رذیلہ کا علاج پوچھتا تو حضرتؒ سب سے پہلے یہی سوال فرماتے کہ یہ اختیار ہی ہے یا غیر اختیار ہی۔ اگر وہ کہتا کہ اختیار ہی ہے تو فرماتے کہ جس بات کا فعل اختیار ہی ہے اس کا ترک بھی اختیار ہی ہے، ہمت کر کے اختیار کو عمل میں لاؤ اور چھوڑ دو۔ اگر وہ کہتا کہ غیر اختیار ہی ہے تو اگر وہ دراصل غیر اختیار ہی ہو تو فرماتے کہ غیر اختیار ہی کا آدمی مکلف ہی نہیں۔ پھر اس میں دینی ضرر ہی کیا ہوا، جو اس کا علاج پوچھا جاتا ہے۔ اگر وہ کہتا کہ ہے تو غیر اختیار ہی مگر اس کی وجہ سے تکلیف و پریشانی تو ہے اور یہ تو قابل علاج ہے تو جواب ارشاد فرماتے کہ تکلیف و پریشانی کا علاج میرے ذمہ نہیں۔

حضرتؒ فرماتے کہ یہ اختیار ہی اور غیر اختیار ہی کا مسئلہ گویا نصف سلوک ہے، بلکہ قریب قریب سارا سلوک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے ظاہری و باطنی اعمال جن کا تعلق اور انداز ہی سے ہے سب اختیار ہی ہیں اور فرض و واجب ہیں ہر شخص اس کا مکلف ہے لیکن ان اعمال کے جتنے تاثرات و انفعالات ہیں، خواہ خطرات و سانس ہوں یا قبض و بسط یا وجدانیات و کیفیات سب غیر اختیار ہی ہیں اور غیر مکلف ہیں نہ وہ مضر ہیں اور نہ ان پر کوئی مواخذہ ہے۔

اس تفہیم و تعلیم سے حضرتؒ نے شریعت و طریقت کی تمام دشواریوں کو نہایت آسان و قابل عمل بنا دیا۔

## تایید بیعت

بیعت کا معاملہ بھی محض ایک خانقاہی رسم ہو کر رہ گیا تھا۔ حضرتؒ نے اس کی حقیقت اور اس کی اہمیت و ضرورت خاص طور پر بڑی وضاحت کے ساتھ نمایاں فرمائی اور اس کے صحیح اصول پر تمام عمر عمل کر کے ہمیشہ کے لئے ایک مثالی معیار قائم فرمایا: حضرتؒ کا ارشاد ہے کہ:-

لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ کیا جائے صرف زبانی معاہدے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کہا جائے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے، تو اس پر کوئی راضی نہیں ہوتا اس لئے جو موقوف علیہ نہ ہو اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی اصلاح ہونی چاہئے اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اس طریقے کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے اور زبان سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریقہ پر عمل کریں اور مجھے چونکہ اس ہیئت خاصہ سے افراطی الشفقت ہو جاتی ہے اس لئے میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں، اس طرح غلو فی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور ضرر کی بھی۔ (اشرف السوانح ۲)

## عملی اصلاح

چونکہ آج کل بیعت کو عموماً لوازم طریق سے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصل چیز استفاضہ ہے اس لئے حضرت اس غلو فی الاعتقاد کی اس طرح عملی اصلاح فرماتے تھے کہ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو اول اس سے بیعت کی غایت دریافت فرماتے اور جب تک وہ صحیح غایت نہیں بتلاتا برابر ہتھسار فرماتے رہتے یہاں تک کہ استفسار ہی سے سمجھ کر وہ خود صحیح غایت بتا دیتا یا اپنے غمخ کا اقرار کر کے خود حضرت سے دریافت کرتا تو حضرت خود اس کو صحیح غایت بتا دیتے شروع میں اس لئے نہ بتاتے کہ جو بات خود مخاطب کی قوت فکر پر بوجھ پڑنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یا بتائی جاتی ہے وہ اس قدر سختگی کے ساتھ ہن نشین ہوتی ہے کہ پھر کبھی نہیں بھولتی۔

جب طالب کو غایت بیعت متعین ہو جاتی تو پھر فرماتے کہ یہ غایت تو بیعت پر



موقوف نہیں یہ تو تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے اگر وہ کہتا کہ اس طرح شیخ سے مناسبت اور تعلق خاص پیدا ہو جائے اور عمل آسان ہو جائے تو پھر دریا فرماتے کہ آیا صرف مرید ہی کو شیخ سے مناسبت ہو جانا کافی ہے یا اس کے علاوہ شیخ کو بھی مرید سے مناسبت ہونا ضروری ہے۔ جب اس سے یہ اقرار کر لیتے کہ جانبین میں مناسبت ہونا ضروری ہے تو فرماتے تو اس کے لئے تو صرف بیعت کافی نہیں بلکہ اور چند چیزیں بھی ضروری ہیں مثلاً کچھ دن پاس رہنا، خصوصیات مزاج کا شمع اور ان کی رعایت کرنا کچھ عرصہ تک تعلیمی خط و کتابت جاری رکھنا وغیرہ۔ غرض جانبین کی مناسبت کے لئے صرف بیعت کافی نہیں بلکہ شیخ کو طالب کے ساتھ زیادہ تر اس کے برتاؤ سے مناسبت پیدا ہوتی ہے (اشرف السوانح ۲)

### بیعت میں مناسبت یا ہمی شرط ہے

فرمایا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ اس کے لئے بھی شرط ہیں۔ اور بیعت میں عجلت ہرگز نہ کرنا چاہئے تاکہ جانبین کو ایک دوسرے کی جانچ کا اطمینان سے موقع مل سکے، نیز اس میں طلب کا بھی امتحان ہو جاتا ہے۔ جب تک آپس میں مناسبت پیدا نہ ہو بیعت سے کوئی فائدہ نہیں، اور مناسبت کثرت مجالست و درتہ کثرت مکاتبت سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ بھی جب ممکن ہے جب طالب کو غایت بیعت اور مقاصد کا اچھی طرح علم ہو جائے۔ (اشرف السوانح)

حضرت امر بیعت میں اپنے شرح صدر کو بھی دیکھتے تھے بلکہ دراصل قبول بیعت کا زیادہ تر دار و مدار قبول قلب ہی پر ہوتا ہے، جن طالبین کی صلاحیت اور مناسبت پر طلب شہادت نہیں دیتا اور جن کی طرف دل و دماغ رجوع نہیں ہوتا ان کو حضرت بیعت نہیں فرماتے تھے بلکہ غیب سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی کہ ان سے خود ہی بیچھا چھوٹ جاتا (اشرف السوانح)

## چاروں سلسلوں میں بیعت

حضرت والا اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے طریق اہل حق اور معمول مقبول کے مطابق طالبین کو بیعت فرماتے وقت چاروں سلسلوں میں داخل فرماتے تھے تاکہ سب اکابر طریق سے انتساب ہو جائے اور سب کی برکات نصیب ہوں۔ نیز چاروں سلسلوں کے بزرگوں کے ساتھ یکساں اعتقاد رہے، اور ایک سلسلہ کے بزرگوں کو دوسرے سلسلوں کے بزرگوں پر فضیلت نہ دیں جو اس لئے ممنوع ہے کہ اکثر اس تفضیل سے دوسرے بزرگوں کی تنقیص لازم آجاتی ہے، جو ناجائز بھی ہے اور نہایت خطرناک بھی کیونکہ بزرگوں کے ساتھ سو وطن بعض اوقات سو رختامہ کا سبب ہو جاتا ہے ورنہ برکات سے محرومی تو ضرور ہی ہو جاتی ہے۔

(اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۸۵)

حقیقت یہ ہے کہ تمام سلسلوں کے بزرگوں کا یہی نصیب العین تھا کہ سالکین اور طالبین حق کی اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے لئے حسب ضرورت مجاہد سے کراسے جائیں تاکہ ان کے قلوب کی صلاحیتیں درست ہو جائیں اور کیفیت تقویٰ پیدا ہو جو ذریعہ حصول رضائے حق اور تعلق مع اللہ کا۔ اس کے لئے وہ جو تدابیر اختیار فرماتے تھے وہ اصول شریعت اور سنت کے مطابق ہوتی تھیں کیونکہ تزکیہ نفس کی وہی حقیقت ہے جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم متجانب اللہ مامور تھے جیسا کہ **يُزَكِّي نَفْسَهُمْ** آپ کی شان میں وارد ہے۔ وہ تعلیم تا مراحہ دیت میں مدون اور محفوظ ہے۔

حضرت نے جس طرح شریعت کی بدعات کو مٹایا اسی طرح طریقت کی بدعات کو بھی ختم کیا۔ تمام خالقہ ہی رسومات و روایات کو صحت کر دیا اور چاروں سلسلوں کی تعلیم کی تجدید کی، فرماتے تھے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کیفیات باطنیہ اور مقامات روحانیہ ہمارے یہاں نہیں ہیں۔ الحمد للہ سب کچھ ہے، کشف و کرامات و تصرفات وغیرہ اپنے مقام پر سب برحق، لیکن پھر بھی ان میں مادیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو اس سے بہتر

اور قوی و لطیف چیز عطا فرمائی ہے، وہ ہے روحانیت، اس کے بھی لطائف و مدارج ہیں مگر روحانیت کی ترقی منحصر ہے تعمیل احکام شرع پر کیفیات و مکاشفات کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ساری طریقت اور سلوک کاراثر آیاتِ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے اندر مضمون ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات ہوئے وہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ انہیں کاملاً اختیار کر دیا۔ انہیں کی تقلید سے تم پر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات نازل ہوں گے اور تعلق مع اللہ قوی ہوگا اور ترقی کرے گا۔ اس طرح امتداد زمانہ سے چاروں سلسلوں میں جو مغائرت پیدا ہو گئی تھی اور آپس میں رقابت اور غلط احساسِ فضیلت پیدا ہو گیا تھا اس کو رفع فرمادیا۔ اور سب کا منبع اور مزج شریعتِ غرہی کے واحد مرکز پر قائم فرما کر حقیقت طریق و سلوک کو مستند و معتبر بنا دیا۔ فرمایا کہ نقشبندیہ و چشتیہ سب نام ہیں اور حقیقت سب کی ایک ہے یعنی

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

نیز بعض نقشبندیوں کا مزاج چشتیہ ہوتا ہے اور بعض چشتیوں کا مزاج نقشبندیہ ہوتا ہے یقیناً ایسی ہے جیسے وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اسی طرح دوسرے سلسلوں کا معاملہ ہے۔

بیعت لینے کا طریقہ

خطبہ: اما بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۞ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاهدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۞ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصّٰدقین ۞ ان الذین ینٰیعونک انما ینٰیعون اللہ ۞ اللہ ۞ ید اللہ فوق یدہم فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ۞ ومن اوفیٰ بما عاہد علیہ نسوئہ اجرًا عظیمًا ۞ اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ لکر

فرماتے جو میں کہتا جاؤں تم بھی وہ کہتے جاؤ (عورتوں سے فرماتے اپنے دل میں کہتی جاؤ) یہ کہو توبہ کی میں نے  
 شرک کے کفر سے بدعت کے چھوٹے بڑے گناہوں سے اور ایمان لایا میں اللہ پاک پر اور اس کے سچے  
 رسول پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ عہد کرتا ہوں میں کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھو گناہ کا، رمضان شریف کے روزے  
 رکھو گناہ اگر مال ہو گا زکوٰۃ دو گنا زیادہ گنجائش ہوگی توجیح کرو گناہ رسول کے احکام جہاں تک ہو سکیگا  
 بجا لاؤں گا اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان کو ہرگز نہ کرو گناہ اگر خطا ہو جائیگی تو فوراً توبہ کر لوں گا بیعت ہوتا  
 ہوں میں چاروں سلسلوں میں چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ اے اللہ ان سب خاندانوں کی برکت نصیب کر  
 اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ حشر فرما آمین اب غار کرو کہ اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ چلنے سے غامض ایمان پر ہوا  
 نیک عملوں کی توفیق ہو۔ پھر فرماتے مسائل کیلئے بہشتی زیور بہشتی گوہر کا مطالعہ کرتے رہیں قرآن شریف کی تلاوت  
 نماز تہجد یا بعد عشا چار رکعت یا آٹھ رکعت پانچوں نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ چلتے پھرتے ہتھکڑیاں کثرت۔

### سالمین طریق کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی ہدایت

طالبِ طریق سے فرماتے تھے کہ اپنی تمام روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیتا رہے اور محض کا  
 نفس پر نظر رکھے اور اس کا اندازہ کر کے تعلق مع اللہ میں اس کے حسانت اور ذائل کس  
 طرح کام کرتے ہیں۔ دین اور امور شریعت اور اتباع سنت میں کس طرح غلبہ دشواری محسوس  
 ہوتی ہے اور کس طرح کے ادھام و شکوک پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان کے تدارک کی فکر اور اصلاح  
 کا تقاضا ہو۔

فرماتے تھے کہ مسلمان کی روزمرہ کی زندگی میں تمام شریعت، تمام سنت اور تمام  
 طریقت ہی سے معاملہ رہتا ہے جس کا مختصر حاصل یہ ہے کہ حقوق، حدود اور حفظ حدود۔

حقوق تمام احکامات شرعیہ

حدود تمام اتباع سنت

حفظ حدود تمام طریقت

بس انہیں تین باتوں کا حق ادا کرنا مسلمان کے لئے حصول مقام عبادت کا ذریعہ ہے۔

حضرت رح کے ضابطہ تعلیم و تربیت میں چند خاص بنیادی اصول تھے جن کی فہم پیدا ہو جانے سے طریق میں کوئی گنجلک پھپھکی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا۔ مثلاً

مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا۔

عقل کو شریعت کا منبع رکھنا

اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا۔

سالک کو اپنی تجویز ترک کرنا اور تقویٰ کو اختیار کرنا۔

مقصود شرعیہ کو پیش نظر رکھنا اور غیر مقصود کی طرف توجہ نہ کرنا۔

کیفیات باطنہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا۔

طبعی امور سے مقایسہ نہ ہونا بلکہ عقل کے فتویٰ پر عمل کرنا۔ اور

ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

تربیت باطن کے متعلق حضرت رح کے یہ چند مجددانہ اصول تھے چنانچہ سالکین و طالبین کو حضرت رح ہمیشہ ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ اپنے تمام امور زندگی میں خصوصاً باطنی حالات و کیفیات میں وجدانیات و مکاشفات میں، جذبات و خیالات میں، وسوس و خطرات میں انہیں مذکورہ معتبر دستاویز اصول کو پیش نظر رکھ کر کام کریں۔ پھر جو بھی حالات پیش آئیں اور جن میں تردد و تشویش خاطر ہو ان کو اپنے مصلح و مرشد کو تحریر کر کے مطلع کرتے رہیں اور ان کا جو بھی مشورہ یا ہدایت ہو اس پر خلوص کے ساتھ عمل کریں۔

مختلف ماحول و استعداد کے سالکین و طالبین نے اپنے تمام ادہام و شکوک اور اندیشہ ناک خطرات و وسوس کو اور ظاہری و باطنی احوال و اعمال کو حضرت رح کے سامنے پیش کیا اور ہدایت طلب کی ہے حضرت رح نے ان کے لئے بہت ہی خوب و نافع اور صحت بخش اکیسری نسخے تجویز فرمائے ہیں جن کے مطابق عمل کرنے سے الحمد للہ سائلین و سالکین کو نفس مطمئنہ کی دولت نصیب ہوتی ہے اور انشا اللہ نصیب ہوتی رہے گی۔

یہ سوالات و جوابات یکجائی صورت میں مدون ہو کر تربیت سالک میں شائع ہو گئے

ہیں۔ یہ تربیت سالک گویا طب روحانی کی قرابادین اعظم ہے اس میں آپ ہر طرح کے لوگوں کے حالات مطالعہ کریں گے۔ اس میں علماء و صوفیاء بھی ہیں، انگریزی تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگ بھی ہیں۔ دفاتر میں کام کرنے والے بھی ہیں۔ سب ہی کے دل کی آواز اس میں منکور ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں مطالعہ کرنے والے کے لئے بھی داروئے شفا ہو۔ یہ انداز تعلیم و تربیت اس مجدد اعظم کا اس دور حاضر میں بہت عظیم المثل اور منفسر کارنامہ ہے جس نے عالم تصوف میں ایک زندہ جاوید انقلاب پیدا کر دیا اور شاہراہ حقیقت صدیوں کے لئے ہموار و بے غبار و بے خطر ہو گئی اور نفسِ شیطان کی شرارتوں اور فریب کاریوں سے ماموت و محفوظ ہو گئی۔

## تربیت کے چند اصول

طالبین طریق جو سلسلہ میں داخل ہونا اور بیعت ہونا چاہتے تھے ان کے متعلق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصول و ضوابط کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔

فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اس کو دین کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنے کے لئے چند کتابیں پڑھنے کے لئے کہتا ہوں مثلاً تصد السبیل بہشتی زیوہ اور مواظف و ملفوظات کو تاکیداً مطالعہ کے لئے کہتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اس سے طالب کو بیعت کی غایت معلوم ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص یہ لکھتا ہے کہ ہم نے کتابیں پڑھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ پڑھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر پیدا کیا۔ اس طریقے سے وہ نفع ہوتا ہے جو برسوں کے مجاہدے سے بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول ہی روز سے کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اہل چیز فکر ہے جب آدمی فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے۔ بس میں اول ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں جس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

فرمایا طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں۔ اس کا

کار آمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی قدمت، صحبت اور نظر عنایت پر اس کا التزام  
 نہایت اہتمام سے رکھیں۔  
 بعض تعلیمی ضابطے  
 بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق  
 گر ملک باشد سیہستش ورق

بیعت کرنے کے بعد اور قبل تلقین اذکار طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرمائیے  
 اور ان میں مناسب کمی بیشی فرما کر اور ادب جو نیر فرمادیتے اور اس کی وجہ سے ہی بیان فرماتے کہ پرنے  
 معمولات سے چونکہ دلچسپی و اُتس ہو جاتا ہے اس لئے ان کو چھوڑنے کو بھی دل گوارا نہیں کرتا  
 اس لئے بلا ضرورت ان کو نہیں چھڑواتا۔ نیز قدیم معمولات میں مداومت کے بدولت  
 ایک خاص برکت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (اشرف السواخ حصہ دوم)

تعلیم و تربیت کا طریقہ حضرت کے یہاں یہ بھی تھا کہ طالب کو ہدایت ہوتی تھی کہ اس  
 معاملہ میں زبانی کوئی گفت گو نہ کرے جو کچھ دریافت کرنا ہو یا جو اپنا باطنی حال اظہار کرنا  
 ہو۔ وہ تحریر کے ذریعہ سے کرے چنانچہ ایسے خطوط کے جواب ہمیشہ سائل کی عبارت کے سامنے  
 حاشیہ پر تحریر فرمادیتے تھے تاکہ سوال و جواب ایک ساتھ رہیں اور بعد میں کوئی مغالطہ پیدا  
 نہ ہو۔ یہ بھی ہدایت تھی کہ ہمیشہ جوابی لفاظی بھیجا جائے۔ کارڈ پر حالات لکھنا پسند  
 فرماتے تھے۔ یہ بھی ہدایت تھی کہ خط ہفتہ میں ایک بار لکھا جائے اور ہر خط میں صرف  
 ایک مضمون ہونا چاہئے۔ سائل کو اپنے احوال باطنی سوائے اپنے شیخ کے دوسروں  
 پر ظاہر کرنے کی سخت مانعت تھی۔

یہ بھی ہدایت تھی کہ ہر نئے خط کے ساتھ پھلپلا خط بھی ملفوف کیا جائے اور خطوط کو محفوظ  
 رکھنے کی ہدایت تھی تاکہ آئندہ ان کے مطالعہ سے یادداشت تازہ ہوتی رہے۔

حضرت کا یہ بھی انداز تعلیم و تربیت تھا کہ روزانہ کی مجلس میں خاص طور پر ایسے مضامین  
 بیان فرماتے جس سے عام طور پر لوگوں کو سابقہ رہتا ہے مثلاً معاشرے کی خرابیاں، معاملات  
 میں کوتاہیاں، اخلاق کی کمزوریاں۔ ان باتوں کو کچھ ایسے پیرائے سے حکایات و روایات  
 کے طور پر بیان فرماتے کہ ان کے اسباب پر نظر پہنچتی پھر ان کے تدارک کے لئے تدابیر

یہ جو فرماتے جاتے۔ یہ انداز بیان گو عام حالات کے متعلق ہوتا مگر مجلس میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ گویا حضرت کو اس کے حالات کا کشف ہو رہا ہے اور حضرت اس کے دل کی بات بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بات حضرت کے لئے عام طور پر مشہور تھی کہ حضرت کو کشف ہوتا ہے مگر حضرت اکثر اس کی تردید یقین کے ساتھ فرماتے تھے کہ ہرگز یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس سے کام لیتے ہیں اس کی اعانت فرماتے ہیں اور لوگوں کے حسب حال جو بات ہوئی ہے وہ بیان ہو جاتی ہے۔

## اوراد و وظائف

سالکین و طالبین طریق کے لئے ان کی استعداد اور تحمل کے موافق کچھ اوراد و وظائف اور ذکر و اذکار بھی تعلیم فرمادیتے تھے اور ان پر التزام و دوام کے لئے تاکید بھی فرماتے تھے مگر ہمیشہ متنبہ فرماتے رہتے تھے کہ صرف انہیں باتوں کو مدار ترقی باطن نہ سمجھیں یہ باتیں صرف محدود معاون ہیں اور اصل شے جس سے معرفت، تقویٰ، شرافت، نفس حاصل ہوتی ہے اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف ظاہر و باطن کے اور امر و نہی پر عمل اور اتباع سنت ہی پر منحصر ہے جو ہر شخص پر فرض و واجب ہے اور یہی حاصل تصرف و سلوک ہے جو لوگ اس کی اہمیت نہیں سمجھتے اور اس پر عمل نہیں کرتے وہ عمر بھر سرگرداں اور نامراد رہتے ہیں اس وقت اکثر علماء اور صوفیاء کا یہی حال ہے الاما شا اللہ۔

## تربیت گاہ باطن

حضرت کی تربیت گاہ باطن میں نہ کیفیات و ذوقیات تھیں نہ وجد و حال، نہ رسمی مجاہدے تھے نہ مراقبے، بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکامات کی بجا آوری کا تھا۔ دھن تھی تو اپنے ہر انداز زندگی میں اپنے محبوب، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر انداز زندگی کی اتباع کی تھی۔ نکر تھی تو نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کی تھی اور تاکید تھی تو صرف یہ تھی کہ اپنے ظاہر کو بھی پاک و صاف رکھو اور اپنے باطن کو بھی طاہر و طیب رکھو۔ اگر ان باتوں کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ دونوں جہان کی دولت ہاتھ آگئی۔

سالکین کو اس کی بھی تاکید جاتی تھی کہ منجملہ حقوق طریق کے یہ بھی لازم و واجب ہے کہ



حقوق العباد کا حدود شرع کے اندر خیال رکھا جائے ماں باپ کے حقوق۔ بیوی بچوں کے حقوق۔ عزیز واقارب کے حقوق۔ دوست احباب کے حقوق۔ اہل تعلقات کے حقوق ادا کرتا محض نوافل داد و دو طرفہ کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ ان میں کوتاہی کرنے سے مقصود طریق کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کی مخلوق کو ناراض کر کے خالق کو برا نہی کرنا۔

ایں خیال است محال است جنوں

حقوق العباد کا ادا کرنا فرض و واجب ہے، ان کے ترک سے مواخذہ ہوگا۔ اور ترک و ظائف پر کوئی مواخذہ نہیں، یہ تو مستحب ہے۔ توجو کام ضروری ہے اس کو ترک کر کے غیر ضروری کام کو ضروری اور اس پر کامیابی کا دار و مدار سمجھنا محض خوش فہمی اور جہالت ہے اور انجام کا گمراہی اور نامرادی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں اعمال واجبہ کی وہ عظمت و عظمت نہیں جو غیر واجبہ کی ہے۔ نوافل و وظائف کی کثرت کو زیادہ موجب قرب سمجھتے ہیں اور دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا اور کسی کو اذیت نہ پہنچانا اس کو موجب قرب نہیں سمجھتے۔ اعمال واجبہ کو حقیر سمجھنے کا سبب، ان اعمال کا عموم ہے کہ اس کو تو سب ہی کرتے ہیں۔ پھر ان میں خصوصیت ہی کیا ہے کوئی خاص امتیازی بات تو ہے نہیں۔ ان میں حصول دولت و قطبیت و غوثیت کی کون سی بات ہے۔ ان میں سوز و ساز ہے نہ کیفیات نہ وجد نہ حال کس قدر افسوسناک یہ انداز خیال ہے اور محض باطل ہے۔

حضرت رح اپنی مجالس میں بڑی اہمیت کے ساتھ آداب معاشرت بتایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ کوئی اپنی پسند کی چیز نہیں ہے کہ جو دل چاہا اپنی مرضی کے مطابق معاشرہ اختیار کر لیا۔ کتاب و سنت میں اس کے آداب و حدود بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ اس میں بھی جائز و ناجائز ہے حلال و حرام کا تعلق ہے، اس لئے جو عمل خلاف دین ہوگا ضرور قابل مواخذہ ہوگا۔

موجودہ تہذیب و تمدن میں مزاج ایسے بدل گئے ہیں کہ عوام تو کیا خواص کو بھی اس طرف التفات نہیں لیکن سالک کے لئے یہ بات بڑے خسراں کی ہے کہ دین کے اہم

شعبہ کو نظر انداز کیا جائے۔ اس خلاف درزی کام تکبوتے ہوئے رضائے حق، جو مقصود طریق ہے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت نے متعدد وعظ اس موضوع پر فرمائے ہیں اور چند کتابیں اس مضمون پر تالیف فرمائی ہیں۔ حضرت رسالکین اور زیر تربیت اشخاص کو بڑی اہمیت کے ساتھ اس بات پر توجہ دلاتے کہ عالم تعلقات میں اپنا جو معاملہ یا برتاؤ دوسرے کے لئے باعثِ اذیت ہو یا اس کی ناگواری کا سبب ہو وہ طریق میں سخت قسم کا سدا راہ ہے۔ کسی کو اپنی ذات سے ادنیٰ ناگواری بھی نہ ہو اس کا خیال رکھنا ہر شخص پر واجب ہے اور یہی حاصل سلوک ہے۔

حضرت رسالکین کے لئے تمام کیفیات و انفعالات باطنی کو نظر انداز کر کے دُور باتوں کی خاص طور پر تلقین فرماتے۔ ایک یہ کہ غایتِ طریق پر نظر رکھی جائے کہ وہ رضائے حق ہے جس کا حصول محض ادلئے حقوق واجبہ پر منحصر ہے۔ دوسرے معاملات و تعلقات میں اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے پلئے یہی شرائطِ نفس اور صحیح حسابِ انسانی کی علامت ہے اور غایتِ سلوک ہے۔

اصلاحِ نفس میں اصلاحِ بدن کو کافی دخل ہے اس لئے بقدر وسعت ضرورتِ غذا اور دوا کا اہتمام بھی عبادت اور سنت ہے، ان لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاَنْ لِّجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا حَدِيثٌ هُوَ (تربیت السالک)

## سیاستِ تربیت

جن لوگوں سے اصلاحی تعلق تھا حضرت رسالکین کو توجہ کے ساتھ ان کے خاص خاص

حالات اور حرکات و سکنات پر نظر رکھتے تھے خواہ کتنا ہی خصوصی و قریبی تعلق کیوں نہ ہو اس معاملہ میں کبھی مروت اور چشم پوشی نہ فرماتے۔ معمولی معمولی غلطیوں پر سخت وار و گیر فرماتے تھے کیونکہ اپنے متعلقین کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنا طریق میں خیانت ہے اور ان کے لئے خرابی کا باعث ہے۔ اس لئے کسی میں اگر بے پرواہی یا بے حیائی یا بے فکری کی عادت دیکھتے تو اس کو بڑی سختی سے متنبہ فرماتے اور صحیح بات اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے۔ کسی کو اپنی ذمہ داری کے کاموں میں غفلت برتنے پر سخت سرزنش و مواخذہ فرماتے کسی کو بد نظمی اور بے عقلی کے ساتھ کام کرتے دیکھتے تو سخت وار و گیر فرماتے اور جب تک وہ صحیح بات نہ سمجھ لیتا اس وقت تک اس کو معاف نہ فرماتے۔ بے ادبی اور بد تمیزی کی باتوں پر حضرت رحمہ اللہ سخت غصہ آجاتا تھا۔ اور لہجہ جہل کر سخت قہقہائش فرماتے۔ جن لوگوں میں شرارتِ نفس اور بد اخلاقی کا مادہ ہوتا جو دوسروں کے لئے وجہ اذیت ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ ان کی سختی کے ساتھ اصلاح فرماتے۔

سالکین کی اس طرح کی تقصیرات اور قامیوں کی اصلاح کے لئے بطور معالجہ ہر شخص کی حالت کے لحاظ سے تادیب و سرزنش کا انداز بھی جدا گانہ تھا کسی کو مجلس سے اٹھا دیتے کسی کو ایک مدت تک کے لئے مکاتبت یا مخاطبت کی ممانعت فرما دیتے۔ کسی کو شدید غلطی پر قطع تعلق کی دھمکی دیتے۔ کسی کو بے پرواہی اور حرکات نازیبا پر سخت قسم کے جرم نے تجویز فرماتے مثلاً کسی کو کچھ دنوں کے لئے مسجد میں جھاڑو دینے اور نازیروں کے جوتے سیدھے کرنے کے لئے فرماتے۔ کسی کو کچھ رقم بطور جرمانہ کسی خاص طریقے سے صرف کرنے کے لئے، کسی کو معمولات اور ادوار و وظائف کچھ عرصہ تک ترک کر دینے کے لئے یا کسی کو نوافل خاص تعداد میں ادا کرنے کے لئے جو نفس پر شاق ہو حکم فرماتے۔ کسی کو ہتذیب نفس کے لئے کوئی عبادت شاقہ تجویز فرماتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غایت ان سب مواخذوں سے سالک کی اصلاح ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ باوجود اس سخت گیری کے ہر معاملہ میں مشفقانہ اور مہربانہ انداز ہی ہوتا تھا۔ خود ہی فرماتے تھے کہ جب میں کسی سے خفا

ہوتا ہوں تو برابر اس کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور عین اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے ہر موافقے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور یہ بات میری عادت میں داخل ہو چکی ہے کہ بھی اس میں ذہول نہیں ہوتا۔

یہی سبب تھا کہ باوجود مورد عتاب ہونے اور ناراضگی کے ہر شخص مجھ سے کہتا تھا کہ حضرت کے غصہ سے دل روشن ہو جاتا ہے اور حضرت کے ساتھ عقیدت و محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت کی تعلیم و تربیت کی یہ بھی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ سالک طالب طریق کی کسی ہی ابر اور اندیشہ ناک اور مالوس کن حالت ہو حضرت ہمیشہ اس کو امید افزا اور حوصلہ افزا اور ادا و شفا ئے باطن تلقین فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت بے پایاں کی طرف متوجہ فرماتے تھے جس سے بہت لوگ تسکین و طمانیت قلب حاصل کر کے باطنی و ظاہری ہلاکت و بربادی سے بچ گئے۔

حضرت والا کی جو بات بھی تھی، نہایت باضابطہ اور با اصول تھی۔ لیکن یہ بھی بار بار فرمایا کہ مجھے انتظامات کا خواہ مخواہ شوق نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو ان اصول و حشت ہوتی ہے کیونکہ میری طبیعت فطری طور پر بہت آزاد ہے، مگر جہاں ضرورت ہو اور بدون انتظام کام ہی نہ چلے وہاں مستظم ہونا ہی پڑتا ہے، اور وہاں منظم ہونا ہی ضروری ہے۔ کیوں کہ جہاں ضرورت ہو وہاں تو انتظامات میں مجھے بجائے مشقت اور وحشت کے نہایت مسرت اور دلچسپی ہوتی ہے۔ (اشرف السوانح ص ۷۰)

حضرت اکثر فرماتے کہ میں فقط دوسروں ہی کو اصول صحیحہ کا پابند نہیں بناتا بلکہ اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں اور یہ تکلف یا تصنع سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اصول صحیحہ کی پابندی میرا مقتضائے طبعی ہو گیا ہے۔ گو اس میں کسی قدر مشقت بھی ہو اور گو اس کا تعلق میرے محکومین اور تابعین ہی سے ہو۔ کیونکہ اصول صحیحہ ہر حال قابل احترام

ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر اہل معاملہ کو میری رعایت اصول کا علم بھی نہیں ہوتا۔ لیکن میرے قلب کو توستی رہتی ہے کہ میں نے اصول صحیح کی رعایت کی کسی کو جتلانا تھوڑا ہی مقصود ہے۔ اور میں نے یہ قواعد سوز سوز کر بلا ضرورت پہلے سے تجویز نہیں کئے۔ بلکہ جیسے جیسے معاملات لوگ میرے ساتھ کرتے گئے اور ان کی بنا پر جیسی جیسی ضرورت پیش آئی گئی تو اعلیٰ میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ باقی حذر نہ کرے مجھ کو کوئی شوق تھوڑا ہی ہے خواہ مخواہ قواعد بنانے کا، اور لوگوں کو تنگی میں ڈالنے کا۔ استغفر اللہ۔ بلکہ واللہ مجھے بعض ضابطے کے قواعد تجویز کرتے وقت نہایت شرم آتی کہ یہ کیا دامیات عبدالباقی کے سے ضابطے ہیں۔ لیکن کیا کرتا ضرورتوں نے مجبور کر دیا۔ میرا مقصود ان قواعد سے صرف یہ ہے کہ نہ مجھے کوئی اذیت ہو نہ دوسروں کا کوئی کام ٹکے۔ ورنہ اگر یہ قواعد نہ ہوتے تو بڑی گریبڑ رہتی۔ نہ مجھی کو راسخ رہتی۔ نہ لوگوں کے کام بنتے۔ اب تو بفضلہ تعالیٰ دونوں کی مصلحتیں پوری ہو رہی ہیں۔

میرے قواعد اپنی ذات میں بالکل سہل ہیں البتہ میں بھی ان کی پابندی سختی سے کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی ان کی پابندی سختی سے کرتا ہوں۔ بس اس پابندی ہی سے لوگ گھبراتے ہیں۔ حالانکہ بلا تشبیہ شراعیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں۔ چنانچہ نصوص صریحہ سے ان کا سہل ہونا ثابت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمُ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

اور حدیث شریف میں ہے الدین یسر

لیکن ان کی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہے اور ان کے ترک پر سخت سخت وعیدیں

ہیں۔ چنانچہ نماز اپنے ارکان و شرائط کے لحاظ سے بہت سہل عمل ہے اور معذوری کی

حالت میں اس کے اندر اور بھی سہولتیں رکھ دی گئی ہیں۔ لیکن اس کی پابندی بڑی سختی کے

ساتھ کرائی گئی ہے اور اس کے ترک پر دنیا و آخرت میں سخت سخت وعیدیں اور سزائیں ہیں

دنیا میں تو بعض ائمہ نے ترک نماز پر سزائے قتل تک کا فتویٰ دیا ہے اور بعض نے جس دوام کا

اور آخرت میں فرعون و ہامان کے ساتھ دوزخ میں جانے کی وعید وارد ہے، غرض اس قانون کو ہرگز سخت نہیں کہہ سکتے جو اپنی ذات میں تو سہل ہو لیکن اس کی پابندی سختی سے کرائی جائے۔  
(اشرف السوانح ۲)

حضرت فرمایا کرتے تھے میں نے اپنے مہموالات میں راحت کی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں، یہی میرا اصل مذاق ہے کہ دنیا کی بھی راحت ہو اور آخرت کی بھی اور صرف اپنی ہی راحت مقصود نہیں دوسروں کی راحت کا بھی خیال رکھتا ہوں۔ (اشرف المہموالات)

حضرت اپنے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے اندر حدت تو ہے مگر الحمد للہ شدت نہیں ہے، بلکہ دوسروں کے جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں کہ دوسروں کی نظر بھی ان دقائق کی رعایت تک نہ پہنچتی ہوگی، بفضلہ تعالیٰ دور دور تک کے احتمالات اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے احتراز کی توفیق بھی عطا فرمادیتے ہیں اور اسی لئے مجھے اور بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو ان کی اتنی رعایت کروں اور یہ مسیّر ساتھ ایسی بے فکری برتیں۔ (اشرف السوانح)

اپنے طرز سیاست ہی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے کہ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے اور حضرات کا تو یہ طرز نہ تھا، میں نے کہا کہ یہ بات تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ حدِ خمر نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی نہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تھی صرف تعزیر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں تعزیر کے یہ حد کیوں جاری اور مقرر کر دی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے، یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی اس لئے واقعات میں قلت تھی لہذا صرف تعزیر کا کافی تھی حد مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا اور واقعات زیادہ ہونے لگے اس لئے حد مقرر کرنے کی ضرورت وائن ہوئی، تو جو فاروق نے کیا وہی ایک فاروقی نے کیا  
(اشرف السوانح)

فرمایا کہ بقول حضرت شیخ اکبر رحمہ شیخ کمال کے اندر بادشاہوں کی سی سیاست ہونا ضروری ہے کیونکہ عام طبائع کے اعتبار سے عادت اکثر یہ بھی ہے کہ بغیر سختی کے اصلاح نہیں ہوتی اسی لئے اس کی ضرورت سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اور ہر متمدن جماعت نے حسب ضرورت اپنے اپنے اصول سیاست مقرر کر رکھے ہیں بلکہ نظام عالم ہی اصول سیاست پر قائم ہے جب امن ظاہری کے لئے سیاست ضروری ہے تو امن باطنی کے لئے تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی۔ کیونکہ فساد ظاہری کی اصلاح اتنی دشوار نہیں جتنی فساد باطنی کی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ ردائل نفس کے ازالہ کے لئے سیاست کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی اور اگر کوئی مصلح بزرگان سلف کے طریق کو زندہ کرے اور فطری اصول پر طالبین اصلاح کی اصلاح کرے تو اس پر ہر کس و نا کس اعتراض کرنے کے لئے تیار ہے (اشرف السوانح حصہ دوم)۔

فرمایا کہ ابھی تو اس وجہ سے کہ المعاصر اصل للمنافرہ لوگوں کو میرے اس طرز تربیت سے وحشت ہے اور اس پر اعتراض ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ میرے بعد لوگ اس کی قدر کریں گے اور سند میں پیش کریں گے میں نے اپنے اوپر بدنامی لیکر اوروں کے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

### تنبیہ

حضرت والا رحمہ کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی قابل عرض اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں لہذا عام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں ورنہ کورانہ تقلید کے اپنا اور طالبین اصلاح کا بھی نام کریں گے۔ یہ تو ان خاص انخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے نکل چکے ہوں اور جو حدود کی حفاظت پر پورے طور سے قادر ہوں بعض تقلید سے اس منصب خاص کی اہلیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

## مجاز بیعت کے لئے شرائط استعداد

حضرتؒ نے ایک مرشد و مصلح میں جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے ان کی اس طرح تشریح فرمائی ہے۔ ارشاد :-

وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو،

دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔

تیسرے یہ کہ اس کو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو لیکن محض علمی مناسبت نہیں

بلکہ حالی۔

چوتھے یہ کہ اس میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔

پانچویں یہ کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو اور

چھٹی بات یہ کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ کوئی بحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا

صرف یہ درجہ ضروریہ حاصل ہے لیکن آئندہ وہ ترقی کر کے اس میں رسوخ کا درجہ کا ملکہ بھی

حاصل کر لے گا۔ یہ سب چھ اوصاف ہوتے لیکن ان سب اوصاف کا تحقق صرف ظن غالب

ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔ (اشرف السوانح ص ۷)

حضرتؒ اکثر اپنے طالبین بیعت کو اپنے خلقائے مجازین کے سپرد کر دیا کرتے تھے

اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرتؒ کا اندازہ کر لیں کہ جن صلاحیتوں کی بنا پر ان کو اجازت

دی گئی ہے ان کا مصرف یہ حضرات کس طریقے سے کرتے ہیں بعض کی باقاعدہ تعلیمات پر

اظہار مسرت فرماتے اور اپنا اطمینان ظاہر فرماتے اسی طرح بعض کی بے پردہ اہمی اور ضابطہ

تربیت سے انحراف کا حال معلوم ہوتا تو اس پر ان کو تنبیہ فرماتے اور صحیح طریقہ اختیار

کرنے کی تاکید فرماتے، اور ان کو تاکید تھی کہ اپنے حالات اور اپنے متعلق طالبین کی تعلیم و تم

کے طریقے سے حضرتؒ کو مطلع کرتے رہا کریں تاکہ ان کو اپنے نفس کی نگہداشت اور طریقہ کار



کی بھی اصلاح ہوتی رہے اور ہدایت ملتی رہے۔  
 سرمایہ کو بعد تکمیل کے شیخ کی تعلیم کی حاجت نہیں رہتی لیکن بقائے فیض کے لئے  
 اس کے ساتھ اعتقاد و امتنان کا تعلق عمر بھر رکھنا ضروری ہے۔ (امثرت السونخ حصہ دوم)

## مجاز بیعت

مالکین تربیت یافتہ کو اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے تھے، کہ بیاختہ قلب  
 پر وارد ہوا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیدی جائے لہذا تو کلا علی اللہ آپ کو اجازت  
 دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تمام فرمادیں اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں۔ اس  
 اجازت کی اپنے خاص احباب کو بھی اطلاع کر دیں۔

## مجاز صحبت

تعلیم و تلقین کے سلسلہ میں حضرت نے اپنے مجددانہ ذوق سے ایسے لوگوں کی  
 بھی ایک جماعت تجویز فرمائی تھی جن کو بیعت لینے کی تو اجازت نہ تھی مگر وہ اپنی صحبت و تعلیم سے  
 لوگوں کو طریق کی اشاعت کر سکتے تھے اس میں علماء کے علاوہ دیگر مشاغل کے ایسے لوگ بھی  
 شامل تھے جن کی استعداد باطنی صحیح معیار پر آچکی تھی۔ ان کو اجازت اس طریقہ سے عطا  
 فرماتے تھے۔

ایک روز قلب پر بیاختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو (جو تلقین کی کافی صلاحیت  
 رکھتے ہیں مگر اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے) تلقین بلا بیعت  
 کی اجازت دے دوں اور ایسے حضرات کا لقب مجاز صحبت تجویز کیا گیا۔ یعنی مجاز با بصیحة  
 یعنی جن کو صرف بواسطہ صحبت نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی اور سرق کے لئے بیعت  
 سابقہ کا لقب مجاز بیعت یعنی مجاز با بیعتہ قرار دیا گیا۔ اگر ان مجازین صحبت میں حالات

منتظرہ رہنا ہو گئے (جن کی تعیین اور فیصلہ میں صرف میں منقرہ ہوں، خود اہل معاملہ کو اس کا منتظر رہنا منافی اخلاص ہے) اس حالت میں ان کو مجازین بیعت میں داخل کر کے شائع کر دیا جائے گا۔

فرمایا کہ میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اس کی اتباع پر موقوف ہے اصل چیز یہی ہے۔ (اشرف السوانح)

### حقیقت اجازتِ بیعت

ملفوظ :- حضرت فرماتے تھے کہ اس اجازت کی نظر بالکل ایسی ہے جیسے علومِ درسیہ میں جو سند فراغ دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دی جاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مصروف و مشغول رہے تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناتدردانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کرے تو اس کا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے اسی طرح جو کسی کو بیعت کی اجازت دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے بلکہ محض اس ظن غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف کا درجہ ضروریہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ (اشرف السوانح)

## اپنے طریق پر اطمینان و شکر

ارشاد۔ واقعی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے یہاں حقیقت سے کوئی ناواقف نہیں اور یہ میرے کھڑے پن کی بدولت ہے ورنہ یہاں بھی خلطِ مبحث ہو جاتا اب جتنے میں بفضلِ تعلقے ان پر اطمینان تو ہے اور میرے نزدیک تو قریب فریب ہر شخص قابلِ اجازت ہے اور میں تو سب کو اجازت دے دیتا لیکن مصلحِ دینیہ کا مقصود یہ ہے کہ صاحبِ اجازت میں کسی نہ کسی قسم کی وجاہتِ دینی یا دنیوی بھی ہو۔ مثلاً اہل علم یا کسی معزز طبقہ کا ہونا کہ اس کی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقتی نہ ہو۔ الحمد للہ میرے اجاب میں ایسے ایسے موجود ہیں جو اصولِ اصلاح کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور مشائخ سے بھی اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور مشائخ سے بھی اچھی تربیت باطنی کر سکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل لوگ بس شہرت کی بنا پر معتقد ہوتے ہیں۔ کمال کو کوئی نہیں دیکھتا طریق سے بہت ہی بیگانگی ہو گئی ہے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

ہنوز آل ابر رحمت در نشاں است  
خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

## نوٹ

حضرت رح کے خصوصیاتِ زندگی اور اندازِ تربیت  
کتاب مآثر حکیم الامۃ میں ملاحظہ فرمائیے،

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ط

حَقِيقَتِ طَرِيقِ

# حقیقۃ الطریقۃ

اس عنوان کے تحت بطور مقدمہ کتاب "التکشف" میں حضرت نے  
 حسب ذیل مضمون تحریر فرمایا ہے :-

« بعد جسد و صلوة مدعائے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقاید و اصلاح  
 اعمال ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے۔ قرآن مجید میں بے شمار  
 آیات اور حدیث میں بے انتہار و آیات اس کی فرضیت پر صراحتہ دلیل ہیں گوا کثیر  
 اہل ظاہر بسبب پابندی ہوا و ہوس اس دلالت سے غافل ہیں، کون نہیں جانتا  
 کہ قرآن و حدیث میں زہد و قناعت و تواضع، اخلاص و صبر و شکر و حب الہی اور  
 رضا بالقضاء و توکل و تسلیم و رضا و غمیرہ کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید  
 اور ان کے اضرار (خلاف) حب دنیا و حرص و تکبر و ریا و شہوت و غضب و حسد  
 وغیرہ کی مذمت اور ان پر وعید وارد و مذکور ہے پھر ان کے مامور بہ اور ان کے  
 منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے، اور  
 یہی طریقت کا مقصود اصلی ہے، جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے اور اسی کے  
 ساتھ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ اس اصلاح کا مدار عظیم عادیۃ اللہ میں صحبت و خدمت  
 و اطاعت ان حضرات کی ہے جو اپنی اصلاح کر چکے ہیں اور جہاں صحبت ظاہری  
 میسر نہ ہو تو صحبت معنوی یعنی ان حضرات کے حالات و حکایات کا مطالعہ  
 قائم مقام صحبت ظاہری کے ہو کر کسی درجہ میں کفایت کر سکتا ہے اور یہی راز  
 ہے کہ نصوص میں بکثرت صحبت نیک کی ترغیب اور صحبت بد سے ترہیب آئی ہے

اسی طرح آیات و احادیث میں مقبولان الہی کے قصص جا بجا آتے ہیں، اور یہ بھی بشہادت تجربہ ثابت ہو چکا ہے کہ صلحاء کی صحبت ظاہری یا معنوی کی یہ تاثیر اس پر موقوف ہے کہ ان کے ساتھ عقیدت و محبت ہو ورنہ عمر بھر کچھ نفع نہیں ہوتا اور جس طرح کہ اہل صلاح کی صحبت نافع اور مفید ہے اسی طرح اہل فساد کا قرب اور تعلق مضر اور مہلک ہے اور اس زلمے میں بوجہ قلت علم و نیز بہ غلبہ ہوائے نفسانی اصلاح باطنی کی طرف اول تو اکثر کوتاہیات ہی نہیں، پھر اگر کسی کو خیال بھی ہوتا ہے اور اس ضرورت سے کسی (پیر و مرشد) کی صحبت کا ستلاشی ہوتا ہے تو اکثر طالبین کی طبائع میں اعتدال علمی و عملی بہت کم ہونے کی وجہ سے یا تو تشدد و تعصب زیادہ ہوتا ہے یا مزاج میں مدہانت و ضعف دینی بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں امر قوی مانع طریق اور سدا راہ ہو جاتے ہیں۔ اول جن لوگوں میں تشدد اور تنگ نظری ہے، وہ تو کاملین اور اہل حق کے بعض اقوال یا افعال یا احوال کی کنہ اور لم نہ سمجھنے سے ان کو مخالف سنت قرار دیکر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ان کے برکات سے محروم رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات بے ادبی اور گستاخی کر کے اپنی عاقبت کو پُر خطر کر لیتے ہیں اور دوّم مدہانت کرنے والے اور ضعیف الاعتقاد لوگ اگر کسی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ناقص الایمان اور باطل پرست لوگوں (پیسروں) کے تمام اقوال و افعال و احوال کو شریعت پر منطبق کئے بغیر دل و جان سے قبول کر کے ان کی صحبت و خدمت اختیار کر کے اور ان کے معتقد اور گرویدہ بن کر اپنا دین ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

اس لئے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن و حدیث سے طریقت کی حقیقت دکھادی جائے تاکہ اس کے بعد لوگوں کو اہل کمال اور اہل حق پر انکار نہ ہو اور اہل باطل پر اعتقاد نہ ہو اور متعصب لوگوں کی یہ زیادتی کہ بعضے ان میں باوجود اہل علم

ہونے کے کاملین اہل حق کو ناقص اور ان کی حالت کو خلاف شریعت سمجھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ طریقت کی دین میں کچھ اصلیت نہیں ہے (یہ بات ان کے دماغ سے رفع کر دی جائے) اور جو لوگ کمزور عقیدے کے ہیں اور جو ناقص اور اہل باطل کو کامل سمجھتے ہیں اور ان کی حالت کو باوجود اس کے کہ وہ تامل خلاف شریعت ہوتی ہے عین حقیقت سمجھتے ہیں اور قرب و وصل کا (حاصل ہونا جانتے ہیں) ان کے اس خیال کی بھی اصلاح کر دی جائے تاکہ حق و باطل میں جو فرق ہے اس کا صحیح مبیاد قرآن و حدیث کے مطابق قائم ہو جائے۔ (واللہ المستعان) (التکشف)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مضمون مذکورہ بالا میں اجمالاً تصوف و سلوک کے متعلق یہ خاص اہمیت ظاہر فرمائی ہے کہ طریقت کا تمام دار و مدار قرآن و حدیث ہی پر ہے، سالکین اور مشائخ و پیران طریقی کی جو خصوصیات ہیں وہ تامل اتباع شریعت و سنت ہی پر منحصر ہیں۔ اس جگہ صرف ان لوگوں کی اصلاح خیال کی ضرورت محسوس فرمائی جو آداب طریقت سے ناواقف ہیں اور بیری مری می کے معاملہ میں حدود شرع و سنت سے متجاوز ہیں، اور غلو و مبالغہ اور افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر اپنے دین کو برباد کر رہے ہیں۔ مگر حضرت والارحمۃ اللہ علیہ نے عام طور پر بڑی خصوصیت و اہمیت کے ساتھ اصلاح اعمال باطنی کے لئے جو طریقت کا مقصود اصلی ہے اور تمام ارکان دین کے لئے بنیادی چیز ہے۔ اپنی تمام توجہ مبذول فرمائی ہے۔ دین کے تمام ارکان عقائد، عبادات، معاملات و معاشرت کی درستی و صحت اخلاق ہی پر موقوف ہے۔ ورنہ بغیر اس کے تامل نسا دہی فساد ہے۔

منجانب اللہ تعالیٰ حضرت والارحمۃ اللہ علیہ کو رشد و ہدایت۔ تجدید دین و اعلائے کلمۃ الحق اور احیائے سنت کا منصب عطا ہونا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وجداناً ابتدا ہی سے آپ نے دین کے ہر شعبہ کا بڑی کاوش و نظر غائر کے ساتھ جائزہ لیا اور جہاں جہاں کوتاہیاں اور خامیاں نظر آئیں ان کی تشخیص فرمائی ان کے اسباب و علل پر نظر کی اور پھر ان کے لئے شریعت و سنت کے ضابطہ کے

## مطابق اصلاح فرمائی۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف و سلوک یعنی طریقت کے متعلق علوم باطنی کے تمام معارف و حقائق پر گہری نظر ڈالی ہے اور خداداد فراست سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ نکتہ رس نظر باطن کے تمام نازک و لطیف احوال کیفیات و وجدانیات و مقامات پر پہنچی ہے اور ہر طرح کے وسوس و خطرات نفسانیہ اور تمام ملکات حسہ و ملکات سنیہ کے تقاضوں اور محرکات کو اور مکائد نفسانی اور تلبیث شیطانی کی حقیقت کو سمجھا ہے، اور پھر بطور معالجہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے اصول پر کار بند ہونے کے لئے اور مقصود اصلی یعنی تزکیہ نفس و تعلق مع اللہ حاصل کرنے کے لئے نہایت سہل، جامع و نافع معالجات و تدابیر کو قرآن و حدیث کی مطابقت کے ساتھ مرتب و مدون فرمایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کثیر العباد و مواعظ اور بے شمار ملفوظات میں یہی مصلحانہ اور عبادتہ جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف و سلوک کی حقیقت و اہمیت اور غایت و ضرورت واضح کرنے کے لئے بڑی بصیرت افزوز اور گرفتار مضامین پر مشتمل کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں۔ مثلاً مسائل السلوک التکشف التشریف، قصد السبیل، تعلیم الدین، کلید مشنوی، بوادرو نوادرو بدائع وغیرہ یہ سب علوم باطنی کی عدیم المثال تفاسیر ہیں جن میں شریعت و طریقت کی ہم آہنگی نمایاں اور ہدایت و ضلالت اور حق و باطل کا فرق و ذر روشن کی طرح واضح ہے اور قرآن و حدیث کی سند کے ساتھ طریقت کے ہر حسن و قبح کو اپنے اپنے مقام پر نمایاں فرمادیا ہے اور علوم باطنی کے تمام اصولی و جزوی مسائل کو شریعت کے ضابطہ کے مطابق مرتب و مدون فرمادیا ہے۔ اس طرح ابن علوم باطنی یعنی تصوف و سلوک کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے ایک مخصوص



ممتاز مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایک ایسا منفرد کارنامہ ہے کہ آج تک اس کی نظیر کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی اور بطور خود شاہد ناظر ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز عصر حاضر میں فن تصوف کے امام تھے۔ مجدد تھے۔ مجتہد تھے۔ اس حقیقت سے کون حق شناس، اہل اہل نظر انکار کر سکتا ہے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ  
حقیقت مذکورہ بالا کی وضاحت و صراحت کے لئے پیش نظر صفحات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف و ملفوظات و مواعظ میں مسنونہ تصوف و سلوک کے موضوع پر جو خاص مضامین ہیں ان کے بعض مختصر انتخابات و اقتباسات و خلاصے خاص ترتیب و عنوانات کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ (انشاء اللہ تعالیٰ) یہ مقالہ سالکین طالب حق اور بہروان و رہبران طریق کے لئے بہت بصیرت افزا اور شمع رشد و ہدایت ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم و توفیق اعمال صاکنہ عطا فرما کر شریعت و طریقت کی صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھیں۔ آمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 مُحَمَّدًا وَصَلَّى عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

# ۱۔ شریعت

## شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہیں :-

۱۔ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے  
 یعنی شریعت پر کر دیا۔ سو آپ اس طریقے پر چلے  
 جائیے اور ان جہلا کی خواہش پر نہ چلیے۔

۲۔ یہ شریعت عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا  
 سبب اور ہدایت کا ذریعہ اور یقین کرنے  
 والوں کے لئے رحمت ہے۔

۱۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ  
 الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ  
 أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

۲۔ هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى  
 وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ

(سورۃ البصائر پارہ ۲۵)

’بصائر‘ بصیرت کی جمع ہے، اور بصیرت باطنی روشنی کو کہتے ہیں، جیسے بصر  
 نگاہ (یعنی ظاہری روشنی) کو کہتے ہیں۔ تو شریعت، بصائر یعنی باطن کو روشن کرنے والی ہے

اور ہر اپادایت ہے کہ اس سے راستہ نظر آتا ہے اور مقصود تک پہنچا دیتی ہے اور رحمت ہے جو کہ مقصود ہے گو یا شریعت میں چیزوں کا مجموعہ ہے۔ راہِ نوا یعنی مسافر) کو ان ہی میں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب آدمی کسی منزل تک جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک مقصود ہوتا ہے اور ایک طریق ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے مقصود تک پہنچ سکتا ہے، اور ایک بصر یعنی نگاہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے راستہ نظر آدے۔ حق تعالیٰ کے قربان جائیے کہ بتلاتے ہیں کہ شریعت ایسا قانون ہے جو تینوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ هَذَا بَصَائِرُ يَهْدِيكُمْ لِيَأْتِيَنَّكُمْ سَبِيلَ الرَّحْمَةِ وَالرَّحْمَةُ هِيَ رَحْمَةُ اللَّهِ الَّتِي كَسَبْتُمْ لِنَفْسِكُمْ إِذْ كُنْتُمْ كُفَّارًا فَمَا تُخْبِرُونَ (آل عمران)۔

قرآن مجید کی متدرجہ بالا آیت میں لفظ شریعت کا موجود ہونا اور اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقے پر چلنے کا حکم فرمانا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے۔ کہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف شریعت اسلامیہ ہی پسندیدہ نظام حیات ہے۔ اس کے خلاف معاشرت اور زندگی گزارنے کے جتنے بھی طریقے انسان نے اختیار کر رکھے ہیں وہ جہلا اور بددین لوگوں کے خود ساختہ ہیں جو محض نفسانی خواہشات کے مطابق مختلف عنوانات سے پیش کئے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مردود قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اور جو شخص اسلام کے سوا دوسرا دین طلب کریگا  
تو وہ اس سے مستبول نہ ہوگا۔ اور وہ  
آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا  
فَلَنَ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ  
مِنَ الْخَسِرِينَ

(آل عمران)

(نجات کا طریقہ ص ۱۰۰ شریعت ص ۱۰۰)

غور سے سن لیجئے کہ دین (شریعت) کے پانچ اجزاء ہیں۔ ایک جزو عقاید کا ہے کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہی حق ہے (اس کی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی) دوسرا جزو عبادات ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔

تیسرا جزو معاملات ہیں۔ یعنی احکام نکاح و طلاق و حدود و کفارات و بیع و شراء (خرید و فروخت) و اجارہ و زراعت وغیرہ اور ان کے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتاتی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، زیادتی نہ کرو، اور اس طرح معامد نہ کرو جس میں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ غرض جو از و عدم جواز کا بیان کیا جاتا ہے۔ چوتھا جزو معاشرت ہے یعنی اٹھنا۔ بیٹھنا۔ ملنا۔ جلنا، مہمان بننا۔ کسی کے گھر پر جانا کیوں کر چاہئے اور اس کے آداب کیا ہیں؟ بیوی بچوں، عزیزوں، اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیوں کر برتاؤ کرنا چاہئے۔

پانچواں جزو تصوف ہے جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔ آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لئے بیوی بچوں (اور دوسرے دنیاوی اور معاشرتی امور) کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ غرض دین کے یہ پانچ اجزاء ہیں۔ ان پانچوں کے مجموعے کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص دین ہے، جیسے کسی کے ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلق ہے۔ (وعظ تفصیل الدین ص ۱۵)

چاہئے یہ کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو اور اسی کے احکام کی اتباع کرے اس لئے کہ قدامتے تعالیٰ کا کلام سب سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ حالات کا سب سے زیادہ علم اسی کو ہے، پھر وہ باختیار مالک ہے اور تمام اشیاء میں خود موثر ہے۔ کوئی کیفیت اس پر غالب نہیں۔ اس لئے جو حکم اس کی طرف سے صادر ہوگا، وہ کامل ہوگا۔ نہ اس کے احکام بہت سخت ہو سکتے ہیں کیونکہ اس پر صفت غضب غالب

نہیں۔ نہ بہت نرم ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ صفتِ رحمت سے مغلوب نہیں۔ بلکہ وہ باختیار خود قہار ہے اور باختیار خود رحیم و کریم ہے کسی صفت میں مجبور یا مغلوب نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جو کلام الہی ہے اس کے تمام احکام افراط و تفریط سے پاک ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کا پابند ہونا ہر بشر پر لازم ہے۔ کیونکہ وہ احکام سب کے مصالح کو جامع ہیں نیز ہماری یہ حالت شاید (نظر آتی) ہے کہ جو کیفیت شدید ہوتی ہے وہ ہم کو مغلوب کر دیتی ہے اس لئے ہم کو شریعت الہی کی پابندی ضروری ہے تاکہ ہم اعتدال پر قائم رہ سکیں۔ واقعی شریعت کی تعلیم میں غایت تعدیل، (یعنی بہت میاں روی) ہے۔ سو تعدیل ہر چیز میں وہی ہے جس طرح اس میں شریعت کا حکم ہے مثلاً ہمدردی اچھی چیز ہے۔ مگر اس کا اس قدر افراط کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا دوسوہ پیدا ہونے لگے۔ مناسب نہیں۔ جیسے کوئی بچہ بیمار ہے سخت روتا اور چلاتا ہے۔ اس پر رحم کھا کر دعا کرے اور تاخیر صحت سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض پیدا ہونے لگے کہ حق تعالیٰ میری دعا کو اس بچہ کے حق میں قبول کیوں نہیں فرماتے یا قبول میں دیر کیوں کرتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اس میں بھی حکمت ہے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ والدین تدبیر کو استعمال میں نہیں لاتے اور حق تعالیٰ کو غیظاً تا ہے کیونکہ انکی سنتِ عادیہ یہی ہے کہ اختیار اسباب سے مستبک کو مرتب فرماتے ہیں) اور ایسے وقت شریعت کا حکم یہی ہے کہ تدبیر کی جائے اور تدبیر کو موثر بنانے کے لئے دعا بھی کی جائے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۵)

حق تعالیٰ نے انسان کو عقل بھی دی ہے اور فطرت بھی اس لئے اگر دونوں کے مقتضاء میں تزاحم ہو تو اس وقت اس کو شریعت کی تعلیم پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ شریعت کی تعلیم میں دونوں کی رعایت ہے۔ مثلاً کسی چیز کے فوت ہونے سے رنج پہنچے تو عقل اس وقت رنج کرنے سے منع کرتی ہے کہ رنج کرنے سے وہ شے واپس نہیں آ سکتی۔ اس لئے رنج

فضول ہے اور طبیعت رنج کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ چیز ہم سے جدا کیوں ہوئی۔  
 مگر شریعت میں دونوں کی رعایت کی گئی ہے کہ رنج بھی ہو مگر اس کو غالب نہ کر دے۔  
 شریعت نے عقل کی بھی رعایت کی، طبیعت کی بھی۔ اسی طرح فنائے دنیا سے غفلت،  
 عقل کے نزدیک سخت غلطی ہے۔ مگر طبیعت غفلت کی مقصی ہے کیونکہ فنائے دنیا کو  
 بار بار دیکھتے دیکھتے مساوات سی ہو جاتی ہے۔ اور جس چیز کی مساوات سی ہو جائے اس  
 سے طبیعت کو غفلت ہو جاتی ہے۔ شریعت نے یہاں بھی دونوں کی رعایت فرمائی کہ غفلت  
 کا ترمضانہ نہیں مگر نہ اتنی غفلت کہ احکام عقلیہ بالکل برباد ہو جائیں۔ (الفانی ص ۶)  
 الغرض شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال اخلاق کی فرع ہیں  
 (یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں اور) اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔

ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں۔ یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جن  
 سے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ قوت عقلیہ۔ قوت شہویہ۔ قوت غضبیہ۔ حاصل  
 یہ ہے کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا  
 آخرویہ تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ قوت کہ جس سے منفعت و  
 مضرت کو سمجھے۔ وہ قوت مدرک عقلیہ ہے۔ اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس  
 کو حاصل کرے۔ یہ قوت شہویہ۔ کا کام ہے اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو  
 دفع کرے۔ یہ قوت دافعہ۔ قوت غضبیہ ہے۔ پھر ان تینوں سے مختلف اعمال  
 صادر ہوتے ہیں۔ پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال  
 چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ مانے۔ جیسے یونانیوں  
 نے کیا۔ تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفہ (کمینہ پن) تک اتر آئے۔ اسی طرح  
 قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہے۔ بیوی اور  
 اجنبیہ سب برابر ہو جائیں۔ اور ایک درجہ تفریط، یعنی ایسا پرہیزگار بنے کہ

بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پیرا یا سبک مضام کرنے لگے۔ یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اسی طرح قوت غضبہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑ یا ہی بن جائے۔ اور تفریط یہ ہے کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مارے۔ دین کو برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آئے۔ یہ تو افراط تفریط تھا۔ ایک ان تینوں قوتوں کا اعتدال ہے یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے۔ افراط، تفریط، اعتدال۔ ان سب درجوں کے نام الگ الگ ہیں۔ جو قوت عقلیہ کے افراط کا درجہ ہے۔ اس کا نام، جزبرہ ہے جو تفریط کا درجہ ہے اس کو، سفاہت کہتے ہیں جو اعتدال کا درجہ ہے۔ اس کا لقب، حکمت ہے۔

اسی طرح قوت شہویہ کے افراط کا درجہ، فحور ہے۔ تفریط کا درجہ، جمود ہے۔ اعتدال کا درجہ، عفت ہے۔

اور قوت غضبہ کا درجہ افراط، تہور ہے اور گھٹا، سو ادراجہ جین ہے۔ اعتدال کا درجہ، شجاعت ہے۔

تو یہ نو چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق حسنہ و ستیہ کو حاوی ہیں، اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت، عفت، شجاعت۔ باقی سب ردائل ہیں۔ تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ تین ہیں اور ان تینوں کے مجموعے کا نام، عدالت ہے۔ اسی لئے اس امت کا لقب، امت وسط، یعنی امت عادلہ ہے۔

غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو۔ اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں، کو تو بزرگ بہت ہیں لیکن انسان بہت کم ہیں چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند  
 این جملہ شدی ولیکن انسان نشدی

(یعنی تم زاہد، شیخ اور عقلمند اور سب کچھ تو بن گئے لیکن انسان نہ بنے) (کمال الشرفیہ ص ۲۹۴)  
 (حاصل کلام یہ کہ) شریعت نے ہم کو ایسی تعلیم دی ہے جس میں تمام مصلحتوں اور مضرتوں  
 کی رعایت ہے۔ اس لئے ہمیں تجربہ کر کے ٹھوکریں کھا کے مصلحتیں اور مضرتیں معلوم کرنے  
 کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف اس کی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کر لیں۔ پھر  
 ہمیں تہذیب و تمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ہماری سب مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت فرما کر ایسی جامع اور مانع تعلیم ہم کو فرمائی ہے  
 جس میں مضرت کا نام و نشان نہیں، بلکہ راحت ہی راحت ہے۔ پس مسلمان اگر شریعت  
 کی تعلیم پر کما حقہ چلیں تو ہم تنہا راحت میں رہیں۔ روحانی راحت بھی (میسر ہو) اور  
 جسمانی راحت بھی (حاصل ہو) (انفاس عینی صفحہ ۳۰۹-۳۱۰)

### طریق کار

دین کے جتنے حصے ہیں عقیدے، عبادتیں، معاملات، جھلیں اور رہنے سہنے کے  
 طریقے سب کی اصلاح کریں اور جو معلوم نہ ہو پوچھتے رہیں۔ (دعظا علم کی طلب ص ۱۵)  
 جو کام کریں پہلے شریعت سے تحقیق کر لیں۔ مگر تحقیق ایسوں سے کریں جو سچی بات  
 بتلاویں اور جو خود ہی اپنی خواہش نفسانی کو شریعت کے اندر ٹھونسیں اور زبردستی غیر دین  
 کو مصلحتوں اور پالیسی کی وجہ سے دین بناویں۔ وہ واقع میں عالم نہیں وہ تو جاہل ہیں۔  
 ان سے مت پوچھیں۔ ورنہ وہ اپنے ساتھ نہیں بھی گمراہ کریں گے۔ اگر یہ کہیں کہ اس زمانہ  
 میں سچے عالم کہاں ملتے ہیں؟ تو یہ غلط ہے۔ بلکہ ڈھونڈنے سے مل جاتے ہیں۔

(دعظا الشریعت ص ۴۳)



## ۲۔ طریقت

### طریقت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے :-

آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے ہیں۔ ان کے لئے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہے یہ بڑی مراد ہے۔

الْاٰیٰنَ اَوْلِیَآءِ اللّٰهِ لَا  
خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ  
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ  
لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوَةِ  
الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا یُغٰیۡرُ  
لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الْقُوۡرْۃُ  
الْعَظِیۡمَةُ (یونس)

اس آیت میں ولایت کا مدار دو چیزوں پر فرمایا ہے۔ ایمان اور تقویٰ جو جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ حاصل ہوگا۔ اسی مرتبہ کی ولایت حاصل ہوگی اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہے جو صحیح عقاید ضروریہ (گو تقبلاً ہوں اور ضروری اعمال سے حاصل ہوتا ہے، ادنیٰ درجے کی ولایت حاصل ہوگی۔ جو ہر مومن کو حاصل ہے۔ اس کو "ولایت عامہ" کہتے ہیں اور اگر اعلیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ اس کو "ولایت خاصہ" کہتے ہیں۔ اور اصطلاحاً "ولی" وہی شخص کہلاتا ہے جو اس ولایت خاصہ کے ساتھ

موصوف ہو۔ ہمارا مقصود بھی اس کتاب میں اسی ولایت کے احکام کو بیان کرنا ہے۔ تو اب ولایتِ خاصہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ٹھہری۔ ایمانِ کامل اور تقویٰ کامل۔ اور مثل نماز روزے کے یہ بھی فرضِ دو واجب ہے اور یہ دونوں چیزیں بددنِ اصلاحِ باطن کے حاصل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ایمان کا محل ظاہر ہے کہ قلب ہے۔ رہا تقویٰ، سوگو ظاہری جو ارح سے متعلق ہے مگر حقیقی تقویٰ جو کامل تقویٰ ہے قلب ہی سے متعلق ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَسَلَّمَ التَّقْوَى هُيَا  
وَأَشَارَ إِلَى الصَّدرِ (مُسلم)

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔

سو جب ایمانِ کامل اور تقویٰ کامل کا حاصل کرنا فرض ٹھہرا۔ اور وہ اصلاحِ باطن پر موقوف ہے۔ سو اصلاحِ باطن بھی فرض ہوئی۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ اگر ادنیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ معدوم ہو گا تو اعلیٰ درجہ کا بھی کسی طرح نہ ہوگا۔

(تسلیم الدین صفحہ ۶۷)

شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے جیسے کلمہ پڑھنا نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ ماں باپ کی خدمت، ان کو مامورات کہتے ہیں۔ اور کلام کفر کہنا، شرک کے افعال کرنا، زنا، چوری، سود خوری، رشوت وغیرہ ان کو منہایٰ کہتے ہیں۔

بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان و تصدیق و عقایدِ حقہ، صبر و شکر، توکل، رضا یا قضاء، تقویٰ و اخلاص، محبت خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔ ان کو "مامورات" وہ "فضائل" کہتے ہیں اور عقائدِ باطلہ، بے صبری، ناشکری، ریاء، تکبر، عجب وغیرہ یہ "منہایٰ" کہتے ہیں۔ جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں اَقِمُوا الصَّلَاةَ

وَأَتُوا الزَّكَاةَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) موجود ہے، اسی طرح  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا (اے ایمان والو! صبر کرو اور) وَأَشْكُرُوا  
(اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر کُتِبَ عَلَيْكُمُ  
الصِّيَامُ (تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے) اور لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ  
(لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہے) پاؤ گے تو دوسرے مقام میں  
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (اللہ تعالیٰ ان  
سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں، اور جو ایمان والے  
ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) بھی دیکھو گے جہاں اِذَا  
قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى (جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تسبیح  
سے کھڑے ہوتے ہیں مذکور) ہے، اس کے ساتھ ہی يُرَاءُونَ النَّاسَ (لوگوں کو  
دکھلاتے ہیں) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر تَارِكُ نَمَازٍ زَكَاةٍ كِي نَدَمْتِ هِيَ، تو  
دوسرے مقام میں تَكْبَرُ وَعَجِبُ كِي يَرَانِي بھی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس  
طرح ان میں ابواب نماز و روزہ، بیع و شراء، نکاح و طلاق پاؤ گے۔ ابواب ریا و  
کِبْر و غیرہ بھی دیکھو گے۔

جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں۔ اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی  
ہیں۔ کیا اَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ امر کا صیغہ ہے اور اصْبِرُوا  
وَأَشْكُرُوا امر کا صیغہ نہیں؟ بلکہ اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری  
اعمال بھی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں، اور باطن کی صفائی مقصود اور موجب نجات  
اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ  
مَنْ دَسَّاهَا (انہیں) اور جس نے اس کو میلا کیا وہ ناکام رہا۔

یَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ  
إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ  
(الشعرا)

اُس دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے  
مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت  
قلب لے کر آیا۔

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور  
ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے۔ دل بہتر نہ بادشاہ کے ہے  
اور اعضاء اس کے شکر یا غلام ہیں۔ اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس  
کی مطابقت کرنے لگیں۔ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-)

الْآنَ فِي الْجَسَدِ مُضَغَةٌ  
إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ  
كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ  
الْجَسَدُ كُلُّهُ إِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ  
(الحديث)

بیشک آدمی کے بدن میں ایک گوشت  
کا لٹھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے  
تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب  
وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتا  
ہے۔ سن لو وہ دل ہے۔

یہ امور رات دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ جس کا دھیان دل میں سما جاتا  
ہے سارے اعضاء اس کی دُھن میں لگ جاتے ہیں آنکھ اس کو دیکھنے، کان اس  
کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے اور پاؤں اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے۔ خواہ وہ شے  
بُری ہو یا بھلی۔ مگر دل کا خیال ان اعضاء کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

(تصرف و سلوک ص ۱۱۰)

شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری  
فقہ یعنی شرع کے معنی کا بھی اعتبار ہے۔ اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں۔  
تصوف کو علیحدہ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جائے

یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے مشہور فقہ میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہیں۔ اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپنے لگا تو کیا کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جائیں گے۔ اسی طرح توحید و اخلاص، یا کبر و تواضع و عجب و غیرہ اخلاق حمیدہ و مذمومہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔

اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سولے ظاہری قیام و قعود کے اور بھی کچھ ہے، اور وہ بھی ضروری ہے۔ مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لے اور نماز ادا ہو گئی۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاں قَدْ اَنْفَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوةِيْهِمْ رَءِيْفٌ (خشوع کرنے والے) کے ساتھ ہی خَاشِعُونَ (خشوع کرنے والے) بھی لگا ہوا ہے، جب صَلٰوةِيْهِمْ سے نماز شرعی مطلوب سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خَاشِعُونَ سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے۔ حالانکہ دونوں حکم ضروری ہیں۔ (تصوف و سلوک ص ۱۶)

قال الله عز وجل ففهمناها  
سليمان (الانبياء)  
وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
ولقد كان فيما قبلكم من الأمم  
محدثون وإن يك في أممتي  
أحد قاتل عمر  
(متفق عليه)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس ہم نے وہ واقعہ  
حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا تحقیق تم سے پیشتر امتوں میں  
صاحب الہام گذرے ہیں پس اگر  
میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر  
(رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور

وقال الله وعلمتاه من لدنا  
علماء (کہت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے  
پاس سے ان کو علم سکھایا۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ جس کو علم باطن سے کچھ میسر نہ ہو، اس کے سونے  
خاتمہ کا اندیشہ ہے، اور ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو مگر  
کی پہی کافی مزا ہے کہ وہ اس سے محروم ہے۔ شعر ہے  
بامدعی مگنوئید اسرارِ عشق و مستی  
بگذارتا بمسیر در رنج خود پرستی

ترجمہ: (عشق اور مستی کے رموز اور بھید مدعی اور خود پرست سے مت کہو۔

چھوڑو۔ اسے خود پسندی میں مرنے دو۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا	وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس	وَسَأَلَكُمْ إِلَّا حَسَانٌ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ
طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ	كَأَنَّكَ تَرَاهُ وَإِنْ لَمْ
رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو	تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (مزید تشریح صفحہ ۱۹۹ و ۲۰۱ پر ملاحظہ فرمائیے)

اس (احسان) کو بید ایمان اور سلام کے ارشاد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت  
عقائد ضروریہ و اعمال ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے کہ اس کا نام حدیث  
میں احسان آیا ہے اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریق  
باطن ہے۔ کیونکہ بدون اس طریق کے ایسی حضوری ہرگز میسر نہیں ہوتی اولاً کھوں  
معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا  
کہ ہم کو اہل باطن کے پاس بیٹھنے سے ایک نئی حالت اپنے باطن میں عقائد و نفع  
کے علاوہ محسوس ہوتی ہے۔ جو پہلے نہ تھی۔ اور اس حالت کا اثر یہ ہے کہ طاقت  
کی رغبت اور معاصی سے نفرت، عقائد کی سختگی روز افزوں ہو۔ یہ بھی نہایت  
قوی دلیل ہے کہ طریق باطن بھی کوئی چیز ہے۔

اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف و کرامات اس درجہ منقول ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں، مگر استقامت شرع کے ساتھ اگر خرق عادات ہوں تو صاحب خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش ضرور ہوتے ہیں۔  
(تعلیم الدین ص ۷۱)

اس بناء پر دو چیزیں طالب ولایت کے لئے فرض ٹھہریں۔ ایک تو ضروری عقائد و اعمال کی تصحیح۔ دوسری اصلاح باطن۔ سو عقائد و اعمال تو بقدر ضرورت مراجعت کتب و علماء سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اب صرف اصلاح باطن کا بیان کرنا باقی ہے۔ (تعلیم الدین ص ۷۲)

# شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تعریف

## اور ان کا باہمی تعلق

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آگئے۔ اور تقدیم کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس امر کا مرادف (یعنی ہم معنی) سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے:-

مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا

(یعنی نفس کے نفع و نقصان کی چیزوں کو پہچانتنا)

پھر تاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جز و متعلق باعمال ظاہرہ کا نام "فقہ" ہو گیا اور دوسرے جز و متعلق باعمال باطنہ کا نام "تصوف" ہو گیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو "طریقت" کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلاء اور صفاء پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کو نیہ متعلقہ اعیان و اعراض (حقائق و لوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ و سنیہ و حقائق الہیہ، صفات تیر و تعلیہ بالخصوص معاملات بین اللہ اور بین العباد (یعنی جو معاملات اللہ اور بندے کے درمیان ہیں، وہ) منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں، اور اس صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت ہی کے ہیں، اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جز و متعلق باحکام ظاہرہ کو کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں۔ اور عوام کے اعتبار سے اس کا منشا بھی صحیح نہیں کہ وہ اعتقاد تثنائی ہے



ظاہر و باطن میں (یعنی ظاہر اور باطن میں اختلاف کا قائل ہوتا ہے) واللہ اعلم  
(التکشف ص ۱۱)

تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں، اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے وہ بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں۔ مگر دونوں غلط سمجھے، خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں۔ یہ سب واہیاتا ہے۔ بس ناز و زہ مت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اسی کو کرنا چاہئے۔ یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفیوں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تصوف کو چھوڑ دیا، اور ایک نے قرآن و حدیث کو۔

اسے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو۔ اس کے متعلق میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ایک تو حقیقت الطریقیت جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ ایک رسالہ مستقل (مسائل السکر) جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن و حدیث تصوف سے بے تر ہیں اور واقعی وہ تصوف نہیں جو قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ (وعظ طریق القلندر ص ۲۲) میں نے تو قرآن و حدیث سے تصوف کے تقریباً دو ہزار مسئلے صاف صاف دلالت سے ثابت کر دیئے ہیں اور اگر غور کرتا تو اتنے ہی اور ثابت کر سکتا تھا۔ (اشرف السواخ)

## تصوف و سلوک کی وضاحت

ایک طالبِ طریق کے دریافت کرنے پر حسب ذیل مضمون ارقام فرمایا :-  
 مخدومی مکرمی دامِ مجتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ الطاف تامر نے دو حیثیت سے  
 سرور کیا۔ اولاً یاد آوری سے ثانیاً طلب مقصود حقیقی سے۔ اول پر شکر یہ ادا کرتا ہوں  
 ثانی پر دعا وصولی کی کرتا ہوں۔ میں اس وقت تمام تکلفات و تواضع رسمی سے قطع نظر  
 کر کے محض خلوص و خیر خواہی سے اس طریق کے متعلق چند ضروری امور کہ مثل اصول  
 موضوعہ کے ہیں عرض کرتا ہوں۔ اگر تحقیقاً یا تقلیداً ان کا اعتقاد اور اس پر عمل لکھا  
 جاوے۔ تو ہمیشہ کی پریشانی اور غلط فہمی اور کج روی سے بچ جائے وباللہ التوفیق۔

### اول

ہر مطلوب میں کچھ مبادی ہوتے ہیں۔ کچھ مقاصد کچھ زوائد و توابع اصل مقاصد  
 ہوتے ہیں اور مبادی اس سے مقدم مگر مقصود بالعرض اور زوائد اس سے موخر،  
 مگر غیب مقصود ہوتے ہیں۔ اس طرح اس طریق میں بعض مبادی ہیں اور وہ چند  
 علوم و مسائل ہیں جو موقوف علیہ ہیں بصیرت فی المقصود کے اور بعض مقاصد ہیں کہ  
 وہی مقصود بالتحصیل ہیں اور ان ہی پر مدار ہے کامیابی و ناکامی کا، اور بعض  
 زوائد ہیں کہ ان کا وجود نہ معیار کامیابی ہے اور نہ فقدان معیار ناکامی۔

### ثانی

منجملہ مبادی کے امر اول مذکور بالا ہے جو غالباً اعظم المبادی و اجمع المبادی  
 ہے اور دوسرے مبادی پر اثنائے سلوک میں وقتاً فوقتاً تنبیہ و اطلاع کی  
 جاتی رہتی ہے اور مقاصد اعمال خاصہ ہیں، جو کہ افعال اختیار یہ ہیں، جن میں  
 ایک حصہ اعمال صالحہ متعلق بچوارج ہیں۔ جن کو سب جانتے ہیں۔ نماز و روزہ

و حج و زکوٰۃ و دیگر طاعات واجبہ و مستحبہ اور دوسرے حصہ اعمال صالحہ متعلق  
 بقلب و نفس میں مثل اخلاص و تواضع و حب حق و شکر و صبر و رضا و تقویٰ و توکل  
 و خوف و جہاد و امثالہا اور ان کے اضداد کا ازالہ ہے، اور ان اعمال اختیار یہ کہ  
مقامات کہتے ہیں۔ اور یہی نصوص میں مامور بالتحصیل ہیں اور ان کے اضداد مامور  
بالازالہ۔۔۔۔۔ بمعنی الکف و الروع اور ان اعمال کی غایت تعلق بحق و  
 رضائے حق ہے۔ کہ روح اعظم سلوک کی یہی ہے اور زوائد احوال خاصہ ہیں مثل  
 ذوق و شوق و قبض و بسط و صمود و سکرو غیبت و وجد و استغراق و شہایہا، اور یہ  
 امور غیر اختیار یہ ہیں اعمال مذکورہ پر اکثر ان کا ترتیب ہوتا ہے اور گاہ نہیں ہوتا  
 یہ اعمال نہ مامور بہا ہیں اور نہ ان کے اضداد مامور بالازالہ اگر ترتیب ہو جاوے  
 محمود ہے اگر نہ ہو تو مقصود میں کچھ خلل نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے المقامات  
مکاسب و الاحوال مواہب، پس خلاصہ یہ ہوا کہ طریق میں تین امر مبعوث عنہ  
 ہیں علوم جس سے مقصود میں بصیرت ہوتی ہے اور اعمال جو کہ مقصود ہیں، اور  
اتہی کا اہتمام ضروری ہے، اور احوال جو کہ مقصود نہیں گو محمود ہیں ان کے درپے  
ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

### ثالث

یہ تو اعد کلمیہ ہیں باقی جزئیات کا ان پر انطباق ہے۔ اس میں ابتداء میں شیخ کی ضرورت  
 ہے کہ اس کا درجہ طبیب کا ہے اور طالب کا درجہ مریض کا سا، طبیب سے اپنا حال کہا جاتا  
 ہے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے اس کا استعمال کر کے اس کو اطلاع کی جاتی ہے، وہ پھر چودوا  
 دیتا ہے اس پر عمل ہوتا ہے، اس طرح سلسلہ جاری رہتا ہے تا حصول صحت، اسی  
 طرح سلوک میں بھی دو امر ہیں اطلاع اور اتباع تا حصول مقصود یعنی صحت  
 نسبت بحق۔ (تربیت السالک ص ۴۰۳)

## خلاصہ سلوک

(۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کار بر آری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلا دی جا یا کرے۔ (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے، اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں، مرید کو نہ یا وہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے یا علم دین و تشریح میں ذہن و حائقہ ٹرھ جائے (۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آویں، خوب رونا آوے، ایسی محویت ہو جاوے کہ اپنی پرانی خبر نہ رہے (۶) نہ ذکر و شغل میں انوار و غیب کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا اہامات کا صحیح ہونا لازم ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ — شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ، اور جیسے نکاح و طلاق، ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارہ قسم وغیرہ۔ اور جیسے لین دین و پیری مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا۔ خدا سے ڈرنا۔ خدا کو یاد رکھنا۔ دنیا سے محبت کم ہونا۔ خدا کی نشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا۔ عبادت میں دل کا حاضر

رکھنا دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا کسی کو حقیر نہ سمجھنا خود پسندی نہ ہونا بے غصہ  
 کو ضبط کرنا وغیرہ۔ ان اخلاق کو سلوٹ کہتے ہیں۔ اور مثل احکام ظاہری  
 کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے  
 اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے۔ جیسے قلت محبت حق سے ناز میں سستی  
 ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل اور کان پڑھ لی یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ  
 ہوتی یا کبر و غلبہ غضب سے کسی پر ظلم ہو گیا۔ حقوق تلف ہو گئے۔ مثل ذالک اور اگر  
 ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی  
 وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری  
 ظہری۔ لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں، اور جو سمجھ میں آتی ہیں۔ ان کی درستی  
 کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا  
 ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے۔  
 اور ان کا علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان  
 معاملات میں سہولت اور آسانی، اور قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار و اشغال  
 کی بھی تعلیم کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام  
 کرنے پڑتے ہیں، ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی سے دوسرا  
 مستحب کہ کثرت ذکر ہے۔ اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور  
 کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے، یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق  
 اور مقصود کا۔ (التکشف ص ۷)

## مکتوب ملقب بہ روح الطریق

سوال :- ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید قدام حضور ﷺ

میں ایک نہیں ہی ایسا ہوں گا جس کو وصول تو درکنار وصول کی حقیقت تک کا پتہ نہیں۔ الخ

جواب: تحریر فرمایا مقصود تو بحدہ اللہ معلوم ہے یعنی رضائے حق اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ کی پابندی، اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر جس قدر دوام ہو سکے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ جس قدر زیادہ میسر ہو۔ (اشرف السوانح)

### مکتوب ملقب بفتح الطریق

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ کچھ اعمال نہیں عنہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سن کر ان عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتلا دیتے ہیں۔ عمل کرنا طالب کا کام ہے، اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کرتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔

دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدر ہو۔

اور اگر کثرت کے لئے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات اور مقالات کا

مطالعہ اس کا بدل ہے۔

اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغولی

اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے، یعنی شیخ کو اطلاع

حالات کا التزام۔

اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے۔ جب اختلاف استعداد مقصود میں

دیر سویر ہوتی ہے۔ میں اس میں سب کچھ لکھ چکا۔ (اشرف السوانح)

## سلوک سنون

ملفوظ :- فرمایا کہ جس امر کو رضائے الہی میں دخل ہو، اور جس کا انحصار واجب و مستحب مامورات میں ہو ان پر عمل رکھے اگر نوت ہو جائے قضا کر لے اس بڑھ کر دین کی کیا آسانی ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج (دین میں کوئی تنگی و دشواری اللہ نے نہیں رکھی ہے) اس طرح جس امر میں حق تعالیٰ کی ناراضی کو دخل ہو جس کا انحصار منہیات میں ہے ان سے اجتناب رکھے اگر صدد ہو جائے استغفار کرے، نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ عام آدمیوں کے احوال سے گھبراوے نہ ثمرات کا عاجلہ میں اور نہ مراتب علیا کا آجلہ میں طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرمائیں اور دوزخ سے نجات بخشیں بس ہو گیا سلوک سنون۔ (اشرف السوانح)

## حاصلِ تصوف

وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضا کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہو گئی۔ اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے۔ (دعوتِ تقویٰ)

## مقاصد طریقت کے حصول کا دستور العمل

آقا بعد - تصوف و طریقت جو درحقیقت شریعت ہی پر مکمل عمل کرنے کا دوسرا نام ہے اس میں ایک زمانہ دراز سے کچھ ایسا اختلاط و التباس پیش آ رہا تھا کہ بہت سے نادان فہم لوگ کچھ بزرگوں کی رسوم و عادات کو اور بہت سے ان کی غیر اختیاری کیفیات اور وجدی حالات ہی کو تصوف سمجھ بیٹھے تھے، مقصود و غیر مقصود میں امتیاز نہ رہنے سے بعض لوگ خلاف شرع امور کے ارتکاب اور غیر شرعی عادات و اخلاق کے باوجود کچھ حالات اور اچھے خواب دیکھ کر نفس کی اصلاح و اعمال کے اہتمام سے بے فکر ہو گئے، ان خرابوں کی اصلاح کے لئے اس مختصر رسالہ میں طریقت و تصوف کی حقیقت اور اس کے اصل مقصود اور حصول مقصود کے طریقوں کے متعلق چند اہم اور ضروری مضامین بعنوان ہدایات لکھے جاتے ہیں۔

**ہدایت اول۔ سلوک جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں، اس کی حقیقت ہے تعمیر الظاہر و الباطن، یعنی اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و معمور کرنا۔ ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقاید حقہ، اخلاق باطنہ مثل اخلاص و شکر و صبر و زہد اور تواضع وغیرہ سے۔ اس کا ایک مرتبہ تو یہ ہے، اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ مرتبہ اولیٰ کے ساتھ ظاہر کو طاعات غیر ضروریہ میں اور باطن کو دوام ذکر میں بھی مشغول کرنا۔ مرتبہ اولیٰ کی تکمیل ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس کے لئے دو چیزوں کی حاجت ہوگی اس کا اہتمام بھی ضروری ہوگا۔ ایک بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا، خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے پوچھ پوچھ کر، اور پڑھنا بھی خواہ عربی میں ہو یا فارسی میں خواہ اردو میں احقر نے ایک رسالہ بہشتی زیور شائع کرایا ہے۔ وہ اور رسالہ صفائی معاملات، اور تیسرا باب مفتاح الجنۃ کا یہ ضروریات روزمرہ کے لئے کافی ہیں۔ دوسرے**



علم پر عمل کرنے کی ہمت تو ہی رکھنا کہ تقاضائے نفس یا ملامت خلق سنگ راہ نہ ہو، یہ تو مرتبہ اولیٰ کا بیان ہوا اور دوسرا مرتبہ ہند و جب ہے اور اکثر عرف میں آج کل اسی کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں۔ لیکن اگر دوسرے مرتبہ میں مشغول ہونے سے کوئی ضرورت یا طاعت مرتبہ اولیٰ کی فوت یا خلل پذیر ہو جاوے تو پھر اس میں مشغول ہونا ممنوع وغیر مشروع ہو جاوے گا۔ جیسا بعض نادان کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کو بھوکا ننگا چھوڑ کر درویشی کا دم بھرتے ہیں۔

ہدایت سے دوم۔ صحیح ترتیب سلوک مرتبہ دوم کی یہ ہے کہ اول گناہوں سے توبہ خالصہ کرے اور اگر کچھ عبادت واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں تو ان کو قضا پڑھنا شروع کر دے اور اگر اس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جاوے یا اہل حقوق سے معاف کرائے، کیونکہ بدون اس کے کہ ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے، اگر عمر بھر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے گا، ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نصیب نہ ہوگی اور توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے بھی تو ہی عزم رکھتے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری ہو اور گونا مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو، اور گو کوئی نفسانی و نبوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو، اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے برداشت کریں گے۔ اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ طالب حق نہیں ہے کیونکہ طالب کی تویہ شان ہوتی ہے قطعاً

لے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگون باشی      بے زرد گنج بصد حشمت قاروں باشی  
 در رہ منزل لیلی کہ خطر باست بجاں      شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی  
 جب توبہ و عزم دونوں ٹھیک ہو گئے تو علم دین بقدر ضرورت حاصل کرے،

جیسا کہ ہدایت اول میں اس کا طریقہ بیان کیا گیا۔ پھر شیخ کامل کی تلاش میں لگے جس کی پہچان آگے آتی ہے۔

ہدایت سوم: شیخ کامل وہ ہے جس میں یہ علامات ہوں (۱) بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو (۲) عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے (۴) کسی شیخ کامل کی صحبت میں چند دن رہا ہو (۵) اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں (۶) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم، دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں (۷) اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعث بار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو (۸) وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سُننے یا دیکھنے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے (۹) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو (۱۰) خود بھی وہ ذکر شامل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں، یا اس کو کشف بھی ہوتا ہے یا نہیں یا یہ جو دعوا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے یا نہیں، یا یہ صاحب تصرفات ہے یا نہیں، کیونکہ یہ امور لوازم مشیخت یا ولایت ہیں کہ نہیں ہیں اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح ٹرپنے لگتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں، اصل میں یہ ایک نفسانی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے، غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کر سکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں کیونکہ اس کے اثر کو بقا نہیں ہوتی صرف مرید غیبی کے لئے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو، چند روز تک شیخ کے اس عمل کرنے سے اس میں ایک گونہ تاثر و انفعال قبول آثار ذکر کا پیدا ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ

خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جاوے۔

ہدایت سے چہارم جب شیخ کامل میسر ہو جاوے اور اس سے بیعت کا ارادہ کرے تو اول یہ سمجھ لے کہ بیعت سے غرض کیا ہے کیونکہ اس میں مختلف غرضیں ہوتی ہیں بعض تو صاحب کشف و کرامت بنتا چاہتے ہیں، سو ہدایت سوم میں ابھی گزر چکا ہے کہ کشف و کرامات خود شیخ میں ہونا ضرور نہیں تو بے چارہ مرید تو اس کی کیا ہوس کرے۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے پرخشش کے ذمہ دار ہو جاوے گا، قیامت میں دوزخ سے نجات دیں گے، خواہ کیسے ہی عمل کرتے رہو یہ بھی ممکن غلط ہے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا ہے فاطمہ انقذی نفسك من الناس بعضے یہ جانتے ہیں کہ پیر صاحب ایک نظر میں کامل کر دیں گے، ہم کو نہ محنت پڑے گی نہ معاصی کے ترک کا قصد کرنا پڑے گا۔ اگر اس طریق سے کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا، کہیں بطور خرق عادت ایسا بھی ہو گیا ہے۔ لیکن خوارق میں دوام اور لزوم نہیں ہوتا۔ اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ بعضے یہ چاہتے ہیں کہ خوب جوش و خروش و شور و مستی پیدا ہو، خوب نعرے لگایا کریں۔ گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں۔ نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے آپ سے آپ ہو جایا کریں و سادس و خطرات سب فنا ہو جاویں۔ بس ایک عالم محویت کا رہا کرے۔ یہ خیال پہلے سب خیالوں سے پاکیزہ سمجھا جاتا ہے، لیکن منشا اس کا بھی تاوان فنی ہے۔ یہ امور منجملہ کیفیات و احوال کے ہیں جو اختیار سے خارج ہیں اور محمود ہیں مگر مقصود نہیں، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسی خواہشوں میں نفس کا ایک کیدِ خفی ہوتا ہے، وہ یہ کہ نفس طالب ہے راحت اور لذت اور شہرت کا۔

ان کیفیات میں یہ سب امور حاصل ہیں۔ طالبِ رضا کو جس کا مقصود ہوتا  
عنقریب آتا ہے ان خواہشوں سے کیا علاقہ، وہ تو بہ زبانِ حال یہ کہتا ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست

تو ہاں اسے آنکہ چوں تو پاک نیست

پس زبون دسوسہ باشی دلا

گر طرب را بار دانی از بلا

دیگر:-

دیگر:-

پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ کیفیات یا  
حاصل ہوں گی یا نہ ہوں گی۔ اگر حاصل ہوں گی، تب تو بوجہ اس کے کہ شخص  
اس کو غایت اور ثمرہ سمجھتا تھا اپنے کو صاحبِ کمال سمجھنے لگتا ہے اور انہیں  
کیفیات پر قناعت کر کے تقویٰ و طاعات سے بے فکر اور مستغنی ہو جاتا،  
یا کم از کم طاعات کو حقیر ضرور سمجھنے لگتا ہے، اور اگر حاصل نہ ہو میں تو غم میں مرنے  
گھٹنے لگتا ہے اور جو شخص غیر اختیاری امور کا طالب ہوگا ہمیشہ مبتلائے غم اور  
پریشان رہے گا۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہیں،  
ضرورت کے وقت ان سے تعویذ گنت دے لے لیا کریں گے یا پیر صاحب بڑے  
مقبول الدعوات ہیں مقدمات وغیرہ میں ان سے دعا کرایا کریں گے، اور  
سب کام اپنی مرضی کے موافق ہو جایا کریں گے۔ گو یا ساری خدائی پیر  
صاحب کے قبضہ میں ہے یا ہم خود ان سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم بھی  
بایرکت ہو جاویں گے کہ ہمارے دم کر دینے سے ہاتھ پھر دینے سے مریض  
اچھے ہو جاویں گے، بلکہ ایسے لوگ تا مرنے بزرگی کا خلاصہ ان ہی عملیات

کو اور ان کے آثار کو سمجھتے ہیں چونکہ اس کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ نیت محض دنیا کی طلب ہے اس لئے بالکل فاسد در فاسد ہے، بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ انوار نظر آیا کریں گے یا کچھ آوازیں سنائی دیں گی یہ بھی محض ہوس اور ناہمی ہے کیونکہ اول تو ذکر و شغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضروری نہیں اور نہ ذکر و شغل سے یہ مقصود ہے دوسرے یہ انوار و آوازیں و اصوات بعض اوقات اس کے دماغ کا تصرف ہوتا ہے۔ عالم غیب کی اشیاء میں سے نہیں ہوتیں تیسرے اگر بالفرض اس عالم کی چیزیں منکشف ہو گئیں تو اس کو کیا فائدہ کسی عالم کے منکشف ہونے سے قریب نہیں بڑھ جاتا۔ قریب کے لئے تو طاعات موضوع ہیں بعض اوقات شیاطین کو بلا تک نظر آجاتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں۔ پھر مرنے کے بعد ظاہر ہے کہ سب کفار کو اس عالم کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہو جائے گا۔ تو جو امر کفار میں بھی مشترک ہو اس میں کیا کمال ہو چونکہ امور مذکورہ میں سے صحیح غرض کوئی نہیں اس لئے ان سب کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے۔ شیخ اسی کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مرید اس پر کا بند ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ کہ رضا ہے ظاہر ہوگا اور رضائے دخول جنت لقلائے حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی اور شیخ کی طرف سے اس کی تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اس کے اتباع کا عہد یہی حقیقت ہے۔ بیبری مریدی کی اندگو یہ تعلیم و عمل بدون بیعت متعارفہ بھی ممکن ہے لیکن خاص طور پر بیعت کرنے میں طبعاً یہ خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پاس فرمانبرداری زیادہ ہو جاتا ہے اور یہی حکمت ہے شیخ کی تعیین اور وحدت میں بھی کہ اس سے جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے اور باقی ہاتھ میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو بکڑا دینا جبکہ وہ پاؤں ہو، یہ محض ایک عادت صالحہ مستحبتہ ہے۔ اس معاہدے کے تاکد کے لئے اور

معاهدہ کا جزو نہیں۔ اسی وجہ سے غائب کے لئے اس کی رسم نہیں اور استحسان اس کا سنت میں بھی وارد ہے چنانچہ مردوں کے لئے ہاتھ میں ہاتھ پکڑنا منقول ہے اور کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دینا یہ ہاتھ پکڑنے کے قائم مقام ہے۔

ہدایت سے پہنچے :- جب سلوک کا طریق کہ بجا آوری احکام ہے اور اس کا ثمرہ کہ حصولِ رضائے حق ہے معلوم ہو گیا، تو اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ یہ طریق مخالفِ شریعت کے نہیں، بعض جہتِ سال کا یہ کہنا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے باہم معنی کہ ایک دوسرے کے مخالف ہے باطلِ محضہ و ضلالتِ خالصہ ہے اور اگر کسی مستند عبارت سے اس کا ایہام و شبہ ہوتا ہو تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تغائر یعنی اور ہونے کے دو معنی ہیں، ایک تعدد اور دوسرے مخالف و تنافی مثلاً اسلام اور کفر میں تغائر بمعنی تنافی ہے یعنی ایک چیز کو قانونِ اسلام حرام بتلاتا ہے تو قانونِ کفر اس کو حلال کہتا ہے اور بالعکس بھی بخلاف احکام متعددہ اسلامیہ کے جو باہم دیگر باہم معنی تغائر نہیں لیکن متعددہ میں مثلاً کتاب الصلوٰۃ کے مسائل اور کتاب الزکوٰۃ کے اور میں لیکن یہ نہیں کہ ایک چیز کو کتاب الصلوٰۃ میں ناجائز لکھا ہو اور کتاب الزکوٰۃ میں جائز لکھا ہو یا اس کے برعکس ہو پس شریعت اور طریقت میں تغائر یعنی تنافی کا دعویٰ اعتقاد تو لحاظ دینا ہے جیسے بعض جہلہ سمجھتے ہیں فلاں بات گوشتِ ایت میں ناجائز ہے مگر فقیری میں جائز ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

البتہ تعدد کا قائل ہونا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب شریعت کو افعال جو ارح کے ساتھ خاص کر لیا جاوے اور طریقت کو اعمالِ قلبیہ کے ساتھ مخصوص کیا جاوے تو ایک اصطلاح ہوتی اور اصطلاح میں کچھ مناقشہ نہیں اس وقت کمزور ہدایہ وغیرہ کتب فقہیہ کو مسائلِ شریعت اور احیاء العلوم و عوارف وغیرہ کتب اخلاق کو مسائلِ طریقت کہنا صحیح ہو گا اور ان میں باہم وہی نسبت ہوگی جو کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے۔ سو اس طور سے تعدد کا کسی کو انکار نہیں اور اگر شریعت کو سب احکام کے لئے

جامع کہا جاتے جیسا کہ فقہ کی تعریف میں معرفۃ النفس مالہا وما علیہا کہا گیا ہے اور طریقت کو مرادف تصوف کہا جائے جس کا عام ہونا تمام احکام ظاہر و باطن کے لئے ہدایت اول میں گذر چکا ہے تو تعدد کے قابل ہونے کی بھی گنجائش نہیں محض تفاوت عنوان کا ہو گا۔ اور جس شخص نے کہا ہے ۶

درکنز و ہدایہ متوال یافت خدارا

وہ مہنتی ہے اصطلاح اول پر یعنی احکام خدارا کہ متعلق بہ اصلاح باطن ہستند۔ ہدایت ششم:۔ جب حسب ہدایت چہارم و پنجم غرض اور نیت درست ہوگئی تو اب بعد بیعت کے اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے سے شیخ کی خدمت میں رہے اور اگر اس کی نوبت نہ آدے تو غائبانہ ہی اس کی تعلیم پر بذریعہ مکاتبت کار بند ہو بلکہ اگر بیعت کے لئے بھی حاضر نہ ہو سکے تو غائبانہ بذریعہ خط یا کسی معتبر آدمی کے بیعت ہو جاتی ہے۔ طرز تعلیم ہر شخص کا جدا ہے اس کی تفصیل اس جگہ لکھنا ضرور نہیں (بحوالہ تصد السبیل)

### مزید ہدایات

آج کل اکثر درویشوں میں بعض رسوم متعارف ہیں۔ ان میں بعض تو محض خلاف شرع ہیں جیسے قبروں کا طواف اور اس کو بوسہ دینا اور اس پر غلاف ڈالنا یا ان کی نذر ماننا یا ان سے خود کچھ مانگنا اور بعض باتیں مفسدہ سے مل کر شریعت کے خلاف ہو گئی ہیں جیسے عرس کرنا۔ سماع کرنا یا قتل۔ پنج آیت یا مجلس مولد کہ عوام ان امور کے منع یا ترک کو درویشی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان امور کے مفاسد کی تحقیق اور بحث مفصل احقر نے کتاب اصلاح الرسوم و حق السماع و تعلیم الدین کے حصہ پنجم و حفظ الایمان میں لکھی ہے۔

اور بعض امور ایسے ہیں کہ اگر ان کو بزرگی میں داخل کیا جائے اور سمجھے کہ ان کو

قرب الہی میں دخل ہے تو یہ بدعت قبیحہ ہے اور اگر اعتقاد میں کوئی فساد نہ ہو۔  
تب بھی محض دنیا ہے جیسے عملیات یا ترک حیوانات۔  
اور بعضے امور فی نفسہ نیک ہیں اگر ان میں فساد عقیدہ نہ ہو مثلاً شجرہ پڑھنا  
کہ حقیقت اس کی مقبولان الہی کے ساتھ تو سل ہے دعا میں جو سنت سے ثابت ہے۔  
لیکن اگر اس میں یہ سمجھا جائے کہ ان حضرات کے نام پڑھنے سے وہ ہمارے حال پر متوجہ  
رہیں گے تو محض بے سند غلط عقیدہ ہے جو حسب آیت

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

منوع ہے۔ اور مثلاً مطالعہ کتب تصوف کا اگر کوئی عالم منقول و معقول اور عارفین  
کا صحبت یافتہ ہو اس کے لئے مضائقہ نہیں ورنہ برہم زن دین و ایمان ہے۔  
اس قسم کی کتابیں ہرگز نہ دیکھی جاتیں جیسے مشومی مولوی رومی۔ دیوان حافظ  
یا دوسرے بزرگوں کے ملفوظات و مکتوبات جن میں تحقیقات اسرار یا ان کے موجد  
احوال ہیں۔ یہ سب عام لوگوں کی فہم سے خارج ہیں۔ (مقصد السبیل)

## وضاحت و تجدید سلوک

سوال۔ ایک طالب نے ایک بڑے طویل اور مفصل خط میں اپنے تمام حالات باطنی  
اور شلوک و اوہام لکھے تھے اس کا مفصل جواب حضرت والارحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا  
جس میں تمام تصوف و سلوک کی حقیقت واضح فرمادی۔

الجواب۔ بعد حمد و صلوة جو اباً عرض ہے کہ مقصود اصلی طریقی میں صرف رضا اور قرب  
حق ہے اور جتنے امور کو ان میں دخل ہے وہ بقدر دخل کے مامور بہ ہیں اور درجہ دخل کا  
بتکنا صرف درجہ شارع کا ہے خواہ صراحتہ بتلائیں یا دلالتہ جس کا ظہور قیاس صحیح سے  
ہوتا ہے اور اسی جگہ سے کہا گیا ہے القیاس مُظہر لا مُثَبِّت۔ اسی طرح مجتنب عنہ



اور مذموم اہلی کا درجہ سخط و بعد عن الحق ہے۔ اور جتنے امور کو اس میں دخل ہے وہ  
 بقدر دخل کے منہی عنہ ہیں خواہ صراحتہ یا دلالتہ جلیسا اور پرمور بہ میں مذکور ہوا ایک  
 مقدمہ تو قابل استحضار کے یہ ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جتنے امور کو قرب یا بعد میں  
 دخل ہے وہ سب امور اختیار یہ ہیں ان میں کوئی امر غیر اختیاری نہیں اور یہی معنی ہے  
 لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کے۔ اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ امور  
 اختیار یہ عام ہیں اور ظاہرہ قالیبہ و باطنیہ قلبیہ کو اور تتبع نصوص و  
 رجوع الی الوجدان سے یقیناً ثابت ہے کہ امور ظاہرہ اعمال جوارح ہیں،  
 حسنہ یا قبیحہ اور امور باطنہ دو قسم کے ہیں عقائد صحیحہ یا باطلہ اور اخلاق  
 محمودہ یا مذمومہ پس جن امور کو قرب حق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال حسنہ اور  
 عقائد صحیحہ اور اخلاق محمودہ اور یہی مامور بہا بھی ہوں گے اور جن امور کو بعد  
 عن الحق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال قبیحہ اور عقائد باطلہ اور اخلاق مذمومہ  
 اور یہی منہی عنہا ہوں گے۔ چوتھا مقدمہ جو دوسرے مقدمہ سے لازم آیا اور بدیل  
 مستقل بھی ثابت ہے کہ جو امور اختیار سے خارج ہیں ان کو نہ قرب میں دخل ہے  
 نہ بعد میں، اس لئے نہ وہ مامور بہ ہوں گے اور نہ منہی عنہ ہوں گے اور پانچواں  
 مقدمہ یہ ہے کہ امور غیر اختیار یہ اقسام کثیرہ ہیں لیکن جن پر بعض کو اشتباہ موجب  
 قرب و بعد ہونے کا ہو جاتا ہے وہ صرف چند قسم کے ہیں۔ ایک احوال محمودہ اور  
 کمالات و ہبیدہ باب قرب میں اسی طرح باب بعد میں و مساویں و خطرات یا اقسام  
 قبض یا کسی معصیت کی طرف میلان ضعیف یا قوی درجہ کا تقاضا ہونا اور ان اقسام  
 امور غیر اختیار یہ پر قرب و بعد کے مرتب ہونے کی نفی کرنے سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ  
 بھی قرب و بعد پر مرتب نہیں ہوتے یہ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی کو کسی عمل یا محض فضل  
 سے مقرب بنایا ہو پھر اس کو بعض کمالات و ہبیدہ کے ساتھ موصوف کر دیا ہو۔ اسی طرح  
 ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی کو عمل مذموم سے (نہ کہ بلا عمل) موطر و دبنا یا ہو پھر اس کو

بعض بلیات غیر اختیار میں مبتلا کر دیا ہو۔ مگر یہ بلیات سبب بعد نہ ہوں گے گو سبب عن بعد ہوں جن کا تدارک صرف اعمال بعدہ کے تدارک سے ہو سکتا ہے ان مقدمات کے بعد جانتا چاہئے کہ خلاصہ آپ کی سرگزشت کا چند مضامین ہیں :-

۱۔ ادراک صحیح ہونا ۲۔ امور نافعہ سے انفعال ہونا ۳۔ حقائق اسرار کا منکشف ہونا مگر اس کو کما لکھا سمجھنا ۴۔ اس کے بعد اچھی باتوں میں برائی اور بری باتوں میں بھلائی نظر آنے لگنا گو اس سے مغلوبیت نہیں ہوتی ۵۔ اچھی باتوں سے اثر نہ ہونا اور بری باتوں سے اثر ہونا اس طرح سے کہ ادھر جذبہ ہونے لگا آگے اس کی کچھ مثالیں ہیں ۶۔ مگر ساتھ ہی اس کو دوسوہ اور خطرناک سمجھنا اور اس کے دفعہ کی کوشش کرنا اور اس کے بعد طرق دفع کی کچھ تفصیل ہے جس میں خیال کے پھرنے میں مبالغہ سے کام لینا بھی ذکر کیا ہے اور اس مبالغہ کی کچھ جزئیات لکھی ہیں ۷۔ لیکن ذرا معالجہ سے غفلت ہو جاتی تو یہ سب محنت رائیگاں ہوتی ۸۔ باطل حق نظر آتا تھا ۹۔ یہ فکر کہ ترقی کا راستہ بند ہو گیا ۱۰۔ اس کے بعد کچھ آثار اختلاج و ضعف قلب کے ذکر کئے ہیں ۱۱۔ اچھی بات کان میں پڑنے سے زیادہ نقصان ہوتا تھا ۱۲۔ بخل کا

اپنے اندر معلوم ہونا ۱۳۔ اس کا علاج انفاق سے کرنا ۱۴۔ اس علاج کا بخل کے ساتھ دوسرے امراض عارضہ کے لئے شفا اور نافع ہونا ۱۵۔ اس نفع کے شکریہ میں اور زیادہ انفاق کی نیت کرنا اور باوجود منازعت نفس کے اس پر عمل کرنا ۱۶۔ بعض واقعات جن سے مرض بخل کا زوال معلوم ہوتا ہے ۱۷۔ ازالہ حرص کے بھی صحت باطن پر استدلال ۱۸۔ عموماً حالات سابقہ ۱۹۔ ترقی در علم بہ علم با شہرہ ۲۰۔ بعض غایات اظہار سرگزشت مفصل ۲۱۔ استفسار حقیقت حال خود اور ساتھ ہی اس کا علاج خصوص حسد و عجب۔

میں نے ان سب مضامین کو نہایت دلچسپی اور بہت تعمق سے ایک ایک مرتبہ کر کے بلکہ اکثر مقاموں کو مکرر پڑھا میں جو کچھ اس باب میں سمجھا ہوں وہی لکھنا بھی چاہتا

ہوں۔ اس کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کرتا ہوں کہ بس صحیح وہی شخص اور وہی تجویز ہے لیکن انتہائی خیر خواہی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ جس قدر سمجھ میں آئے اس کے پیش کرنے میں دریغ نہ کرے اور جو اپنے لئے پسند کرے وہی اس کے لئے پسند کرے۔ پس جس طرح طب میں مسالک مختلف ہیں اور آپ مثلاً طبیب ہیں مرض کے لئے خصوصاً مریض محبوب کے لئے وہی طریقہ برتیں گے جو آپ کے نزدیک سب سے زیادہ راجح اور نافع ہو بس اسی اصل کے موافق میں بھی لکھنا چاہتا ہوں فاسمعوا وان رضیتم فاتبعوا۔ عارفین کا ارشاد ہے طرق الوصولی الی اللہ بعدد الفاس الخلاق۔ اسی لئے ہر زمانے میں گو کلیات اصلیت تو اس طریق وصول کے نہیں بدلے مگر باوجود حفاظت کلیات ان کلیات کے بہت سے جزئیات طریق معالجات میں حسب اختلاف مذاق و استعداد و اسباب عارضہ ہر زمانے میں اور ہر شخص کے لئے بید متبدل ہوتی رہیں۔ پس میں نے جو طریق اپنے مرشد علیہ الرحمۃ سے سمجھا اور اس کو صد ہا مریضوں کے لئے بحتم خود نافع دیکھا جس سے اس کو مجرب تجربا کہنا میرے نزدیک بالکل صحیح اور یقینی ہے۔ اس کا حاصل صرف وہی ہے جو اجمالاً مقدمات خمسہ مذکورہ بالا سے آپ بفضلہ تعالیٰ سمجھ گئے ہوں گے مگر تمہارا تمہارا تسبیلاً تکمیلاً للفائدہ کسی قدر تفصیل سے بھی گو مختصر ہی ہو عرض کئے دیتا ہوں جو جو مضائق و مصاعب و عقبات و بلیات آپ نے لکھے ہیں یہ تو سو حصول میں سے ایک حصہ بھی نہیں جو بعض سالکین کو پیش آتے ہیں (اس وقت مجھ کو بعض کے احوال یاد آگئے اور سر سے پاؤں تک اس نے مجھ کو ہلا دیا کہ شکل سے اپنے کو سنہال کر لکھنے کو موقوف نہیں کیا) مگر وہ ان سب پریشانوں کو محبوب کی نعمت سمجھ کر بہ زبان حال پڑھتے ہیں :-

اگر ریش بنید و گر مر ہمیش  
اگر تلخ بنید و مر در کشند

خوشادقت شوریدگانِ غمش  
و ماد مراب الم در کشند

اور صبر کر کے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور اپنے کام کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور کچھ تدبیر نہیں کرتے اور یہی بے تدبیری ہزاروں تدبیر سے بڑھ کر کام دیتی ہے اور انجام کار اس تفویض کی برکت سے نصیب ہوتا ہے کہ مَا لَأَعْيُنٌ رَأَتْ وَلَا أذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ اَمَّا مَنِ لَّا يَفْعَلْ كَذَا ذٰلِكَ فَاِنَّهُ لَمَكْرٌ مِّنْ اٰمِلٍ اٰلِ اٰلِہٖمۡ سَلٰمٌ اہل حال کے مذاق کا ہے اہل استدلال کو اس کے بعد بھی انتظار تحقیق کا رہے گا اس لئے اس کی شرح اصول علمیہ سے بھی کرتا ہوں، گو اس کا مزج بھی اخیر میں ذوق و وجدان فطری ہی ہے اور ہر استدلال کا اخیر فطرت ہی ہوتی ہے جیسا کہ معلوم ہے وہ شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطرۃ ہر بشر میں کم و بیش دو چیزیں ایسی پیدا کی ہیں کہ عمر بھر بھی زائل نہیں ہوتیں۔ ایک خیال علوم کے متعلق دوسرے میلان نفس اعمال کے متعلق، نہ ان کا حدوث اختیاری ہے نہ ان کا بقا۔ اور اس لئے ان کا انسداد یا ازالہ بھی اختیاری نہیں۔ حَتّٰی وَرَدَنِي الْمَدِيْنَةَ قَصَّةٌ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ الَّذِي مَعَهَا مِثْلُ الَّذِي مَعَهَا وَحَتّٰی كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَهْمُرُ اَنْ يَتَرَدَّى مِنَ الْجَبَلِ فِي زَمَانِ فَتْرَةِ الْوَحْيِ۔ المحدث تنافر ہے کہ عوام کو بعض خیالات و وساوس کے هجوم کی اور میلان داعیہ معاصی کے غلبہ اور تقاضے کی نوبت آجاتی ہے، خواہ عمل کرے یا نہ کرے اور خواص کو جو کہ مجاہدہ کر چکے ہوں یا مجاہدہ کے قائم مقام کوئی حال استعراق وغیرہ ان پر غالب کر دیا گیا ہو یا قومی طبعیہ ان کے ضعیف کر دیئے گئے ہوں۔ ان کو، هجوم اور تقاضے کی نوبت نہیں آتی یا شاذ و نادر آتی ہے مگر گذرتا ہوا یا تھوڑی دیر ٹھہرتا ہوا خطرہ اور خفیف اور ضعیف سا میلان معصیت کا پیدا ہوتا ہے مگر عمل سے بچنے کے لئے اس کو بھی ہمت اور قصد ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح صدور پر بھی قدرت رہتی ہے۔

البتہ عامی غیر مجاہد کو مخالفت و دفع کے لئے زیادہ تعب و تکلف کی ضرورت ہوتی ہے اور مجاہد حقیقتہً یا حکماً کو آسانی سے اس دفع و مخالفت میں کامیابی ہو جاتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو یہ بات بلا مجاہدہ محض موہو بیت سے عطا ہو جاتی ہے، باوجودیکہ کبھی وہ کسی حال سے مغلوب نہیں ہوتے نہ ان کے قومی طبعیہ میں کوئی ضعف ہوتا ہے اور مادہ متازعت نفس کا دستِ قدرت سے ان میں سے نکال دیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کے قصہ میں جس جزو کا قلب مبارک سے خارج کیا جانا مذکور ہے وہ یہی معلوم ہوتا ہے، اور انبیاء علیہ السلام میں ممکن ہے اس کا دوسرا طریق ہو اور حدیث نعرہ و لکن اسلم کی بنا پر یہی معلوم ہوتی ہے اور یہی حاصل ہے مسئلہ عصمت کا اور یہ نہیں کہ بچنے کے لئے قصد کی ضرورت نہ ہو اور فعل پر قدرت نہ رہے جیسا کہ اوپر خواص مجاہدین کے حال میں بیان کیا گیا ہے۔ بغرض عامی کے قلب میں دوسو سے زیادہ ٹھہرتا ہے اور میلان معصیت کا بدرجہ تقاضا ہوتا ہے اور خواص میں سے یہ دونوں دسے مجاہدہ حقیقتہً یا حکماً سے جاتے رہتے ہیں۔ یعنی غالب احوال میں ان کا تحقق نہیں ہوتا اور شاذ و نادر سے وہ بھی خالی نہیں و یبقی هذا الاحتمال فی کل حین الی ان یموتوا اور انبیاء علیہ السلام میں سے بلا کتاب ان کی نقی کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اب طرز سالکین و شیوخ تربیت کا مختلف ہے بعض تو ہر دوسو سے کے ذبیحہ کے لئے اور ہر ہر خلق ذمیم کے (جس سے داعیہ معصیت ظاہری یا باطنی کا پیدا ہوتا ہے) قلع کے لئے تفصیلی معالجات کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں اور ہر وقت قلب اور نفس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں اور جب کبھی کوئی مرض دیکھتے ہیں پھر تجدد معالجہ کی کرتے ہیں اور احیاء العلوم کتب وغیرہ میں سلوک کا حاصل یہی ہے اور آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے، آپ نے بھی یہی طریقہ اختیار

فرمایا ہے اس سے آپ کی پریشانی شدید اور ماجرا طویل ہو گیا۔ مگر الحمد للہ کامیابی ہوئی۔ اور اس کامیابی کا معقنا یہ تھا کہ میں اس خط کے جواب میں طول نہ کرتا۔ کیونکہ جو شکایت جاتی رہی اس کی تحقیق امر زائد ہے۔ صرف دو اخیر کے مضمون کے، یعنی نمبر ۲ اور نمبر ۳ کے متعلق مختصر سا لکھ کر ختم کرتا ہوں۔ لیکن چونکہ مجھ کو آئندہ کے متعلق دستورِ عمل بتلانا ہے اس لئے اس تمام تر تطویل کی حاجت ہوئی غرض ایک طریق سلوک و تربیت کا یہ ہے، اور ظاہر ہے آپ نے تو مشاہدہ بھی فرمایا کہ اس میں کس قدر تعب ہے اور اس تمام تر تعب کے بعد بھی راحت نہیں ملتی۔ کیونکہ پھر اندیشہ عودِ امراض کا لگا ہوا بلکہ عود سے بچاؤ ہو کر خود بعض امراض کے وجود کا بھی قلعجان اور اس کے ساتھ ماضی پر حسرت الگ ہے غرض ہر وقت تین سوہان روح تیار۔ ماضی کی حسرت، حال کے شبہات، مستقبل کا خوف جب محققین مجتہدین، مجددین فی الطریق نے ومنہم اکملہم موشدھی والفضل بید اللہ یوتبہ من یشاء دیکھا بلکہ حق تعالیٰ نے الہاماً ان کو دکھلادیا کہ اس طریق میں تعب شدید اور حصولی ثمرہ تربیت میں ضرورت زمان مدید کے ہونے سے بعض اوقات مصرع مشہور ہی کا مصداق ہو جاتا ہے۔

ع قَالُوا مَن مِّسْرَسِي مَن نَّجِدَا بِرَسْمِ

پھر قوی اہل زمانہ کے ضعیف اور ہم قاصر ان سب امور پر نظر کر کے بالہام حق ایک دوسرا طریق تربیت کا اختیار فرمایا۔ وہ یہ کہ یہ سب ماضی حجاب عن الحق ہے۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اپنے شاہدے کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ ماضی مستقبل کے مڑالانہ کے لئے۔ ونعم ما قال الرومی ماضی و مستقبلت پردہ خداست۔ البتہ تو بہ کی ضرورت سے ماضی پر اور عزم علی التقویٰ کی ضرورت سے مستقبل پر نظر ضروری تھی لیکن الضروری بِنَقْدٍ مَّرْبِقَدْرِ الضَّرورۃ کے قاعدے سے اس نظر میں ضرورت پر اکتفا کرے یعنی گذشتہ گناہوں سے خوب توبہ

بشر الطہا کر کے پھر بار بار اس کا سبق دل میں تکرار نہ کرے اور اجمالاً مستقبل کے لئے تو کلاً علی اللہ قصد کرے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پھر یہ گناہ نہ کروں گا۔ بس اس کے بعد ہر وقت اسی قصہ میں نہ لگا رہے، اس سے زیادہ دوسرا کام ہے جس کو حدیث میں ان لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے راقب اللہ تجده تجاھک اس میں مشغول ہونا چاہئے یعنی ذکر اور تکرار اور اوقات عمل میں عمل کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرب کو مقصود سمجھے اور جو اس کے لئے طریق موضوع ہے یعنی بعد تصحیح عقاید کے اعمال اختیار یہ جس وقت میں جو عمل ہو خواہ یہ ظاہری ہو مثل صلوٰۃ و زکوٰۃ خواہ باطنی ہو جیسے خوف و رجا و شکر و صبر وغیرہ اور ذکر و شکر کہ وہ بھی فرد عمل کی ہے اکثر اوقات میں بس اس میں مشغول رہے اور جو اسباب بعد کے ہیں یعنی معصیت ظاہری یا باطنی اس سے بچتا رہے نہ اس کی ضرورت کہ اسباب قرب پیدا کرنے کی فکر کرے اور نہ اس کی حاجت کہ اسباب بعد کے مادہ کو منقطع کرے امور اختیار یہ میں سے جس میں کوتاہی ہو جاوے اس کو مضر اور مہتمم با نشان سمجھے اور اس کی اصلاح کرے اور امور غیر اختیار یہ کے وجود و عدم پر التفات ہی نہ کرے اور اس اصلاح میں بھی زیادہ کاوش نہ کرے مثلاً اگر کسی ضروری عمل میں خلل ہو گیا اس کی تضا کرے اگر کوئی امر منکر صادر ہو گیا اس سے استغفار کرے اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاوے۔ اسی ایک بات کے پیچھے نہ پڑ جاوے کہ ہائے یہ کام مجھ سے کیوں فوت ہوا۔ یا یہ کام مجھ سے کیوں صادر ہوا۔ اس کو غلو اور مبالغہ کہتے ہیں جس سے کتاب و سنت نے منع فرمایا ہے۔ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ سِدِّدُوا وَفَرَّبُوا وَاسْتَقِيمُوا وَلَنْ يَخْصُوا مَنْ عَلِمَهُ النَّوْمُ فَلْيَرْتَدُّ لَا تَفْرِطُوا فِي النَّوْمِ إِنَّمَا التَّفْرِطُ فِي الْيَقُظَةِ۔

حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں۔ سخت میگرو جہاں بر مردمان سخت کوش۔ اور اس غلو اور مبالغہ کا اثر خصوصاً اس وقت کے قومی اور ہم پر یہ ہوتا ہے کہ بہت جلد مالوسی اپنا رنگ لاتی ہے اور سالک کو معطل کر دیتی ہے اور کبھی جان پر اور کبھی ایمان پر اس کا اثر پہنچتا ہے۔ جان پر تو یہ کہ صحت خراب ہو جاتی ہے۔ کثرت تخیلات و افکار سے سودا بڑھ جاتا ہے۔ اور ایمان پر یہ کہ باوجود مبالغہ فی العمل و المعالجہ کے کامیابی مزعوم یعنی شفاء مطلق کے نہ ہونے یا دیر میں ہونے سے یا ہو کر پھر زائل ہو جانے سے اور امراض کے بار بار عود کر آنے سے حق تعالیٰ سے تنگی اور شکایت پیدا ہو کر کیفیت کراہیت اور ناراضی کی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم کو اتنے دن ہمارے ہو گئے مگر الَّذِينَ جَاهِدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے وعدے خدا جانے کہاں گئے ہزاروں آدمی جان یا ایمان سے اس طریق سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ اور ایک مرض ثقلت اس کو یہ گلو گیر رہتا ہے کہ اپنے عمل کو بالغ اور اپنی سعی کو سابع سمجھ کر ہر وقت ثمرات کا منتظر رہتا ہے۔ پس اپنے عمل کا پلہ عطا سے حق سے بڑھا ہوا سمجھتا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ کبھی اپنے کو کامیاب نہیں سمجھتا۔ اس لئے ناشکری ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اگر بزعم خود کامیاب بھی ہو گیا، اور وہ کامیابی پھر زائل ہو گئی کیونکہ ایسے انقلاب عمر بھر رہتے ہیں۔ پھر وہی تنگی اور پریشانی شروع ہوتی تو اس کا سلسلہ عمر بھر بھی منقطع نہیں ہوتا۔ خود اس کا نفس یا اس کو دیکھ کر دوسرے کا نفس کہتا ہے کہ اس راہ خدا سے خدا کی پناہ، جس میں بجز مصیبت کے راحت کا نام ہی نہیں تو دیکھ لیجئے کتنا بڑا خطرناک طرز ہے۔ اور یہ خطرہ لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ پس اس غلو کے یہ مضار و مفسد دیکھ کر انہوں نے یہ تجویز کیا کہ ان تدقیقات و تعمقات کو اصلاً نظر انداز کر دے اگر کوئی وارد محمود آوے



نہ اس کو کمال سمجھے نہ اس کے بقا کی تمنا کرے نہ اس کے فوت پر حسرت کرے اگر کوئی دوسرے  
 پیدا ہو اس کے دفع میں تن دہی نہ کرے۔ ذکر کی طرف بہت مبالغہ سے نہیں بلکہ ہر مری  
 طور پر متوجہ ہو جاوے خواہ وہ دفع ہو یا نہ ہو، اور اس سے دفع ہو ہی جاتا ہے مگر  
 اس شخص کو دلیر ہو کر اس پر بھی آمادہ رہنا چاہئے، گو دفع نہ ہو۔ یعنی ذکر بقصد قرب کرے  
 نہ بقصد دفع و سوسہ۔ اگر قبض پیش آوے اس کو مذموم نہ سمجھے اس کے دفع کی  
 فکر کرے نہ تمنا کرے۔ خلاصہ یہ کہ طالب رضائے حق و ہار ب عن سخط الحق رہے،  
 جس امر کو رضائے دخل ہو و ہو منحصر فی المامور بہ و جو بآ  
 او سند یا اس پر عمل رکھے اگر فوت ہو جاوے قضا کرے و ہو سیر  
 کل الیسر لا عسر فیہ قال تعالیٰ و ما جعل علیکم  
 فی الدین من حرج اور جس امر کو سخط حق میں دخل ہو و ہو  
 منحصر فی المنہی عنہ اس سے اجتناب رکھے و ہو ایضاً  
 یسر بالذلیل المذكور اگر اس کا صدر ہو جاوے تو استغفار کرے  
 نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ احوال عامیہ سے گھبرائے نہ ثمرات کا عاجلہ میں اور نہ  
 مراتب علیا کا آجلہ میں طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں  
 اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرماوے اور دوزخ سے نجات بخشے بس  
 ہو گیا مسنون سلوک، اور اگر اس پر یہ شبہ ہے کہ اگر دسا دس یا میلان معاصی نہیں  
 محض عمل مضر ہے تو یہ بات تو بلا مجاہدہ بھی میسر ہو سکتی ہے، پھر مجاہدہ کیوں کرتے  
 ہیں تو جواب یہ ہے کہ واقعی اس کے لئے مجاہدہ فرض و واجب نہیں صرف اس میں یہ  
 نفع ہے کہ میل الی المعصیت کے مقابلہ میں زیادہ تعب نہیں ہوتا آسانی سے نفس  
 پر غالب آجاتا ہے اور غیر مجاہد شوری سے آسکتا ہے، بس یہ فائدہ ہے مجاہد سے  
 میں باقی یہ نہیں کہ میل ہی جاتا رہتا ہو میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ گھوڑا

شایستہ ہو کر بھی کبھی کبھی شرارت و شوخی کرتا ہے مگر بوجہ شایستگی کے جلد ہی رام ہو جاتا ہے۔ بخلاف غیر شایستہ کے کہ اس کے رام کرنے میں بہت مشکل لاحق ہوتی ہے۔ اب بعض منافع و مصالح و سادس و بعض اقسام قبض اور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں اس میں چند خفی الطاف رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بلیتہ بیاختہ یہ کہہ کر پوری تسلی کر لے گا۔ شعر

الایجارن اخوالبلیتہ

فللرحمان الطاف خفیہ

- ۱۔ ایسے شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بد حال ہوں۔
- ۲۔ ہمیشہ ترساں رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا۔ سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔
- ۳۔ اگر یہ عقبہ پیش آچکا ہے تو شیطان کے مقابلہ میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کر لے گا اور بد دن اس کے گدھے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے جس کو میں نے ایک بار بیان کیا تھا اور اس کی وجہ لطافت طبع معلوم ہوئی ہے۔
- ۴۔ مرتے وقت اگر وقتاً یہ حالت پیش آتی تو پریشان ہو کر خدا جلنے کس کس خیال میں مڑتا اگر یہ عقبہ گذر جا دے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت بھی ایسا ہوا پریشانی اور حق تعالیٰ پر بدگمانی نہ ہوگی اطمینان و محبت میں جان دیگا۔
- ۵۔ یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کر سکتا ہے۔
- ۶۔ ہر وقت اپنے اوپر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

۷۔ اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کے عمل سے نہ ہوگی بلکہ رحمت حق سے ہوگی وغیر ذلک ممالا یخصی وھا انا ختم الکلام

و افوضکم و افوض نفسی الی اللہ ذی الجلال و الاکرام و ترجو  
انشاء اللہ لنا و لکم حسن الختام و هو المقال المنعم فی کل مقام  
کتبه اشرف علی فی جلسۃ واحده کانت قدر ثلث ساعات  
(ترتیب السالک جلد اول ص ۳۲-۲۶)

### علامت مستربین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض  
کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ستر آن مجید میں جن لوگوں کے بارے  
میں یہ فرمایا گیا ہے کہ

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَتَلُو بِهِمْ وَجِلَهُ أَهْمٌ  
إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ هَٰؤُلَاءِ لَيْسَ عُنُونٌ فِي الْخَيْرَاتِ  
وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ (سورہ مؤمنون)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باد جو دینے کے  
ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جا نیوالے  
ہیں) یعنی باوجود دینے کے ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں کہ دیکھنے و پاں جا کر  
ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہو، ایسا نہ ہو کہ موافق حکم کے نہ دیا گیا ہو۔ مثلاً مال  
حلال نہ ہو یا نیت خالص نہ ہو تو الشا امر اخذہ ہونے لگے) یہ لوگ (البتہ) اپنے نام کے  
جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں) یہ فضیلت کے  
موقع میں فرمایا گیا ہے) کیا ان سے ایسے لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری  
کرتے ہیں (مشبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ان اعمال کی تعیین صریح الفاظ سے نہیں فرمائی۔  
اور دونوں کا خوفناک ہونا غالباً اعمال میں سے ہوتا ہے۔ سو یہ اعمال بد ہونے کا قرینہ  
ہے مگر موقع فضیلت میں اس کا فرمانا اس قرینہ کا کسی قدر مزاحم ہے پس یہ اشتباہ  
موجب سوال ہو گیا) آپ نے فرمایا کہ نہیں سے صدیق کی بیٹی بلکہ وہ لوگ مراد ہیں  
جو روزہ رکھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور خائف رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل مقبول ہو  
یعنی اپنی ذلت اور حق تعالیٰ کی عظمت پر نظر کرنے سے اپنے اعمال قابل قبول نہیں  
دیکھتے) یہ وہ لوگ ہیں جو جہلا نیول میں دوڑتے ہیں۔ (ترمذی)

ف۔ خوف و تواضع: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے۔  
و۔ علامت مقربین۔ حق تعالیٰ نے ان اوصاف کو عباد مقبولین کے  
خواص سے فرمایا۔ پس یہ علامات اولیاء سے ہے۔ متبع احوال سے یہ صفت عارفین میں  
دوسری اکثر صفات پر غالب معلوم ہوتی ہے، گویا ان کا شعار و خاص ہے۔  
(امت کشف)

لوازماتِ طریق

## لوازماتِ طریق

عقاید کی اصلاح بنیادی ضرورت ہے

ملفوظ: سرمایہ دین صرف چند ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کا نام نہیں ہے بلکہ سب سے بڑھ کر عقاید کا درجہ ہے جس پر نجات کا دار و مدار ہے اور ایک درجہ اخلاق حمیدہ مثلاً اخلاص، صبر و شکر اور تواضع و غمیرہ کا ہے۔ وہ بھی محققین کے نزدیک نماز، روزہ ہی کی طرح فرض ہے۔ اگر کوئی صرف چند اعمال ظاہری کو پورا کر لے مگر نہ عقائد ٹھیک ہوں نہ اخلاق درست ہوں تو ایسی صورت میں اس کو پورا مسلمان نہ کہا جائے گا۔ (انفاس عینی)

## اِتِّبَاعِ سُنَّتِہِی مَدَارِ طَرِیْقَتِہِ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ  
فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ  
عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمائیں) اس کو لو اور جس شے سے منع کریں اس سے باز رہو۔

(الحشر)

وَلَا تَتَّبِعُوا مَن تَحِبُّونَ  
اللَّهُ فَا تَتَّبِعُونِي يُحِبُّكُمْ  
اللَّهُ . (آل عمران)

آپ زیاد پیچھے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے  
ہو تو تم لوگ میرا ہی اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی تم  
سے محبت کرنے لگیں گے  
(بیان القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص  
آپ کی سی ہنیت بنا تا ہے اس پر خدا تعالیٰ کہ محبت و پیارا آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا  
ہم شکل ہے اور وصول کا ایسا طریق ہے جو سب سے زیادہ نزدیک ہے جو بھی اختیار کرے گا  
وہ بہت جلد پہنچے گا اور بہت جلد کامیاب ہو گا ورنہ

خلاف پیمبر کے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید  
پندار سعدی کہ راہ صفا توں رفت جز در پئے مصطفیٰ

(ترجمہ) جو شخص پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا راہ اختیار کرے گا وہ ہرگز منزل  
مقصود پر نہ پہنچ سکیگا اور پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقش قدم کے سوا  
صحیح راستہ نہیں مل سکتا۔ (منقول از خیر المجالس، ص ۱۰۰)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے اولیاء اللہ کے ذکر میں فرمایا کہ متابعت  
پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور ہے۔ قولاً وفعلاً اور ارادۃً اس لئے کہ محبت خدا تعالیٰ  
بے متابعت حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حاصل نہیں ہوتی۔

تمام حضرات اولیاء اللہ نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ  
بھی ایسے نہیں ہوئے جنہوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر غلبہ حال سے کبھی اتباع  
میں کچھ کمی بھی ہو گئی ہے تو اپنی ساری حالت کو ناقص سمجھا ہے اور کبھی اصرار نہیں کیا  
سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت ہے۔

قوت القلوب ابو طالب مکی وغیرہ میں یہ مضمون نہایت استحکام کے ساتھ  
مذکور و منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیری میں اول علم شریعت پھر عمل شریعت  
کی سخت ضرورت ہے اور بدون اس کے آگے راہ نہیں کھلتی اور کبھی کوئی شخص رسول  
اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کر کے اور طریق بدعت کو اختیار کر کے ولی نہیں

ہوسکتا۔ جب بدعت قاطع طریق ہے تو کفر و شرک کا تو کیا پوچھنا؟ آج کل لوگوں نے علم عمل سے بے پرواہ ہونے کے لئے دو لفظ یاد کئے ہیں علم کی نسبت حجاب اکبر اور عمل کی نسبت دعوائے آزادی۔

صاحبو! حجاب اکبر کے اگر یہ معنی ہوں تو جتنے بزرگ گذرے ہیں یہ جھوٹے بلکہ مجھوب ٹھہرتے ہیں۔ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ حقائق کے قواعد سے اس کے بہت باریک معنی ہیں مگر موٹے سے معنی یہ سمجھو کہ حجاب اکبر اس پردے کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے قریب پڑا رہتا ہے کہ وہاں پہنچ کر بادشاہ کا بہت ہی قریب ہو جانا ہے تو اس میں علم کی مدح ہے۔ یعنی جب علم حاصل کر لیا تو جتنے حجاب تھے سب اٹھ گئے یہاں تک کہ حجاب اکبر تک پہنچ گیا۔ اب ایک تجلی حیرت کا غلبہ ہوا۔ اگر یہ حجاب بھی اٹھ جاوے تو اصل ہو جائے اور جس نے سر سے ہی سے علم حاصل نہیں کیا خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے وہ تو ابھی بہت پردوں کے پیچھے ہے اور بہت دور رہا۔

اور جو یہ شبہ ہے کہ علم حقیقت اگر علم شریعت کے خلاف نہیں ہے تو بزرگوں نے اسرار کیوں پوشیدہ کیا ہے۔ شریعت تو انظہار کے قابل ہے تو اس کا حال اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارا یہ دعویٰ ہے نہیں کہ علم شریعت ہی کو علم حقیقت کہتے ہیں بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ علم حقیقت علم شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ شریعت نے ایک چیز کو حرام یا کفر کہا ہے حقیقت میں وہ حلال اور ایمان ہو جاوے، مثلاً دیوانی کا قانون اور ہے، فوجداری کا اور۔ مگر یہ نہیں کہ جو چیز قانون اول میں جائز ہو وہ قانون دوم میں ناجائز یا بالعکس ہے ہاں البتہ ہر ایک کے مضامین جدا گانہ ضرور ہیں۔ سویوں تو شریعت میں بھی مضامین مختلف ہیں اور خود حقیقت میں بھی مگر وہ مضامین شریعت کے مضامین کی نفی نہیں کرتے، پوشیدہ کرنے سے جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ تو رفع ہو گیا اب یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ پوشیدہ رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ تو سمجھنا چاہئے کہ قابلِ اخفاء کے تین امر ہوتے ہیں ایک اسرار، سو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے (تواعد العقائد میں) اس کی کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مضامین خلاف

شرع تو نہیں ہوتے مگر دقیق زیادہ ہوتے ہیں جو عوام کی فہم میں نہیں آسکتے اور ان کو مضر ہوتے ہیں۔ پھر اس کے علاوہ تعلیم سلوک کے طریقے، ان میں اخفا کی وجہ یہ ہے کہ اعلان میں ان کی بے قدری ہے اور اس کے علاوہ طالب کی ہوسناکی کا احتمال ہے اور تیسرے ثمرات مجاہدہ و مکاشفات وغیرہ ان کا اخفا بوجہ احتمال ریا و دعویٰ کے ہے۔

غرض کسی امر کا اخفا اس وجہ سے نہیں ہے کہ مخالف شرع ہے اور اگر فرضاً ایسا ہو تو وہ قابل رد اور انکار کے ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس کو دولت حصول منسب ہو ہے علم شریعت اور اتباع سنت ہی سے ہوتی ہے اور اگر کسی بزرگ کا کوئی قول فعل خلاف سنت منقول ہے تو وہ یا تو سکر اور غلبہ حال میں صادر ہوا یا وہ حکایت غلط منقول ہے یا ان سے کسی باریک مثلے میں جہاں دلیل شرعی خفی و دقیق تھی خطائے اجتہادی ہو گئی جس میں وہ شرعاً معذور ہیں اور خدا تعالیٰ سے ان کو بعد نہیں ہوا یہاں تو کھلم کھلا مخالفت بلکہ اس کی نفی اور اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا جاتا ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع کوئی کام کرنا درست نہیں مثل طوافِ قبر و سجدہ مشائخ وغیرہ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کی اطاعت بھی جہی تک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ کہے ورنہ اس شیخ ہی کو چھوڑ دینا چاہئے۔ (وعظ الاخلاص)

## اتباع سنت کی برکت تکمیل سلوک میں

ملفوظ :- فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بہت ہی جلد نفع شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بطریق تبت



نفع پہنچتا ہے نہ کہ بطریق سلوک اور اس جذب کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اتباع سنت کا بڑا اہتمام ہے۔ جب حق تعالیٰ کے محبوب کی اتباع کی جاتی ہے تو محبوب کی اتباع کرنے والا بھی محبوب ہو جاتا ہے اور محبت کا خاصہ ہے انجذاب پس حق تعالیٰ فوراً اس کو اپنی طرف منجذب فرمالتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

آپ فرمادیں گے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا ہی اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ (اشرف السواخ)

## تصوف کی ضرورت اور اس کا رواج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علم حدیث اور اصول فقہ وغیرہ جدا جدا متمیز تھے (بلکہ) پچھلے زمانے میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے، اور ہر ایک کا جدا گانہ نام تجویز ہوا، اور ان کے واضعین (بنانیوالوں) کو سب نے امام مانا۔ حتیٰ کہ امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) جیسے حضرات کو امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے تفسر فی الدین (دین کی سمجھ) کو دیکھ کر الناس فی الفتنہ عیال ابی حنیفہ (لوگ فتنہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں) کہنا پڑا۔ امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کے تجسر فی الحدیث (حدیث میں کامل ہونے) کا شہرہ ہے۔ اسی طرح تزکیہ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین گذرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور ان

سے پیشتر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور جس طرح پھیلوں کو اگلوں کی تقابلاً پیروی سے چارہ نہیں، علم تصوف میں بھی بدون اتباع طریقہ بزرگان چارہ نہیں گواہی درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے بدون اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے مگر جو امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اس کا حصول بدون صحبت کا ملین کے ممکن نہیں۔

جس طرح دیگر علوم مستخرجہ و مستنبطہ کا خاص نام ہو گیا ہے جیسے علم فقہ اور علم حدیث، اسی طرح مشائخ کے اس خاص مستخرجہ طریقے کا نام تصوف ہو گیا۔ اگر کوئی شرح و قایہ و ہدایہ پڑھتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فقہ پڑھتا ہے۔ حالانکہ فقہ میں (بقول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) بہت سے علوم مثلاً حدیث، تفسیر حتیٰ کہ علم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں۔ اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے۔ یا صوفی ہے۔ صرف نماز روزہ ادا کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے حالانکہ تصوف تزکیہ باطن بالمعنی الاعم سب کو شامل ہے۔ (تصوف و سلوک ص ۱۶)

خلاصہ یہ کہ تصوف کی حقیقت حق تعالیٰ سے تعلق پڑھانا ہے (تفصیل الدین ص ۲)

اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

ہمت کا مقتضاء تو یہ ہے کہ صاحب ذوق بنو! اگر اتنی ہمت نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو۔ (تعلیم الدین ص ۱)

## اصلاح باطن اور اس کے لوازمات

باطن کے متعلق دو قسم کے اوصاف ہیں۔ ایک محمود، دوسرے مذموم۔ سو حقیقت اصلاح کی یہ ہے کہ اوصاف محمودہ کو برکرا کرے اور اوصاف مذمومہ کو دور کرے پہلے کوہِ تخلیہ۔ کہتے ہیں اور دوسرے کوہِ تخلیہ۔ درجہ نخلیہ۔ کہتے ہیں۔ اسی طرح تحصیل

دلالت کے جاننے کا نام عرف میں تصوف ہو گیا۔ اب ان اوصاف حمیدہ اور اوصاف ذمیرہ کو معلوم کرنا چاہئے۔ یوں تو بے شمار اوصاف ہیں مگر ان کے اصول محدود ہیں۔ کچھ اوصاف حمیدہ اور کچھ اوصاف ذمیرہ جن کے حاصل یا زائل کرنے کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف صاف امر فرمایا ہے۔ ان اوصاف کو جب درست ہو جاویں اصطلاح صوفیاء میں مقامات کہتے ہیں۔ پس تقریر ہذا سے واضح ہو گیا کہ مقاصد اس فن کے یہی مقامات ہیں اور طالب کا اتنا ہی کام ہے کہ ان کو درست کرے۔ ان کے درست کر لینے کو تفصیلی ریاضت کہتے ہیں۔ ایک طریق ریاضت و مجاہدے کا اجمالی ہے۔ اس کے اصول ائمہ فن کے نزدیک چار امر ہیں۔

قلۃ الکلام، قلۃ الطعام، قلۃ المنام، قلۃ الاختلاط مع الانام۔

(ان چاروں مجاہدوں کے متعلق حضرت کے مفصل مواظب ہیں)۔

غرض ریاضت و مجاہدہ خواہ تفصیلاً ہو یا اجمالاً اس سے قلب سالک میں استعداد قرب وصول الی اللہ کی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد محض فضل خداوندی سے اس کے قلب کو بالفعل ایک خاص تعلق جذبی مطلوب حقیقی کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو نسبت سکتیہ " اور " نور " سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام " وصول " ہے۔ پچھلے زمانے میں بوجہ برکت قرب عہد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام پر بوجہ نسبت قوی پیدا ہو جانے کے وصول کامل ہو جاتا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں اکثر اس مقام پر نسبت ضعیف پیدا ہو جاتی ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے اور نسبت قویہ اور وصول کامل کے لئے " اذکار "، " اشغال "، " مراقبات " کی حاجت پڑتی ہے جس کا حاصل کرنا مستدوب ہے۔ سالکین کو خلافت و شیخت کا ادنیٰ درجہ اس وقت نسبت کے حاصل ہو جانے پر میرا جاتا ہے۔ پھر بعد حصول نسبت قویہ کے چونکہ میدا ریاضت سے قلب کو تعلق ہو گیا ہے بوجہ صفائی قلب اس پر کچھ علوم و اسرار

کبھی حالات و آثار نازل ہوتے ہیں۔ ان علوم کو حقائق و معارف اور ان آثار کو احوال کہتے ہیں اور بعض اوقات محض جذبہ غیبی سے یا کسی بزرگ کی توجہ و ہمت سے اول نسبت حاصل ہو جاتی ہے اس کے بعد مقامات کی تصریح ہوتی ہے اور یہ اقرب طریق ہے اور اکثر اس زمانے میں معمول مشائخ یہی ہے اور یہ طریق طریق عشق سے ملقب ہے، شعر ۹

ہر کر اجا رہ ز عشقے چاکت شد

اوز حرص و عیب کلی پاک شد

طریق دو قسم پر منقسم ہے۔ طریق جذب و طریق سلوک۔ کبھی وصول اللہ پہلے ہو جاتا ہے پھر شوق عبادت و ریاضت پیدا ہوتا ہے۔ اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور کبھی اول ریاضت ہوتی ہے پھر وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔

انہی شخص کو سالک مجذوب، مرید اور محب کہتے ہیں۔ او پہلے کو مجذوب سالک مراد اور محبوب کہتے ہیں۔ اور تقدیم سلوک کو ہدایت اور تقدیم جذب کو اجتناب کہتے ہیں پس ترتیب سلوک اہل طریق کے نزدیک یوں ہونی کہ اول قلب میں ارادہ پیدا ہوا اس وقت اپنے کو کسی شیخ کامل کے سپرد کرنا چاہتے جس کا عنوان زمانہ میں یہ ہے پھر شیخ کامل اجمالی یا تفصیلی ریاضت کراوے جس سے کچھ نسبت پیدا ہو جاوے یا پہلے انعام نسبت کرے پھر ریاضت کراوے جب قلب تعلقات سے خالی ہو جاوے پھر اگر چاہے اس کو خلافت دے۔ اگر چاہے تو منتظر نزول احوال و معارف کا رہے۔ اگر قسمت میں ہے تو یہ علوم و آثار قلب پر نزول کریں گے جن کے غلبہ کا نام عروج ہے۔ اور منتہی اس کا تجلی بے کیف ہے۔ پھر بعض تو اس میں مستغرق رہ جاتے ہیں اور بعض کو اناتہ ہوتا ہے۔ اس اناتہ کو نزول کہتے ہیں۔ خلافت کاملہ اور مشیخت علیا اس مقام پر حاصل ہوتی ہے۔ (تعلیم الدین ص ۶۸، ضیاء القلوب)

## بیعت

حضرت عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ تو آدمی کھے یا آٹھ یا سات۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔ اس کو مسلم۔ ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

عن عوف بن مالک الاشجعی قال كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم تسعة او ثمانية او سبعة فقال الاتبايعون رسول الله صلى الله عليه وسلم فبسطنا ايدينا وقلنا على ما نبايعك يا رسول الله. قال على ان تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وتصلوا الصلوات الخمس وتسمعوا وطيعوا (مسلم - ابو داؤد - نسائي)

### اثبات بیعت اور اس کی حقیقت

حضرات معونیائے کرام ہیں جو بیعت معمول ہے جس کا اصل التزام احکام (یعنی احکام ظاہری و باطنی پر استقامت) اور اہتمام کا معاہدہ ہے جس کو ان کے عرف میں "بیعت طریقت" کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر برعت کہتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے، کہ یہ مخالفین چونکہ صحابہ ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں۔ بلکہ یہ دلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے۔ (التکشف ص ۳۱۷)

پس اس کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بعدہ بوجہ اشتباہ بیعت خلافت کے سلف نے صحبت پر اکتفا فرمایا۔ پھر خروتہ کی رسم بجائے بیعت کے جاری ہوئی۔ جب وہ رسم (بیعت) خلفائے میں رہی تو صوفیاء نے اس مردہ سنت کو کھپس زندہ کیا۔ (تعلیم الدین ص ۷۳)

ملفوظ :- فرمایا کہ بیعت کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، اس کی صورت مطلوب نہیں حقیقت مطلوب ہے۔ چنانچہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد و اعتماد جازم (صادق) اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اس کو یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے، اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا۔ غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اس کی تجویز و تشخیص میں مطلق دخل نہ دے، جیسا کہ طبیب حاذق و مشفق کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ بس ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ باقی رہی بیعت کی صورت وہ اول و ہلہ میں خواص کے لئے نافع نہیں، عوام کے لئے البتہ اول ہلہ میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شان اس شخص کی طاری ہو جاتی ہے۔ جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو با وقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کے لئے کچھ مدت بعد بیعت نافع ہوتی ہے کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ جانہن میں ایک تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے، پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں

ڈانواڈول حالت نہیں رہتی۔ مناسبت و محبت کا قوی تعلق ہو جاتا ہے۔  
 (اشرف السوانح ص ۲)

## شیخ مصلح رہبرِ طریقی

حال :- ایک صاحب نے دریافت کیا، جب یہ بات معلوم ہے کہ مامورات شرعیہ سب کے سب اختیاری ہیں چونکہ مامورات اختیار ہیں اس لئے جہاں رکنے کا امر ہے وہ بھی اختیاری ہوتے اس لئے سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے۔ میں اپنے متعلق بھی ہمیشہ یہی تقریر جاری کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ مشائخِ طریقت سے اس قاعدے کے معلوم ہونے کے بعد کیا سوال اور علاج کرانا چاہئے۔ میری سمجھ میں یہی نہیں آتا بہت عرصے سے اس امر پر غور کر رہا ہوں امید کہ جناب والا مطلع فرمائیں گے تاکہ احقر اسی پر عمل کرے۔ آخر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے بعد ازانہ مرض میں معالج و مشائخ کی کیا حاجت باقی رہی امید کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مطلع فرمادیں گے۔

تحقیق :- مامورات منہیات سب اختیاری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہے لیکن اس پر عمل کرنے میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں اور بعض وقت خود فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہو گیا لیکن اس کے ساتھ دساوس اور خطرات کا بھی ہجوم ہوتا رہا۔ یہ شخص سمجھا کہ ایسی حالت میں خشوع باقی نہیں رہا۔ حالانکہ خشوع زائل نہیں ہوا تھا۔

یاد رہے کہ عبادت کے شروع میں دساوس غیر اختیاری تھے مگر یہ شخص اپنے اختیار سے ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور یہ سمجھتا رہا کہ اس کا خشوع باقی ہے، حالانکہ وہ

زائل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی اپنے حال کو راسخ سمجھ لیا اور وہ راسخ نہیں تھا مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضا کا احساس ہوا یہ سمجھا کہ یہ بلکہ راسخ ہو گیا ہے۔ پھر جب کوئی حادثہ شدید واقع ہوا اس میں رضا بالقضا جیسا کہ چاہئے تھا وہ نہیں ہوئی مگر یہ اس خیال میں رہا کہ رضا میں رسوخ باقی ہے۔ ضعیف نہیں ہوئی یا زائل نہیں ہوئی حالانکہ وہ زائل ہو گئی۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ حاصل شدہ رضا بالقضا کو غیر حاصل سمجھتا ہے اس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اعمال کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ سچ سچ زائل ہو جاتی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محسوس رہتا ہے۔

اسی طرح غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں وہی خرابی ہوتی ہے کہ راسخ سمجھ کر اس کی تکمیل کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے یا یہ کہ راسخ شدہ چیز کو زائل شدہ سمجھ لیتا ہے مثلاً شہوت حرام کا داعیہ مجاہدہ سے مضمحل ہو گیا اور اس کی طرف التفات تک باقی نہ رہا۔ پھر ان آثار کا جوش و خروش کم ہونے سے طبعی التفات پھر ہونے لگا گو ضعیف ہی ہیں مگر یہ شخص سمجھنے لگا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوت حرام کا داعیہ پھر عود کر آیا۔ اس لئے مایوس ہو کر سچ سچ بے علی اور مگر اہی میں مبتلا ہو گیا یہ چند مثالیں ایسی غلطیوں کی اور ان کے مضار کی ہیں۔ اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت اور تجربے کے سبب ان کی حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ شخص مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت و سلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے۔ زانا تجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مغل ہوتا ہے ان امور پر مطلع کرنا یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں۔ لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدم مقصود کے



تھیل میں اور اسی طرح کسی ذمہ یا مقدمہ ذمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدید پیش آتی ہے مگر اس کے کام میں لگے رہنے سے اور مجاہدہ نفس سے مشقت اخیر میں تبدیل بہ آسانی ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعا کبھی ایسی تدابیر بنا دیا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریباً فہم کے لئے ہے۔ باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام اطلاع کرتا رہے، اور اس کے مشوروں کا اتباع کرتا رہے اور یہ اتباع کامل اس وقت ہو سکتا ہے جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اس وقت جسٹاً معلوم ہو گا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عاودہ متعذر ہے الا نادراً والنا در کالمعدوم۔ پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم و استعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے۔ (النور محرم ۱۳۵۱ھ)

(ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم)

## صحبت شیخ کا فیض

بیعت کی اصلی بڑی ضرورت رفاقت یا شیخ کی صحبت و تعلق ہے تاکہ راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے حفاظت ہو، علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے! صاحبِ صحبت بلا علم، کی اصلاح، صاحبِ علم بلا صحبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب عالم نہ تھے مگر ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہا اور بڑے سے بڑے اولیا و اقطاب پر مستم ہے۔ اس فضیلت کا مدار محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ بابرکت پر ہے۔ صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا اہتمام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔ (نصوف و سلوک)

مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی۔ اسی طرح بد بخت کی صحبت تم کو بد بخت بنا دے گی۔  
جو شخص اللہ تعالیٰ کی بخشش کا طالب ہو تو اس کو اولیائے کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہئے۔

اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریاضاعت سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض وقت کوئی گڑبگڑ آجاتا ہے یا کوئی کیفیت قلب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے۔ ہر وقت ہر ساعت مُراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہونے جس میں یہ حالت میسر ہو اور ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہئے اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے پس مراد اس سے اعمال پر قدرت ہونا ہے۔ اس سے اس کے سب کام بن جائینگے اور اصل چیز یہی کام ہے جس سے یہ مفتاح صحبت میں نصیب ہو گئی، اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس کام کی۔ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ بغیر اعمال نہ کچھ اعتبار اقوال کا ہے نہ احوال کا ہے نہ کیفیات کا ہے۔ اس لئے ان چیزوں میں کسی چیز میں بھی مزانہ آنا چاہئے۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بغیر توفیق حق مشکل ہے اور حق تعالیٰ کی توفیق عادتاً صحبتِ مردِ کامل پر موقوف ہے (کلماتِ اشرفیہ)

صحبتِ اہل اللہ

اہل اللہ کی صحبت کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب

کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ مُنٹتے مُنٹتے آخر اصلاح ہو ہی جاتی ہے اور ایک سبب باطنی بھی ہے، وہ یہ کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح کی اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے۔ اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ دوسری وجہ بہت خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد تری ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

اہل اللہ کے دل اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس رہنے سے دل میں نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے۔ پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بغیر پاس رہے صرف ان حضرات کو دیکھ لینا ہی کافی ہوتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ چند دنوں صحبت کی بھی ضرورت ہے۔ (تصوف و سلوک کمالات اشرفیہ۔ انفاس عینی)

## تصویرِ شیخ

اس کو برزخ، رابطہ اور وسیلہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی تو آج تک کسی محقق نے نہیں فرمائے کہ خدائے تعالیٰ کو پیر کی شکل میں سمجھے یہ تو محض باطل ہے اگر ان اللہ خَلَقَ اَدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ سے دھوکا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ صورت ناک اور منہ ہی کو نہیں کہتے مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کی یہ صورت ہے حالانکہ اس مسئلہ کی ناک اور منہ نہیں ہے بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں تو انسان کو جو سمع و بصر وغیرہ عنایت ہو ہے اس لئے اس کو صورت حق کہا گیا۔ غرض یہ معنی تصویرِ شیخ کے بالکل غلط ہیں۔ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات

کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کے برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے۔ خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔ اصل مقصود تصور حق تعالیٰ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ چونکہ مرنی نہیں ہیں اس لئے جن لوگوں کی قوت فکر یہ ضعیف ہوتی ہے ان کو یہ تصور چمتا نہیں اس لئے ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے لئے تصور شیخ تجویز کیا گیا کیونکہ علاج بصد ہوتا ہے یعنی خیال کے دفع کرنے کے لئے دوسرے خیال کو ذہن میں جمایا جائے گا خواہ وہ کوئی خیال ہو۔ پس ان خیالات مختلفہ کے دفع کرنے کے لئے ہر دیکھی ہوئی چیز کا تصور کافی ہے جس پر بھی خیال جم سکے لیکن ان سب خیالات میں سے شیخ کا تصور زیادہ مفید ہے کہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے ذہن میں زیادہ جمے گا اس لئے دفع خیالات میں زیادہ موثر ہوگا۔

تصور شیخ کوئی بالذات مطلوب نہیں، صرف توجہ الی اللہ کے وقت جو وساوس مجرد کا ہجوم ہوتا ہے وہ قطع وساوس کے لئے ہے اس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے پھر اس یکسوئی سے توجہ الی اللہ کی استعداد ہو جاتی ہے۔ پھر اس استعداد کو مقصود میں صرف کرنا اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو پھر ان ہنسیات و قیود کی ضرورت نہیں رہتی۔ غرض جب یہ بات حاصل ہو جائے تو شیخ کا تصور دل سے نکال دے۔ اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے پھر اچھا نا اگر خیالات آجائیں تو پھر شیخ کا تصور کر لے جب خیالات دفع ہو جائیں پھر ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ مقصود حقیقتاً یہی ہے اور خود حق تعالیٰ کا براہ راست تصور کر لے تو بہتر ہے۔ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر ہے کہ صورت پرستی کی نوبت آجائی ہے اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچنا لازمی ہے، اور خواص بھی کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں۔ اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مثالیہ رو برو حاضر ہو جاتی ہے کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی

کوئی لطیفہ غیبی اس شکل میں تمثیل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر بھی نہیں ہوتی اس مقام پر اکثر ناواقف کو لغزش ہو جاتی ہے لہذا مجھ کو اس تصور شیخ سے سخت انقباض ہے۔ اس طرح انہماک کے ساتھ کسی مخلوق کی طرف توجہ کرنا توحید کے خلاف ہے اس سے غیرت آتی ہے کہ غیر کی صورت ایسے طریق پر ذہن میں جمائیں جو کہ حق تعالیٰ کے لئے زیبا تھا۔ (الکلام الحق - تعلیم الدین)

۳۔ حضرت والا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نہایت تاکید اور اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حب شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوئے اگر ظلمات بھی ہوں تو سب انوار ہیں اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی کم ہو تو پیر گرو اور بی بیوں تو وہ سب ظلمات ہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم ص ۲۱)

مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستثنیٰ نہیں

جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کر لے کہ اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے۔ اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے خیالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے، اور دوسروں کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے۔ اور جس شخص کو دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے، اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا پیرا بنا دیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے، ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے

احمد نو عاشقی بہ مشیخت تراجم کار  
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

## بیعت کرنے میں عورتوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ناجائز ہے

حدیث :- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کا ہاتھ کبھی نہیں چھوا۔ البتہ صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔ جب زبانی عہد لینے پر وہ عہد کر لیتی تو آپ فرماتے کہ جاؤ میں نے تم کو بیعت کر لیا۔ (بخاری و مسلم۔ ابوداؤد)

بعض نادانوں یا بے احتیاط درویش عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں یہ عمل بالکل ناجائز ہے بلا ضرورت اجنبی عورت کے بدن پر ہاتھ لگانا گناہ ہے۔ اس حدیث میں اس عمل کا ابطال اور رد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون مری اور غنیف ہو گا جب آپ نے اس میں احتیاط فرمائی تو دوسرے پیر کو باپ یا فرشتہ سمجھ کر ایسی بے تکلفی اور بے پردگی کو کیونکر گوارا کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت بیعت کی محض معاہدہ ہے سوز بانی کافی ہے مشائخ متاخرین نے تقویت اتصال کے لئے اور نیز تسکین قلب عوام کے لئے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا گوشہ مریدہ کو دینا معمول کر لیا ہے اس کا مضائقہ نہیں بلکہ اگر مرد کے لئے بھی یہ ضرورت یا بلا ضرورت زبانی بیعت پر اکتفا کیا جاوے مضائقہ نہیں لیکن چونکہ ہاتھ میں ہاتھ لینا بیعت کی ایک مسنون ہیئت ہے اور مرد میں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہذا معنی اور صورت کا جمع کر لینا اولیٰ ہے۔ (الستکشف ص ۳۱۸)

تقویٰ لازمہ طریق ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا  
مَعَ الصَّادِقِينَ

(سورہ توبہ)

ترجمہ: اسے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اعمل میں) سچوں کے ساتھ  
 رہو (یعنی جو نیت اور بات میں سچے ہیں ان کی راہ چلو)  
 تاکہ تم بھی صدق اختیار کرو۔

اس آیت میں عام مسلمانوں کو تقویٰ کے لئے ہدایت فرمائی گئی ہے اور  
 كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ صفت  
 تقویٰ حاصل ہونے کا طریقہ صالحین اور صادقین کی صحبت اور عمل میں ان  
 کی موافقت ہے۔ اس جگہ قرآن حکیم نے علماء و صلحاء کے بجائے صادقین کا  
 لفظ اختیار فرمایا کہ عالم و صالح کی پہچان بھی بتا دی کہ صالح صرف وہی شخص ہو سکتا  
 ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو نیت و ارادے کا بھی سچا ہو اور عمل کا بھی سچا ہو۔  
 (بیان القرآن)

### دورِ حاضر میں اہل اللہ کی صحبت کی اہمیت

حضرت حکیم الامت مجدد الملت نے فرمایا کہ میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو  
 فرض عین کہتا ہوں اور تقویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت  
 اور ان سے تعلق رکھنے کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے اور تجربہ سے  
 معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق  
 کے بعد بفضلہ کوئی جادو اثر نہیں کرتا (الافادات الیومیہ)

# مشققاتِ طریق



# دُعَاء

## ضرورتِ دُعا

کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو صلاح و فلاح کی ضرورت نہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دارین کی صلاح و فلاح کے واسطے اسباب و ابواب موضوع فرمادیئے، کہ اہل حاجت اس سے مدد لیں اور عقبات و مہالک سے نجات پائیں۔ ان اسباب میں بجز دعا کے جتنے اسباب ہیں ان کے مسببات خاص خاص امور ہیں چنانچہ اسبابِ طبعیہ کا (مثل زراعت و تجارت و طبابت کے) اصلی مقصود فلاح دنیوی بنایا گیا ہے گو بواسطہ معین دین بھی ہو، اور اسبابِ شرعیہ کا (مثل صوم و صلوة و حج کے) مقصود بالذات فلاح دینی ٹھہرایا گیا ہے۔ گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو۔ مگر صرف دعا ایسی چیز ہے کہ فلاح دین و دنیا کے لئے بالمساوات ایک مرتبہ میں مشروع و موضوع ہے جس سے بوجہ اس جامعیت کے اس کی وقوت و عظمت ظاہر ہے اس لئے قرآن مجید و حدیث شریف میں نہایت درجہ اس کی ترغیب و فضیلت و تاکید جا بجا وارد ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو دعا کی توفیق ہوگئی اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھل گئے اور ایک روایت میں ہے جنت کے دروازے کھل گئے۔

اور ارشاد فرمایا کہ قضا کو صرف دعا مٹا دیتی ہے۔ احتیاط و تدبیر سے نہیں ملتی اور دعا نازل شدہ بلا کیلئے بھی نافع ہے، اور اس بلا کیلئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی بلا نازل ہوتی ہے اور ادھر سے دعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے۔ تو دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبل مصیبت

بھی دعا کرتا رہے۔ اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی۔ اور کبھی اس کی وجہ سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدر منزلیت کی نہیں اور جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمایا کریں اس کو چاہئے کہ خوشی اور غمیش کے وقت کثرت سے دعائیں مانگا کرے۔ اور ارشاد فرمایا کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان کا نور ہے۔

دعائیں خاصیت ہے کہ اس سے تدبیر ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔ دعا کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہو جاتا ہے۔ جس وقت آدمی دعا کرتا ہے اس وقت غور کر کے ہر شخص دیکھ لے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق محسوس ہو گا بغیر اس کے خاص تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف ہوائی ہوتا ہے۔ دعائیں ایک نفع یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے یہاں معذور سمجھا جائے گا کیونکہ جب اس سے سوال ہو گا کہ تم نے حق کا اتباع کیوں نہیں کیا تو کہہ دے گا کہ میں نے طلب حق کے لئے بہت سعی کی اور اللہ تعالیٰ تو ایک ہی تھے میں نے ان سے عرض کر دیا تھا کہ مجھ پر حق واضح ہو جاوے۔

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا و تزاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب سے بلا اسباب بھی اثر مرتب فرمادیتے ہیں۔

## قبولیتِ دعا اور اس کا طریق کار

احادیث شریف میں دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے اور عقلاً بھی یہ سب سے بڑی چیز ہے اور یہ ہر تدبیر سے بڑھ کر تدبیر ہے بلکہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے بڑھ کر ہے۔ اس کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے۔ کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے۔ سب تدبیریں کرتے ہیں مگر دعا نہیں کرتے بجز اس کے کہ دو تین دعائیں یاد کر لی ہیں۔ نماز کے بعد آموختہ کے طور پر ان کو پڑھ کے منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں (نہ خشوع ہے نہ خضوع) یہ تو علمی غلطی ہے، اور دوسری علمی غلطی یہ ہے کہ دعا کے قبول نہ ہونے سے شیطان یہ دھوکا دیتا ہے کہ یہ تدبیر تو سب تدبیروں سے کمتر ہے۔ دیکھو اتنا عرصہ دعا کرتے ہو گیا قبول ہی نہ ہوئی (مگر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعائیں اڑ جائے اور پھر عطا نہ ہو۔ خواہ سہر دست اس کو دیدیں یا آئندہ کے لئے جمع کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے مگر صورتیں اس کی مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی تو وہی مل جاتا ہے جو مانگا تھا اور کبھی اس سے افضل چیز عطا ہوتی ہے اور کبھی دنیا میں کچھ عطا نہیں ہوتا بلکہ اس کا اجر آخرت میں جمع کر کے اس کو دیا جائے گا۔ اس وقت ثواب کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش! ہماری سب دعائیں آخرت ہی میں ذخیرہ رہتیں۔ دنیا میں ایک بھی نہ ملتی۔ پس یقین کر لینا چاہئے کہ ہماری سب دعائیں بالاعتی الاعم قبول ہی ہوتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ پس اس بات کو بھی، خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت ہو ہو وہ (جس کی تم درخواست کر رہے ہو) تمہارے مناسبت ہے یا نہیں۔ اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے۔ جیسے

اگر کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظور یہی ہے کہ علاج کا شروع کر دینا ہے گو مسہل نہ دے، اور دوسری بات مسہل دینا ہے۔ اس میں شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُجِيبْ دَعْوَةَ السَّادِّاعِ اِذَا دَعَاكَ بِمِ مَبْرَدًا كَرِهْتَ وَاللَّي كِي دَرِخْوَا سْتِ كُو لِي لِيْتِي هِيْنِ اور اس پر توجہ کرتے ہیں، بے توجہی نہیں کی جاتی، توجہ درخواست لے لی گئی ہے تو اگر اس کا کرنا ہماری مصنعت کے خلاف نہ ہو تو ضرور پوری ہوگی ورنہ اس کی جگہ کچھ اور مل جائے گا۔ سو یہ تو عین کامیابی ہے۔ پس اجابت جس کا وعدہ ہے اس کے معنی درخواست کا لے لینا اور اس پر توجہ کرنا ہے، یہ اجابت یقینی ہے اور اس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا۔ آگے دوسرا درجہ ہے کہ جو مانگا وہی مل جائے گا اس کا وعدہ نہیں۔ (اگر چہ ممکن ہے)

حدیث معتبرہ میں دعا کے لئے مفصلہ ذیل آداب کی تعلیم فرمائی گئی ہے جن کو ملحوظ رکھ کر دعا کرنا بلاشبہ کلید کامیابی ہے اور جن کی رعایت کے بعد دعا مقبول نہ ہونا عادت اللہ کے خلاف ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی وقت ان تمام یا بعض آداب کو جمع نہ کر سکے تو یہ نہیں چاہئے کہ دعا ہی کو چھوڑ دے بلکہ دعا ہر حال میں مفید ہی مفید ہے اور ہر حال میں حق تعالیٰ سے قبول کی امید ہے۔

۱۔ وضو کرنا۔ ۲۔ قبلہ رخ ہونا۔ ۳۔ دو زانو بیٹھنا۔ ۴۔ دعا کے لئے دونوں ہاتھ پھیلاتا۔ ۵۔ اخلاص اور آداب و تواضع کے ساتھ دعا کرنا۔ ۶۔ دعا کے اول اور آخر حمد و ثنا اور درود شریف پڑھنا۔ ۷۔ حرام مال سے بچنا۔ ۸۔ اپنی محتاجی اور عاجزی کا ذکر کرنا۔ ۹۔ دعا کے وقت انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مقبول بندوں کے ساتھ

۱۔ الاصابہ صفحہ ۷ تا ۱۱۔ شریعت و طریقت

۲۔ احکام الدعاء و منسلکہ مناجات مقبول مطبوعہ دیوبند

توسل کرنا یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ ان بزرگوں کے طفیل سے میری دعا قبول فرما۔ ۱۰۔ ان دعاؤں کے ساتھ دعا کرتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ۱۱۔ رغبت و شوق اور عزم کے ساتھ دعا کرنا۔ یعنی یوں نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو میرا کام پورا کر دے بلکہ قبول دعا کی امید قوی رکھے۔ ۱۲۔ کسی ناجائز چیز۔ گناہ اور محال چیز کی دعا نہ کرے۔ ۱۳۔ اپنی سب حاجات صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔ اور مخلوق پر بھروسہ نہ کرے۔ دعا کے آخر میں آمین کہہ کر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھرے۔ مقبولیت دعا میں جلدی نہ کرے۔ یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی اب تک قبول کیوں نہیں ہوئی۔

اعمال اصل طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا و توسل کے ساتھ اسباب کی رعایت فرمائی ہے کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا منہمک ہو کہ مسبب لاسباب پر نظر نہ رہے۔

معمولی چیز بھی خدا ہی سے مانگیں اور یہ نہ سمجھیں کہ چھوٹی چیز مانگنے سے حق تعالیٰ ناخوش ہوں گے، کیونکہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر ٹہری چیز چھوٹی ہی ہے ان کے نزدیک عرش اور تک کی ٹلی برابر ہے۔

دعا میں اگر دل نہ لگتا ہو تو اس طرح سمجھا دیں کہ دنیا میں نفع موموم پر بھی ہمت سے کام لیتے ہیں گو آخر میں خسارہ ہی ہو جاوے اور خسارہ کا خطرہ بھی ہوتا ہے جیسے تجارت وغیرہ میں احتمال ہے اور دعا میں خسارے کا احتمال ہی نہیں پھر اس میں کوتاہی کیوں کی جاتی ہے۔

## طریق تحصیل

اپنی احتیاجوں اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کو سوچنا اور اس پر غور کرنا

طریق تحصیل ہے۔ (شرعیّت و طریقت)

# اذکار

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ  
قِيَامًا وَقُعُودًا  
وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (الآیہ)

وہ لوگ (ہر حال میں، دل سے بھی اور  
زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے  
ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی۔

(بیان القرآن ص ۸۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كُلُّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ  
الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ -

ہر شے کا صیقل (چمکانے والا) ہے  
اور قلوب کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر

ہے (التکشف ص ۴۵)

ذکر کے معنی لغت میں - یاد رکھنا، اس کا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے۔  
یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک صوری اور ایک حقیقی۔ صوری زبان سے ذکر کرنے  
اور نام لینے کو کہتے ہیں۔ اور حقیقی، ادائے حقوق کو کہتے ہیں۔ ذکر سانی (یعنی زبان سے  
یاد کرنا) بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور ذکر حقیقی، ذکر اللہ کا فرد کامل ہے۔  
اگر دونوں جمع ہو جاویں۔ یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر سانی بھی ہو تو سبحان اللہ  
درجہ اکمل ہے۔ غرض کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آگئی ہو۔ کیوں کہ  
حقوق اللہ کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور حقوق انسانی  
وغیرہ اس میں تمام احکام شریعت آگئے۔ گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب اللہ تعالیٰ  
سے پورا تعلق پیدا کرنا ہے۔ (وعظ تفصیل الذکر ص ۶۰۵)

اور تعلق کے معنی ہیں لگاؤ۔ اور لگاؤ سے مراد دل کا لگاؤ۔ اور دل کے لگاؤ

کے معنی یہی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے جس کو عرف میں دل میں بس جانا کہتے ہیں اور غفلت عن اللہ تمام امراض کی اصل ہے جو کہ ضد ہے۔ اس تعلق مذکور کی جو قلب کی غذا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد۔ تو یاد کو اختیار کرنا چاہئے، اور یاد سے (اصل) مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں یاد رکھنا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ (الباطن ص ۳۲-۳۹-۳۸، ۴۰، ۴۳)

پس ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صورت ذکر ایک حقیقت ذکر (جو لوگ پورے اعمال شرعیہ بجا نہیں لاتے اور صرف ذکر لسانی یا قلبی کرتے ہیں ان کو صورت ذکر تو حاصل ہے لیکن حقیقت ذکر حاصل نہیں) مگر ذکر اسمی بھی بیکار نہیں بلکہ نافع و مفید ہے جس کو کامل اور اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو وہ اسی کو غنیمت سمجھے کیونکہ

از صفت و زنا م چہ زائد خیال

واں خیال شہت دلال وصال  
اکبر الاعمال ص ۱۳ (۲۴)

(اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی) اور اس کے متعلق مختلف احکام ہیں۔ بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہیں۔ ان میں ذکر لسانی افضل ہے۔ باقی ذکر قلبی جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے۔ اجر اس پر بھی ہے مگر اس میں قلب کے ذہول کا اندیشہ رہتا ہے (کیونکہ یہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا۔ دل ادھر ادھر چلا جاتا ہے اور ذکر یہ سمجھتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور ذکر لسانی میں یہ اندیشہ نہیں اس لئے ذکر لسانی کرنا چاہئے اور اس میں توجہ قلبی رکھنا چاہئے۔ اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا تو لسانی تو باقی رہے گا اور وقت ضائع نہ ہوگا اور اگر صرف قلب سے ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی۔ اس اعتبار سے ذکر قلبی سے ذکر لسانی افضل ہے) مگر اس ذکر لسانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب میں مذکور کی یاد رچ بس جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے اور شرماں برداری پر مکرہت چست کر دے، یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو ایسا ذکر معاصی سے نہ روکے اس کے لئے یہ حقیقی ذکر نہ ہوگا، بلکہ ذکر کی صورت ہوگی۔ (تصوف و سلوک صفحہ ۵۷، ۵۴)

محققین صوفیہ نے اس راز کو سمجھا ہے کہ اللہ اللہ کرنا گو ذکر نہیں مگر مقصود کے لئے تیار ہونا ہے اس واسطے بحکم ذکر ہے اور اصل مقصود اس ذکر سے اس کے مدلول کا رسوخ فی القلب ہے اور قاعدہ ہے کہ رسوخ کے لئے تکرار موثر ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ رسوخ کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ سنت سے ثابت ہو اس کے لئے تجربہ کافی ہوتا ہے۔

محققین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات و کمالات خود ایسے ہیں کہ اس کا کمال اس کا مقتضی ہے کہ ان کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی یاد دل میں بسائی جاوے۔ کسی وقت ان سے غافل نہ ہو۔ اگرچہ وہ ہماری طرف توجہ بھی نہ فرمائیں، اگرچہ ہمارے ذکر پر کوئی ثمرہ عاجلہ مرتب نہ ہو، چہ جائیکہ ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے، یعنی ان کا بندگی کی طرف توجہ فرمانا (ثابت ہے) چنانچہ ارشاد ہے :-

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ  
 (انفاس عینی ص ۷)

(مزید برآں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَلَذِكْرُ اللَّهِ اَكْبَرُ  
 اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے

یعنی ذکر اللہ ضرورت کی وجہ سے بھی بڑی چیز ہے۔ خود بھی فی نفسہ ضروری ہے۔ اور دیگر ضروریات کی جڑ بھی ہے۔ گو شعائر دین (یعنی دین کی کھلی علامات) سے نہ ہو، مگر حقیقت میں یہ شعائر کی بھی جڑ ہے۔ اور تمام اعمال کی بھی جڑ ہے، مگر (جس طرح) جڑ بدون شاخوں کے کارآمد نہیں ہو سکتی اسی طرح محض ذکر بدون دوسرے اعمال کے کارآمد نہیں۔



ذکر کے مراتب مختلف ہیں جنت اور دوزخ اور عذاب و ثواب کا یاد کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی یاد ہے، جیسے بعض لوگ باوجود تعاضے کے چوری نہیں کرتے۔ مالگزاری ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے یعنی سزا و قید وغیرہ۔ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی سے روک دے اور طاعات پر ہمت کو چست کر دے ذکر اللہ ہے۔ اب اگر کسی کو جنت و دوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے لئے یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو مراقبہ ذات معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں، اس کے واسطے یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوں گی بلکہ صورت ذکر میں داخل ہوں گی۔ اس کو اپنے مناسب حال ذکر حقیقی کسی محقق سے تجویز کرانا چاہئے۔ مثلاً بعضوں کے لئے نفس پر جرمانہ مالی کرنا معاصی سے مانع ہوتا ہے ان کے واسطے یہی ذکر ہے۔ یہ ذکر کی حقیقت ہے۔ اور یہی تمام طریق کی بلکہ تمام شریعت کی جڑ ہے۔ (اکبر الاعمال صفحہ ۳۷-۳۸-۳۹-۴۰)

مزید برآں ذکر کی کوئی حد نہیں۔ حالانکہ نماز کے واسطے ایک حد ہے، کہ اوقات مکروہ میں حرام ہے، روزہ کے واسطے حد ہے کہ ایامِ خمسہ میں حرام ہے۔ زکوٰۃ صدقہ کے واسطے حد ہے کہ خیر الصدقہ ماکان عن ظہر غنی (یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کے بعد ہو) حج کے واسطے حد ہے مثلاً قرض ادا کرنے کے بعد ایسے شخص کے لئے حج نفل جائز نہیں جس کے اہل و عیال کے حقوق ضائع ہوں مگر ذکر حقیقی کے لئے کوئی حد نہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کان می ذکر اللہ فی کل احیاءہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے۔ (اکبر الاعمال ص ۳)

# سَالِک کے لئے خاص اذکار

اور

## دستور العمل

حضرت حکیم الامتؒ کتاب قصد السبیل میں اورتام فرماتے ہیں :-  
 ذیل میں ایک مختصر سا دستور العمل ہے جو بجد نافع ہے اور اس قابل ہے کہ اس  
 کو عطر تصوف کہا جاوے یہ طریقہ بہت خاک چھان کر پا تھو لگا ہے۔  
 یہ دستور العمل درویشی کی راہ پر چلنے والوں کے لئے مفید ہے اور جو میرے  
 دوست ہیں ان کے لئے ہمیشہ عمل کرنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید  
 رکھتا ہوں کہ اس دستور العمل کے مطابق عمل کرنے والا محروم نہ رہے گا (۱) لیتہ اس  
 دستور العمل پر عمل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ شریعت و سنت کے تمام احکامات  
 پر اس کا عمل ہو اور تمام حقوق العباد کو ادا کرتا ہو)

اب سمجھنا چاہئے کہ خلاصہ اس دستور العمل کا یہ ہے کہ اس راہ کا چلنے والا یا عامی  
 ہوگا یا عالم اور پھر ہر عامی اور عالم یا تو روزی کمانے والا اور بیوی بچوں والا  
 ہوگا یا پھر اس کے ذمہ ایسا کوئی کام نہ ہوگا اور آزاد ہوگا تو یہ چار قسم کے لوگ ہوتے  
 ۱۔ عامی مشغول ۲۔ عامی فارغ ۳۔ عالم مشغول ۴۔ عالم فارغ



حفاظت کرے۔ جھوٹ، غیبت و غیرہ قطعاً نہ ہونے پائے۔ نماز باجماعت پڑھے اور اور فرصت کے وقت مسترآن شریف کی تلاوت کرتا رہے اور مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھ لیا کرے۔ نفل نماز بھی پڑھا کرے، استغفار اور ورد شریف پڑھتا رہا کرے اور دین کی کتابیں پڑھے یا کسی سے سنا کرے، اور اگر کہیں قریب کوئی اللہ اللہ کرنے والا ہو تو اس کی خدمت میں اپنا وقت صرف کرے اس سے دل میں نور بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی بڑائی بھی دل میں نہیں آتی۔ کبھی کبھی نفل روزہ بھی رکھ لیا کرے۔ اگر اس کا پیر یا کوئی اللہ والا ایسے شخص میں شوق دیکھے اور اس کو اس قابل سمجھے تو تین ہزار سے چھ ہزار تک ذکر اللہ اللہ کا تنہائی میں بیٹھ کر ہلکی آواز سے پڑھنے کو بتا دے اس سے زیادہ مناسب نہیں۔ باقی دوسرے وظیفے اور نقلیں جس قدر چاہے پڑھے۔

### ۳۔ عالم مشغول کا دستور العمل

جس وقت سکون حاصل ہو اور معدہ میں ہلکا پن ہو ایک وقت مقرر کر کے بارہ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک تنہائی میں بیٹھ کر ذکر اللہ اللہ با وضو ہو کر ہلکی آواز اور ہلکی ضرب کے ساتھ کر لیا کرے اور تہجد کی پابندی کرے اور کسی وقت قرآن مجید کی تلاوت اور مناجات مقبول عربی عبارت کی پڑھا کرے اگر مدرس ہو تو بہتر ہے ورنہ تھوڑا وقت علم دین سکھانے میں صرف کرے اور کبھی کبھی ضروری ضروری دین کی باتوں پر وعظ بھی کہا کرے۔

### ۴۔ عالم فارغ کا دستور العمل

چند روز جس قدر موقع میسر ہو شیخ کی خدمت میں رہ کر ذکر میں مشغول رہے اور اس کے لئے اذکار میں اس قدر کافی ہے کہ بعد نماز تہجد بارہ تسبیح پڑھے یعنی :-  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (چند بار کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بھی ایک بار کہے) اور اَلَا اللّٰهُ چار سو بار اور اَللّٰهُ اَللّٰهُ (پہلے اللہ پر پیش  
دوسرا ہائے ساکن) چھ سو بار اور صرف اللہ اللہ سو بار۔ یہ تیرہ تسبیح ہیں مگر  
اصطلاح میں بارہ کہلاتی ہیں۔ ان میں خفیف سا جہر اور معتدل ضرب قلب پر کرے۔  
مگر جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں ہے، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے۔  
اور حدیث میں جو وارد ہے اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون  
اصم ولا غائباً (بخاری شریف) میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہیں پر محمول ہے  
اور بعض نے جہر مفروض کو اس کا محل بنایا ہے جس سے دوسرے لوگوں کو اذیت نہ ہو مثلاً اسونے  
والوں کو تشویش ہو اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے منع کرنے کی بھی یہی توجیہات ہیں  
وَرِدْ جَهْرِي نَفْسِهِ جَانِزٌ هُوَ جِيسَا بِنَاخِي شَرِيفٍ فِي حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَعَى  
رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّكْبِيرِ كَانَا زَيْدٌ سَعَى نَارِغٌ هُوَ نَعَى كِي عِلَامَتِ هُوَ تَاعْمِدُ نَبُوِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مِيں اور سنن میں وتر کے بعد **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** میں رفع صوت  
مروی ہے اور حکمت جہر میں یہ بھی گئی ہے کہ اس میں وسادس و خطرات کم آتے ہیں کیونکہ  
اپنی آواز جو کان میں آتی رہتی ہے قلب آسانی سے ادھر متوجہ رہ سکتا ہے، سو یہ فائدہ  
خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔ اسی طرح ضرب بھی قربت کا سبب نہیں ہے اس میں  
بھی ایسی ہی حکمت طبعیہ ہے وہ یہ کہ حرکت عنقہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت  
سے رقت اور رقت سے تاثر اور تاثر معین ہوتا ہے۔ اطاعت و محبت میں اول  
وہ مقاصد میں سے ہیں پس صرف ذریعہ مقصود ہونے سے مقصود بالآخر بن جاتا ہے  
لیکن زیادہ ضرب سے قلب میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے لہذا اعتدال سے تجاوز  
نہ کرے یہ تو اس کے متعلق تحقیق علمی ہے اور ایک امر عملی اس میں قابل تمبیہ ہے۔  
وہ یہ کہ اکثر تلبفن میں اس ذکر کے ساتھ گردن کو داہنے اور بائیں لے جانے کو لکھا  
ہے سو جان لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کے مزاج اور دماغ قوی تھے وہ اس کے متحمل

ہوتے تھے بلکہ بوجہ قوت مزاج کے وہ بغیر اس کے متاثر نہ ہوتے تھے۔ اس سے ان کو اس کی ضرورت تھی اب خود ضعف غالب ہے۔ تھوڑے فعل سے قلب متاثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے ایسا نہ کیا جاوے ورنہ دماغ کے ماؤف ہونے کا اندیشہ ہے۔ صرف اسی قدر کافی ہے کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ سارے بدن کو تدریجاً دہنی طرف ذرا حرکت دیدیں اور لا الہ الا اللہ کے ساتھ بائیں طرف لے آئیں اور یہ بھی محض اس لئے ہے کہ بدن کو ایک حالت پر قائم رکھنے میں تکلیف اور قید ہے اس حرکت سے قدمے سہولت ہو جاتی ہے ورنہ اس کی بھی حاجت نہیں اور ضرب کے وقت بھی گردن کو جھٹکا دینے کی ضرورت نہیں صرف مخرج پر آواز کا زور دال دینا کافی ہے جگہ کے قریب ہونے کے سبب سینہ پر اس کا اثر پہنچ جاوے گا۔ علیٰ ہذا القیاس بقیہ اذکار میں بھی ضرب اسی طور پر کرے اور بدن کو حرکت دینا اس سے بھی کم کافی ہے۔ یہ کلام تہا متر بارہ تسبیح کے متعلق تھا۔

اس ذکر کے بعد اگر نیند کا تقاضا ہو تو ذرا سو جائے ورنہ خواہ ان اذکار میں سے کسی خاص ذکر کو اور زیادہ کرے، یا یونہی فارغ رہے۔ پھر بعد نماز صبح تلاوت قرآن پاک اور ایک منزل مناجات مقبول پڑھنے کے بعد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر سہل ہو، اسم ذات (اللہ) خفیف جہاں معتدل ضرب سے غلوت میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر میں قبولہ کرے، پھر بعد نماز ظہر اسی طرح بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک سہولت کے ساتھ ذکر کرے۔ یہ ذکر عصر تک کرے اور عصر کے بعد اگر شیخ فارغ ہو تو مغرب تک اس کی خدمت میں رہے اور اگر فارغ نہ ہو، یا وہاں موجود نہ ہو، یا خود زیادہ اشتیاق نہ ہو تو باہر میدان، باغ و نہرندی خڑ کی میر کو چلا جائے۔ اگر شیخ موجود ہو تو اس سے اجازت لے کر جائے اور اسی وقت میں کبھی کبھی عام مسلمانوں کی قبروں پر یا اولیائے کرام کے مزاروں پر ہوا یا کرے

پھر بعد مغرب گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک دلچسپی ہو خلوت میں بیٹھ کر مراقبہ موت اور ما بعد الموت اور یوم حساب کا کرے کہ یہ واقعات اس طرح ہوں گے بلکہ یہ تصور کرے کہ یہ سب ہو رہا ہے۔ کثرت ذکر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دنیا سے نفرت پیدا ہوگی۔ پھر یہی محبت اور نفرت اس کو کامیاب بنانے کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوں گی اور بقیہ اوقات میں چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے یا اور جس ذکر سے دلچسپی ہو۔

پاس انفاس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی دم غفلت میں نہ گزرے۔ خواہ کوئی ذکر اپنا معمول بنالے۔ پاس انفاس کے مشہور معنی اس ذکر کی حقیقت نہیں بلکہ وہ بھی ایک طریق ہے جس طرح ذکر کے دوسرے طریقے ہیں۔ پھر اگر اس ذکر کے وقت قلب میں جمعیت و خشوع معلوم ہو اور وہ روزانہ بڑھتی جاتے اور وساوس خطرات میں کمی ہونے لگے اور ذکر میں دل لگا کرے تب تو میرے نزدیک اشغال کی حاجت نہیں تقویٰ کا اختیار کرنا اور یہ ذکر اور یہ مراقبہ بہت کافی ہے۔ عمر بھر اس پر مداومت رکھے۔ آخرت میں تو ثمرہ یقینی ہے اور اصل وعدہ عطلے ثمرہ کا آخرت ہی میں ہے لیکن دنیا میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو اس کے قلب پر عجیب عجیب علوم و معارف وارد ہوں گے۔

بنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا  
اور وارداتِ غریبہ اور مواجید مثل ذوق و شوقِ محبت دُلس دہیت انکشافات  
اسرار احکامِ حُسنِ معاملہ فیما بینہ و بین اللہ اور تنبیہ علی مایح  
للتنبیہ و امثالہا فالص ہوں گے جن کی لذت کے سامنے ہفت قلم  
کی سلطنت گرو ہے۔

یہ امور حالات کہلاتے ہیں۔ چونکہ اول تو ہر شخص کو جدا حالات پیش

آتے ہیں ان کا احاطہ و ضبط مشکل ہے دوسرے بعض کچھ امور معاملات کے متعلق ہوتے ہیں جو بہت زیادہ تازک ہوتے ہیں جو تحریر میں نہیں آسکتے ایسے وقت میں شیخ کا قریب ہونا ضروری ہوتا ہے وہی ان کو سمجھ سکتا ہے اور جو مناسب حال ہوتا ہے وہ معمولات معترض کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی منجملہ فوائد صحبت شیخ کے ایک فائدہ ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سے فوائد ہیں۔

یہی علوم جن کا اوپر ذکر ہے کشف الہی کہلاتے ہیں جن کے مقابل میں کشف کوئی نہ اس کی لذت کو پہنچتا ہے اور نہ قرب حاصل ہونے میں کوئی درجہ رکھتا ہے، اور اگر اس کشف الہی والے کے متعلق رشد و ہدایت و شجاعت روحانی و تربیت خلق ہو جائے تو اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور جس کے متعلق امور دنیاوی ہو جاویں اس کو قطب التکوین کہتے ہیں۔

اگر ایک مدت تک ذکر کرنے سے قلب میں یکسوئی و خشوع نہ ہو تو مناسب ہے کہ کوئی شغل بھی کر لیا جائے، اشغال بہت ہیں مگر میرے نزدیک سب سے زیادہ سہل اور مفید شغل انحد ہے، اور اچھا وقت اس کے لئے آخر شب ہے بعد بارہ تسبیح کے لیکن جس دم نہ کرے۔ آج کل بوجہ ضعف دل و دماغ دونوں ماؤف ہو جاتے ہیں، آنکھیں صرف ویسے ہی بند کر لے اور کانوں کو انگشت شہادت سے ذرا اندر سے بند کر لے اس سے کان میں ایک آواز جس کی کوئی حد نہیں پیدا ہوگی اور غالباً ہی اس کی وجہ تسمیہ ہے کیونکہ 'اِنَّ لَفْتِ ہندیہ میں کلمہ نفی کا ہے یعنی بید۔ اور اس آواز کی طرف قلب کو متوجہ رکھے اور زبان سے یا قلب سے ہم ذات (اللہ) کا ورد رکھے تاکہ اتنا وقت غفلت میں نہ گزرے کیونکہ اس صورت (شغل) میں مشغول ہونا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ آواز نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی صفت تو ہے نہیں، جیسا کہ بعض کو دھوکا ہو گیا ہے بلکہ عالم غیب میں سے کسی مخلوق کی بھی نہیں ہے۔ صرف ہی کے دماغ میں ہوا بند ہو کر گونجنے لگتی ہے باوجود اس کے پھر اس کی



طرف مشغولی کرنا صرف اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ آواز محسوس ہوتی ہے، اور لذت ہے بلکہ بعض اوقات اس کے اندر نہایت دلربا اور دل فریب آوازیں پیدا ہوتی ہیں کہ شغل کرنے والے کو محو کر دیتی ہیں اور محسوس اور لذت چیز کی طرف پوری توجہ کرنے سے طبعاً دوسرے خطرات ختم ہو جاتے ہیں۔ تو اس سے ذہن کو ایک طرف پوری توجہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ پھر اس شغل کو چھڑا کر اس توجہ کو مقصود حقیقی کی طرف منصرف کر دیتے ہیں جس کی طرف ابتدا میں غائب عن الحق اس ہونے کی وجہ سے متوجہ ہونا۔ اچانکاً محتاج تکلف تھا۔ الحاصل، اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ شغل خود ذکر نہیں ہے۔ البتہ معین ذکر ہے اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ مامور بہ کا ذریعہ ہے، بلکہ غور کرنے سے سنت سے بھی اس کی اصل نکل سکتی ہے چنانچہ نماز میں سجدے کی جگہ پر نگاہ رکھنا مسنون ہے اور اس میں حکمت خظروں سے نجات اور جمعیت قلب حاصل ہونا ہے واللہ اعلم۔

اور جس طرح اس آواز کا محل دماغ ہے اسی طرح کبھی دوسرے اشغال میں اور کبھی افکار میں بھی مختلف رنگ کے جو انوار نظر آنے لگتے ہیں وہ بھی اکثر دماغی تصورات ہوتے ہیں۔ چنانچہ غیر مشاغل بھی اگر اسی طرح آنکھیں بند کر کے دیکھے تو بعض اوقات اس کو بھی مختلف رنگ نظر آیا کرتے ہیں۔ اس سے کبھی دھوکا نہ کھائے اور نہ ان چیزوں کی طرف کبھی توجہ کرے بلکہ اگر اس سے بھی زیادہ بہ ہو کہ واقعی غائبیات کا بھی کشف ہونے لگے، چنانچہ بعض اوقات بوجہ یکسوئی کے ایسا بھی ہو جاتا ہے تب بھی ہرگز ان کی طرف متوجہ نہ ہونے ان سے لذت حاصل کرے، خواہ وہ مکشوفات ناسوت کے ہوں یا ملکوت کے، یہ سب غیر مطلوب ہیں بلکہ جیسا کہ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حجاب ظلمانی سے حجاب نورانی زیادہ اشد ہیں۔ طالب کو سب کی نفی کرنا چاہئے اور اس مضمون پر نظر رکھنا چاہئے۔

عشق آں شعلہ است گُوچوں بر فروخت  
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت  
تینخ لا در قتل غیر حق بر اند  
در نگر آخر کہ بعدلاً چہ ماند  
ماندا لا اللہ و باقی جملہ رفت  
مرحبا سے عشق شرکت سوز رفت

اور اگر شیخ کامل کوئی مراقبہ یا مشغل مناسب تجویز کرے اس کا اتباع کرے لیکن اشغال میں مشغل رابطہ و تصور شیخ اور دیگر مراقبات میں مراقبہ وحدۃ الوجود بوجہ اس کے کہ اکثر خواص کو بھی مضر ہے، متروک ہے۔ قولہ تعلقے :-

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر  
و منافع للناس و اثمہما اکبر من نفعہما  
(البقرہ - رکوع ۲۷)

لوگ آپ سے شراب و خمار کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ  
فرماد دیجئے کہ ان دونوں کے اشغال میں گناہ کی بڑی بڑی  
باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور (وہ)  
گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

پھر ان اذکار و اشغال سے جو وقت بچے اس میں کچھ نہ کچھ ذکر زبان سے تو جہ قلب کے ساتھ جاری رکھے۔ خواہ درود شریف اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر ہے خواہ استغفار۔ خواہ کلمہ طیبہ۔ خواہ کوئی اور ذکر جس سے دلچسپی ہو اور ان اوقات میں صرف ذکر قلبی پر اکتفا نہ کرے کیونکہ اس میں اکثر دھوکا ہوتا ہے کہ اپنی غفلت کا احساس نہیں ہوتا یا اس سے بڑھ کر یہ کہ غفلت کو کبھی استغراق و محویت سمجھ جاتا ہے جو صریحاً نقصان ہے اور دو چیزوں سے بچنے کا ہر وقت خیال رکھے۔ ایک غفلت جس کا علاج ذکر ہے جیسا ابھی بیان ہوا۔ دوسرے معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ قلب سے ہو یا زبان سے۔ یا ہاتھ پاؤں آنکھ کان سے غفلت سے قلب کی نورانیت برباد ہو جاتی ہے اور معصیت سے علاوہ نور قلب فوت ہونے کے مقبولیت عند اللہ بھی زائل ہو جاتی ہے اور یہ بڑا خسارہ ہے اور اگر اچانا غفلت سے یا نفس کی شرارت سے کوئی معصیت قولی یا فعلی سرزد ہو جائے تو فوراً نہایت ندامت اور عاجزی سے استغفار و توبہ کرے۔

اسی طرح بعضی غفلت بھی خصوصیت کے ساتھ زیادہ مضر ہے یعنی وہ غفلت جس کا

سبب ذہنی تعلقات ہوں کیونکہ ایسی غفلت تجدید ذکر سے بھی ختم نہیں ہوگی۔ بار بار قلب اس طرف کشش کرے گا اور منجملہ اس دستور العقل کے ایک امر یہ بھی ہے کہ جب تک ایسے شخص کو جس کے متعلق ذکر ہو رہا ہے، کسی قدر روح و استحکام کے ساتھ نسبت باطنی نصیب نہ ہو جائے۔ اس وقت تک نہ تو وہ افادہ باطنی میں مشغول ہو، نہ افادہ ظاہری میں، یعنی نہ طلباء کو پڑھائے نہ عوام میں وعظ کہے، نہ تعویذ گنڈے کا شغل کرے، نہ پیری مریدی کرنے لگے۔ بلکہ کچھ عرصہ تک بالکل گننامی کی زندگی بسر کرے۔

(جب تک ان باتوں کا شدید تقاضا نہ ہو۔)

اور علامت حصول نسبت باطنی کے دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے۔ دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادات میں معاملات میں۔ اخلاق میں۔ اقوال میں اور افعال میں اس کو ایسی رغبت ہو جائے اور مہیات و مخالقات سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی مرغوبات و مکروہات طبیعہ میں ہوتی ہے اور حرص دنیا کی قلب سے نکل جائے۔ کان خلقہ القرآن اس کی شان بن جاوے۔ البتہ کسل عارضی یا کوئی دوسرہ جس کے مقتضا پر عمل نہ ہو اس رغبت و نفرت کے منافی نہیں۔ اور یہی درجہ یادداشت اور فرماں برداری کا جو علامت ہے نسبت باطنی کی، حاصل ہے محبت حق کا۔ اور اگر حصول نسبت کے ساتھ کچھ علوم و امرا بھی قلب پر وارد ہونے لگیں تو یہ شخص عارف کہلاتا ہے۔ اب بعد حصول نسبت کے درس و وعظ یا تصنیف و تالیف کا مضائقہ نہیں بلکہ یہ خدمت دین افضل العبادت ہے۔ اور اگر شیخ تعلیم و تلقین۔ اذکار اور بیعت کرنے کی بھی اجازت دے تو بندگان خدا سے یہ افادہ بھی دریغ نہ کرے لیکن ہمیشہ اپنے کو خادم خلق سمجھے۔ مخدوم نہ سمجھے اور اگر اجازت نہ دے تو ہرگز ایسی جرأت نہ کرے اور نہ از خود درخواست اجازت حاصل کرنے

کی کرے کرے محض ہوس ہے۔ ایسی رعایتی اجازت معتد بہ نہیں۔ بلکہ بڑے بے بنی سے چھوٹا رہنا بدرجہا اسلام ہے۔ البتہ حکم ہو جانے پر اس کے خلاف کرنا مناسب نہیں ورنہ آگے سلسلہ ہی نہ چلتا لیکن یہ احتیاط بھی لازمی شرط ہے کہ مریدوں سے مال حاصل ہونے کا منتظر اور متوقع نہ رہے بلکہ اگر مرید کچھ نذرانہ وغیرہ دینے کا ارادہ بھی کریں تو بیعت کرنے کے وقت تو ہرگز قبول نہ کرے کہ یہ صورت مبادلہ و معاوضہ کی ہے (جو غیرت دین کے خلاف ہے) ہاں کسی اور دوسرے موقع پر اگر بطیب خاطر اپنی حلال کمائی میں سے گنجائش کے موافق دیں جس سے ان پر کوئی باریا گرائی نہ ہو تو ایسی صورت میں ہدیہ قبول کر لینا مسنون ہے اور انکار کرنا ایک مسلمان کی دل شکنی کا باعث ہے اور حق تعالیٰ کی ناشکری ہے گو اس ہدیہ کی مقدار بہت ہی کم ہو اس کو قبول کر لے اور اگر وہ لوگوں کے سامنے بھی دے جب بھی تنگ و عار نہ کرے کہ یہ شعبہ تکبر کا ہے۔ (تصد السبیل)

## طریق ذکر دوازده تسبیح

بعد نماز تہجد کے توبہ و استغفار۔ عجز و انکسار سے کر کے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا بحضور قلب پڑھے۔

اللَّهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَتَوَمَّرْ قَلْبِي  
بِنُورِ مَعْرِفَتِكَ يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ

تین بار یا سات بار تکرار کرے اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ بار درود شریف پڑھ کر چار زانو ٹھٹھے اور دلہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماں کو جو بائیں زانو کے اندر ہے محکم بکڑے اور مکر کو سیدھی لکھے پھر دلجمعی سے ہیبت و حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش آغاجی سے ذکر شروع کرے اس کے بعد اعوذ اور بسم اللہ باخلاص تمام تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت

پڑھ کر سر کو قلب کی طرف جو زیر پستان چپ بقاعدہ دو انگشت کے واقع ہے جھکا  
 کلمہ لا کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچے اور اللہ کو  
 داہنے مونڈھے پر لے جا کر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصویر کرے کہ غیر اللہ  
 کو دل سے نکال کر پس پشت ڈال دیا اور سانس کو چھوڑ کر لفظ اَلَا اللّٰهُ کو زور  
 اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الہی کو دل میں داخل  
 کیا۔ اسی طرح اس نفی و اثبات کو فکر و ملاحظہ اور واسطے کے ساتھ دوسو بار کہے اور  
 اس ذکر میں نو بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ  
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کہے۔ بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت  
 کہے لیکن مبتدی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لَا معبود خیال کرے اور متوسط لَا مقصود  
 خیال کرے اور منتهی لَا موجود ملاحظہ کرے، اس کے بعد لمحہ دو لمحہ مراقب سوکے  
 تصور کرے کہ فیضان الہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے۔

پھر دو زانو بیٹھے اور مگر سیدھی کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر لفظ  
 اَللّٰهُ اَللّٰهُ کو اعتدال کے ساتھ دل پر ضرب کرے۔ اس کو چار سو بار دو مادم کر کے پھر بطور  
 سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے اور لمحہ دو لمحہ مراقب رہے۔ پھر ذکر  
 اہم ذات اَللّٰهُ اَللّٰهُ کا کرے۔ اس طرح کہ اول حرف اللہ کی ہائے کو پیش اور دوسرے  
 لفظ اللہ کی ہائے کو ساکن کرے یعنی جزم دے اور آنکھیں بند کر کے اور سر کو داہنے  
 مونڈھے پر لاکر لفظ مبارک اَللّٰهُ اَللّٰهُ کی دونوں ضرب جہرا اعتدال سے دل  
 پر مارے۔ اس ذکر اسم ذات و دضرب کو چھ سو بار دو مادم کرے لیکن دسویں گیارھویں  
 بار اَللّٰهُ حَاضِرٌ وَاَللّٰهُ نَاطِرٌ اَللّٰهُ مَعِيَ۔ مع ملاحظہ معنی کے کہتا  
 رہے، تاکہ کیفیت اور لذت ذکر کی اور رفع غفلت و خواب حاصل ہو۔ بعد اس کے بطور  
 سابق تین بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہے اور پھر اسی طرح سر کو داہنے مونڈھے

کی طرف موڑ کر لفظ مبارک اللہ کو دہرا دو سو بار کہے۔ بعد ازاں بار کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت کہہ کر درود شریف اور استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دعا مانگے اور مناجات کرے۔ (تعلیم الدین)

### تشریح

دوازدہ تسبیح کے ذکر کا مذکورہ بالا طریقہ ان لوگوں کے لئے ہے جو عالم ہوں اور فارغ ہوں یعنی ان کے ذمے کسب معاش و تعمیرہ کی پابندی نہ ہو لیکن غیر عالم بھی یا ایسے عالم جن کو فرصت نہ ہو ان کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مذکورہ طریقے ہی سے ذکر کریں بلکہ ذکر دوازدہ تسبیح سکون سے بیٹھ کر، ملکی آواز سے بغیر کسی لہجے کے کر سکتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح بھی اس کا نفع ہوگا۔

### ہر وقت کا معمول

ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتے رہیں، اور کبھی مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پڑھا کریں۔ بس ہر وقت ذکر ہی کا دھیان رکھیں اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھیں۔ یہ مذکورہ ہے اس سے ذکر یاد رہتا ہے (کمالات اشرفیہ)

ابتدا میں اسم ذات (اللہ اللہ) کی کثرت، دوسرے اذکار و اشغال سے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ زیادہ قرب لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں ہے کہ یہ ماثور ہے۔ اور دوسرے اذکارِ اَلَا اللَّهُ يَا اللَّهُ اللَّهُ یَسُوْلُوْا کی مصلحت کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں۔ واقعی ذکر ماثور لوگوں کے طبائع کے زیادہ موافق ہے۔ اس لئے اس میں سب سے زیادہ نفع بھی ہے۔ (کمالات اشرفیہ، انقاس عینی)

### ذکر حبلی و خفی کے معنی

سوال :- ذکر حبلی اور ذکر خفی کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب :- بعض کی اصطلاح میں ذکر قلبی کو خفی اور ذکر لسانی کو جلی کہتے ہیں اور بعض کی اصطلاح میں ذکر لسانی کے جہر کو جلی اور غیبی جہر کو خفی کہتے ہیں اور طریقے دونوں کے کتب سلوک میں مذکور ہیں مگر بغیر تعین شیخ کے خود کسی طریق کا اختیار کرنا مفید نہیں ہوتا۔ (تربیت السالک حصہ دوم)

## سلطان الاذکار کے آثار

حال :- نماز پڑھنے کے وقت میں خصوصاً نماز مغرب میں۔ زیادہ تر التحیات میں قلب سے ایک قسم کی کشش پیدا ہو کر بدن میں لرزہ آجاتا ہے۔ اکثر وقت ذکر جاری ہو جاتا ہے قلب سے کبھی زبان سے بھی ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ اکثر اس قسم کی کشش سی محسوس ہوتی ہے۔

تحقیق :- مبارک ہو۔ یہ آثار غلبہ ذکر کے ہیں جس کو اصطلاح میں سلطان الذکر کہتے ہیں اور نماز کے متصل ایسا ہونا علامت ہے نماز کے ساتھ مناسبت تامہ ہو جانے کی۔ یہ دوسری کیفیت محمودہ مقبولہ ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت و استقامت عطا فرما دیں۔ (تربیت السالک حصہ اول)

## ذکر شمار کے ساتھ اور بے شمار میں فرق

حال :- نماز تہجد کے بعد ذکر میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ شمار یا دہ رہنے سے کچھ حرج تو نہیں ہے جو مقصود ہے رضائے حق تو بہر حال حاصل ہوگی خواہ شمار سے ہو یا بلا شمار البتہ دل میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے جتنی دیر بلا شمار پڑھتا ہوں اتنی دیر اگر شمار سے پڑھتا ہوں تو اس میں کچھ اور یہی بات ہوتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ بات تو ایک ہی ہے چاہے شمار سے پڑھی جائے یا بے شمار پڑھی جائے۔

جواب :- شمار یا دہ رہنے میں کوئی حرج نہیں اور شمار میں زیادہ اثر ہونا یہ خاصہ ہے بعض طبائع کا ان سے تسلی ہوتی ہے کہ ہم نے اتنا کام کر لیا اور پریشانی نہیں ہوتی اور بے شمار

بڑھتے میں خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کچھ معتد بہ مقدار تک پہنچا یا نہیں، اور پریشانی نہ ہونے سے خاص آثار پیدا ہوتے ہیں اور بعض کو شمار نہ کرنے سے محویت ہوتی ہے، اور شمار کرنے سے خیال ادھر ادھر مشغول رہتا ہے۔ غرض یہ طبائع کا اختلاف ہے جس کا کوئی حرج نہیں۔ (تربیت السالک حصہ اول)

## ذکر میں دل نہ لگنا

حال :- حسب ارشاد حضور اور دعا کی برکت سے ہم ذات روزمرہ چھ ہزار پڑھتا ہوں۔ مگر خیالات بجا نہیں رہتے اور دوسو سے بہت آتے ہیں۔ طبیعت گھرائی ہے اور کسی عبادت اور ذکر میں، جیسی کہ پہلے حالت تھی وہ اب نہیں ہے، نہ لذت ہے نہ دل کا لگاؤ۔ بعض وقت دین و دنیا کے خسارے کا پورا اندیشہ ہو جاتا ہے۔ سخت پریشان ہوں اگر یوں ہی حالت رہی تو آخر وقت کی کیفیت کیا ہوگی؟

جواب :- یہ تلوین کے آثار ہیں۔ نیز دنیاوی امور کی وجہ سے دل کا پریشان ہونا اس کا سبب ہو جاتا ہے۔ کیفیات و لذت کی طرف التفات نہ کریں۔ خود عمل کو مقصود سمجھ کر کرتے رہیں۔ انشاء اللہ محدودی نہ رہے گی۔ ثمرات پر نظر کرنا پریشانی کا اصل سبب ہے۔ یا باسبب بعد عشاء ایک ہزار مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ دوسری جگہ اسی طرح کے مضمون کا یہ جواب دیا گیا۔

پریشان نہ ہو جئے، اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہوئے معمول ادا کر لیا کیجئے، اور اگر پورا نہ ہو سکے تو تھوڑی مقدار میں کر لیا کیجئے۔ بالکل ناغہ نہ کرتا چاہئے۔ تھوڑا سا بھی ہوتا رہے تو برکت رہتی ہے۔ کم و بیش کا خیال نہ کیجئے۔ جتنی کمی ہو جائے اس کا تدارک استغفار سے کر دیا کیجئے۔ پریشان ہرگز نہ ہوں اس سے ہمت اور بھی ضعیف ہو جاتی ہے۔ (تربیت السالک حصہ اول)



## ذکر کے نافع ہونے کی ضروری شرط

حضرت والا ذکر کے نافع ہونے کی ایک یہ بھی تہا بیت ضروری شرط بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ عالی الذہن ہو کر محض تعداد ہی پوری کرنے کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے کرے کہ مجھے اس سے نفع اور برکت حاصل ہو اور برابر ہی نیت رکھے لیکن نفع کے حصول کی نگرانی اور انتظام میں نہ رہے کہ یہ موجب تشویش ہونے کے سبب مضر ہے۔ لوگ جو اکثر برکات ذکر سے محسوس رہتے ہیں اس کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ نفع اور برکت کی نیت سے ذکر نہیں کرتے۔ (اشرف السوانح ص ۲۱۹، حصہ دوم)

### مقدار ذکر

ملفوظ :- فرمایا کہ اپنے ذمے تو ذکر کے لئے صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے۔ باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کر لے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ تاغیر کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں اور جب کبھی زیادہ کی توفیق ہوگی تو مسرت ہوگی اور ہمت بڑھے گی۔ (اشرف السوانح)

### انوار و کشف قابل التفات نہیں

حال :- بارہ ہزار بار اسم ذات پڑھتا ہوں بارہ تیس صبح کو پڑھتا ہوں۔ دعا فرمائیے کیونکہ تہجد میں مجھ کو نیند آجاتی ہے۔ جب حضرت کا والا نامہ صادر ہوتا ہے تو قلب میں خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ روشنی رات کو کبھی نرد معلوم ہوتی ہے اور کبھی سُرخ اللہ اللہ کرنے پر بھی معلوم ہوتی ہے، اور دن میں بھی معلوم ہوتی ہے اور میرے قلب میں نئی نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت میری طرف توجہ فرماتے رہتے۔ چھ ماہ سے محنت کر رہا

ہوں، اور حضرت کی اجازت سے کر رہا ہوں۔ ایک شخص کا مرتابچہ کو قبل ہی معلوم ہو گیا تھا میں ہر چیز تردید کرتا ہوں لیکن قلب میں انکشاف ہو جاتا ہے۔

تحقیق :- معمولات کافی ہیں فی الحال تفسیر و تبدل کی ضرورت نہیں ایسے انوار کا ہے ملکتی ہوتے ہیں مگر اکثر ناسوتی اشتغال و اغلاط سے ہوتے ہیں اور دونوں حالتیں قابل التفات نہیں گو نافع ہیں پس خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جاوے مگر کمال نہ سمجھا جاوے اور کشف تو ناقص کے لئے فتنہ ہے ہرگز اس طرف التفات نہ کریں بلکہ اس کو مضر سمجھیں اور اس پر ناز یا نظر نہ کریں۔ ذکر کی مشغولی سے اس کو مغلوب کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے تم کو اس پر ناز ہے۔ (تربیت السالک ص ۵۷)

## انوارِ ذکر

ملفوظ :- فرمایا کہ اذکار و اشغال میں جو انوار و غنیرہ منکشف ہوتے ہیں اور اپنی دلکشی سے سالک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں وہ مانع و وصول الی المقصود الحقیقی ہوتے ہیں۔ سالک کو ان کی طرف ہرگز التفات نہ چاہئے۔ مرشدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ حجابات نورانیہ اشد ہیں حجابات ظلمانیہ سے (اصول الوصول ص ۷، اشرف المسائل)

## آثارِ ذکر

سوال :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگرچہ ہم ذکر برابر کئے جا رہے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ حضور نے ذکر جہر ارشاد فرمایا ہے یا کیا اور ہم ابھی تک برابر ذکر جہر کئے جا رہے ہیں اور وہی حالت ہے لیکن نور نیلگوں بہت کثرت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور حضور نے جو ذکر تعداد بارہ ہزار ارشاد فرمایا تھا وہی برابر کرتا ہوں۔

جواب :- عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہرا چھا معلوم ہوتا ہے، آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ یہ نور نیلگوں وغیرہ اہل طریقت کے نزدیک انوار لطائف کے ہیں جو ذکر سے منور ہو جاتے ہیں۔ گو یہ مقصود نہیں مگر علامت محمود ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ثمرات نیک مرتب ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ مقصود حقیقی تک وصول میسر ہو جاوے گا اپنے کام میں لگے رہیں۔ ان حالات میں غور و فکر نہ کریں کہ یہ کیا چیز ہے کیا بات ہے سب سے قطع نظر کر کے ذکر کو مقصود سمجھنا چاہئے اگر فرصت ہو تو چھ ہزار مرتبہ ذکر کریں۔ (التکشف)

## ذکرِ لسانی کی ضرورت

حَال :- اب اس کے بعد معمولات میں صرف دعائیں رہ جاتی ہیں۔ وہ بہت جمع ہو گئی ہیں۔ اور اکثر ہر وقت کی نماز کے بعد کرتا ہوں۔ بجز عصر کے کہ اس وقت حزب البحر کا معمول ہے۔ دیگر اذکار کی طرح یہ دعائیں بھی عجلت و وحشت ہی کے ساتھ پوری ہوتی ہیں۔ خیال ہوتا ہے گھٹادوں یا سب کا ہر وقت کی نماز میں التزام نہ کر دوں۔ مگر اندیشہ یہی ہے کہ چاہے جتنی گھٹادوں مگر ابہمال و تضرع ان میں بھی نصیب ہونا مشکل ہوگا یا زیادہ سے زیادہ دو چار دن کچھ اثر ہوگا۔ دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ تو کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔ تحقیق :- جب عبد اس کا مکلف ہی نہیں تو پھر مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت کہیں اس مشقت کی تحصیل میں اصل ہی کی تعطیل نہ ہو جائے۔

## اسمائے مفردہ کا ذکر تو کہیں کسی حجت سے منقول نہیں

حال :- حدیث شریف میں تو افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے۔ لیکن کلام مجید میں بجائے اس کے ذات اور اسم کا ذکر منصوص معلوم ہوتا ہے حالانکہ علماء کی ایک جماعت اس کو غیر مستنون قرار دیتی ہے۔ پہلے مجھ کو بھی یہی حق معلوم ہوتا تھا۔ اب شبہ ہوتا ہے کہ **وَ اذْکُرُ اللّٰهَ کَثِیْرًا** اور **وَ اذْکُرْ سَمَ رَبِّکَ** کا کم از کم ایک مطلب تو اللہ اللہ کا ذکر بھی ہو سکتا ہے۔  
تحقیق :- اگر یہ ہوتا تو کہیں تو کسی حجت سے منقول ہوتا۔

حال :- اسمائے حسی کے متعلق **هَتْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ** کی روایت سے بھی اس کی تائید معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق :- ان نصوص میں ہیئت ذکر تو نہیں معلوم ہوتی اس لئے دوسرے نصوص میں اس کی تفسیر ڈھونڈی جائے گی۔ جیسے اجالی ارشاد ہے **وَ اعْبُدْ رَبَّکَ** اور اس کی ہیئت کے لئے دوسرے نصوص کی حاجت ہے۔ اس کے بعد خیال آیا کہ حدیث احصاء میں تو تصریح ہے۔ ایسی ہیئت کی جس سے اسمائے مفردہ کے ذکر کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ **حیث ورد فی الصحیحین و سنن الترمذی بعد ذکر فضل الاحصاء هو اللہ الذی لا الہ الا هو الرحمن الرحیم۔ الخ**  
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۸۳)

## ذکرِ لسانی کو پاس انفاس پر ترجیح ہے

حال :- پاس انفاس اور ذکرِ قلب کو بھی چھوڑا تو نہیں ہے لیکن بیٹھا آدھ گھنٹہ ہی مصیبت ہو جاتا ہے اس لئے ان دونوں کو ایک گھنٹہ کی مشی میں بعد فجر پورا کرتا ہوں۔

تحقیق :- یہ دونوں ہیئت متعارفہ مقاصد میں سے نہیں اس لئے اس پر

ذکرِ لسانی کو ترجیح دیتا ہوں۔ مع احضار القلب بقدر الطاقة اور اسی کی تعلیم کا معمول کر رکھا ہے الابعراض خاص اور میرے نزدیک اس عارض سے آپ کا تلبس نہیں لہذا آپ کے لئے بھی یہی رائے دیتا ہوں مگر وقت کم نہ ہونے پائے الا ان يضطر الى ذلك۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۹)

ذکر کے وقت زبان کا بند ہونا کہ یہ گنہگار منہ اور اس سے  
اہم مبارک ادا ہو، دونوں حالتیں محمود ہیں

حال :- الحمد للہ کہ بفضل و توفیق الہی ذکر جاری، ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ  
زبان اس خیال سے بند ہو گئی کہ یہ گنہگار منہ اور اس سے یہ اہم عظم و اقدس ادا ہو۔  
پھر یہ کیفیت جاتی رہی۔

تحقیق :- دونوں محمود ہیں پہلی کیفیت اس حال کا غلبہ ہے ۱۰

احب مناجاة الحبيب باوجه

ولكن لسان المذنبين كليل

اور دوسری کیفیت غلبہ مقام کا ہے اور مظہر ہے اس حقیقت کا ۱۰

در پس آیتہ طوطی صفتہ داشتہ اند

آنچه استاد ازل گفت بہاں می گوئم

والثانی افضل تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۷

نماز اور ذکر کے متعلق یہ خیال آنا کہ زیادہ ذکر کی ضرورت نہیں

اس کا علاج

حال :- نماز اور ذکر کے قیل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بیکار ہے

میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ رہے احکام اس کی پابندی کر لی جاوے تو اس کے لئے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بُرے بُرے خیال آئے اور یہ خیال اب بھی آجاتے ہیں جس کا جواب میری طبیعت یہ دیتی رہتی ہے کہ یہی کیا کم ہے کہ بے فکری اور بخشائش کی امید تو رہتی ہے اور اس فکر میں بہت کچھ گناہوں سے بچت رہتی ہے اب جو کیفیت تھی اور رہے وہ عرض کی جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جاوے۔ کیونکہ گو طبیعت کو سکون ہو گیا ہے مگر طبیعت سست اور مضمحل ہے۔

تحقیق :- ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے ملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع اور عنایت ہے۔ (النور شعبان ۱۳۵۳ھ)  
(ترتیب السالک حصہ دوم ص ۳۴۲)

## نماز سے مقصود اصلی ذکر ہے

حال :- حضرت نے گذشتہ والا نامے میں جو ہدایت فرمائی تھی کہ تمام افعال کے متعلق یہ تصور رکھے کہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نماز کے علاوہ دیگر افعال میں یہ بہت نافع معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت نماز میں اس مراقبے سے جو کچھ خود نماز میں پڑھتا ہوں اس کے معانی سے بے التفاتی ہو جاتی ہے جو طبیعت پر شاق ہوتا ہے۔ پھر پیشی افعال کا معاملہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دور ہے۔ البتہ اس سے کہ حق تعالیٰ دیکھ رہے ہیں ایک فوری ہیبت معلوم ہوتی ہے مگر ہر حال میں جو چیز فہم معانی میں مغل ہوتی ہے وہ باعثِ گرانی ہو جاتی ہے بلکہ خیال ہوتا ہے کہ مقصد نماز ہی سے بعد ہو رہا ہے، بہر کیف جیسا ارشاد ہو۔  
تحقیق :- قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اصل

مقصود خود ذکر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي، وقال اللہ  
 تعالیٰ اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ثُمَّ عَلَّلَهُ بِقَوْلِهِ  
 وَلِيذْكُرُوا اللّٰهَ الْكَبِيْرَ سو حضور ہی بیٹھ جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو جاوے  
 وہ ذکر کی فرد ہونے کے سبب استحضار مرکب مقصودیت میں اقویٰ ہے البتہ نماز  
 سے باہر تو اس مرکب استحضار میں مقصودیت زیادہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ قرأت  
 نماز میں تابع نماز ہے۔ سو نماز کی روح زیادہ قابل اعتناء ہے وَهُوَ الذِّكْرُ  
 اور خارج صلوة میں وہ قرأت خود مقصود ہے، لہذا اس کا زیادہ اعتناء کیا جائے  
 گا و ہواستحضار مرکب پس اگر مراقبہ رویت حق للعبد سے  
 حضور ہی زیادہ میسر ہو تو وہ استحضار معانی سے مقدم ہے۔ رھذاذوقی  
 (التورہ رجب ۱۳۵۶ھ - تربیت السالک حصہ دوم صفحہ ۲۲۳ - ۲۲۴)

## ذکر اور نماز میں فرق کہ ذکر میں بساطت ہے اور نماز میں ترکیب

حال: عرض یہ ہے کہ نماز میں پورا پورا نشاط حاصل نہیں ہوتا جبکہ ذکر کرنے بیٹھا  
 ہوں تو سرور اور نشاط کی حالت ہوتی ہے۔ نماز میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ پھر یہ خیال ہوتا  
 ہے کہ یہ تو منافقین کی عادت تھی۔ انہیں بھی نماز میں نشاط نہیں حاصل ہوا کرتا تھا اس  
 کے بعد اپنے دل کو یوں سمجھاتا ہوں کہ مقصود تو احکام کی بجا آوری ہے نشاط مقصود  
 نہیں مگر تاہم جی چاہتا ہے۔

تحقیق :- منافقین کا کسل فساد اعتقاد سے تھا اور یہ کسل یا نشتت طبعی ہے  
 ناین ہذا من ذاک باقی وجہ فرق یہ ہے کہ ذکر میں بہ نسبت نماز کے ایک شان  
 بساطت کی ہے اور نماز میں بہ نسبت ذکر کے شان ترکیب کی ہے اس لئے ذکر میں اجزاء  
 مختلفہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے یکسوئی جلد حاصل ہو جاتی ہے اور نماز میں توجہ

اجزائے مختلفہ کی طرف ہوتی ہے اس لئے تشقت رہتا ہے اس کا علاج یہی ہے کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جاوے جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد رکوع کرتا ہے، رکوع میں اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرتا ہے و علیٰ ہذا۔ بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالاداء سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الی آخر الصلوٰۃ۔ اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو قوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔ نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں۔ و ہذا الذی کتبت و رد علیٰ قلبی فی غرض الظہر و جریۃ فیہ و فی سنۃ البعدیۃ و اللہ الحمد۔ (النور ربیع الاول ۱۳۵۳ھ تہذیب السالک حصہ دوم صفحہ ۲۲۳-۲۲۲)

## ترک مستحبات کا انجام اچھا نہیں

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے :-

سنن زوائد مستحبات کے متعلق یہ اعتقاد جما ہوا ہے کہ ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں گناہ نہیں۔ اس لئے ان کے ناغہ ہونے کو سہل بات سمجھتے ہیں حالانکہ نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن زوائد اور مستحبات کا یہ حکم قبل شروع عمل کے ہے اور شروع عمل کے بعد ان کا حکم بدل جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حکم تو عین وقت اشتغال کے ساتھ مختص ہے وہ یہ کہ عمل شروع کرنے کے بعد مستحب کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ایک حکم عام ہے جو وقت اشتغال کے ساتھ



مختص نہیں وہ یہ کہ جس منتخب کو معمول بنا لیا جائے اور کچھ عرصہ تک اس پر موافقت کر لی جاوے اب اس کا ناخ کرنا اور موافقت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے اور اس کی دلیل ایک حدیث بخاری کی ہے جو عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل ثم ترکہ یعنی اے عبد اللہ تم فلاں شخص کی طرح نہ ہونا جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی اس حالت پر ناگواری اور کراہت ظاہر فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک مستحب کو معمول بنا کر ترک کر دینا مذموم و مکروہ ہے۔ اسی لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل وغیرہ کا اتنا ہی پابند ہو جس کو نباہ سکے۔ ورنہ شروع ہی نہ کرے۔ اس سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے اور انسان کی عادت یہ ہے کہ جب ایک کام کا پابند ہو پھر اس میں فتور ہونے لگے تو اس کا خلل ممتد ہو جاتا ہے چنانچہ اس عمل پر تو پھر عمر بھر بھی پابندی نصیب نہیں ہوتی اور اس سے گذر کر دوسرے اعمال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ آج تو تہجد میں فتور ہے، کچھ دنوں میں صبح کی نماز کی پابندی بھی نہ رہے گی۔ پھر وقت کی پابندی بھی نہ رہے گی۔ نماز قضا ہونے لگے گی اور سارا قضا ایک مستحب کی پابندی چھوڑنے سے ہوا اس کے علاوہ ترک پابندی میں ایک اور حشرابی اس سے بھی سخت ہے، وہ یہ کہ شریف طبائع کا خاصہ ہے اور مسلمان سب شریف ہی ہیں کہ جب وہ کسی سے ایک خاص قسم کا برتاؤ شروع کرتے ہیں تو جب تک اس برتاؤ کا نباہ ہوتا رہے گا اس وقت تک تو ان کے دل میں تعلق بھی بڑھتا رہتا ہے اور جب وہ برتاؤ چھوٹ جاتا ہے تو سب سے پہلے اس صاحب برتاؤ ہی کے دل میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے پھر جب دوسرے کو بھی اس کی رکاوٹ کا احساس ہو جاتا ہے وہ بھی رکنے لگتا ہے۔

مثلاً ایک دوست کے ساتھ آپ کا ہمیشہ سے یہ برتاؤ ہو کہ جب آپ اس سے ملنے جائیں کچھ ہدیہ اور تحفہ ساتھ لے جائیں۔ پھر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ خالی ہاتھ چلے گئے تو ہر شخص اپنے دل میں غور کرے کہ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی یقیناً خالی ہاتھ جاتے ہوئے دل رکے گا اور ایک قسم کی شرمندگی اس پر طاری ہوگی۔ گویا دوسرے کو اس کے خالی ہاتھ آنے کی طرف التفات بھی نہ ہو، ہو مگر اس کے دل میں خود بخود یہ وسوسے دوڑیں گے کہ آج میرے خالی ہاتھ آنے سے دوست کو ضرور کچھ خیال ہوا ہوگا، وہ اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ بس اب وہ تعلق نہیں رہا وہ محبت نہیں رہی۔ چاہے اس کے دل میں کچھ خیال بھی نہ آیا ہو مگر وہ اپنے معمول کے خلاف کرنے سے ان ادہام میں ضرور مبتلا ہوتا ہے اور یہ طبعی بات ہے۔ بس رکاوٹ کا بیج تو آج ہی سے بویا گیا۔ اس کے بعد یہ ہوگا کہ ایک دفعہ تو خالی ہاتھ بھی چلا گیا تھا اب مہینے گزر جاتے ہیں کہ جانے کا نام بھی نہیں لیتا۔ دور ہی سے خط کے ذریعہ سے بات چیت کر لیتا ہے۔ پھر عرصہ کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور دوسرے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے رکنے لگا۔ اب وہ بھی اس سے رکنے لگتا ہے اور پھر یہ حالت تبدیل بعدم محبت ہو جاتی ہے۔ پھر عدم محبت کے بعد کبھی عداوت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی تہجد یا ذکر و شغل شروع کرتا ہے تو جب تک وہ ان کا پابند رہے اس وقت تک اس کے دل میں حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت کی ترقی ہوتی رہتی ہے اور جب پابندی چھوٹی تو پہلے اس کی طبیعت میں افسردگی اور پھر مردگی پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ سے اس کو ایک قسم کی ندامت سی آتی ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب حق تعالیٰ کے یہاں میرا وہ مرتبہ نہیں رہا ہوگا جو پابندی اعمال کے وقت تھا یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ میں مردود اور مطرود ہو گیا تو پہلے خود اس کے دل میں حق تعالیٰ سے حجاب

اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے پھر سچ مچ ادھر سے بھی بعد و حجاب ہو جاتا ہے پس ترک معمول سے اول اس کے دل میں افسردگی کا پیدا ہونا یہ پہلا حجاب ہے، اور محبت کا خاصہ ہے کہ اس کو نشاط و انبساط سے ترقی پیدا ہوتی ہے اور افسردگی سے اس میں کمی آتی ہے۔ جب ایک دفعہ دل میں افسردگی اور پھر مردگی پیدا ہو جاتی ہے تو تعلق سابق میں ضرور کمی آتی ہے۔ پھر یہ خیال پیدا ہونا کہ میں مردود و مطرود ہو گیا یہ دوسرا حجاب ہے۔ اس وقت اس کے دل سے محبت نکل جاتی ہے اور قلب خالی ہو جاتا ہے پہلے درجہ میں تو حق تعالیٰ کی طرف سے حجاب نہ ہوا تھا مگر اب ادھر سے بھی حجاب ہو گیا۔ پھر جب مردودیت کا خیال جم کر اس کے قلب سے محبت حق نکل جاتی ہے تو واجبات و فرائض میں بھی کوتاہی کرنے لگتا ہے اور معاصی پر اقدام کرنے لگتا ہے۔ دل میں سمجھتا ہے کہ میں مردود تو ہو ہی گیا۔ پھر لذات میں کمی کیوں کروں۔ یہ تیسرا حجاب ہے، اس سے محبت تبدیل بعداوت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بعض اوقات کفر کی سرحد سے قریب ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ایمان سلب ہو جاتا ہے اس لئے مستحبات معمولہ کو ترک کرنا سہل بات نہیں اس کا اثر بہت دور تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ آدمی جس قدر مستحبات و نوافل زیادہ کرتا ہے وہ اسی قدر مقرب ہوتا ہے۔ پھر تقرب کے بعد حق تعالیٰ سے بے التفاتی کرنا سخت بات ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہمارے مذاق کے موافق معاملہ فرماتے ہیں۔ عالم ظاہر عالم غیب کا نمونہ ہے۔ پس جیسے ہمارا مذاق یہ ہے کہ جس کو اپنے سے تعلق زیادہ نہیں ہوتا اس کی بے التفاتی زیادہ ناگوار نہیں ہوتی اور تعلق بڑھا کر جو بے التفاتی و بے اعتنائی کرتا ہے اس پر زیادہ غصہ آتا ہے۔ ایسے ہی حق تعالیٰ کے ساتھ جن کو معمولی تعلق ہے ان کی غفلت و بے اعتنائی پر زیادہ قہر نہیں ہوتا، اور جو تعلق بڑھا کر مقرب بن کر غفلت و بے التفاتی کا پرتاؤ کرتے ہیں ان پر زیادہ قہر ہوتا ہے۔ پس جو لوگ مستحبات

و نوافل پر مواظبت کر کے پھر ترک مواظبت اختیار کرتے ہیں وہ درباری بن کر  
 دربار سے غیر حاضر ہوتے ہیں اور بادشاہ کا درباری اگر دربار سے بلا وجہ بلا عذر  
 کے غیر حاضر ہونے لگے تو اس پر یہ نسبت غیر درباری کے زیادہ عتاب ہوگا، اور  
 ترک مواظبت علی مستحبات سے گزر کر وہ فرائض و واجبات میں بھی کوتاہی کرنے  
 لگے معاصی پر بھی اقدام کرنے لگے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مقرب شاہی بن  
 کر نافرمانی اور گستاخی کرنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ مقرب کی گستاخی پر جس قدر عتاب  
 ہوگا ایک غیر مقرب مثلاً دیہاتی یا گنوار کی گستاخی پر اتنا عتاب نہ ہوگا۔ (ماخوذ البدر الخ)

### مسئلہ ذکر جہر و خفی

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے مسجد میں اعتکاف فرمایا اور لوگوں کو ستر آن پکار کر پڑھتے ہوئے سنا۔ پس آپ نے  
 پردہ اٹھایا اور ستر مایا کہ سن لو۔ تم میں ہر شخص اپنے رب سے عرض مردوض  
 کو رہے (اور وہ آہستہ اور پکار کے ہر طرح سن لیتا ہے) پس ایک  
 دوسرے کو پریشان مت کرو۔ یعنی ستر آن پڑھنے میں یا نماز میں ایک  
 دوسرے پر آواز بلند مت کرو۔ (البدایہ)

فہم: اس حدیث میں آپ نے نبی عن لجمہ کو معلل فرمایا۔ عدم ایذا کے  
 ساتھ اس سے دو امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ ذکر جہر فی نفسہ مشروع  
 ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے، اس لئے کہ  
 کسی کو ایذا اور تشویش نہ ہو۔ پس اس میں فصل ہے درمیان السراوہ  
 تقریظ کے، اس مسئلہ میں جو اس وقت واقع ہو رہے ہیں کہ بعض  
 مطلقاً جہر بالذکر کو خلاف سنت کہتے ہیں اور بعض اس پر اس قدر  
 مصر ہیں کہ گو اہل محمہ کو تکلیف ہو۔ غنم میں برباد ہو جائیں۔ نازی بھونے  
 لگیں لیکن وہ اس طرف اصلاً التفات نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ  
 عبادت مقصودہ تو نفس ذکر ہے، اور جہر فی نفسہ عبادت نہیں۔ ہر  
 اس میں بعض مصالح ہیں۔ تاثر قلب، تغلیل خطرات و نحو ذالک  
 لیکن اگر کسی کو ایذا پہنچے تو ایذا رسانی سے جو مضرت باطنی ہوتی ہے  
 وہ اس مصالحت سے زیادہ اشد ہے لہذا اس وقت اخفا ضروری ہے  
 رہا یہ کہ اگر مفاسد و مصالح دونوں قسم کے عوارض نہ ہوں۔ تو  
 فی نفسہ جہر اولیٰ ہے یا خفی تو احادیث سے اولیت خفی کی معلوم  
 ہوتی ہے۔ (التکشف)

## ریاضت و مجاہدہ کا بیان

عن فضالة الكامل قال قال  
رسول الله صلى الله عليه وسلم  
المجاهد من جاهد من نفسه  
في طاعة الله.

(رواه البيهقي)

حضرت فضالہ کامل سے روایت ہے کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد  
فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی  
اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے  
روایت کیا اس کو بیہقی نے (مشکوٰۃ شریف)

مجاہدہ نفس کو بزرگوں کے ملفوظات میں جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ اس حدیث سے  
اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کی ترکیب المجاہد الخ جس سے ظاہر اُحصر جنس  
مستفاد ہوتا ہے جو حصر کمال کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ کمالا یعنی علی اہل العلم  
(ترجمہ :- جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں) پس معنی یہ ہوتے کہ مجاہد کمال و مجاہد  
نفس ہے۔ تو ظاہر بات ہوتی کہ جہاد کمال جہاد نفس ہے اور کمال اور اکبر کے ایک ہی  
معنی ہیں۔ (التکشف ص ۴۳۹)

### ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت

مجاہدہ امور مقاصد (یعنی ضروری کاموں) میں سے ہے۔ کیونکہ امور بہ  
فی الشرع ہے (یعنی شریعت میں اس کا حکم ہے) نصوص میں جایجا مجاہدہ کا ذکر ہے  
پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہئے جو شریعت نے بتلائی ہے۔ (اس لئے) مجاہدہ تمام  
عبادات بلکہ تمام شریعت کی روح ہے۔ کیونکہ سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہی ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ مجاہدہ لغت میں مشقت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں مخالفت نفس کا نام مجاہدہ ہے۔ ————— کیونکہ مخالفت نفس میں تعب ضرور ہوتا ہے اور دین کا خلاصہ بھی مشقت ہی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک گونہ نفس کے اور پر پابندی لازم ہوتی ہے، اور نفس پر پابندی گراں ہے۔ وہ تو طبعی طور پر آزادی کا طالب ہے۔ اس لئے نفس پر اعمال دینیہ شاق ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے دین کا نام تکلیف ہے اور احکام شرعیہ کو احکام تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور عبد کو مکلف کہتے ہیں۔ تو مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق و عادت ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا و طاعت کے مقابلے میں نفس کی جانی و مالی اور جاہی خواہشات و مرغوبات کو مغلوب رکھا جاسکے جس کی قرآن نے جامع تعبیر جہاد بالنفس والا اموال سے فرمائی ہے اور اسی مجاہدہ پر ہدایت کا قطعی وعدہ ہے۔

الَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْنَا  
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا.  
(سورۃ عنکبوت)

جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے۔

(اشرف المسائل صفحہ ۳۴)

تو مجاہدے کی حقیقت ہے نفس کے اقتضاء کو رد کرنا تفصیل اس میں یہ ہے کہ اقتضائے نفس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو یقیناً مذموم ہیں یعنی خلاف شرع ہیں ان کی مخالفت تو ضروری ہے، اور بعض وہ ہیں جو یقیناً محمود ہیں جیسے فرض نماز روزہ اور بقدر ضرورت کھانا۔ پینا۔ کپڑا پہننا۔ ان کی مخالفت ضروری کیا ہوتی بلکہ موافقت ضروری ہے (اس قسم کے تمام ضروری امور بجا لانا ضروری ہے) اور بعض وہ ہیں جو یقیناً مذموم ہیں نہ یقیناً محمود ہیں بلکہ دونوں کو محتمل ہیں جیسے مباحات بلکہ بعض دفعہ مستحبات بھی ان میں تقلیداً مخالفت کرے یہ مخالفت

مستحب ہے مگر ایسا مستحب ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اسی مخالفت مستحبہ پر موقوف ہے جیسے بہت سونا بہت کھانا بہت عمدہ کپڑے پہننا بہت باتیں کرنا۔ لوگوں سے بہت ملنا جلنا۔ پس ان میں تعلیل کرے اور اگر تقاضا زیادہ ہو تو ان میں شیخ محقق سے رجوع کرے اگر وہ کہہ دے کہ تقاضا محمود ہے، تب تو مخالفت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ کہے کہ یہ تقاضا مذموم ہے تو اس کی مخالفت کی جائے اس لئے مطلقاً مخالفت نفس کا نام مجاہدہ نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس مامور بہ ہو۔ ورنہ نفس مطمئنہ (خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہ ہو) کو بعض اوقات مامور بہ کی رغبت ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) یقیناً مرغوبیت صلوة پر دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا ترک مطلوب نہیں اور مامور بہ ہوتا یہ وحی سے معلوم ہو گا تو مجاہدہ کا محل وحی سے متعین ہو گا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے (کمالات اشرفیہ)

منافع دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق جس سے توام بدن اور بقائے حیات ہے دوسرے حظوظ جو اس سے زائد ہیں۔ سو مجاہدہ دریاضت میں حظوظ کی تعلیل یا ترک کرایا جاتا ہے اور حقوق کو ضائع نہیں کیا جاتا کہ یہ خلاف سنت بھی ہے، حدیث شریف میں ہے ان لنفسك عليك حقاً (بے شک تمہارے نفس کا تم پر حق ہے) کیونکہ اس سے ضعف بڑھ جاتا ہے صحت میں خلل پڑتا ہے پھر ضروری اشغال و عبادات سے بھی عاجز ہو جاتا ہے۔ اس لئے ترقی باطن سے محروم رہتا ہے دوسرا امر یہ ہے کہ بزرگوں نے جو ریاضات و مجاہدات میں ترک لذات کیا ہے وہ بطور علاج کیا ہے جیسے کوئی ظاہری مریض بطور پریز کے کوئی قوی غذا چھوڑ دیتا ہے کہ مضر ہوگی اس کو عبادت اور موجب قرب الہی نہیں سمجھتا، اب ان پر اعتراض نہیں

ہو سکتا کہ یہ بدعت ہے ۔

" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ جو پاک چیزیں ہیں ، اللہ تعالیٰ نے تمہارے

لئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور نہ حد سے بڑھو "

کیونکہ بدعت اس وقت ہوتی ہے جب بطور تقرب ہو ورنہ خود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ۔

۔ یہ امرات میں ہے کہ جس چیز کی نفس خواہش کرے اس کو کھلے "۔

پس مقصود ان حضرات کا یہ تھا کہ تکثیر لذات سے نفس کی قوت بہیمیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور طاعات میں سستی اور کاہلی ہوتی ہے ۔ یا معاصی کا تقاضا کرنے لگتا ہے ، بعض اوقات اس وجہ سے لذات متردک ہو جاتی ہیں کہ غلبہ محبت الہی میں لذات کی طرف التفات نہیں ہوتا سو یہ ترک غیر اختیار ہی ہے نہ سنت ہے نہ بدعت (التکشف)

## مجاہدات و ریاضات کی ضرورت

صحابہ کرام رضو کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت لطف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تھی ۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم اور تابعین میں تھی مگر صحابہ سے کم لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور کمی کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات و ریاضات ایجاد کئے (ارواح ثلاثہ)

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف

ہیں نفس اس میں منازعت ضرور کرتا ہے ۔ قلیل یا کثیر ۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر

بھر ضرورت ہے ۔ مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو بھی نہ کبھی اعمال میں منازعت

نفس کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ اور منتہی کو کم ۔ اس کسل کو بھی رفع

کرنے کے لئے مجاہدے کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس معاصی کا تقاضا کرتا



ہے اس کے مقابلے کے لئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔ ایک غلطی تو مبتدی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں بلکہ اسی انتظار میں رہتا ہے کہ سارا کام بغیر مشقت کے ہو جائے اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتدا میں مجاہدہ کر کے آئندہ کے لئے مجاہدے سے اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ طبائع بشریہ پھر عود کرتے ہیں اور اس وقت منتہی کو معافی کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اس وقت اس کو بھی مجاہدے کی ضرورت ہے مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدے میں بڑا فرق ہے جیسے ایک تودہ سوار ہے جس کے نیچے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی ابھی سواری شروع کی ہے، اس کو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے کیونکہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ ہو چکا ہے اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں مگر ہوشیار بیٹھنے کی اس کو بھی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی کبھی بمقتضائے حیوانیت شوخی کرنے لگتا ہے۔ مگر سوار کی ذرا سی دھمکی اس کے دفع کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا تو کسی وقت یہ شائستہ گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا پس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔ (وعظ المجاہدہ)

## مجاہدے میں اعتدال

مجاہدے سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے اور راحت و تنعم کی عادت نکالنا ہے اور اس کے لئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے۔ نفس کو بہت زیادہ پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل (اور بیکار) ہو جائے گا۔ تو خوب سمجھو کہ محنت ہمیشہ مستحسن نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا

مرتب ہو اسی وقت مستحسن ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-  
 • یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جب وہ خسرت کر تے ہیں تو نہ اسراف  
 کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خسرت اس کے درمیان  
 میں معتدل ہوتا ہے“

پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہئے مگر اس اعتدال کو بھی اپنی  
 رائے سے تجویز نہ کریں بلکہ کسی محقق سے درجہ اعتدال اور طریق مجاہدہ  
 معلوم کریں۔ (وعظ الجسار ہدہ)

## مجاہدہ و ریاضت کے اقسام

مجاہدہ اور ریاضت کی دو قسمیں ہیں ایک مجاہدہ اختیاریہ۔ دوسرا مجاہدہ  
 اضطراریہ۔ جب کسی پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے تو اس کو مجاہدہ اضطراریہ  
 میں مبتلا کر دیتے ہیں اور صبر عطا فرما دیتے ہیں جس سے رفع درجات ہوتا  
 ہے۔ پس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود تفسیل لذات کو اختیار کرے (اس کو  
 مجاہدہ اختیاریہ کہتے ہیں) اور ایک یہ کہ خود تفسیل لذات نہیں کیا لیکن  
 حق تعالیٰ نے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا (اس کو مجاہدہ اضطراریہ کہتے  
 ہیں) مثلاً کسی کا بچہ مر گیا پھر اس نے صبر کیا اس سے رفع درجات ہوا۔ اس  
 آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ "وَلَسْتَبْلُوَنَّكُمْ... الثَّمَرَاتِ" الخ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تم کو خوف بھوک۔ مال۔ جان اور

پھلوں کی کمی میں سے کسی چیز کے ساتھ آزمائیں گے۔

تو اس مجاہدہ اضطراریہ میں بھی ثواب ملتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہے، کہ  
 فرماتے ہیں :-

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

”یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کا انعام اور رحمت ہے (مکالمات شریفہ)

ان مجاہدات اضطراریہ سے نفس کی تہذیب و تہیج ہو جاتی ہے، چنانچہ رنج و غم میں اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ ساری قول و افعال اور فرعون بے سامانی رخصت ہو جاتی ہے جو بات مجاہدہ اختیار یہ سے برسوں میں حاصل نہ ہو وہ ان مجاہدات اضطراریہ سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور نفس ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ مجاہدہ اختیار یہ میں تو فعل کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں انوار زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انوار کا ترتب عمل پر ہوتا ہے اور مجاہدہ اضطراریہ میں فعل کم ہوتا ہے۔ اس میں نورانیت کم ہوتی ہے، لیکن اس میں انفعال کا غلبہ ہوتا ہے، اس سے قابلیت میں قوت بڑھتی ہے اور اس انفعال اور قوت کی خود اعمال اختیار یہ کے راسخ ہونے میں سخت ضرورت ہے اس لئے بزرگوں نے ایسے مجاہدات بہت کرائے ہیں اور بعض اوقات مجاہدات اختیار یہ اور مجاہدات اضطراریہ دونوں موجود ہوتے ہیں تو یہ :-

نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ (النور)

یعنی نور پر نور ہے خدا جس کو مناسب سمجھتا ہے نور سے راہ دکھاتا ہے

اور اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے مجاہدوں کو جمع فرماتے رہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے

الْمَرءُ أَحَبُّ النَّاسِ أَنْ يُتْرَكَوَأ..... وَلَيَعْلَمَنَّ

الْكُذِبُ بَيْنَهُ (العنكبوت)

کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے ہم یقین لائے

اور ان کی آزمائش ایمان نہ ہوگی اور جو ان سے پہلے تھے ہم نے ان کی

بھی آزمائش کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ (ظاہر طور پر بھی) معلوم کر لیا

ان کو جو سچے ہیں اور ان کو جو جھوٹے ہیں۔

یعنی تم کو محض 'اَمْثَلُ كَيْفِے' پر نہ چھوڑا جائے گا بلکہ مجاہدات اضطراریہ سے تمہارے صدق و کذب کا امتحان کیا جائے گا۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اَمْرَحِبِّبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ... مَتَى نَصْرُ اللّٰهِ. (البقرہ)

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے ہو چکے کہ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑپوں لگنے، حتیٰ کہ رسول بھی،

اور وہ بھی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟

اس میں بہت لادباکہ مجاہدہ اختیار یہ کے ساتھ اضطراریہ کو جمع کیا کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ یعنی فراغت میں اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں۔ اس میں حالت ضَرَّاءِ (تنگی) میں انفاق یعنی خرچ کرنے کی ترغیب ہے جس میں دو مجاہدوں کا جمع ہے کہ فقر بھی ہے اور انفاق بھی ہے۔ ایک اضطراری مجاہدہ ہے ایک اختیاری۔ بہر حال یہ بات ثابت ہو گئی کہ مجاہدہ اضطراریہ و اختیاریہ کا جمع ہونا شریعت میں محمود اور مطلوب ہے۔ پھر اگر مجاہدہ اضطراریہ سے عمل میں قلت بھی ہو جائے اور محض فرائض و واجبات ہی پر اکتفا ہوتا رہے تب بھی مجاہدہ سے کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسافر و مریض کے لئے ان اعمال کا ثواب دکھا جاتا ہے جو وہ سفر و مرض سے پہلے کرتا تھا۔

(بلحاظ ارکان) مجاہدہ سے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے مثلاً تکثیر نوافل سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے کھانے کی حصر و وعیزہ کو کم کرنا۔

اور ایک مجاہدہ یعنی مخالفت نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت کا تقاضا کرے

اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا۔

اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی لیکن اگر بغیر مجاہدہ جہانی کے کسی کو نفس پر قدرت ہو جائے تو اس کو مجاہدہ نفسانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی واسطے صوفیاء نے مجاہدہ جہانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں۔ قلت کلام، قلت طعام، قلت منام اور قلت اختلاط مع الانام۔ جو شخص ان چاروں کا عادی ہو جائے گا واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو جائے گا کہ تقاضائے معصیت کو ضبط کر سکے گا اور مجاہدہ نفسانیہ یہ ہے کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کرنا یہ بات اس وقت حاصل ہوگی جبکہ نفس کی جائز خواہشوں کی بھی کسی حد تک مخالفت کیا کریں۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کے تقاضے کو روک دیا جائے اور کبھی کبھی سخت تقاضے کے بعد اس کی جائز خواہش پوری کر دی جائے تاکہ نفس پریشان نہ ہو جائے بلکہ اس کو خوش رکھا جائے اور اس سے کام بھی لیا جائے اس لئے ع

کہ مزدور خوش دل کتد کار بیش

تو جب مباحات میں مخالفت نفس کے عادی ہو گئے، اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہو گئے اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو روک نہیں سکتا۔

ریاضت نفسانی کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول اخلاق حمیدہ ہیں اور وہ چند مقامات ہیں مثل توبہ، صبر و شکر وغیرہ۔ قسم دوم اخلاق ذمیمہ ہیں اور وہ چند چیزیں ہیں مثل شہوت، حرص و غضب وغیرہ۔ (تعلیم الدین)

## مجاہدہ نفس

نصوص میں جا بجا مجاہدے کا ذکر ہے کہیں بصورت خبر کہیں بصیغہ امر چنانچہ ارشاد ہے **وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّا لَآلِهَةٌ جَاهِدُوا** وغیرہ وغیرہ ہیں اس کی تفسیر وہی ہونی چاہئے، جو شریعت نے بتلائی ہے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات شریعت کی اصطلاحات سے جدا نہیں ہیں پس اب اس غلطی کا منشا جہل کے سوا کچھ نہیں۔ لوگوں نے کتابوں میں خاص خاص لوگوں کے مجاہدات کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ پس یہی اس کی حقیقت ہے حالانکہ حقیقت شے اور چیز ہے اور اس کا طریق تحصیل دوسری شے ہے۔ حقیقت ایک ہوا کرتی ہے اور طریق تحصیل مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ پس لوگوں نے ایک غلطی تو یہ کی کہ مجاہدہ کی تفسیر اپنی طرف سے گھڑ لی، دوسری غلطی یہ کی کہ اس تفسیر فخریہ کو نصوص میں جاری کیا اور یہ سمجھے کہ **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** وغیرہ میں یہ ہی مجاہدہ مراد ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور یہ معنی طاقت سے باہر تھے تو کہنے لگے کہ دین پر عمل مشکل ہے چنانچہ یہ بات عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہے حالانکہ اس میں تکذیب ہے نصوص صریحہ کی حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** جس میں تصریح ہے کہ دین میں طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ حدیث شریف میں ہے :-

**الَّذِينَ يُسْرُّوْا دِيْنَاً يَسْرُّوْا دِيْنَاً** اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرْجٍ** خدا نے تم پر دین میں کچھ بھی تنگی نہیں کی مگر

عوام اس غلطی کی بناء پر ان نصوص کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دین آسان ہے پس یوں خیال کرتے ہیں کہ یہ خاص لوگوں کے واسطے آسان ہو گا۔ سب کے واسطے آسان نہیں حالانکہ نص میں نفساً عام ہے جس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بھی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی جس میں عام و خاص کا کوئی تفرقہ نہیں۔ نیز مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ میں خطاب سب کو عام ہے۔ مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، کیونکہ وہ تو مجاہدہ والا اس کو سمجھتے ہیں جو بیوی بچوں کو چھوڑ دے اور نفس کے ضروری حقوق کو بھی ادا نہ کرے حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ آزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ لِيَا كُلُّونَ الطَّعَامُ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ط اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بیوی بچے بھی ہوتے تھے اور وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بازار میں ضروریات کے لئے چلتے پھرتے بھی تھے اور ظاہر ہے کہ تمام ضروریات کی جڑ اولاد و ازواج ہی ہیں۔ ان کے لئے انسان کو سب سامان کرنا پڑتا ہے مگر بایں ہمہ انبیاء علیہم السلام ان سے الگ نہ تھے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مجاہدے میں انبیاء سے زیادہ کامل کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہو گیا کہ مجاہدے کی یہ حقیقت ہرگز نہیں کہ بیوی بچوں سے الگ ہو جائے اور ایک بڑی خرابی اس غلطی سے یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس مجاہدہ فخر سے میں اگر کوئی کامیاب ہو جائے تو پھر وہ اپنے کو دوسروں سے اکمل و افضل سمجھنے لگتا ہے اور جو لوگ اس کی طرح مجاہدہ نہیں کرتے ان کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ اول تو اسی امتیاز کا منشا وہ غلطی ہے جو اس نے مجاہدے کی حقیقت سمجھنے میں کی ہے۔ پھر دوسروں کو اس غلطی میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مجاہدہ

کی حقیقت اس نے صحیح سمجھی پھر اسے اپنے کو افضل و اکمل سمجھنے کا کوئی حق نہیں پس خلاصہ مجاہدے کا یہ ہوا کہ محرمات و مباحات میں نفس کی مخالفت کی جائے مباحات میں تو اس طرح کہ ہر بات پر عمل نہ کیا جائے بلکہ تھلیل کی جائے اور محرمات میں اس کی مخالفت اس طرح کہ ان کو بالکل ترک کیا جائے اور مجاہدہ کا یہ درجہ تو سب کے نزدیک واجب ہے یعنی محرمات سے بچنا اور اس کی ضرورت بہر مسلمان کے نزدیک مسلم ہے، بلکہ اصل حالت کے اعتبار سے تو اس کو مجاہدہ میں داخل کرنا بھی ٹھیک نہیں بھلا زہر سے بچنا بھی کچھ مجاہدہ ہے، مجاہدہ تو اسے کہتے ہیں جس میں نفس پر مشقت و گرائی ہو اور ظاہر ہے کہ اصل مشقت فطرت میں ان ہی کاموں کے ترک میں ہوتی ہے جن کی من جملہ اجازت ہے اور جن کا حرام ہونا معلوم ہے ان کے ترک میں مجاہدہ ہی کیا ہوتا مگر چونکہ قریب قریب ہر شخص محرمات میں مبتلا ہے اس لئے ترک محرمات میں بھی مجاہدہ ہو گا ورنہ اصل فطرت کے اعتبار سے تو اصل مجاہدہ یہی ہے کہ مباحات میں بھی نفس کی مخالفت کی جائے کہیں انہماک میں اور کہیں نفس فعل میں بھی کیونکہ بعض مواقع پر جب نفس کو مباحات سے رُکا جائے گا اسی وقت وہ محرمات سے بچ سکے گا کیونکہ مباحات کی سرحد محرمات سے ملتی ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جس جنگل میں شیر رہتا ہو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس سرحد کے پاس ہی نہ جاؤ اگر کوئی شخص جنگل کی حدود میں رہ کر شیر سے بچنا چاہے یہ اس کی حماقت ہے ممکن ہے کبھی غلطی سے حد کے اندر داخل ہو جائے اور شیر کا سامنا ہو جائے اس لئے سالکین کو مباحات میں انہماک سے بہت ہی احتراز چاہئے، اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ بیوی بچوں کو چھوڑنا اور گھر کو تالا لگانا یہ مجاہدہ نہیں ہے کیونکہ بیوی بچوں کی خبر گیری شرعاً فرض ہے اور مجاہدہ ترک فرائض کا نام نہیں بلکہ ترک محرمات اور کہیں ترک مباحات کا نام ہے اگر کسی شخص کو بیوی



سے محبت ہو جائے تو اس کے ازالہ کا حکم نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ محبت خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا  
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً  
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (الروم آیت ۴۱)  
(دعوت العبرہ صفحہ ۸۲-۸۳ - اثر المائل)

## مجاہدہ ثانیہ

حال :- علاوہ ازیں عرض یہ ہے کہ پچھلی حالت جس میں توجہ الی زیادہ تھی ان ایام میں تقاضائے معصیت بہت مغلوب تھا اور ایک گونہ جمعیت اور سکون اور یکسوئی حاصل تھی لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ بعض اوقات تقاضائے معصیت کا بہت غلبہ ہوتا ہے اور وہ پہلی یکسوئی نہیں رہی۔

مرغِ دل را صید جمعیت بدم افتادہ بود زلف بکشادی و باز از دست شد پنجر ما  
اور معاصی کے غلبہ کی یہ حالت ہے

نغاں از بیدیا کہ در نفس ماست کہ ترسم شود ظن ابلیس راست  
اس حالت سے جی بہت کڑھتا ہے اور جان گھلتی جاتی ہے۔ خدا کے لئے دعائے استقامت علی الصراط المستقیم فرما دیں ورنہ یہاں کچھ حال نہیں

ع چہ بر خیزد از دست و تدبیر ما

تحقیق :- یہ ہے وقت مجاہدہ ثانیہ کا۔ بعد مجاہدہ اولیٰ کے اور یہی ہے جس کے نہ جاننے سے ایک سالک کو شبہ رجعت کا ہو جاتا ہے، اور بیض اوقات بالوس ہو کر نوبت تعطل تک کی آجاتی ہے، حالانکہ یہ کمال سلوک

کے لوازم عادیہ سے ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ابتداء میں جوش کی زیادتی سے اور طبعیہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو توسط یا انتہا میں جوش کم ہونے سے وہ امور طبعیہ پھر عود کرتے ہیں کیونکہ ان کا زوال نہیں ہوا تھا صرف مغلوب ہو گئے تھے۔ اس عود کے وقت پھر مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس مجاہدہ سے میں تعب و کشاکش کم ہوتی ہے مگر عزم توجہ و ہمت و ضبط کی حاجت ہوتی ہے (ابو اور النوادر)

## مجاہدہ — فاعلہ مفید بلا خطر

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں حضرت علی کریم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا۔ سوال کیا کہ کیوں حضرت آپ کے زمانے کی نسبت اور اس زمانے کی نسبت میں کیا فرق ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانے میں تین چیزوں کی کثرت کرتے تھے نماز۔ تلاوت قرآن اور ذکر۔ اور اس وقت لوگوں نے صرف ذکر پر اتنا کر لیا ہے۔ انتہی

راقم نے غور کیا تو قرآن مجید کی آیت میں تینوں چیزوں کو جمع پایا ہے :-  
 اَتْلُوْا مَا اُوْحِيَ اِلَيْكُمْ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ط  
 اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَاَلْمُنْكَرِ  
 وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ  
 وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ط  
 (التکوٰت)  
 (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھ جو کچھ وحی کی گئی تیری طرف کتاب سے اور قائم کر نماز کو بیشک نماز بے حیالی اور بُری چیزوں سے روکتی ہے، اور بیشک اللہ (تعالیٰ) کا ذکر بڑی چیز سے اور اللہ (تعالیٰ) جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

بلکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب غائباً صحابہ و تابعین میں حصول نسبت کے لئے اسی نماز و تلاوت و دیگر اورداد کی کثرت بشرط خشوع و تدبیر کافی تھی۔ ان اشغال متعارفہ کی ان کو حاجت نہ تھی۔ (تعلیم الدین)

## تَحْلِيَةٌ وَتَحْلِيَةٌ

(طریق تکمیل) تکمیل کے دو درجے ہیں ایک تَحْلِيَةٌ اور ایک تَحْلِيَةٌ۔ یا ایک تَحْلِيَةٌ اور ایک تَحْلِيَةٌ۔ تَحْلِيَةٌ میں بھی تَحْلِيَةٌ ہی ہوتا۔ جیسے برتن کو پہلے میل کچیل سے صاف کرتے ہیں پھر اس پر قلعی اور دوسرا کام کرتے ہیں۔ تَحْلِيَةٌ کے معنی لغت میں آراستہ کرنا ہے۔ اور اصطلاح صوفیہ میں یہ ہے کہ سالک اپنے کو اخلاق حمیدہ اور تعلق مع اللہ سے آراستہ کر لے جس کا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونا ہے اور تَحْلِيَةٌ کے معنی لغت میں خالی کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں سالک کا اپنے آپ کو اخلاق ذمیرہ سے پاک کرنا ہے اور غیر اللہ سے تعلق منقطع کرنا ہے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک کے لئے تَحْلِيَةٌ اور تَحْلِيَةٌ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تَحْلِيَةٌ کو مقدم کیا جائے یا تَحْلِيَةٌ کو۔ مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں بعض تَحْلِيَةٌ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تَحْلِيَةٌ کرتے ہیں بعض تَحْلِيَةٌ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تَحْلِيَةٌ کرتے ہیں اور ہر دو طریق سے کامیابی ہوتی ہے، مگر اب صوفیاء کی رائے مختلف ہو گئی ہے بعض کے یہاں صفات حمیدہ اور تعلق مع اللہ پہلے پیدا کیا جاتا ہے پھر ذمہ کی اصلاح کی جاتی ہے اور بعض کے یہاں صفات مذلیلہ اور تعلق غیر کو اول قطع کیا جاتا ہے پھر صفات حمیدہ اور تعلق مع اللہ پیدا کیا جاتا ہے اور ہر فریق نے اپنی تائید کے لئے قرآن سے بھی استنباط کیا ہے فریق اول اس آیت کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے **وَإِذْ كُنَّا نَسْتَمِعُ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا** دیکھئے اس آیت میں ذکر اللہ کا حکم مقدم کیا گیا ہے جو تَحْلِيَةٌ ہے اور تبتل یعنی قطع تعلقاً غیر کو موخر کیا گیا ہے اور یہی تَحْلِيَةٌ ہے تو اس آیت میں تَحْلِيَةٌ کو تَحْلِيَةٌ پر مقدم کیا گیا۔

دوسرا فریق یہ آیت پیش کرتا ہے **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** کہ اس آیت میں استعانت بالصبر کو مقدم کیا گیا ہے اور صبر کے معنی ہیں كف النفس

عن المعاصی یعنی نفس کو معاصی سے روکنا اور یہی حاصل ہے تخلیہ کا، اور استغنا  
بالصلوٰۃ کو موخر کیا گیا ہے جو کہ تخلیہ کی قسم میں سے ہے تو اس آیت میں تخلیہ کو تخلیہ  
پر مقدم کیا گیا ہے۔ مگر اس میں قول فیصل یہ ہے کہ نہ تخلیہ کو مطلقاً مقدم کیا جاتے  
اور نہ تخلیہ کو۔ بلکہ دونوں کو دردمش بدوش چلنا چاہئے تاکہ ساتھ ساتھ تخلیہ اور  
تخلیہ دونوں ہوتے رہیں۔ اگر تخلیہ کو مطلقاً مقدم کیا گیا تو بعض دفعہ  
ذات اہل ایسے قوی ہوتے ہیں کہ سارا تخلیہ بیکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص  
سر سے پاؤں تک گندگی میں بھرا ہوا ہو، تو اس کے بدن پر عطر لگانا بیکار  
ہے، وہ عطر کو بھی لے ڈو لے گا۔ اسی طرح اگر تخلیہ کو مقدم کیا گیا تو اتنا زمانہ تخلیہ  
کے برکات سے خالی جائیگا پھر ممکن ہے کہ تخلیہ میں دیر لگ جائے اور کوتاہی عمر کی  
وجہ سے تخلیہ کی نوبت ہی نہ آئے۔ تو یہ شخص تعلق مع اللہ سے بالکل ہی محروم رہے گا اس لئے  
محققین کی اب یہ رائے ہے کہ تخلیہ اور تخلیہ ساتھ ہونا چاہئے۔ چشتیہ کے یہاں پہلے تخلیہ مقدم تھا اور  
اب ان کے یہاں تخلیہ کے ساتھ ساتھ تخلیہ کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے، مگر پہلے یہ حالت تھی کہ برسوں  
مجاہدات کراتے تھے پھر مدت کے بعد بارہ تسبیح وغیرہ تعلیم کرتے تھے اور نقشبندی پہلے ہی دن  
ذکر تعلیم کر دیتے تھے ان کے یہاں تخلیہ مقدم تھا۔ بعد میں تخلیہ کراتے تھے اور اب گودونوں سلسلہ  
کے محققین کی رائے بدل گئی مگر چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ غالب ہے اور نقشبندی کے مذاق  
پر تخلیہ غالب ہے۔ مگر باوجود اس کے اہل تربیت جو محقق ہیں اس میں طالب کے مذاق پر  
زیادہ مدار رکھتے ہیں جس کو وہ اپنی خداداد بصیرت سے تشخیص کر لیتے ہیں۔

تو اب الحمد للہ جو محقق ہیں وہ تخلیہ اور تخلیہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں چشتیہ و نقشبندی  
دونوں طریقوں کو ملا دیا۔ بس اب وہ حال ہو گیا۔ مَسْجِحُ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ  
دونوں دریاؤں کو ساتھ ساتھ لئے جا رہے ہیں اب جس دن یہ شخص فارغ ہوگا، وہ  
نقشبندی بھی ہوگا اور چشتی بھی۔ دونوں طریق کا فاضل ہوگا۔

(تقلید الکلام، اشرف المسائل ص ۷)

## نماز کسل کے ساتھ ادا کرنا بھی مجاہدہ ہے

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں۔ نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے اور یہاں سے بعض وعظمتیں کی غلطی معلوم ہو گئی کہ وہ یہ آیت یعنی *وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالِيٍّ* (اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو پھر بھی یہ کسل وہ کسل نہیں ہے جو منافقین کی شان تھی یہ تو کسل طبعی ہے، اور طبعی کسل اعمال شرعیہ میں مخلصین کو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اعمال نفس پر گراں ہیں نفس ان میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اور اعمال شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہوتا آیت *وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ* اور اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں، یہاں بات ہے کہ منازعت نفس کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے، کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شرعیہ میں نفس کی خواہشوں کو پامال کیا جاتا اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں ہے، تو اس منازعت و کشاکش کی وجہ سے دشواری آجائے۔ *فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ* اور اس میں *وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ* سے پہلے *وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ* (اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو) بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ سے کی بھی ضرورت ہے پس ایک ہی جزو کو مرتد دیکھو۔ دونوں جزو کو ملاؤ۔

تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے۔ اب سنئے ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشاء  
منازعت نفس ہے، یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں اور ایک اعتقادی کسل ہے کہ اس  
شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا اور رسول پر ہی ایمان نہیں ہے، محض کسی مصلحت کی  
وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نماز نہ پڑھے گا، بلکہ بیگاریسی ٹلے گا  
اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔ یہ کسل منافقین کی شان ہے، اور خدا نہ کرے کہ کسی  
مسلمان کی ایسی شان ہو۔

بہر حال اعمال شرعیہ میں مجاہد سے کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے مبتدی کو کبھی اول  
منہی کو کبھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل پیش آتا ہے۔  
مبتدی کو زیادہ منہی کو کم۔ اس کسل ہی کے رفع کے لئے مجاہد سے کی ضرورت ہے۔  
(السید الخ)

## مقاومت نفس میں سہولت کا طریقہ

ارشاد: بعض کو یہ دیکھ کر کہ استعمال اختیاری میں اپنی سی پوری کوشش کر رہے  
ہیں سہولت مقدار مت نفس کی تدبیر چھتے ہیں اس پر ارشاد فرمایا کہ گو سہولت کی تدبیر بتانا  
مصلح کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ بتکلف نفس کی مخالفت کرتے رہنے  
سے پھر رفتہ رفتہ داعیہ ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کی مقدار مت سہل ہو جاتی ہے غرض  
جو تدبیر تحصیل ہے وہی تدبیر تسہیل بھی ہے لیکن یہ قاعدہ اکثر ہی ہے کلی نہیں بعض کو عمر بھر  
مجاہدہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ غرض طالب کو اپنی طرف سے عمر بھر مجاہد سے ہی میں گزارنے کے  
لئے تیار رہنا چاہئے اور مجاہد سے ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد  
ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ اور مجاہد سے ہی سے تو اجراء درقرب بڑھتا  
ہے اور جن کو مجاہدات کی سہولت ہو جاتی ہے ان کو کبھی برابر مجاہد سے کا اجر ملتا رہتا  
ہے کیونکہ یہ سہولت مجاہدات ہی کے سبب سے تو ہوتی ہے۔ (ارشاد السوانح حصہ دوم ص ۱۱۱)

# مراقبہ

## ماہیت و حقیقت

حق تعالیٰ کی ذات و صفات، یا کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے معضات پر عمل ہونے لگے تدریجاً تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور موافقت کے ساتھ رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے جو اعمال معصومہ قلب میں سے ہے (التکشف صفحہ ۳۲۳-۳۳۷)

ان مراقبات سے ناقص تصور راسخ ہو جاتا ہے اور اسی رسوم میں مشائخ عوام سے ممتاز ہیں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۸۷)

مراقبہ کے متعلق دو چیزیں اور ہیں۔ ایک مشاغل کہ مراقبہ سے پہلے ہے دوسرے محاسبات جو مراقبہ کے بعد ہے۔ مشاغل یہ کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب فہمائش کرے کہ دیکھو فلاں فلاں کام کیجیو،

فلاں فلاں مت کیجیو۔ اس کے بعد مراقبہ یعنی نگہداشت اس معاہدے کی رکھنا۔ جب دن ختم ہو۔ پھر سوتے وقت محاسبہ کرے۔ یعنی صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہیں ان کو تفصیلاً یاد کرے جو نیک کام کئے ہوں ان پر شکر الہی بجالائے، جو بُرے کام کئے ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہو گئی ہو اس پر نفس کو ملامت و زجر و توبیح کرے اور اگر خالی زجر و توبیح کافی نہ ہو تو کچھ سزا بھی تجویز کر کے عمل درآمد کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ  
لِغَدٍ۔

چاہئے کہ دیکھ بھال لے ہر شخص کہ کل  
قیامت کے لئے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔

(تعلیم الدین ص ۸۴)

## مراقبہ محبتِ حق

یہ مراقبہ کیا کرے کہ حق تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں۔ یہ مراقبہ بھید مفید ہے اس سے بندے کے قلب میں بھی حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو مگر جہاں یہ مراقبہ کیا ساری پریشانی رفقہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب یہ یقین کرے گا کہ جب اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے تو اس مصیبت میں ضرور میرا کچھ فائدہ ہی ہوگا ورنہ محبت میں محبوب کو کون تکلیف دیتا ہے۔ (القول الجلیل ص ۱۹ ج ۲۔ شریعت و طریقت)

## حدیث اَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ كَاِصْحٰحِ مَطْلَبٍ

سوال (الف)۔ وساوس نماز میں جو بندہ کے دل میں آتے ہیں اکثر وقت میں تو بلا اختیار دل ادھر لگا رہتا ہے پھر جب معلوم کر لیتا ہوں اس سے پھر جاتا ہوں۔ پھر کچھ دیر کے بعد ایسا ہو جاتا ہے پھر تپہ لگا اس سے پھر جاتا ہوں اس طرز سے اکثر وقت گذرتا ہے، اور بعض وقت اختیار سے بھی ہو جاتا ہے یعنی جب کوئی خیال دل میں آیا دل کو اس سے سنبھال نہ سکا۔ بار بار دل اس طرف رجوع ہو جاتا ہے۔

(ب) دیگر یہ کہ حدیث اَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ الحدیث کا مطلب بندہ گندہ کے سمجھ میں یہ آیا کہ خدا کی عبادت کرو تم اس طریقے سے کہ خدا کو تم دیکھتے ہو۔ جناب من میں خدا کو کس طرح سے دیکھوں، خدا تو ہمارے دیکھنے اور جسم و صورت سے بھی پاک ہے جو میں تصور کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ حاکم کے اجلاس وغیرہ میں حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر رو برو بات کی جاتی ہے اور عرض کیا جاتا ہے تو اس خیال میں تو اشکال ہے اور اگر یہ خیال دل میں نہ آئے کہ یہی تو خدا ہے ہمارا، ہمارے سامنے موجود ہے ہم کو دیکھتا ہے کہ کیا کرتا ہوں اور



کیا کہتا ہوں (دیکھتا سنتا ہے)۔ تب خدا کی رغبت اور ہیبت دل میں نہیں آتی۔ دیگر یہ کہ خلوص کے معنی بندہ کی سمجھ میں یہ آتے کہ سرفراغندہ جو خدا کے سامنے کھڑا ہوا ہوں اس میں خدا کے علاوہ کسی قسم کا خیال اور کسی طرح کی بات اور کسی صورت کا خدشہ دل میں نہ آتے۔ بس میں ہوں اور خدا ہے گویا کہ دنیا میں اب کوئی اور کچھ نہیں۔ بندہ کے حال پر کرم کر کے نورِ اصلاح سے منور فرمائیں۔

تحقیق۔ (الف) عبد اپنے حقِ اختیاری ہی تک مکلف ہے۔ اور اختیار اسی قدر ہے کہ حدیثِ نفس کو قصد و ارادہ سے نہ لادے اور جب بلا قصد و ارادہ آجاوے اس کو دفع کر دے اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ کسی دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جائے

جس کو عبادت سے تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہو جاوے۔ خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لیا جاوے کہ گویا میں حق تعالیٰ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کرو۔ وہ اگر پسند کے موافق ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی۔ تیسرے یہ کہ یہ فرض کر لے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے۔ شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جاوے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ گویا غانہ کعبہ میرے سامنے ہے۔ اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آرہی ہیں اور جتنی ابھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ قائل ہوں گی۔ پانچویں یہ کہ جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے۔ خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یا د سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادے سے پڑھے یا شیخ کامل اور کسی ایسی ہی چیز کا تصور بخوبی کر دے اس کا استعمال کرے۔ ان تدابیر سے وہ دوسرا جو بلا اختیار آئے تھے دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طریق کی مشق نہ ہو۔ کبھی کبھی یہ تصورات زائل اور دوسرا دس پھر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج

یہ ہے کہ جب تنبیہ ہو فوراً اس توجہ کی تجدید کر لی جاوے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادات کو رسوخ ہو جائے گا اور اگر اس رسوخ میں دیر ہو تو گھبرائے نہیں۔ اس عمل کو جاری رکھے کیونکہ بندہ رسوخ کا مکلف نہیں۔ عمل کا مکلف ہے۔ حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہوگی۔

(ب) یہ مطلب نہیں کہ تم یہ تصور کرو کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہوں تاکہ یہ اشکالات لازم آئیں۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو عبارت حدیث کی یوں ہوتی۔ ان تعبد اللہ و تقدس انک تراہ۔ مگر عبارت یہ ہے کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ اور کان تشبہ کے لئے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوتے ان تعبد اللہ حال کانک مشابہاً بانک تراہ یعنی گو تم خدا تعالیٰ کو دیکھ

نہیں سکتے لیکن اگر فرض کر لیا جاوے کہ تم خدا تعالیٰ کو واقع میں دیکھتے تو اس وقت عبادت کیسی کرتے ظاہر ہے کہ نہایت مکمل عبادت کرتے اور عبادت کے پورے حقوق ادا کرتے جیسا کہ حاکم کو دیکھنے کا طبعی مقتضا ہے بس اب نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اسی حالت مذکورہ کے مشابہ عبادت کرو۔ اب ایک اشکال تھا کہ جب خدا کو ہم دیکھتے نہیں تو دیکھنے کے مشابہ عبادت کیسے ہو سکتی ہے وہ تو مخصوص اسی حالت کے ساتھ ہے۔ آگے اس حکم کی ایک علت بیان فرما کر جواب دیدیا کہ ایسی مکمل عبادت صرف حاکم کے دیکھنے ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس حالت کو اور ایک دوسری حالت کو دونوں کو عام ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ حاکم تم کو دیکھتا ہو تب بھی ایسی عبادت ہوگی چنانچہ مشابہہ شاہد ہے کہ اگر حاکم کسی کام کا حکم دے اور خود ایسی جگہ کھڑا ہو کہ کام کرنے والا اس کو نہ دیکھے اور وہ اس کو دیکھے اور اس دیکھنے کی اس کو خبر بھی نہ ہو تب بھی ایسا کام کرے گا۔ اس جواب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فاتے علت کے ساتھ مندرمایا فان لم تکن تراہ فاندرک یعنی ایسی عبادت کا حکم جو کہ مشابہہ اس حالت کے ہو کہ حاکم کو دیکھتے ہو اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تکمیل عمل و ادائے حقوق میں اس کا بھی وہی اثر ہے جو اس پہلی حالت کا ہے۔ اب سوال کے اشکالات میں سے ایک اشکال

بھی متوجہ نہیں ہوتا اور سوال میں جس خیال کو رغبت و میلیت کی شرط ٹھہرایا ہے یہ اس کے منافی بھی نہیں بلکہ یہ وہی خیال ہے جس کو جواب میں پہلی صورت قرار دی گئی۔ اسی طرح سوال میں جو خلوص کی تفسیر کی ہے وہ بھی یہی صورت اولیٰ ہے۔ کسی قدر عنوان کے اختلاف سے اور اصل معنوں احسان ہے جو مترادف ہے اخلاص کا یعنی نیکو کار نیکی عبادت، کیونکہ اخلاص یہی نیکو کاروں اور عبادت گزاروں کا ہے۔ (النور صفحہ ۱۲۵ھ) تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۳۷-۳۸-۳۹

## مراقبہ موت

لذات کو مٹانے والی شے یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو۔ (حدیث شریف)  
 آدمی تھوڑا دیر بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں جانا ہے وہاں سانپ بچھو یا جنت کے باغ ہیں۔ اگر اچھے عمل ہیں تو قبر باغ ہے اور اگر بُرے عمل ہیں تو پھر عذاب ہے۔ اس کے بعد پھر قبر سے زندہ ہو کر اٹھتا ہے، اور حشر میں حساب کتاب کے لئے پیش ہوتا ہے اور بل صراط پر چلتا ہے۔ اس طرح تمام واقعات قیامت کے یاد کر لیا کرے۔ جب یہ مراقبہ صحیح ہو جائے گا تو پھر بھول کر بھی گناہ نہ کر سکے گا انشاء اللہ تعالیٰ، (وعظ ذکر الموت)

مراقبہ موت اور بعد الموت حالات قبر و قیامت کے سوچنے سے جو ذل میں خوف پیدا ہوتا ہے وہ عین مطلوب ہے کیونکہ معین آخرت ہے لیکن اگر اس کے قصداً استحضار سے کوئی جسمانی مرض ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزانہ یہ مراقبہ نہ کرے جب کبھی غفلت زیادہ ہو اس وقت کر لیا کرے۔ (انفاس عیسیٰ)

اگر موت کے سوچنے سے دل گھبرائے تو پھر حیات کا مراقبہ کرے۔ اس دنیا کی حیات سے آخرت کی حیات جو خیر بھی ہے، باقی رہنے والی بھی ہے اور زیادہ لذت و لطیف ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

عذاب آخرت کا سوچنا تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ اس سے کلفت اور کدورت نہیں ہوتی بلکہ اس فکر سے قلب میں نورانیت اور انشراح ہوتا

ہے، جس کا راز یہ ہے کہ اس فکر سے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور تعلق ہو جاتا ہے اور تعلق مع اللہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: جس نے تمام غموں کو ایک غم بنا لیا اور وہ ہے آخرت کا غم، تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی غموں میں کافی ہو گا (یعنی صبر کرنے پر اجر کا وعدہ ہے) اور جس نے مختلف غموں کو اپنے اوپر سوار کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرزواہ نہیں کہ وہ کبھی وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (الفاس عینی)

## مراقبات محض علاج ہیں

حال :- یہ جو انواع و اقسام کے مراقبات توحید و تصورات و تمثیلات تشبیہی عارفین نے مقرر فرمائے ہیں اس سے محض استحضار اور توجہ الی اللہ مقصود ہے یا اور کچھ - احقر کا گمان ہے کہ غرض ان مراقبات توحید اور ہمہ اوست وغیرہ سے اپنی ہستی کی فنا اور اضمحلال اور حق تعالیٰ کا اثبات اور استحضار ہے۔

جواب :- جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے یہ سب حیل اور علاج ہیں مقصود صرف توجہ الی اللہ ان تمام اشغال سے ہے اور جب توجہ الی اللہ میسر ہو جائے تو پھر ان تصورات کی حاجت بھی نہیں چونکہ مجرد تصور ہر شخص سے ہو نہیں سکتا اس لئے یہ سب طریق مقرر فرمائے گئے ہیں۔ (مریبت السالک حصہ دوم)

# تفکر

## حقیقتِ تفکر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :-

وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ  
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (ابراہیم)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ کچھ فکر کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فَأَشْرُوا مَا يَبْقَىٰ عَلَيَّ مَا يَفْنَىٰ (رداہ احمد)

بس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی چیزوں پر اختیار کرو

دو معلوم چیزوں کا ذہن میں حاضر کرنا جس سے تیسری بات ذہن میں آجائے اس

کا نام تفکر ہے مثلاً ایک بات یہ جانتا ہے کہ آخرت باقی ہے۔ دوسری بات یہ

جانتا ہے کہ باقی قابل تزیح ہے۔ ان دونوں سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آخر

قابل تزیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

إِنِّي فُيُخَلِّقُ السَّمَوَاتِ ..... عَذَابِ النَّارِ (الآیۃ)

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں

اہل عقل کے لئے دلائل ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ (ہر حال میں دل سے بھی اور

زبان سے بھی) کھڑے بھی بیٹھے بھی لیئے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور

زمین کے پیدا ہونے میں غور و فکر کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار اپنے اپنی اس مخلوق کو

لا یعنی پیدا نہیں کیا (بلکہ ان میں حکمتیں رکھی ہیں ہم آپ کو پاک اور منزه سمجھتے ہیں سو ہم کو

روزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔

اس سے صاف تعلیم ہے کہ خلق السموات والارض میں اس غرض سے تفکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کا علم ہو کہ یہ فضول پیدا نہیں کئے گئے پھر اس سے امکان وقوع معاد (آخرت پر استدلال کر کے جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ مانگنا چاہئے) یعنی اعمال صالحہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اسی لئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے :

كان دائم الفكرة متواصل الاحزان

کہ آپ ہمیشہ فکر و سوچ اور غم میں رہتے تھے اس فکر و غم کا یہ اثر تھا کہ آپ کبھی کھل کر نہ ہنستے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کان جل ضحکہ التسم کہ آپ کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا تھا کہ آپ تسم فرمالتے تھے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر سے تسم فرمالتے تھے۔ ورنہ جس کے سامنے وہ احوال شدید ہوں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف تھے اس کو تسم بھی نہیں ہو سکتا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اگر تم وہ باتیں جانتے جو مجھے معلوم ہیں، تو بہت کم ہنستے اور زیادہ رو دیا کرتے یعنی بالکل نہ ہنستے۔ (شریعت و طہارت)

## تفکر کی ضرورت

حضرت علی نے ارشاد فرمایا

ایسے قرآن مجید پڑھنے میں

کوئی (مقصد بہ) نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو

اور نہ ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو

عن علی قال لا خیر فی قراءۃ

لیس فیہا تدبر ولا عبادۃ

لیس فیہا فہمہ

صوفیا کے طریق کا مدار اعظم یہی فکر ہے (لہذا) خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکابر کو

(بھی) فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہئے۔ مثل متبیدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے۔ فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے سوچنے کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمائی۔ کہ ہے تو مختصر مگر تمام پرزوں کی حرکت اسی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سوچنے سے دین کے قلعے فتح ہوتے ہیں۔

سارا قرآن مجید فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے۔ قیامت کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کو قیامت کے امکان کو سمجھنے کے لئے ملکوت السموات والارض میں نظر کرنا چاہئے ایک جگہ ارشاد ہے لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اللہ تعالیٰ یہ احکام صاف صاف اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو۔ یعنی دنیا و آخرت میں موازنہ کے لئے تفکر کرو کہ ان میں اختیار کرنے کے قابل کون ہے اور کون قابل ترک ہے۔ اہل اللہ نے دنیا میں فکر کر کے ہی اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اسی لئے دنیا سے ان کو نفرت ہے۔

### طریق فکر

نور ایمان کے کامل کرنے کا طریقہ ذکر و فکر ہے جس کو (اللہ تعالیٰ) نے اس

عنوان سے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

ہر شخص یہ دیکھتا (اور فکر کرتا) رہے  
کامل کے واسطے کیا سامان کیا ہے۔

يَعْبُدُ۔

یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے کہ آج دن میں کتنے نیک کام ہوئے جو نیک کام ہوئے ہیں ان پر خدا کا شکر کرے اور جو گناہ ہوئے ہیں ان سے توبہ استغفار کرے۔ جو بات کہے سوچ کر کہے جو کام کرے پہلے اس کے انجام کو سوچ لے مراقبات کرے (بالخصوص مراقبہ موت) اور اگر موت کے سوچنے سے کسی کا دل گھبراوے

تو حیات کو سوچے کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے جو خیر بھی ہے۔ البقی (باقی رہنے والی) بھی ہے الذ (بہت لذیذ) بھی ہے۔ اسٹی (بہت زیادہ پسندیدہ) بھی ہے۔ یوں تصور کرے کہ میں آسمان پر پہنچا ہوں۔ خوریں ہیں۔ باغ و تصور کی سیر کر رہا ہوں۔ پھر یہ خیال کرے کہ یہ چستریں جب ملیں گی جب خدا کے حکم کی پابندی کروں گا اس سے لالچ اور رغبت پیدا ہوگی اور اعمال صالحہ سرزد ہوں گے۔

### طریق تحصیل

دونوں چستریوں (یعنی دنیا اور آخرت کی حقیقت) کا ذہن میں حاضر کرنا (تفکر کی تحصیل کا طریق ہے۔) ماخوذ شریعت اور طریقت صفحہ ۱۰۷-۱۰۶ اور تعلیم الدین

### فکر اور مراقبہ دونوں مطلوب ہیں

حال :- دوسری بات یہ ہے کہ گاہ گاہ جب دماغ پر تعب کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اس وقت نفس پر گراں بھی گزرتا ہے کہ زبان سے آہستہ آہستہ لفظ اللہ یا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا جاوے پس ذکر کا تصور فوراً متا ہے مگر زبان کو حرکت نہیں ہوتی۔ کیا ایسا ذکر بھی مفید اور موجب اجر ہے۔

تحقیق :- یہ ذکر فرد ہے فکر کی یا مراقبہ کی اور دونوں شرعاً مطلوب ہیں فکر تو جایا نصوص میں مذکور ہے اور مراقبہ بھی ایک حدیث میں ہے راقب اللہ تجدد تجاھك۔ گو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فکر اور مراقبہ قضا یا کے ساتھ خاص ہو مگر اطلاق سے ظاہراً عموم معلوم ہوتا ہے۔ (ترتیب السالک جلد دوم صفحہ ۳۵)

### استغراق

لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی (آپ کی صاحبزادی کی طرف اشارہ کر کے جو آپ کے ساتھ جا رہی تھیں) آپ کی ہے۔ تو آپ



بہت غور سے اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے  
یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔  
(طریق القلندر ص ۳۹)

کیفیت استغراقیہ جو حضرات صوفیہ سے متوسطین کو حاصل ہوئی ہے کوئی بڑا  
کمال نہیں ہے۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھ رہے ہیں اگر استغراق بڑا مرتبہ ہوتا تو آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد صادر نہ ہوتا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں  
مگر نماز میں کسی بچے کی آواز سن کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو اس  
سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کو استغراق نہ ہوتا تھا البتہ محمود ضرور ہے (بشرطیکہ اس  
استغراق سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو) (مقالات حکمت صفحہ ۸۷)

## توجہ و تصرف

توجہ (تصرف) کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ  
دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق و شوق، محبت حق، خوف وغیرہ پیدا ہو جائے  
اس کے واسطے دعا کر دے۔ اس کا لاکچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف  
مصطلح ہے۔ وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا،  
اس میں تصور بقصد تصرف ہوتا ہے یہ گوجائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں اور اس میں  
فاعل قوت برقیہ ہوتی ہے جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے، جیسا کہ زمین میں  
بھی یہ قوت بہت ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر ہوتا ہے۔ مسمریزم اور توجہ متعارف  
کا منشا و ماخذ ایک ہے۔ ایک بڑی جگہ صرف ہوتا ہے اور ایک اچھی جگہ۔ صرف اتنا  
ہی فرق ہے اور یہ مشق پر موقوف ہے اس لئے مشق کی جاتی ہے کہ دوسروں پر

نسبت کالقاء کریں گے بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے، مگر اس کا نفع باقی نہیں رہتا۔ طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی جانتا ہے اس لئے کام چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں چند خلیجان ہیں۔ اول تو سنت میں منقول نہیں دوسرے اس سے اکثر کو کام میں سُستی ہونے لگتی ہے اگر خود دوسرے پر اثر پڑے اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ مطلق نہیں رہتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یوں معمولی بات چیت میں بھی توجہ الی اللہ نہیں ہوتی تو جواب یہ ہے کہ یہ اس سے اشد ہے، کیونکہ اس سے قلب کو قصداً خالی کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹانا غیرت کی بات معلوم ہوتی ہے حلقہ متعارف میں یہی ہوتا ہے بس مسنون طریقہ اصلاح کا وعظ نصیحت دُعا ہے اور توجہ تام حق تعالیٰ کا حق ہے البتہ اس کے کچھ آداب ہیں۔ (تصوف و سلوک)

## توجہ متعارف کے متعلق

ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اپنے ہی فکر سے فرصت نہیں دوسروں کی طرف ہر وقت متوجہ رہنے کی مجھے کہا تو فریق اور میں تو اس توجہ متعارف کو تکلف ہی سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف تفسیریں بھی کیا کرتا ہوں اور اگر اس میں نفع رسانی کی نیت ہو تو میں اس کو جائز سمجھتا ہوں اور اسی بنا پر توجہ دینا بعض بزرگوں کا معمول بھی رہا ہے لیکن جس طریق سے رائج ہے وہ طریق سنت میں منقول نہیں۔ اور مجھے تو باوجود جائز سمجھنے کے توجہ متعارف سے طبعی توجش ہے جیسے ادھڑی سے کہ گو حلال ہے لیکن بعض طبیعتیں اس کو قبول نہیں کرتیں مجھے تو اپنی توجہ کو سب طرف سے ہٹا کر ایک خاص شخص کی جانب جو مخلوق ہے ہمہ تن متوجہ ہو جانے میں غیرت آتی ہے کیونکہ یہ حق تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ سب

طرف سے توجہ کو ہٹا کر بس اسی ایک ذات واحد کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے البتہ ولسوزی اور خمیر خواہی کے ساتھ تعلیم کرنا اور دل سے یہ چاہنا کہ طالبین کو نفع پہنچے اور ان کی دینی حالت درست ہو جائے یہ توجہ کا ماثر طریق ہے اور یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور نفع اور برکت میں بھی توجہ متعارف سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس کے اثر کو بھلا ہے یہ خلاف توجہ متعارف کے کہ اثر بس اسی وقت ہوتا ہے پھر کچھ نہیں۔ جیسے تنور کے پاس جب تک بیٹھے رہے بدن گرم رہتا ہے اور جب ذرا وہاں سے اٹھے اور ٹھنڈی ہوا لگی بس بدن پھر وہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا۔ اور جو توجہ کامنوں طریق ہے اس کے اثر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کشتہ طلا یا سنگھیا بدتر استعمال کر کے اپنی حرارت غریزی کو بڑھا لیا ہو، تو اگر وہ شملہ پہاڑ پر چلا جائے تب بھی وہ حدت بدستور باقی رہے گی۔

(اشرف السواخ ص ۱۶ حصہ دوم)

## کشف

### حقیقت کشف

کثرت ذکر اور اجتناب عن المعاصی۔ اتباع احکامات الہیہ اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کیفیت باطنی میں لطافت پیدا ہوتی ہے اس سے قلب سالک پر سے حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں۔ اس کو کشف کہتے ہیں۔

کشف دو طرح سے ہے کشف کوئی اور کشف الہی۔ کشف کوئی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے مستقبل کا حال معلوم ہو جاتے۔ پوشیدہ چیزوں کا راز معلوم ہو جائے یا جو بات آئندہ ہونے والی ہے وہ ظاہر ہو جائے کشف الہی یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اس کے قلب

پر وارد ہوں۔ یا عالم مثال میں یہ چیزیں ممتثل ہو کر مکشوف ہوں۔ (تعلیم الدین ص ۷۱)  
 اور واردات غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق، محبت و انس و ہیبت و  
 انکشاف امرار احکام و حسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائز ہوں۔  
 جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گروہ ہے (اور یہ امور حالات کہلاتے  
 ہیں۔ یہی علوم کشف الہی کہلاتے ہیں) کشف کوئی نہ لذت میں اس کی گرد کو پہنچتا ہے نہ  
 قرب میں اس کو اس کا سادہ دخل ہے۔ (تصوف و سلوک ص ۶۲)

عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا ایک حال رفیع ہے جبکہ اتباع شرع کے ساتھ  
 ہو۔ حدیث کی دلالت سے ظاہر ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام  
 کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر آجانا حدیث میں صریحاً مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ اگر  
 یہ فرشتے اوروں کو بھی نظر آتے تھے۔ تب مدلول حدیث مسئلہ ممتثل ہے اور اگر اوروں  
 کو نظر نہ آتے تھے تو مدلول حدیث کشف بلائکہ ہے۔ (التکشف)

بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا۔

چنانچہ حدیث بخاری شریف میں حضرت اُسید بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف  
 تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جو شخص  
 اس تحقیق سے آگاہ ہو جائے گا۔ وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا  
 اور ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔ (التکشف)

بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے یہ ان کے اختیار میں نہیں دیکھو حضرت یعقوب

علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی حالانکہ اس بے خبری سے  
 جو کچھ ان کو رنج و غم پہنچا وہ مشہور ہے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے۔ تو اگر اختیار  
 تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو کیوں خبر نہ ہوئی اور جب خبر ہونے کا وقت آیا تو  
 میلوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کڑتے کی خوشبو آنے لگی پس جبکہ کشف  
 اختیاری چیز نہیں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا ہی کرے۔ بلکہ

حقیقت تو یہ ہے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ اگر کافر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے تو اس کو بھی کشف ہونے لگتا ہے، نیز مجنوںوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ (وعظ علم و عمل) کشف و الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اگر موافق قواعد شرعیہ کے ہے تو قابل عمل ہوگا ورنہ واجب الترتیب ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو لیکن کشف میں باہم اختلاف ہو تو اگر وہ دونوں کشف ایک ہی شخص کے ہیں تب تو اخیر کشف کا اعتماد ہوگا اور اگر وہ دونوں کشف دو شخصوں کے ہیں تو صاحب صحو کا کشف بہ نسبت صاحب سکر کے قابل عمل ہوگا اور اگر دونوں صاحب صحو ہیں تو جس کا کشف اکثر شرع کے موافق ہوتا ہو و قابل اعتبار ہے اور اگر اس میں بھی دونوں برابر ہیں تو جس شخص میں آثار قرب الہی و مقبولیت کے زیادہ پائے جائیں اس کے کشف کو ترجیح ہوگی اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو اپنا دل قبول کرے اس پر عمل جائز ہے اور اگر ایک کشف ایک شخص کا اور دوسرا کشف کسی شخصوں کا ہو تو جماعت کے کشف کو قوت ہوگی۔ البتہ اگر وہ تنہا سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح ہوگی۔ (تعلیم الدین)

اور جس کو کشف الہی ہوتا ہے اگر اس کے متعلق پیری مریدی کی خدمت اور مخلوق کے باطن کی اصلاح ہو جائے تو وہ قطب الارشاد کہلاتا ہے اور کشف کوئی والے کے متعلق اگر خلق کی دنیاوی اصلاح و درستی ہو جائے، تو وہ قطب التکوین کہلاتا ہے۔ (تصوف و سلوک)

## کشف و کرامات کی حقیقت

ملفوظا:۔ فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ اس کو قرب میں کچھ دخل نہیں۔ بعضوں کو کشف سے فطری مناسبت ہوتی ہے بعضوں کو نہیں

جیسے بعضوں کی نظر پیدائشی طور پر دو درمیں ہوتی ہے۔ بعضوں کی نزدیک بین۔ مسجد کے سقاوہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرض کیجئے ایک شخص کی نظر صرف سقاوہ سے ہی تک پہنچتی ہے اور ایک کی باہر سڑک تک تو کیا جس کی نظر سڑک تک پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقرب ہوگا۔ یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے اس کو قرب سے کیا علاقہ۔

بعضوں کو کشف سے قطرۃ متاسبت نہیں ہوتی لاکھ مجاہدہ و ریاضت کریں عمر بھر کشف نہیں ہوتا۔ اصل چیز تو عبادت ہے واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں اور پھر وہ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے تو محسوس کرے گا کہ ذرہ برابر ترقی نہیں ہوتی برخلاف اس کے اگر وہ دو چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کو دیکھے تو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا اہل ذوق جب چاہیں اس کا تجربہ کر لیں۔ (اشرف السوانح)

# کرامت

## کرامت سے متعلق تحقیق انبیاء

### مقدمہ مسئلہ اول

جاننا چاہئے کہ خلاصہ کلام محققین کا اس باب میں یہ ہے کہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی منہج کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے اور جس

شخص سے وہ امر صادر ہو اسے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں ہے جیسے جو گیوں ساحروں وغیرہم سے بعض امور ایسے واقع ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو جس طرح اہل بدعت یا فروع میں جیسے فاسق و فاجر اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج ہے جس کا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ حسرت عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکے میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس کا صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ ہو اب ہمارے زمانے میں کسی شخص کے کیسے ہی عقاید ہوں اور کیسے ہی اعمال و اخلاق ہوں اس کو صاحب کرامت کہتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بزرگوں نے تصریح فرماتی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھو مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

### مسئلہ دوم

اور جانتا چاہئے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم و قصد دونوں امر ہوتے ہیں۔ اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں۔ ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی، جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے اور دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہم السلام کے پاس بے فصل میوؤں کا آجانا تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند سے چند ہو جانا چنانچہ خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ

کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور ایک احتمال عقلی کے اعتبار سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بغیر علم کے قصد ممکن نہیں اور لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے۔ البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہے۔

### مسئلہ سوم

اور جاننا چاہئے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسم ہیں ایک حسی ایک معنوی۔ عام لوگ اکثر حسی کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں، جیسے مافی الضمیر پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا وغیرہ خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا۔ مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا۔ حسد و کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا ظاہر ہو جانا۔ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنا یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں۔ بخلاف قسم اول کے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے اسی واسطے کا ملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ یہ استدراج نہ ہو یا خدا نخواستہ اس سے نفس میں عجب نہ پیدا ہو جاوے یا اس کی وجہ سے عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب ہلاکت ہو بلکہ بعض نے فرمایا کہ بعض اولیائے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی تاکہ اس کا عوض و اجر بھی آخرت میں ملتا۔ کیونکہ یہ امر مقدر ہے کہ جس قدر دنیا میں کسی نعمت میں کمی رہے گی اس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا۔

### مسئلہ چہارم

اور جاننا چاہئے کہ بعض علمائے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا



یا کسی جادو کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کا باتیں کرنا اس کا صدور کرامت سے متمنع قرار دیا ہے مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے، صرف دلی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے۔ تاکہ اس ولی کی کرامت و قرب و مقبولیت عند اللہ ظاہر ہو۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں تو پھر کرامت کیسے محدود ہو سکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ معجزے کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے یہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجائش ہو البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں کر سکتے، جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

### مسئلہ پنجم

اور جانا چاہتے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے یا کسی طالب حق و مرید کے یقین کا تومی کرنا مقصود ہو وہاں اظہار جائز ہے۔

### مسئلہ ششم

اور جانا چاہتے کہ بعض اولیاء کا ملین کا مقام غلبہ عبودیت و رضا کا ہوتا ہے اس لئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں اور بعضوں کو تو تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی تسلیم و تقویٰ ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا وجود یا

ظہور ضروری نہیں۔

### مسئلہ ہفتم

اور جاننا چاہئے کہ بعض ادویا اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق  
سہرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنی حد تو اتر تک پہنچ گیا ہے۔

### مسئلہ ہشتم

اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اسباب طبیعہ سے وہ اثر  
پیدا نہ ہو اور خواہ وہ اسباب علی ہوں یا خفی۔ اس مقام پر لوگوں سے دو غلطیاں  
واقع ہو جاتی ہیں بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھتے ہیں اور عامل کے معتقد  
کمال بن جاتے ہیں آج کل اس قسم کے بہت قصے واقع ہو رہے ہیں۔ مسمریزم  
فریبن حاضرات و ہمزاد کا عمل عملیات و نقوش طلسمات و شیدات تاثرات عجیبہ  
ادویات سحر چشم بندی وغیرہ کہ اس میں بعض کے آثار تو محض خیالی ہیں اور بعض کے  
واقعی بھی ہوں تو اسباب طبیعہ خفیہ سے مربوط ہیں کرامت ان سب خرافات سے  
منزہ ہے اور بعض لوگ کرامت کو بھی قوت طبیعہ پر محمول کر کے سب کو ایک لکڑی سے  
بانکتے ہیں۔ صاحب بصیرت طالب حق کو قرآن تو یہ سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا  
ہے اور اس فعل میں قوت طبیعہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی تسخیر  
نہیں محض کائن عن الغیب ہے۔

### مسئلہ نہم

اور جاننا چاہئے کہ جس فعل کا ظاہری قومی سے مکرنا منع ہے باطنی قومی سے کبھی منع ہے  
جیسے کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا کسی قلب پر زور ڈال کر اس سے کچھ روپیہ لے لینا یا کسی رازنہاں  
معلوم کرنا یا قصداً نامحرم کی طرف التفات کرنا بعض لوگ مطلقاً خرق عادت کو

شبه ولایت کا سمجھ کر ان سب تصرفات کو حلال اور داخل کرامت سمجھتے ہیں یہ سنت غلطی ہے۔

### مسئلہ دہم

اور جاننا چاہئے کہ ولی سے احیاناً کوئی امر ناجائز صادر ہونا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تنبیہ کے وقت توبہ کرے یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ولایت و کرامت میں خارج نہیں ہے یہ کل دس مسئلے فروری اس باب کے متعلق ہیں۔ (التکشف ص ۹، تربیت السالک ص ۵۸۸)

## معارف و حقائق

اقسام علوم اور اس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد یہ معلوم ہوتا چاہئے کہ معارف و حقائق میں ہر شخص کا جداگانہ مذاق ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معارف

وہ مقبول ہیں جن کو شریعت روتہ کرے۔ سیرہ میں ابو سلمان داوانی کا قول منقول ہے

رَبِّمَا يَتَّقُ فِي قَلْبِي الشُّكَّةُ  
مِنْ نَكْتِ الْقَوْمِ أَيَّامًا فَلَا  
أَقْبَلُ مِنْهُ إِلَّا شَاهِدَيْنِ  
عَدِلَيْنِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

اکثر میرے دل میں کوئی نکتہ اسرار صوفیہ  
میں سے آتا ہے مگر میں اس کو بلا دور  
عادل گواہوں کے کہ وہ کتاب اللہ اور  
سنت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا  
قبول نہیں کرتا۔

ابو خداداد کا قول ہے۔

كُلُّ بَاطِنٍ يُخَالِفُهُ ظَاهِرٌ  
فَهُوَ بَاطِلٌ

جو باطن کہ ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل  
اور مردود ہے۔

اور ان علوم کی دلیل محض کشف ہے اور قرآن و حدیث کے اندر ان مسائل کا داخل کرنا

تکلف سے خالی نہیں البتہ اگر کسی کو شوق ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول  
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگ جائے تو خود ہی سب حقائق و معارف  
منکشف ہو جائیں گے اور یہ حال ہوگا ۔

بینی اندر خود علوم انبیاء

بے کتاب و بے معید و اوستا

(بجز کسی تعلیم و معلم کے انبیاء علیہم السلام کے علوم منکشف ہو جائیں گے)  
اور جن کو یہ حقائق حاصل ہوتے ہیں بحض عمل اور اطاعت ہی سے حاصل  
ہوتے ہیں ۔

نہم و خاطر تیز کردن نیست راہ

جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(یہ اسرار عقل پرستی اور نہم کے تیز کرنے سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ شکستگی اور انقباض  
سے خدا تعالیٰ کا فضل متوجہ ہو جاتا ہے) یعنی ان حقائق و معارف کی معرفت اظہار  
اور عبودیت ہی سے حاصل ہوتی ہے عقل پرستی اور زیادہ قبل و قال سے حاصل  
نہیں ہوتی۔ (تعلیم الدین۔ وعظ تفضیل الدین)

الہام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا  
میں عمر ہوں اور تم پر حاکم بننے کی مجھ کو  
خواہش نہ تھی لیکن مجھ کو متوفی (حضرت ابو بکر  
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس کی وصیت  
کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب

قَالَ اَنَا عَمْرٌو لَمَّا حُرِّصُ  
عَلَى اَمْرِكُمْ وَلَكِنَّ الْمُتَوَفَّى  
اَوْضَى اِلَى بِيْذَلِكَ وَاللّٰهُ  
الْحَمْدُ ذٰلِكَ

(الحديث افروجه مالک)

میں اس کا الفا فرمایا تھا ۔

بعض اولیاء کا صاحب الہام ہونا منقول ہے اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے حقیقت اس کی یہ ہے کہ بلا واسطہ فکر و کتاب کے کوئی حقیقت قلب میں القا ہو جائے (یا ہفت غیبی کی آواز آئے)

الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر دنیا کا ضرر ہو جاتا ہے اور دنیا کے ضرر کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ مال یا جان کا ضرر ہو جائے۔ سو الہام کی مخالفت میں کبھی یہ ضرر بھی ہو جاتا ہے، دوسری قسم دنیا کے نقصان کی یہ ہے کہ ذوق و شوق میں کمی آجائے اور الہام کی مخالفت سے زیادہ اسی نوع کا نقصان ہوتا ہے، اور ذوق و شوق کو جو دنیا کی شے کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک نفسانی کیفیت ہے جو اہل حق کے مسلک کے خلاف ہے گو وہ بعض احوال میں معین دین بھی ہو مگر مطلوب بالذات نہیں، بلکہ بعض اوقات اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ نافع ہوتا ہے (شریعت اور طریقت کا)

## الہام حق

حالیہ۔ گذشتہ جمعرات کو بعد عشاء، احقر درود شریف کا ورد کر رہا تھا اچانک ایک آواز عالم غیب سے آئی کہ قسم ہے خدا تعالیٰ کو بجز آخرت کے دنیا میں نہیں دیکھو گے تم بے فکر خدا کی عبادت کرو۔ یہ کیا چیز ہے معلوم نہیں؟

حقیقت۔ یہ الہام حق ہے اس میں اسی کی تعلیم ہے جو اہل حق و اہل تحقیق فرمایا کرتے ہیں مقصود اس سے یہ ہے کہ کام کرتے رہو ثمرات کی فکر میں مت پڑو وہ اپنے وقت پر آپ ہو رہیں گے ان میں سے جو آخرت میں ہونے والے ہیں ان کی دنیا میں ہوس مت کرو (تربیت السالک جلد اول ص ۳۹۵، النور ص ۳۹۱)

## خواب

ارشاد۔ سچا خواب ایک حال محمود ہے حدیث سے اس کا وقوع ثابت ہوتا ہے

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ۔

۱۔ حدیث النفس ( خیالات )

۲۔ تحویف الشیطان ( شیطان بوجہ عداوت کے غمزدہ کرنے کیلئے مکروہ امور دکھلاتا، )

۳۔ بشارت من اللہ۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی بُرا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھمکا کر دے اور تین بار اعوذ باللہ پڑھے اور جس کروٹ پر تھا اس کو بدل دے، اس کو مسلم نے روایت کیا۔  
(مشکوٰۃ شریف)

بعض نادانگان سلوک کو دیکھا ہے کہ خواب پران کو بہت ہی نظر ہوتی ہے، اچھے خوابوں کی کمی ہو جاتی ہے تو اس کو علامت بعد من اللہ کی سمجھ کر منہوم اور متفکر ہوتے ہیں۔ اچھے خواب نظر آ جاتے ہیں تو اس کو منہمائے مقصود سمجھ کر تاز کرتے ہیں کوئی واقعہ نظر آجاتا تو اس پر پورا اعتماد کر لیتے ہیں حدیث سے ان سب خیالات کا غلط ہونا صاف معلوم ہو گیا اور بڑے خواب کے ضرر سے بچنے کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا۔ غرض خواب اتنی بڑی چیز نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے ہل فکر حالت بیداری کی چلے کہ وہ مرضی عند اللہ ہے یا غیر مرضی ہے۔ نیز یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ خواب موثر تو ہوتا نہیں (کہ قرب یا بعد میں اس کو دخل ہو) البتہ اگر واقعی خواب ہو تو اثر یقینی کسی فعل نیک و بد کا ہو سکتا ہے اور ہم جیسوں کے خواب، خواب ہی نہیں ہوتے۔ چونکہ وہ موثر نہیں لہذا اصلاً قابل اتفات نہیں۔ (شریعت اور طریقت ۳۴۵)

## ریاضت میں غلو کی ممانعت

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں کوئی شخص رات کو اٹھے پھر (غلبہ نوم سے) قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور (نوم کے غلبہ سے) کچھ خبر نہ ہو کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہئے (تا کہ نیند آنے سے طبیعت ہلکی ہو جائے اس کے بعد پھر پڑھنا شروع کر دے) (مسلم - ابو داؤد)

ف۔ بعض لوگ تغلیل طعام یا تغلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں کہ ضرر لاجتی ہو جانے کی طرف بھی التفات نہیں کرتے اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور اس میں دورانہ میں ایک یہ کہ غلو سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاجتی ہو جاتا ہے پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ حیب غلبہ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب خاص ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہوگا پھر نرے جلگنے سے کیا فائدہ۔ (التکشف)

## فراستِ مومن

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ نور الہی سے دکھینا ہے۔ (ترمذی)

ف۔ صفاء قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ و ملازمت تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے اکثر وجدانی طور پر حقائق و اقدات کے مدد رک ہونے لگتے ہیں۔ اس کو فراست کہتے ہیں گو زیادہ کشف کا ایک شعبہ ہے۔ حدیث صراحۃً اس کی مثبت ہے اور حدیث میں نور اللہ عبارت اسی صفاء سے ہے جس کا سبب ذکر و تقویٰ ہے۔ (التکشف)

بعض

إِصْطِلَاحَاتِ طَرِيقِ



# اصطلاحات کی تشریح

## اصطلاحات سے بے علمی مضر نہیں

حال :- سوال حضور مشاہدہ - معائنہ - فنا - بقا - صرف یہ ترقی ملکہ یادداشت اور رسوخ نسبت مع اللہ کا نام ہے یا کوئی اور چیزیں ہیں ؟  
تحقیق :- ان ہی کے آثار ہیں یہ سب اصطلاحیں ہیں جن کی تفسیر تعلیم الدین میں موجود ہے استعداد کے اختلافات سے مختلف حالات پیش آتے ہیں جن کے لئے کوئی ضابطہ نہیں۔ حالات کی اطلاع ہونے سے معلم تشخیص کر لیتا ہے لیکن اگر تشخیص بھی نہ کیا جاوے تو ان کے جو منافع ہیں وہ کام کرنے سے حاصل ہوتے رہتے ہیں جیسے دوائے صحت ہوتی رہتی ہے۔ گو مراتب صحت کے مریض کو معلوم نہ ہوں طبیب ان درجات کو سمجھ کر تدبیر کرتا رہتا ہے۔

(تربیت السالک جلد دوم صفحہ ۳۳۵)

## قرب نواہل

ارشاد - تصوف کی اصطلاح میں وہی و صدۃ الوجود ہے وہی و حدۃ الشہود ہے وہی فنا ہے وہی قرب ہے وہی وصال ہے جو شریعت کی اصطلاح میں عبدیت یا بندگی ہے اور جس کو مشہور احادیث کے اتباع میں قرب نوافل اور قرب زرائع کے عنوانات سے صوفیائے تعبیر فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بتدہ ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے تو اس کے صفاتِ رذیلہ اور شہوت و غضب کے دعاوی یا محرکات زائل ہو جاتے ہیں اور نفس میں مرضیات الہیہ سے محبت اللہ نامرضیات سے نفرت کا ایک راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اعمال حسنہ و افعال محمودہ بے تکلف صادر ہوتے ہیں اور اعمال قبیحہ و افعال ذمیمہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کی نسبت حدیث میں آیا ہے فاذا اجتہد

كنت سمعه الذی یسمع الذی یبصر یدوید کالتی بیطش بہا  
ورجلہ التی یمشی بہا (رواہ البخاری)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کے کان اور آنکھ اور ہاتھ  
اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا دیکھتا پکڑتا اور چلتا ہے۔  
جب وہ مرضی حق کے خلاف نہ کان سے کچھ سنتا ہے نہ آنکھ سے دیکھتا ہے  
نہ اس کے خلاف ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے بلکہ جو کچھ بھی دیکھتا سنتا یا کرتا ہے بالکل یہ  
حق تعالیٰ ہی کی مرضی اور حکم کے تابع رہ کر کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے  
کان آنکھ ہاتھ پاؤں اپنے کیا رہے عملاً خدا ہی کے ہو گئے۔ ورنہ ظاہری معنی  
عقلاً و شرعاً محال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس کے اعضاء جوارح سے سائے  
افعال اللہ ہی کی مرضی کے موافق سرزد ہوتے ہیں اس لئے یوں فرمایا کہ گویا  
ہی اس کے اعضاء (یعنی کان آنکھ ہاتھ پاؤں) بن جاتا ہوں۔

چونکہ مجازاً اس حدیث میں حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو ناعل کہا گیا ہے  
اس لئے صوفیائے کرام نے اس کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ ناعل  
اور حق تعالیٰ آلہ بن جاتے ہیں اور چونکہ حدیث میں اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل  
پر وارد ہے اور مجاہدہ و ریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا  
کثرت مراقبات یا تقلیل شہوات اس لئے صوفیاء حدیث کی پیروی میں اس مرتبہ  
کو قرب نوافل کہتے ہیں اور چونکہ اس میں صفات و افعال رذیلہ کا ازالہ ہوتا ہے  
اس لئے قنائے سنائے تعبیر کرتے ہیں۔

## شرپ فرایض

اس کا درجہ قرب نوافل سے بھی اعلیٰ ہے اور مطلب یہ کہ عبد کی مستی ایسی مضمل  
ہو جائے کہ اپنی قوت و ارادہ کو حق کی قدرت و ارادہ کے سامنے ذوقی طور پر  
کا عدم جاننے لگے اور افعال و اعمال میں محض بے منزلہ آلہ حق کے ہو جائے اور

حق کے مستقل موثریت پیش نظر ہو جائے۔ یہ اول سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول میں صرف فنائے رذائل تھا فنائے اختیار نہ تھا اس لئے یہ اس سے اعلیٰ ہوا۔ اور حدیث میں تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ و افضل کہا گیا ہے چنانچہ اس حدیث کا سب سے اول جزو یہ ہے وما تقرب الی عبدی بشی من احب الی مما افترضت علیہ۔ اس لئے حدیث ہی کی فقت میں صوفیا اس کو تقرب فرائض کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنے ذاتی صفات قدرت و اختیار پر بھی نظر نہیں ہوتی اس لئے اس کو فنائے ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔ (التکشف)

## حقیقتِ قرب

### قرب نامہ کمال دین کا

قریباً کہ قرب نام ہے کمال ایمان اور عمل صالح یا کمال دین کا خصوصاً جب وہ امر طبعی کا حال بن جائے کہ دینی زندگی اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون میں وہی بات بالطبع مرغوب و پسند ہو اور ادا کرنے کو جی چاہے جو خدا اور رسول کو پسند اور اس کی مرضی ہو۔ ایسی صورت میں نہ دین سے کسی قسم کی رجعت کی قدرت ہے اور نہ ارتداد کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی راہ میں ترقی کے کسی مقام پر ٹھہر جانے کا بلکہ طبعی مطلوبات و مرغوبات کی طرح اس میں بھی مزید کی طلب اور برابر آگے بڑھنے ہی کی دُھن لگی رہے گی۔ دین کی لازم یا مستعدی کسی زندگی میں کسی درجہ پر قناعت نہ ہوگی جس طرح طبعی و نفسانی مرغوبات و مطلوبات یا دنیاوی ترقیوں میں آدمی کسی درجہ پر نہ ٹھہرتا ہے نہ قانع ہوتا ہے، پھر خدا رسی کے درجات کی تو بجائے خود بھی حد و نہایت نہیں۔

۵ اے برادر بے نہایت درگہ ست

ہرچہ بروے می رسی بروے مایست

پس علم اور عمل اور حال کا جمع کرنا یہ طریقہ ہے قرب و رضا کا جو بہت بڑی دولت ہے کیونکہ دولت کا مقصود راحتِ قلب ہے تو اس سے بڑھ کر کیا راحت ہوگی کہ محبوب حقیقی راضی ہو اور قریب ہو۔

قرب کے مختلف درجات ہیں۔ ایک قرب تو حقیقی ہے جس کا ترجمہ "ملجانا" کر لیا اور اک حقیقت، یا اسی کے ہم معنی جس لفظ سے چاہو کر لو۔ سو قرب حقیقی تو کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہے۔ تو بلجانے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ اور ادراک حقیقت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک احاطہ کو چاہتا ہے اور بندہ ممکن ہے اور حق تعالیٰ واجب، اور ممکن متناہی ہوتا ہے اور واجب لامتناہی۔ پھر لامتناہی کو متناہی کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرب باین معنی تو ہو نہیں سکتا کہ اتصال ہو جاوے۔ یا ادراک حقیقت ہو جاوے۔ اور ایک قرب مجازی ہے جس کا حاصل رفع یا تقلیلِ حجب ہے (حجاب) اور ان کے علاوہ) ایک قرب علمی ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تَبْصُرُونَ** یا **نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ**۔

دوسرا قرب تعلقِ خصوصیت ہے۔ جیسے اردو میں ہم کبھی یوں کہتے ہیں کہ میں پاس ہوں۔ کہو۔ کیا کہنا ہے؟ یعنی سُن رہا ہوں۔ اس میں تو پاس ہونے سے قرب علمی و قرب سماع کا بیان مقصود ہے۔ اور کبھی ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں ہمارا قریب ہے یعنی اس کو ہم سے خاص تعلق ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو یعنی تم سے ہمارے دل کو خاص تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

اور تمہارے اموال اور اولاد ایسی چیز نہیں  
جو تم کو بہار مقرب بنائے۔ ہاں مگر جو ایمان  
لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں  
چیزیں البتہ سبب قرب ہیں) سو ایسے لوگوں  
کے لئے ان کے نیک عمل کا دو ناصلہ ہے اور  
وہ بہشت کے بالا خانوں میں چین سے ہوں گے۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي  
تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنِ آمَنَ  
وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ  
الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا. وَهُمْ  
فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ. (الآیہ)

اس آیت میں قرب سے مراد قربِ رضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا جو بعض کمال  
ہوتا ہے۔ قربِ علم مراد نہیں۔ کیونکہ وہ مومن و صالح کے ساتھ خاص نہیں۔ نیز اس آیت  
میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک بڑی دولت (قرب) کا پتہ اور اس کے حصول کا طریقہ  
بتلایا ہے۔ اور جو غلطیاں اس میں واقع ہوتی ہیں ان پر تنبیہ فرمائی ہے یعنی مال و اولاد  
جس کی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہیں۔ یہ قرب کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کے  
ذرائع ایمان و عمل صالح ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان و عمل صالح میں وہی درجہ مطلوب ہوگا  
جو کامل ہو۔ کیونکہ ناقص تو ادنیٰ سے ادنیٰ مومن کو بھی حاصل ہے وہ پورا پسندیدہ نہ ہوگا۔  
اور جو پورا پسندیدہ نہ ہو وہ پسند یا رضا کا ذریعہ کیسے بن سکتا ہے۔ (مطلب یہ کہ قرآن  
مجید کی رو سے جو قرب مطلوب ہے اور جس کو اُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ میں نسبت  
کا بلند ترین مقام قرار دیا گیا ہے۔ وہ کمال ایمان یا با نفاذ دیگر کمال دین ہی کا نام  
ہو سکتا ہے۔ اس لئے اصطلاحاً عالم احسان کی طرح تصوف کا دوسرا نام علم قرب رکھ  
لیا جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ اسلامی تصوف چونکہ نام ہی  
احسان یا کمال دین کا ہے اور اسی کمال دین کے درجہ کا قرآنی نام قرب ہے۔ یعنی کامل  
ایمان و عمل صالح۔ یا کمال دین خصوصاً جب وہ امر طبعی کا حاصل بن جائے کہ دینی زندگی  
اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون میں وہی بات

بالطبع پسند ہو اور کرنے کو جی چاہے جو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو اور ان کی مرضی ہو۔ (شرعیات اور طریقت ص ۲۴۶)

## نسبت و مقام کی تفصیل

حال۔ ایک بات دریافت کرتا ہوں۔ اگر حضور یہ کسی مصلحت علاج کے خلاف نہ خیال فرمادیں، تو جواب سے سرفراز فرمایا جائوں وہ یہ ہے کہ میں امراض نفس کا سخت مریض ہوں۔ آسان علاج کے لئے وہ کیا چیز ہے جس کی تحصیل کا طالب مکلف ہے تاکہ ہر وقت اس کا خیال دل میں جاری رہے۔

تحقیق :- ایک غلبہ ذکر کہ غفلت میں وقت کم گزرے، دوسری دوام طاعت کہ نافرمانی بالکل نہ ہو۔ اصل مقصود بالتحصیل یہی چیزیں ہیں اور اسی کے لئے مجاہدات و معالجات اختیار کئے جاتے ہیں جن پر سنت اللہ وہ مقصود مرتب ہو جاتا ہے اولاً قدرے تکلف ہوتا ہے بعد چندے (جس کی مدت معین نہیں یہ استعداد پر ہے) مثل امرطبعی کے ہو جاتا ہے، گواہیاً نا ضد کا تقاضا بھی ہو جاتا ہے مگر ادنیٰ توجہ سے وہ ضد مغلوب ہو جاتی ہے اس رسوخ و ثبات کو مقام کہتے ہیں پس یہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے اور باعث بار اسباب کے اختیاری ہے اور یہی رسوخ و ثبات اس حیثیت سے کہ غلبہ ذکر دوام طاعت کا ملزوم ہے۔ نسبت کہلاتا ہے،

یعنی حضرت حق سے ایسا قومی تعلق جس پر غلبہ و دوام مذکور کا مرتب لازم ہو اور اس نسبت من العبد پر ایک دوسری نسبت من الحق موعود ہے یعنی رضا و قرب، پس اہل طریقی جب لفظ نسبت کا اطلاق کرتے ہیں۔ مراد ان ہی دو نسبتوں کا مجموعہ ہوتا ہے نہ کہ صرف ملکہ یا درداشت جس میں بہت سے غیر محقق دھوکے میں ہیں (ما خود تربیت السالک دوم)

## نسبت باطنی کی علامت

ملفوظ - علامت نسبت باطن کے حاصل ہونے کے دو ہیں ایک یہ کہ اللہ کی یاد دل میں ایسی جم جائے کہ کسی دم دل سے دور نہ ہو دوسرے یہ کہ اللہ کے حکموں پر چلنے کی توفیق چاہے وہ احکام ایسے ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے طریقے بتلائے ہیں اور چاہے وہ احکام ہوں جن میں نشست و برخاست اور تمام کاموں کا طریقہ بتلایا ہے۔ ان سب حکموں کی طرف ایسی رغبت ہو جائے اور جس سے منع فرمایا ہے ان باتوں سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی کہ ان چیزوں کی طرف رغبت ہوتی ہے جو اپنے جی کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جیسی ان چیزوں سے نفرت ہوتی ہے جو اپنے جی کو بُری معلوم ہوتی ہیں اور اس کی سب عادتیں مطابق قرآن شریف کے ہو جائیں۔ (اشرف السوانح)

## نسبت سلب نہیں ہوتی

سوال :- کیا نسبت سلب کرنے سے سلب ہو جاتی ہے یا نہیں ؟  
 جواب :- اصل نسبت جو عبارت ہے حضور مع اللہ سے، وہ کسی کے سلب کر لینے سے سلب کس طرح ہو سکتی ہے ہاں صدور معصیت سے سلب ہو جاوے تو یہ دوسری بات ہے البتہ کیفیت شوقیہ جو ایک نوع کی حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ سلب ہو جاتی ہے جو لوگ اس سلب کی مشق کرتے ہیں وہ اس کو سلب کر سکتے ہیں جس طرح نشاط کے وقت اگر طبیعت کو حزن پیدا ہو جاوے تو وہ کیفیت نشاط کی جاتی رہتی ہے ہی طرح تصرف سلب سے وہ کیفیت شوقیہ جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی انسردگی و عبادت ہو جاتی ہے مگر پھر ذکر کی برکت سے عود کر آتی ہے۔ (تربیت سالک جلد اول)

## سیر الی اللہ و سیر فی اللہ

ارشاد - تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امر من سے شفا ہوگئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے۔ موانع مرتفع کر دیئے۔ معالجہ امراض سے واقف ہو گئے نفس کی اصلاح ہوگئی، اخلاق رذیلہ زایل ہو گئے اور اخلاق حمیدہ سے، انوار ذکر سے قلب آراستہ ہو گیا۔ اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اعمال و عبادات میں سہولت ہوگئی نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی۔ امر اور حالات کا ورود ہونے لگے یہ غیر محدود ہے۔ یہ وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے

بحریت بحر عشق کہ میچش کنارہ نیست

اینجا جز آنیکہ جاں بسا پر نہ چارہ نیست  
(انفاس عیسیٰ)

## مقام فنا کی تحقیق

سوال :- فنا میں بے خودی اور بے شعوری ہوتی ہے یا نہیں ؟

جواب :- ارشاد فرمایا کہ فنا میں اپنی اور مخلوق کی جانب سے بے التفاتی ہو جاتی

ہے۔ خواہ استغراق ہو یا نہ ہو اس کے لئے استغراق لازم نہیں اور اس کی دو قسم ہیں ایک یہ کہ سالک کی صفات ذمہ جس قدر ہیں سب تبدیل بہ صفات حمیدہ ہو جادیں مثلاً کسی میں صفت نخوت، کبر، بخل، غضب اور ریا، حرص و طمع وغیر



کی ہے تو بجائے اس کے صفت تواضع، سخاوت، تحمل، قناعت، اخلاص اور توکل وغیرہ کی پیدا ہو جاوے۔ جہاں اس کا صرف کرنا مذموم اور بے محل ہو مثلاً کوئی معصیت کی جگہ ہے تو ایسی جگہ تواضع، سخاوت، تحمل وغیرہ کرنا مذموم ہوگا اور معصیت ہوگی اور جہاں معصیت کا احتمال نہ ہو وہاں اس کا صرف کرنا محمود ہے علیٰ ہذا القیاس بابقی صفات کو بھی سمجھ لو بس اس فن میں سالک کی صفات ذمیرہ نخوت، کبر، غضب، شہوت وغیرہ واقعی فنا ہو جاتی ہیں اور اس کا ازالہ اور امانہ واقع میں ہو جاتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ صفات حمیدہ اخلاص، تواضع، صبر، شکر، علم، حلم، توکل، رضا وغیرہ کے ساتھ بایں معنی اس صفات ذمیرہ کے فنا کو فنائے حسی اور بجائے اس کے صفات حمیدہ پیدا ہو جانے کو بقیٰ فن کی اصطلاح میں کہتے ہیں اور دوسری قسم فنا کی یہ ہے کہ غلبہ شہود ذات اور صفات حق کی وجہ سے سالک اپنے اور مخلوق کے علم اور التفات سے فنا ہو جاتا ہے۔ اور علم اور التفات حق کے ساتھ باقی دنیا سے، اور واقع میں سالک اور مخلوق فنا نہیں ہو جاتے بلکہ علم اور التفات فنا ہو جاتا ہے۔ بایں معنی اس فنا کو فنائے علمی فن کی اصطلاح میں کہتے ہیں کیا معنی کہ جیسا علم اور التفات سالک کو اپنے اور دوسروں کی جانب پہلے تھا اب ویسا نہیں رہا۔

فنا ہو گیا سے نانی شوی و بدوست باقی

ایں طرف نیستند دستند

اس فنا کے بعد جو کیفیت سالک حاصل کر لے اسے اس کو بقیٰ کہتے ہیں۔ اور اگر اس علم فنا سے بھی فنا حاصل کر لے اسے اس کو فنا در فنا اور فنا، الفنا فن کی اصطلاح میں کہتے ہیں مطلب یہ کہ اس فنا میں اپنی فنا کا بھی سالک کو علم نہیں ہوتا کہ میں فنا ہو گیا ہوں۔ بایں معنی اس کو فنا در فنا اور فنا، الفنا کہتے ہیں اور اس فنا، الفنا

کے بعد سالک کو فناءِ تم اور بقائے کامل حاصل ہو جاتی ہے اور  
سیر الی اللہ کہ عبارت انقطاع ماسوا اللہ سے ہے، اس جگہ ختم ہو جاتا ہے اور بعد  
اس کے سیر فی اللہ کہ عبارت ہے دوام توجہ الی اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس تجلی اور  
مشاہد سے کی حد نہیں، لامتناہی ہے۔

عشقِ غایتیہ وارد نہ سعدی را سخن پایاں  
بمیرد تشنه مستقی و دریا ہم چناں باقی

۵ اے برادر بے نہایت درگہایت  
ہر چہ بروئے می رسی بروئے مالیت

اور ہر عارف سالک کو بقدر ذوق اور وجدان کے یہ معرفت حاصل ہو جاتی  
ہے اور بقدر راس و محبت اور تقویٰ کے یہ نسبت دائمہ حاصل ہوتی ہے، اور  
اس سے عارف سالک ہمیشہ قرب اور ترقی میں رہتا ہے اور اس کو کبھی معرفت سے  
سیری نہیں ہوتی بلکہ جتنا قرب ہوتا جاوے اتنی ہی خواہش اور باقی رہتی ہے اور کیوں  
خواہش باقی نہ رہے جس کے حسن و جمال اور عظمت کی انتہا نہیں اس کی معرفت  
کی بھی حد نہیں اور جس کی معرفت کی حد نہیں اس کا احاطہ کب ہو سکتا ہے اور بہ غلبہ حال  
یا مکاشفہ جو سالک کو کبھی کوئی شے مدد رک و مکشوف اور مستحضر ہوتی ہے اس کو تجلی مثالی  
کہتے ہیں بعض سالکین دھوکے میں آکر ان تجلیات مثالیہ کو جو ایک اصطلاحی تجلی اور  
جس مخلوقات سے ہے تجلی حقیقی سمجھ جاتے ہیں جس کا وعدہ آخرت میں ہے حالانکہ یہ جو کچھ  
مدد رک اور مکشوف ہوتا ہے یہ سب مثال ہے۔

ہر چہ در فہم تو آید آں توئی  
در گذر کا بخانی گنجد دُوئی

اس کو تجلی حقیقی اور مثال اس کا نہیں کہتے بلکہ مثال ہے تجلی حقیقی کی جو مقبرہ بیدار اور روتہ

ہے وہ صرت آخرت میں ہوگی۔ آیتہ لیس کمثلہ الخ اور آیتہ لا تد رکہ  
الابصار الخ اس پر دال ہے اور حق تعالیٰ ان تجلیات سے منزہ اور ورا ورا  
ہیں ۶ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً ان کی شان ہے اور غایت سے غایت معرفت عارف  
کی العجز عن درک الادراک اور ما عرفناک ہے اور نیز جس طرح عارف کو معرفت اور  
مشاہد سے کبھی سیری نہیں ہوتی آخرت میں دیدار الہی سے کبھی سیری نہیں ہوگی ابد الابد  
اسی لذت اور تمتا میں رہے گا ، دیدار ہوگا اور کبھی سیری نہ ہوگی اور نیز جس طرح یہاں  
نسبت اور معرفت بقدر محبت و تقویٰ کے ہوتی ہے۔ اس طرح وہاں قرب و دیدار الہی بقدر  
معرفت اور تقویٰ کے ہر عام اور خاص کے مرتبہ اور نسبت کے موافق ہوگا، جیسا کہ خبر  
میں ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرتبہ موافق تخلصی اور دیدار الہی  
سے مشرف ہوں گے۔ باقی مخلوق اپنے مرتبہ اور نسبت اور معرفت کے موافق  
دیدار الہی سے مشرف ہوگی۔ اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہیائے معادرت  
میں نقل کیا ہے۔ نیز اور کتب تصوف میں لوگوں نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال  
سوال۔ کتب فن سے معلوم ہوتا ہے کہ فنا میں بخودی اور بے شعوری ہو جاتی ہے۔  
جواب۔ فرمایا یہ بھی ایک خاص اصطلاح ہے درہ فنا کے لئے بے خودی لازم نہیں جس  
میں بے خودی ہوتی ہے وہ غیبت ہے فنا اس کو نہیں کہتے۔

سوال۔ نسبت فنا کی زائل ہوتی ہے یا نہیں ؟

جواب۔ نہ فرمایا یہ زائل نہیں ہوتی مقام ہو جاتی ہے (ترتیب السالک صفحہ ۵۳۵)

فنائے اصطلاحی کی ترقی بقا سے ہوتی ہے

حال۔ احق پر موت کا خیال ایسا غالب ہو رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں اس عالم کا  
آدمی ہی نہیں ہوں۔ ہر چیز سے دل برداشتہ ہو گیا ہے۔ ہر چیز سے خاص عبرت

کا سبق مل رہا ہے اور یہ حالت یونانیوں یا ترقی پذیر ہے۔  
 تحقیق مبارک۔ یہ فنائے اصطلاحی سے بھی بڑھ کر مقام ہے۔ پھر مبارک ہو وہ اکملیت  
 کی یہ ہے کہ فنائے اصطلاحی ایک حال ہے جس میں شان طبیعت کی غالب ہے۔ ہی لئے  
 اس سے آگے ترقی بقا سے کرائی جاتی ہے اور وہ حال بقا کے ساتھ جمع نہیں ہوتا  
 اور یہ فنا خود ایک مقام ہے اور اس میں عقلیت کی شان ہے اور اس کے ساتھ بقا  
 جمع ہوتی ہے اور جس کیفیت میں عقلیت کا غلبہ ہو گا وہ اس سے افضل ہوگی جس میں  
 طبیعت کا غلبہ ہو گا کیونکہ طبیعت کے غلبہ میں خطر رہتا ہے۔ اختلاف نظام اعمال کا  
 بخلاف غلبہ عقلیت کے، شان عقلیت کے غلبہ کی کیفیت مشابہ ہوتی ہے حضرات  
 انبیاء علیہم السلام کی کیفیات کے، اس لئے لو تعلمون ما اعلم کے ساتھ  
 دوسروں کے لئے تنحک قلیل و بکاء کثیر و عدم تلذذ بالتساء لازم فرمایا اور حضور اقدس  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باوجود اس علم کے اصلی و امر قد و انشراح  
 و اصول و افطر کا حکم کیا گیا۔ اس سے زیادہ شرح ذوق پر محمول کرتا ہوں  
 من لم یذق لم یدر۔ (ترتیب السالک جلد دوم صفحہ ۲۹۴)

## طریق کا اول و آخر قدم فنا ہے

ملفوظ \_\_\_\_\_ فرمایا کہ اس طریق کا اول قدم فنا ہے جس میں یہ صفت نہ پیدا  
 ہوتی ہو جس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہو ابھی نہیں لگی اور یہ جو بزرگوں کا قول ہے کہ طریق کا  
 آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اس سے مراد کمال فنا ہے کیونکہ فنا کے بھی تو آخر  
 درجات ہوتے ہیں۔ ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً محض چند گھنٹوں کے لئے حضرت  
 والکی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے رقت غرض کیا کہ تمہیں کوئی نصیحت فرمائیے  
 حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوں کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت  
 کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا  
 کہ ان کے بالکل مناسب حال تھا۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت

تو کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ وہ حاصل جو میں سمجھتا ہوں وہ فنا و عبودیت ہے۔ بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے۔ بس اسی کے لئے سارے ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں اور بس اپنی ساری عمر فنا اور عبودیت ہی کی تحصیل میں گذر دینی چاہئے۔ اس تقریر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے اور واقعی یہ ہے بھی ایسی ہی چیز۔ سارے بزرگ اسی کو تعلیم کرتے چلے آئے ہیں بالخصوص چشتیہ کے یہاں تو بس یہی ہے ۵

از وقتن و سوختن و جسامہ دریدن  
پر و اتہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

تو در و گم شو وصال اینست و بس  
گم شدن گم کن کمال اینست و بس

(امثرف السوانح ص ۲۱۸ حصہ دوم)

## تلوین و تمکین

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا کہ کبھی قبض ہو، کبھی بسط، کبھی سُکر، کبھی صحو، بالخصوص مبتدی کہ اس کو بہت تغیر پیش آتا ہے اس کو تلوین کہتے ہیں۔ یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔ (اور) (الکشف ص ۳۲۱)

دوام طاعت و کثرت ذکر میں استقامت کے ساتھ مشغول رہنے سے حیب استعداد آخر میں مناسب حالت محمودہ پر قرار ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح تصوف

میں تمکین کہتے ہیں۔ تمکین کے بعد تمام اشیاء کے حقوق بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں۔ اسی تمکین کا نام توسط و اعتدال ہے۔ اسی توسط کی وجہ سے اس امت کا نام امت وسط ہے تلویں والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے۔ پس صاحب تلویں صاحب حال ہے اور صاحب تمکین حقیقت شناس ہے۔ صاحب تلویں بھی راہ میں ہے اور صاحب تمکین داخل ہو چکا ہے۔ (الفاس عینی ص ۶۵-۱۳۴)

## اطمینان قلبی کی تفسیر

حال۔ احقر کو اپنے حال زار پر بہت ندامت و پریشانی ہے کہ ارشاد خداوندی تو ہے کہ **الابذکر اللہ تطمئن القلوب** احقر کو کیوں برخلاف اس کے بے اطمینانی و سرگردانی شامل حال ہے۔

تحقیق۔ مراد آیت میں یہ اطمینان طبعی نہیں۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول **ولکن لیطمئن قلبی** کہ دلیل ہے اس وقت عدم حصول اطمینان پر مستلزم ہو گا۔ نعوذ باللہ ذکر سے ان کو عدم تاثر کا ہونا عا شا و کلا۔ اس کا کون قائل ہو سکتا ہے بلکہ مراد اس ذکر سے اطمینان عقلی یعنی ایمان اعتقادی ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول **بلی** میں ظاہر فرمایا ہے پس آیت میں یہی اطمینان اعتقادی مراد ہے دلیل اس کی خود سیاق و سباق ہے **قال تعلقے ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ آیت من ربہ اس کے جواب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے یعنی یہ لوگ عناد سے فرمائش معجزات مقترحہ کی کرتے ہیں اور جو اہل ایمان ہیں وہ ذکر اللہ سے کہ فرد اعظم اس کی قرآن سے مطمئن ہوتے ہیں یعنی ایمان لاتے ہیں یعنی قرآن کے اعجاز کو دلالت علی النبوۃ کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور ذکر اللہ میں یہی خاصیت ہے کہ جس مرتبہ کا ذکر ہوتا ہے اسی مرتبہ کا اس سے اطمینان ہوتا ہے ذکر اعتقادی سے اطمینان اعتقادی اور ذکر حالی سے اطمینان حالی حاصل ہوتا ہے آپ ذکر اعتقادی پر اطمینان قلبی**

تلاش کرتے ہیں وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ شدہ شدہ ہو جاوے گا اس کے نہ ہونے سے شبہ  
ذکر کے عدم نافعیت کا نہ کریں۔ (تربیت السالک ص ۵۴۴)

## انوار والوان کا مکشوف ہوتا

سوال۔ اہل سلوک نے کتب فن میں حالت ذکر و مراقبہ میں الوان و انوار کے  
معلوم و مکشوف ہونے کو لکھا ہے کہ سالک جب کثرت ذکر و مجاہدے سے صفائی  
قلبی و روحی حاصل کر لیتا ہے تو اکثر ذکر و لطائف کے الوان و انوارِ ملکوتیہ کا ظہور  
کبھی اپنے وجود کے اندر اور کبھی وجود سے خارج اور علیحدہ مشاہدہ کرتا ہے اور  
اس کے آثار محمودہ اور غیر محمودہ ہونے کو بھی لکھا ہے کیا واقعی یہ سب تصرف  
خیال اور یوست دماغ سے صورتخیلہ متمثل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں یا درحقیقت  
اس کی بھی کچھ اصل ہے۔

جواب۔ فرمایا زیادہ تر ایسا ہی ہے اور اگر واقعی کچھ واقعات ملکوتیہ  
کسی کو کچھ معلوم و مکشوف ہو گئے تو یہ غیبِ مقصود ہے اور قابل توجہ نہیں اس کی  
نفی کر دینا چاہئے اور اس جگہ بہت بڑی ضلالت ہوتی ہے کہ اگر شیخ کامل اور محقق سے  
تعلق نہیں ہو تو طالبِ حق غیر مقصود کو مقصود سمجھتا ہے اور انواع و اقسام کی غلطیوں  
میں مبتلا ہوتا ہے اور زندگی بھر الوان و انوار ہی کی لذت اور سعی میں منہموم و محزون  
رہتا ہے بلکہ تنگ آکر ذکر و طاعت کو جو کہ اصل مقصود ہے چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیخ سے  
بھی بدگمان ہو جاتا ہے غرض کہ ساری زندگی اس کی اسی الٹ پھیر میں گزر جاتی ہے اور

کوئی کام اس کا دینی اور دنیاوی راست نہیں ہوتا ہے  
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب  
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

اسی وجہ سے جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ السامی نے حجاب نورانی کو حجاب ظلمانی سے اشد فرمایا ہے اور اپنے وابستگان کو اس کی جانب توجہ کرنے سے روکا ہے کیونکہ اس جگہ اصل مقصود سے طالب رہ جاتا ہے اور یہ بڑی محرومی ہے اصل مقصود ان اشغال کی مشغولی اور کثرت فکر و مراقبہ و مجاہدے سے تہذیب نفس و اصلاح قلب اور نفحہ آیتہ کریمہ *الابذ کر اللہ تطمئن القلوب* جمعیت اور اطمینان قلب کی دولت اور نسبت حضور مع اللہ اور یکسوئی اور یادداشت کے ملکہ راسخہ پیدا ہو جانے کی تدبیر اور مقامات توکل تسلیم تقویٰ رضائے و اخلاص توحید محبت خشیت وغیرہ کی تصحیح ہے درنہ فی نفسہ اس کی کوئی حاجت نہیں تھی اصل مقصود صرف ذکر و طاعت حق ہے اور اس سے قرب باری تعالیٰ کا میسر ہوتا ہے۔

(تربیت السالک حصہ دوم)

## لطائف کے الوان و انوار غیر مقصود ہیں

سوال۔ لطائف کے الوان و انوار کی جانب توجہ رکھنے کی کیا حاجت تھی کیا یہ جزو طریق ہے جیسا کہ کتب فن میں اس کو داخل کر دیا ہے۔

جواب۔ فرمایا یہ سلوک کا کوئی جزو نہیں لطائف کے الوان و انوار عارضی ہیں چونکہ لطائف کے جانب توجہ رکھنے سے طالب کو یکسوئی جلد ہو جاتی ہے اس لئے شیوخ اس کی توجہ کرتے ہیں اور اس مشغولی میں اگر کسی کو کچھ الوان و انوار نظر آگئے تو پہلے اس کی بے وقعتی نہیں کرتے تاکہ یکسوئی میں ضعف نہ ہو جائے بلکہ جب یکسوئی کا ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی جانب سے توجہ ہٹا دیتے ہیں (تربیت السالک صفحہ ۵۳۸)

(تربیت حصہ دوم ص ۲۳)



## لطائفِ ستہ

ایک صاحب نے لکھا کہ میں لطائفِ ستہ کے جاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو اب تحریر نہ رہا یا کہ حق اقی مقصود میں لطائف مقصود نہیں۔

فرمایا کہ لطائفِ ستہ کی فکر میں نہ پڑے یہ بھی موجب تشویش ہے۔ اصل چیز لطیفہ قلب ہے بس ساری توجہ اس پر رکھے، اس کے نورانی ہو جانے سے اور لطائف بھی خود بخود نورانی ہو جاتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب کا یہی طریق تھا جو اس حدیث سے مؤید ہے۔

ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت

فسد الجسد کلہ الا وہی القلب

## تجلی ذاتی

حال۔ کئی روز سے حضور کی توجہ سے ذکر کے وقت غلبہ محسوس ہونے لگتا ہے اور آج توجہ تصور ذات کا خیال ہوا تو کوئی بات سوائے اس کے تصور ذات کے لئے نہیں خیال میں آئی کہ

اسے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

وز ہر چہ گفتہ اند شنیدہ ایم و خواند ایم

پھر یہ خیال ہوا کہ اللہ اسم للجمیع الصفات الکمالیہ اور وہ یہاں پر موجود ہے قطع نظر کسی اور صفت کے مسمیٰ کا خیال رکھنا چاہئے سو ویسے ہی کیا اور آج سے پہلے اس امر کا خیال ذکر کے وقت نہیں ہوتا تھا اور اس خیال سے قلب کو ایک قسم کی راحت معلوم ہوئی۔

تحقیق۔ اس کو تجلی ذاتی کہتے ہیں حالت رفیعہ ہے۔ (تربیہ حصہ پنجم ص ۸۴)

(تربیت السالک ص ۵۵۸)

## علم الیقین - عین الیقین اور حق الیقین

حال . اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کی تھی کہ عرصہ سے کچھ علم ذات کا داعیہ بڑھ گیا ہے . رویت تو اس عالم میں ہے نہیں . پھر کیا کسی اور طرح کسی اور درجہ یا ایمان کے علاوہ ذات کا کوئی علم اس زندگی میں نصیب ہو سکتا ہے .

تحقیق . وہ علم ایمان ہی ہے . اس علم میں ترقی قوت ایمان ہی کی قوت و ترقی ہے اور اسی کے مراتب کے تفاوت سے عوام اور خواص اور اخص الخواص کے ایمان میں تفاوت ہوتا ہے . اسی قوت کو نصوص میں از زیادہ ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے . انہی مراتب کا نام علم الیقین - عین الیقین اور حق الیقین ہے . (نوادر)

## وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سائے کے ہیں . سوائے سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی سایہ ہے بلکہ سائے کے وہ معنی ہیں جیسے کہتے ہیں ہم آپ کے زیر سایہ رہا کرتے ہیں یعنی آپ کی حمایت و پناہ میں ، اور ہمارا امن و عنایت آپ کی توجہ کی بدولت ہے اس طرح چونکہ ہمارا وجود بدولت عنایت خداوندی ہے اس لئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں . پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے عارضی اور ظلی ہے . اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجود حقیقی کا ثبوت ہوگا اور وجود کو واحد سمجھا جائے گا یہ "وحدۃ الوجود" ہے . اگر اس کا بھلی اعتباراً

کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے بالکل معدوم تو ہے نہیں، گو غلبہ نور حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے تو یہ "وحدۃ الشہود" ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ نور مہتاب نور آفتاب سے حاصل ہے، اگر اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا۔ یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس کا نور بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ تو آثار خاصہ ہیں، گو وقت ظہور نور آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے یہ مثال وحدۃ الشہود کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے۔ مآل کا۔ دونوں کا ایک ہے، اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اسد مطلق صوفیاء میں "عنیت" سے تعبیر کرتے ہیں اور عنیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے، یہ تو صریح کفر ہے۔ چنانچہ وہی صوفیائے محققین اس عنیت کے ساتھ غیرت کے بھی قائل ہیں۔ پس یہ عنیت اصطلاحی ہے نہ کہ لغوی۔

مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منشور یا منطوم میں پایا جائے تو وہ کلام حالت سُکر کا ہے اور نہ قابل ملامت ہے نہ لائق تقلید

(تعلیم الدین، التکشف)

### مراتب لاہوت و جبروت و ناسوت و لاہوت

چار مرتبے ہیں۔ مرتبہ لاہوت، مرتبہ جبروت، مرتبہ ملکوت، مرتبہ ناسوت۔ مرتبہ لاہوت و مرتبہ جبروت بھی غیر مخلوق ہے۔ غیر مرتبہ صفات اجمالیہ تفصیلیہ اس کا جس قدر انکشاف ہے وہ بیشک مقصود ہے۔ باقی دو مرتبے جو مخلوق ہیں وہ حجاب ہیں۔ مرتبہ ملکوتی حجاب نورانی ہے اور مرتبہ ناسوتی حجاب ظلمانی۔ تو حجاب ظلمانی سے حجاب نورانی تک پہنچ گئے۔ یہ کیا کمال ہوا۔ ایک مخلوق سے گذر کر دوسری مخلوق تک پہنچے۔ اس سے بھی ترقی کر کے کہتا ہوں کہ مرتبہ ناسوتی چونکہ معتدل و حقیر ہے اس وجہ سے چنداں حاجب نہیں۔ برغلات مرتبہ ملکوتی کے، وہ زیادہ حاجب ہے۔

(مقالات حکمت حصہ اول)

احوال و کیفیات

و

وساوس و خطرات

## احوال و کیفیات

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے امور متعلق ہیں۔ پھر ان متعلقات

میں سے بعض امور وہ ہیں جو اصلاح کے بمنزلہ ثمرات غیر اختیاریہ ہیں۔ ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں مگر یہ دین میں مقبول نہیں اس لئے کہ دین میں مقصود وہ ہوتا ہے جو بدون تحصیل کے حاصل نہ ہو بلکہ جس کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو حالانکہ تو مٹک کے پھولدار درخت ہیں، نظر آئے تو کیا۔ نہ نظر آئے تو کیا۔ مٹک تو پھر حال قطع ہوگی۔ بس چلتے رہنا شرط ہے اور جنوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر نہیں آتے اگر کبھی ہم نیچی نظر کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر آئیں یا نہ آئیں۔

اکثر سالکین اس سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہوگئی، یا فلاں کیفیت زائل ہوگئی۔ شاید ہم کو نزل ہو گیا اور اس سے مایوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں بشیوخ کا ملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لئے تحقیق فرمادی ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا بالخصوص مبتدی کو جس میں بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تغاؤں ہوتا ہے یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔

سالکین جن احوال و کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت حاصل ہو۔

اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے دو مترسے سمجھنے کی ضرورت ہے ایک یہ کہ تمام سلوک کا مقصد حضرت حق میں فنا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا اور متخلق باخلاق اللہ ہونا۔

ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبداء ایک منتہا۔ مبداء انفعال (یعنی تاثر) ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے اندر رحمت و شفقت کا مادہ ہے تو اس کا ایک مبداء ہے ایک منتہا ہے۔ مبداء وہ کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے یہ انفعال اور تاثر ہے اور دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ جو ہماری کی اور اس کی اعانت کی یہ منتہا ہے اور فعل ہے اور صفت رحمت سے یہی مقصود ہے۔ اسی طرح خوف میں مبداء وہی تاثر و انفعال ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کے خیال سے دل پر اثر ہو ارقط طاری ہوئی اور یہ منتہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نامانائی سے رک گئے یہ فعل ہے اور یہی مقصود ہے۔ اسی طرح محبت کا مبداء یہ ہے کہ دل میں عشق کی دکھن پیدا ہو اور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے یہ انفعال و تاثر ہے۔ اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ تاثر و انفعال سے پاک ہے، اس لئے حق تعالیٰ کی صفات میں مبادی نہیں ہوتے بلکہ غایات اور منتہا ہی ہوتے ہیں پس جس شخص کے اوپر خوف اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو مگر احوال میں استقامت ہو جانے پر معاصی سے پوری طرح بچنے والا اور طاعات کا بجا لانے والا ہو تو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف غایات پائے گئے اور یہ شخص متخلق باخلاق اللہ ہے۔ اور جس پر ان کیفیات کا غلبہ ہو اس میں اول مبادی پھر غایات پائے گئے تو یہ شخص اس درجہ کا متخلق باخلاق اللہ نہیں ہے۔ پس اول تو کامل ہے اور دوسرا اس درجہ کا کامل نہیں ہے۔

احوال کی دو قسمیں ہیں ایک محمود، دوسرے مذموم ان میں امتیاز کا معیار یہ ہے

کہ جو کیفیت کسی گناہ کا مقدمہ ہو جائے وہ مذموم ہے اور نہ محمود ہے۔ یعنی محمود وہ کیفیت ہے جس سے اطاعت میں ترقی اور گناہ میں کمی ہو (اس لئے کہ) بعض اوقات معاصی کے ساتھ بھی بعضے احوال نفسانیہ باقی رہتے ہیں جیسے وجد استغراق شوق و شگفتگی اور حیرت اور اسی قسم کی اور کیفیات تو ان کے بقا سے دھوکے میں نہ آتے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ مقبولیت میں خلل نہیں پڑا کیونکہ یہ سب کیفیات دتیا ہیں دین نہیں، اور دنیا کا عطا ہوتے رہتا علامات مقبولیت سے نہیں۔ ان احوال کا نسبت سے کوئی تعلق نہیں اور نسبت معاصی کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ یہ احوال محض کیفیات نفسانیہ طبعیہ ہیں جیسے فرح و سرور کیفیات طبعیہ ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ احوال اپنی ذات میں دینی امور نہیں ہیں بلکہ دنیوی امور ہیں البتہ بعض اوقات دین میں معاون ہو جاتے ہیں اور اس معین ہو جانے سے ان کا دین کا جزو ہونا لازم نہیں آتا۔

اسرار و ذوقیات کے نعمت ہونے میں شک نہیں، اگر بدون طلب کے حاصل ہو جائیں تو شکر کرنا چاہئے مگر چونکہ وہ مقصود و مطلوب نہیں ہیں اس لئے ان کے دلچسپ نہ ہونا چاہئے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ ذوق و شوق و انس وغیرہ "حجابات نورانیہ" ہیں اور "حجابات نورانیہ" حجابات ظلمانیہ سے اشد ہیں، کیوں کہ حجابات ظلمانیہ کی طرف سالک متوجہ نہیں ہوتا ان کو خود دفع کرنا چاہتا ہے، اور حجابات نورانیہ کی طرف متوجہ ہوتا اور التفات کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے توجہ "مقصود اصلی" سے ہٹ جاتی ہے۔

شیخ شیرازی علیہ الرحمہ نے بھی اس حقیقت کو خوب واضح کیا ہے اور تنبیہ

فرمادی ہے کہ

خیالات نادان خلوت نشین  
بہم برزند عاقبت کفر دین

لہذا قصداً اوارو کیفیات کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے لیکن اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اس کے دفع کا اہتمام شدید کیا جائے غرض نہ استحضار اس کا کیا جائے نہ استنکار کیا جائے کہ دونوں حالت میں غیر مقصود کی طرف التفات کرنا ہے۔ ایک میں اثباتاً ایک میں نفیاً اور یہی التفات الی الغیر حجاب ہے۔

(الفرض) جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں۔ اسی کو اپنے لئے غنیمت جانیں اور اپنی خواہش سے کسی پسندیدہ حالت کی تمنا نہ کریں (اور اگر کوئی کیفیت جاتی رہے تو اس سے پریشان نہ ہوں۔ سے

بدر دو صاف ترا حکم نیست دم در کش

کہ آنچه ساقی مار یخت عین الطافت

یعنی تلچھٹ اور صاف شراب کا تجھ کو حکم نہیں خاموش ہو جا کہ ساقی نے جو کچھ دے دیا عین مہربانی ہے۔

اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیں کہ ہمارے لئے جو بہتر ہو گا وہ ہو کر رہے گا خواہ

موصول ہو یا عدم حصول (انفاس عینی - تعلیم الدین - شریعت و طریقت)

## نفسانی ملکات کی حقیقت

ایک طالب نے اپنے بعض نفسانی ملکات کو ظاہر کر کے حضرت والا سے ان کی اصلاح

چاہی اور ان کے ہونے پر سخت غم و اندوہ کا اظہار کیا کہ مجھ میں یہ ملکات کیوں ہیں۔

حضرت والا نے فوراً تسلی فرمائی اور اس تسلی بخش عنوان سے کہ ایسے ملکات سے

کون خالی ہے یہ تو مجھ میں بھی ہیں۔ ان کے زائل کرنے کی فکر ہی بیٹا رہے کیونکہ یہ جبلی

ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی نہ انسان جبلی امور کے بدلنے کا مکلف ہے کیونکہ ان کا

بدلنا غیر اختیاری ہے۔ البتہ ان کے مقصدنا پر عمل کرنا جبلی نہیں نہ غیر اختیاری ہے۔



ابنہ اہمیت کر کے اختیار سے کام لیا جائے اور ان ملکات کے مقتضاً پر عمل نہ ہونے  
 دیا جائے۔ باقی نفس ملکات چاہے جیسے فاسد ہوں وہ اس وقت تک مطلقاً قابل  
 افسوس نہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو بلکہ ایک معنی کرنا قابل حسرت ہیں کیونکہ ان کی وجہ  
 سے عمل میں مشقت ہوتی ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے اور نفس کا ترکہ ہوتا ہے۔  
 اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ۷

شہوت دنیا مثال گلخن است  
 کہ از جمہام تقویٰ روشن است

(اشرف السوانح)

### عقلی و طبعی احوال میں فرق

فرمایا کہ عقلی احوال میں غالب اثر روح کا ہوتا ہے اور طبعی کیفیات میں نفس کا ہوتا  
 ہے۔ لیکن عقلی احوال بھی طبعی کیفیات سے بالکل خالی نہیں ہوتے ورنہ محض عقلی و عقلی  
 صدور اعمال کے لئے عادت کافی نہیں اسی طرح بالعکس۔ البتہ پہلی صورت میں عقلیت  
 غالب ہوتی ہے اور طبعیت مغلوب۔ دوسری صورت میں اس کے برعکس۔ (اشرف السوانح)

### الانفعال و افعال

ایک سالک نے لکھا کہ :-

حال۔ اپنے اتر حالات کیا عرض کروں آج سے دو سال قبل جو کیفیت حلاوت و خشیت  
 اور معیت حق تھی افسوس کہ وہ بتدریج کم ہو کر ختم ہو گئی۔

تحقیق۔ تو ضرر ہی کیا ہوا۔ یہ انفعالات ہیں جو مقصود نہیں۔ انفعال کا درجہ مقصود ہے جو کہ  
 اختیار ہی ہے گو اس میں لذت نہ ہو ورنہ مثلاً قبل ۷

در بزم عیش یک دو قرح و کیش و پرو یعنی طمع مدار وصال دوام را  
 (تربیت سالک جلد دوم صفحہ ۲۵۹)

## امور طبعیہ فطریہ و غیر فطریہ

ملفوظ - فرمایا کہ کل ایک بات دفعۃً سمجھ میں آئی مجھ کو بڑی خوشی ہوئی اور میں نے حق تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا وہ یہ کہ یہ جو تصوف کا ایک اہم مسئلہ ہے کہ امور طبعیہ نہ محمود ہوتے ہیں نہ مذموم یہ بالکل ہی صحیح ہے مگر اس کے اندر ایک تفصیل ہے جو کل سمجھ میں آئی وہ یہ کہ امور طبعیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی عمل سے ناشی نہ ہوں بلکہ فطری ہوں وہ تو نہ محمود ہیں نہ مذموم۔ اور ایک قسم امور طبعیہ کی یہ ہے کہ جو فطری نہ ہوں بلکہ کسی عمل سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ کسی عمل محمود سے پیدا ہوئے ہوں تب تو محمود ہوں گے اور اگر کسی عمل مذموم سے پیدا ہوں تو مذموم ہوں گے۔ بیضمون نا تمام تھا الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکمل فرمادیا اور یہ ایک حدیث میں غور کرنے کی برکت سے سمجھ میں آیا۔ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَاتٌ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَاتٌ فَانْتَ مُؤْمِنٌ دَلِیْلٌ اِغْرِبْ لَكَ كَمِیْطٌ کام کر کے تجھ کو مسرت ہو اور گناہ کر کے تیرا جی برا ہو تب تو مؤمن ہے تو اب یہاں جو مسرت ہے وہ ایک طبعی امر ہے مگر چونکہ یہ ایک عمل صالح سے پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کو غلامت ایمان کی فرمایا گیا اور جو چیز محمود نہ ہو وہ ایمان کی غلامت نہیں بن سکتی تو معلوم ہو کہ یہ محمود نہیں ہے اور گویہ امر فی نفسہ طبعی نہیں ہے مگر حال لازم ہو جانے سے مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس مسرت کو امر طبعی بنا دیا۔ اسی مزاج اگر کسی کو قبض طبعی ہو تو اگر وہ کسی گناہ کے سبب سے ہوا ہو تب تو وہ مذموم ہے اور اس کے علاج کی ضرورت ہے، اور اگر اس کا سبب کوئی گناہ نہ ہو تو اس کی کچھ فکر نہ کرے کیونکہ وہ مذموم نہیں پھر فرمایا کہ اگر کوئی بات فکر سے اور سوچ سے سمجھ میں آئے تو اس میں غلطی کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور اگر بلا سوچے خود بخود کوئی بات سمجھ میں آجائے تو اس میں بھی غلطی کا احتمال ہوتا ہے

مگر کم۔ میں تو یہی کہوں گا کہ یہ منجانب اللہ عطا ہے۔ (النور شعبان رمضان شوال ۱۳۵۲ھ  
صفحہ ۲۹۵ - ۲ رجب ۱۳۵۲ھ)

## کامیابی یا ناکامی کا استدلال کیفیات سے غلط ہے

حالت۔۔۔ ایک سالک نے لکھا۔ حسب الارشاد اپنا کام کر رہا ہوں وجد و شوق  
روز افزوں ہے مگر یہ عین دلیل حرامان ہے۔

ع یہ خلش کہاں سے ہوتی جو حجب کے پار ہوتا

جب سلف کے مجاہدات کا حال پڑھتا ہوں تو پھر مجھ کو اپنے منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے قوی  
شبه ہو جاتا ہے نہ وہ قوت نہ اس قدر دنیا سے بے تعلقی نہ وہ خلوص فی المجاہدات بس اس خیال  
سے کبھی کبھی عزم رخصت ہو جاتا ہے، مگر اپنے نفس کو امید دلاتا ہوں کہ جب حضرت جیسار مہر  
طریقیت و شمع ہدایت موجود ہے تو کیا تعجب ہے کہ باسانی ہی مقصود پر پہنچ جاؤں تاہم تسویل  
نفس جاری ہے۔ وَ مَا اُبْرِيءُ نَفْسِي اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَةَ اِيَّا السُّوءِ  
پھر کبھی مولائے کریم تسکین فرمادیتے ہیں۔

خاک شود ریش شیع با صفا

تاز خاک تو بر دید کمبیا

اگر اس سے بھی حقیر کوئی درجہ فنا کا ہو تو میرا دل اس کے لئے بھی راضی ہے اپنی جہالت کا  
اعتراف بہت آسان معلوم ہوتا ہے بجائے اس کے کہ حضرت کی جناب میں کوئی سوائے  
ظن ہو بعض اوقات تو یہ جی چاہتا ہے کہ من تو شدم کا مضمون ہو جائے مگر شَتَان  
بَيْنَ يَمَانِيٍّ وَاَنَا اِسْتِغْفِرُكَ يَا رَبِّ نَازِ فِي خَشْوَةٍ بَرَسْرَتِي هِيَ مَكْرِدِي لَمَانِي هُوَ رِي  
بے کہہیں اس میں ربا نہ ہو۔ سورۃ الماعون۔ کی وعید پیش نظر رہتی ہے خدا رحم فرمائے۔  
تہجد میں جب یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ آسمان رابع پر حیلوہ گر ہے،

جہاں سب مخلصین کی سن رہا ہو گا وہاں اس ذرہ بے تمیز پر بھی نظر ہوگی تو پھر قرآن کی ہر آیت تیر و تفتنگ کا اثر کرنے لگتی ہے۔ اگر طاقت ہوتی تو ساری رات بھی اس لطف کے سامنے کم معلوم ہوتی۔

**تحقیق** — کیفیات سے وصول یا حرمان پر استدلال کرنا یہ مریض کا کام نہیں کہ اول میں عجب کا خدشہ ہے اور ثانی میں ناشکری کا، اور دونوں مجالب نکت ہیں۔ طالب کا وظیفہ یہ ہے کہ حالت کی اطلاع کرے اور اس حالت کی تحقیق معالج کا کام ہے۔ آپ کا اثر خط سوئے ظن باللہ سے بھرا ہوا ہے جس کو آپ سوء ظن بالنفس سمجھتے ہوں گے مگر وہ انزائمًا نہیں تو لزومًا ضرور سوء ظن باللہ کی طرف راجع ہے۔ تعجب ہے کہ وجد و مشوق جو مقدمہ کامیابی ہے اس کو آپ دلیل حرمان فرماتے ہیں اور شاعری نکتہ سے اس کی تائید فرماتے ہیں جن کی شان میں فی کلِّ وادٍ یٰحییُّمَوْنٌ وارد ہے، اس شاخ کو یہ خبر نہیں کہ یہاں جگر کے جتنا پار ہوتا ہے اسی قدر غلش بڑھتی ہے۔ وجد یہ ہے کہ ظاہری حیات جگر کے پار ہونے سے منقطع ہو جاتی ہے اس لئے غلش کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہاں جگر کے پار ہونے سے حیات بڑھتی ہے اس لئے اس کا احساس بڑھتا ہے، اس سے غلش بڑھتی ہے اسی کو ایک عارف نے فرمایا کہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر سست

سلف کے مجاہدات پر نظر کرنے سے اپنے لئے جو یا س لکھی ہے یہ ایک ایسے خیال کو مستلزم ہے جس سے استنفار و اجاب ہے اور وہ خیال یہ ہے کہ گویا آپ مجاہدات کو علت وصول کی سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ علت محض فضل ہے اور مجاہدہ محض اس کا حیلہ، سو حیلہ کبھی قوی ہوتا ہے کبھی ضعیف، کیا آپ نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ ایک زلزلے میں اگر عشر ما مور بھی ادا کر لیا جاوے گا تو نجات ہو جاوے گی۔ یہی جواب ہے خشرع خضوع

کے متعلق بدگمانی کا اور آسمانِ رابع کی تخصیص کا منشا معلوم نہیں آپ کے ذہن میں کیا ہے  
والسلام (ترتیب السالک جلد دوم ص ۵۱۲)

## کیفیات باطنی مطلوب نہیں

ایک وعظ کے سلسلہ میں فرمایا کہ مجاہدات کے بعد جب سالک پر کیفیات ذوق و شوق  
و نشاط کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کام میں لگے رہتے ہیں اور جہاں کبھی کسی وجہ سے ان کیفیات  
میں کمی پیدا ہوتی تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مجاہدہ ہی بیکار ہوا اور ہمارا مرتبہ خدا کے  
پہا کم ہو گیا۔ پھر اس خیال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اعمال ہی سے بے رغبتی ہو جاتی ہے اب اگر  
جاہل ہے تو اعمال بالکل چھوٹ گئے اور اگر اہل علم ہوئے تو استغفار میں لگ گئے تاکہ وہ  
کیفیت عود کر آئے استغفار اچھی چیز ہے مگر اس حالت کا تو علاج نہیں ع

خود غلط بود آنچه بابتد اشتیم

تمہارا وہ خیال ہی غلط ہے کہ میں مردود ہو گیا جس کے تدارک کے لئے استغفار کر رہے ہو  
نہ مجاہدہ بیکار ہو انہ تم مردود ہوئے اصل بات یہ ہے کہ کبھی تو ابتدا میں مجاہدے  
کا اثر حدت کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ ذوق و شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور اب  
انس کی حالت ہے جس میں غلبہ نہیں رہا اس لئے کیفیات میں کمی ہوگی تو بعد استغفار  
سے حالت انس مبدل بہ حالت ابتدا کیوں کر ہو جائے گی اور کبھی کسی بیماری کی  
وجہ سے کیفیات میں کمی آ جاتی ہے تو استغفار اس کا دافع کیوں کر ہوگا کبھی حق تعالیٰ  
کی طرف سے امتحان ہوتا ہے کہ ہمارا بندہ اپنے لطف کے واسطے ہی کام کرتا ہے  
یا ہم اس کے مطلوب ہیں اس لئے کیفیات سلب کر لی جاتی ہیں یہاں استغفار سے  
کیسے کام چلے گا۔ اکثر مشائخ ایسے شخص کو استغفار تعلیم کرتے ہیں اور جب استغفار  
میں بھی دل نہ لگا تو کچھ اور وظیفہ بتلا دیتے ہیں۔ جب اس سے بھی گھبرایا تو کچھ اور

بتلا دیتے ہیں۔ اب یہ شخص مجموعہ الاوراد ہو جاتا ہے۔ مگر مرض اب بھی جوں کا توں ہی رہتا ہے۔ البتہ اگر خوش قسمتی سے اسے کوئی اللہ و انامل گیا وہ ان تعلیمات کو سن کر کہے گا کہ ارے یہ کیفیات کا بدل جانا معصیت کی وجہ سے تھوڑا ہی ہے جو استغفار بتلا دیا۔ اس کا منشاء تو کچھ اور تھا۔ اور اب وہ اللہ والا علاج کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس مرض کی دوا یہ ہے کہ تم ان کیفیات پر التفات ہی نہ کرو۔ اگر کیفیات نہ رہیں نہ سہی خدا تو ہے۔ طاعات میں صرف خدا کو مطلوب سمجھو۔ کیفیات کو ہرگز مطلوب نہ سمجھو، بلکہ جس کو وصال سمجھ رہے ہو اس پر بھی نظر نہ کرو کہ ہم کو یہ وصال میسر ہو گا یا نہیں بس صرف عمل کو مقصود سمجھو ہمت سے اسی میں لگے رہو اور زبان حال سے یوں کہتے رہو۔

یا ہم اور یا نہ یا ہم جستجوئے می کنم

حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

فراق دو وصل چہ باشد رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

کہ تم کیفیات کو کیا لٹے پھرتے ہو ہمارے نزدیک تو فراق دو وصل بھی کوئی چیز نہیں بلکہ اصل چیز رضائے محبوب ہے جس کا ذریعہ عمل ہے اور جب تک تم عمل میں لگے ہوئے ہو رضا حاصل ہے، اور جب رضا حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے، چاہے وصال ہو یا نہ ہو، کیفیات ہوں یا نہ ہوں۔ اس تعلیم کے بعد راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے، اور ساری پریشانی ایک منٹ میں جاتی رہتی ہے۔ (تفصیل المنام صفحہ ۲۵ تا ۲۷۔ شرف المسائل)

### حالت کا مقصود نہ ہونا

حالت۔ حضور نے جو بعد تہجد کے تیرہ تسبیح پڑھنے کو فرمایا تھا جس کو فردی

بجائے پابندی سے پڑھتا ہے اور تیرتین تسبیح بعد نماز پنجگانہ کے ایک تسبیح

(سُبْحَانَ اللَّهِ) دوسری تہلیل (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) تیسری تکبیر (اللَّهُ أَكْبَرُ) یہ بھی پابندی سے پڑھتا ہے، لیکن ان کے پڑھنے میں حضور قلب کے نہ ہونے سے دل کو افسوس ہوتا ہے اگرچہ فدوی کوشش بھی کرتا ہے، اس کے بارے میں جو ارشاد ہو مطلع فرمائیے۔

تحقیق۔ استقامت علی الذکر خود ایک مقام رفیع ہے اور حضور قلب وغیرہ یہ حالات ہیں اور مقام افضل ہوتا ہے۔ حال سے آپ ہرگز افسوس نہ کیجئے خدا تعالیٰ کا شکر کیجئے اور وہ حدیث یاد کیجئے۔ فَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُسِّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ۔ پس عمل کی یہ آسانی خود سعادت کی دلیل ہے اور سعادت ہی مقصود جلیل ہے البتہ احضار قلب یعنی خود متوجہ رکھنا قلب کا یہ ضروری ہے پھر خواہ حضور تام اس پر مرتب ہو یا نہ ہو جب وقت آدے گا، انشاء اللہ احوال بھی عطا ہوں گے کام میں لگے رہتے انشاء اللہ تعالیٰ۔

۷۔ کلبہ، حزاں، شہور روزے گلستان غم مخور  
میں بھی دعا کرتا ہوں۔ (تربیت السالک ص ۷)

## احوال و کیفیات کا مضر ہونا

فرمایا کہ کشف اور احوال و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں۔ ان کا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے لوگ خواہ مخواہ ہوس کیا کرتے ہیں (امثرت السوانح ص ۲۰۵ حصہ دوم)

سوال۔ ایک طالب نے اپنے احوال یا طبعی کی کمی کی شکایت لکھی۔

جواب۔ تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم عادی ہے۔ یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا۔ دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر۔ یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اس میں مصلحتیں

جن کا مشاہدہ اہل طریقی کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضوری میں زیادہ لذت ہونا اور غیبت میں انکسار و تدامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا حاصل ہوتا ہے۔ مثل ذالک (اشرف السوانح)

## حالت کا یکساں نہ رہنا

حالت۔ مرض اصل یہ ہے جو کیفیت یا حالت طاری ہوتی ہے اس کی میعاد صرف تین دن ہے یعنی تین دن سے نہ کبھی ایک ساعت زیادہ اور نہ کم۔ بعد میں سے دن بالکل خالی جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہ جاتا ہوں۔ اس حالت میں احقر کو تیس برس گزر گئے حالت طاری ہونے کے لئے بھی خاص کسی اہتمام کی ضرورت نہیں۔ خود بخود بلا قصد ہو جاتی ہے، اور اس کے لئے نہ کوئی مدت معین ہے۔ کبھی ایک ماہ کبھی دو یا تین مہینے میں اور کبھی ایک ماہ میں دو تین مرتبہ، لیکن اس کا صرف تین دن قیام ہے۔ اس میں اختلاف نہیں۔ اس کی ترقی کے لئے ہر چیز سعی و کوشش کی میکار رہی ہوئی۔ گزشتہ دو سال میں کہ جب سے در دولت بیندگان حضور عالی پر حاضر ہوا ہوں نہ کبھی معمولات مقررہ قضا ہوئے اور نہ کبھی شب بیداری ایک بجے سے چار بجے تک قضا ہوئی۔ اگر اتفاقاً کسی علالت طبع سے قضا ہو گیا ہو اس کا ذکر نہیں لیکن نہ معلوم یہ حالت بدستور کیوں قائم ہے۔

تختیوس۔ غالباً ضروری اصول اس فن کے جن کو میں اکثر اوقات بیان کرتا رہا ہوں آپ کو مستحضر نہیں رہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو آپ کے اس استفسار کا جواب ہے کہ کوئی کیفیت مقصود نہیں یہ تو بڑی نعمت ہے کہ کیفیت ہوتی ہے، اگر بالکل ہی نہ ہو، تب بھی اصل مقصود میں کچھ مضر نہیں اکابر کو کبھی کوئی کیفیت دامتاً نہیں رہتی الا نادراً جب یہ بات ہے تو اس کا زوال مرض نہیں اس کے لئے



کوشش کرنا وقت کا ضائع کرنا اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے جو ناجائز سے  
 مِنْ حُسْنِ اسْلَامِ الْمَرْءِ (الحديث) وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ  
 إِلَى التَّهْلُكَةِ (تریت السالك ص ۲۹۱)

## اپنا ہر حال ناقص ہے

حال۔ ایک طالب کا طویل خط موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی بدحواسی  
 اور پریشانی کا تذکرہ کیا تھا

تحقیق۔ پورا کمال بجز انبیاء کے کوئی نہیں اور وہ کالمین بھی اپنے کو کمال  
 نہیں سمجھتے، سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی۔ اور نقص  
 نظر آنے سے مغموم بھی ہیں۔ اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیوں پر وہ غم پڑ جاوے تو کسی  
 طرح جانبر نہیں ہو سکتے۔ کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے۔ ہاں سعی کمال کی توقع  
 بلکہ عزم واجب ہے اور اس کا یہی رنگ ہوگا جو آپ شاہدہ کر رہے ہیں اس کی مثال  
 وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اس کی تدبیر کا ترک  
 جائز نہیں سمجھتا، اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہیں۔ فکر تکمیل پر موعود ہے  
 وَاللَّهُ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ بس اسی طرح سے عمر ختم ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ کی  
 بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے و هذا هو معنى ما قال السرحى۔

اندریں رہی تراش و می خراش  
 تادم آخر دے قارغ مباحش

تادم آخر دے آخر بود

کہ عنایت با تو صاحب سر بود

سب سے اخیر میں خواہ اس کو اظہار حال کہئے یا آپ کی ہمدردی یا رفع التباہ

جو چلے ہے نام رکھتے یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں مگر اس کو مبارک سمجھتا ہوں جس کا یہ اثر ہے کہ یہ سمجھ نہیں سکتا کہ خوف کئے غالب کہوں یا رجاہ کو مگر مضطر ہو کر اس دعا کی پناہ لیتا ہوں جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ **اللَّهُمَّ كُنْ لِي وَاجِعًا لِي لَكَ** (ترتیب السالک ص ۴۳)

## بد حالی کا علاج

حالے: ایک طالب کا طویل خط موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی بدحواسی اور پریشانی کا تذکرہ کیا تھا۔

حقیقت: برخوردار سے معشوق من ست آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست تم کو اس مجموعی حالت پر حسرت ہے مگر مسرت ہے۔ یہ تمام حالات دو امر کی دلیل ہیں جو کہ اعلیٰ مقاصد سے ہیں ایک اپنی بد حالی کا احساس و دوسرا خوش حالی کی فکر چار امر کو اپنا معمول کر لو، پھر عدم حرمان میرا ذمہ۔

- ۱۔ ذکر کے متعلق جو معمول مقرر کرو قلیل ہو اس کو پورا کر لیا کرو خواہ دل سے یا بے دلی سے۔
- ۲۔ معاصی سے نفس کو ہمت کے ساتھ روکو اور کوتاہی پر فوراً استغفار کرو۔
- ۳۔ ماضی مستقبل کو مت سوچو نہ نفع کا قصد کرو،
- ۴۔ حالات سے وقتاً فوقتاً اطلاع دو گو وہ اطلاع کے قابل بھی نہ ہوں اور اس سب کے ساتھ میری رائے میں تمہارے اعضائے رئیسہ میں حرارت کا اثر ہے علاج طبی ضرور کرو اس کا بھی ان حالات میں دخل ہے اور اس دستور العمل کے بعد بیفکر رہو۔

من غم تو منخورم تو غم مخور

بر تو من مشفق ترم از صد پیر

(ترتیب السالک ص ۴۵)

تمہارا خیر خواہ دل سوز اشرف علی

## قلب میں سختی کی حقیقت

حال : السلام علیکم! بندہ کے قلب میں سختی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور ذکر میں دل حاضر نہیں رہتا ہے کچھ ایسی بات بتلا دیجئے کہ جس سے حضور اور نرمی بھی پیدا ہو جائے۔ اور میرے لئے اعداد بھی فرمادیجئے میں بہت پریشان ہوں۔ اور دعا بھی فرمادیجئے۔

تحقیق : السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سختی قلب اس کو کہتے ہیں کہ معاصی پر جرات ہو جاوے اور خوفِ خدا نہ رہے اور جس کو آپ نے سختی سمجھا ہے وہ سختی نہیں ہے اور حاضر رہنا قلب کا اختیار سے خارج ہے اس کا قصد نہ کیجئے اور حاضر رکھنا البتہ اختیار میں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود ذکر کی طرف یا مذکور کی طرف خیال رکھئے تو اس کے لئے کسی اور مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں اس اصول کو عمر بھر کے لئے مستحضر رکھئے کہ اس سے ہزاروں غلجان نفع ہو جاویں گے اور میں دعا بھی کرتا ہوں۔ (تربیتہ حصہ دوم ص ۶۵)

## عقلی اور اعتقادی قرار مطلوب ہے نہ کہ طبعی

حال۔ گذشتہ عریضہ کا جواب گرامی لکھو ہی میں سعادت بخش ہوا تھا اس ہفتہ حیدرآباد آنا ہوا۔ گھر کے حالات سے گھبرا کر چلا گیا اور خیال تھا کہ اب کے کچھ دن تو حیدرآباد ضرور غنیمت معلوم ہوگا لیکن خدا جانے طبیعت کا کیا رنگ ہو گیا ہے اور دل کیا چاہتا ہے کہ کہیں قرار نہیں پکڑتا۔ ابھی یہاں آئے بارہ دن ہی ہوئے ہیں اور دل اچاٹ ہے۔ البتہ اب کے گھر جانے کو بھی جی نہیں کرتا اور جو کچھ چاہتا ہے وہ صرف والدہ مدظلہا کی عیالت کی وجہ سے۔ ایک شعر سنا کرتا تھا اس کو صادق پاتا ہوں سے

شہر میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل  
اب کہلے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

حضرت کی خدمت میں سب ہی کچھ عرض کر دیتا ہوں اس لئے اس دیوانگی کا حال بھی عرض کر دیا یہ عجیب بات ہے کہ جسمانی صحت الحمد للہ ہمیشہ سے بہت زیادہ بہتر ہے مگر باطن کو اب کہیں چین نہیں۔ گذشتہ عریضہ کے جواب میں حضرت نے ایک شعر بالکل میرے حسب حال تحریر فرمایا تھا ۔

گر گریزی بر امید راحتی

ہم ازال جاپیشت آید آفتی

اور اس آفت کا حقیقی علاج بھی وہی ہے جو حضرت نے تحریر فرمایا کہ تجویز کو قنا کر کے تفویض کے دامن میں پناہ لوں۔ عقلاً خوب سمجھتا ہوں کہ راحت بھی تفویض ہی میں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تجربہ اب سا لہا سال سے ہو رہا ہے کہ پہلے جس طرح میری مشکل سے مشکل تجویز پوری ہو کر رہتی تھی اب آسان سے آسان بھی پوری نہیں ہوتی۔ مگر تجویز سا تہ بلکہ تجویز باز طبیعت کچھ ایسی بے حیا واقع ہوئی ہے کہ اس پر بھی باز نہیں آتی جب کوئی تجویز سامنے آتی ہے، تو جیسا کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے خصوصیت سے اس سے بھاگتا ہوں اور اس کو بھگانا چاہتا ہوں مگر پھر پھر کے مسلط ہی رہتی ہے۔ نماز میں ذکر میں شغل میں بیکاری میں باکاری میں جب ذرا بھی موقع پاتی ہے، اور حدیث نفس شروع کر دیتی ہے۔ جب طبیعت کا یہ حال ہے تو حضرت خالی عقل سے تفویض کو حق جان کر راحت بہر حال نصیب نہیں ہو سکتی۔ بس تھوڑی دیر کے لئے کچھ تسلی اس سے حاصل کر لیتا ہوں۔ پھر وہی حال ایک ہی بات کو اتنا طول دے دیا مگر کیا کروں کہ حضرت کی خدمت میں خوب کھل کر عرض کئے بغیر تسلی نہیں ہوتی۔

تھیوتس — خط کیا ہے پڑھنے والے کے دل کو گھائل کرنے کو نشتر ہے سب کا حاصل

یہ ہے کہ طبعی تسلی و قرار کی کوئی صورت نہیں مگر الحمد للہ عقلی اور اعتقادی قرار حاصل ہے

اب سب کا جواب یہ ہے کہ یہ ہی عقلی و اعتقادی قرار مطلوب ہے یہی مامور بہ ہے اور یہی

تفویض ہے جس کو عبادت سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے نہ کہ ذریعہ راحت سمجھ کر۔ بلکہ عارفین و

کاملین نے جب تفویض میں لذتِ طبیعہ محسوس کی تو نہایت ابہتِ حال کے ساتھ اس لذت سے پناہ مانگی اور راز اس کے دو ہیں۔ ایک یہ کہ شوبِ لذت سے شبہ ہوتا ہے، اطلاق کی کمی کا، کہ حفظِ نفس کے واسطے تفویض کو اختیار کیا۔ حق تعالیٰ کا حق سمجھ کر اختیار نہیں کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاد میں دنیوی کامیابی و ناکامی کے متعلق حدیثوں میں تصریح ہے کہ اول میں اجرِ نامتام اور ثانی میں اجرِ تام عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح تفویض میں راحتِ طبیعہ ہونے سے اجر غیر کامل اور راحت نہ ہونے سے اجر کامل ملتا ہے اور اجرِ آخرت ہی مقصود ہے پس ان دو راز کی وجہ سے عارفین نے لذت سے پناہ مانگی لیکن ہم ضعیفوں کے لئے اس میں اتنی ترمیم ہے کہ ہم کو پناہ مانگنا بھی مناسب نہیں بلکہ تفویض کے ساتھ اس میں لذت و راحت کی بھی دعا مانگے اور جب تک وہ عطا نہ ہو، اس عطا نہ ہونے کی حقیقت پر صبر اور اس عطا نہ ہونے کے ثمرہ پر کہ کمالِ اجر اور تشبہ بالمقبولین ہے شکر کیا جائے اور اسی کو وظیفہ دائمہ بنا لے۔ (ماخوذ ترمیم السائلک جلد دوم باب اول ص ۲۴)

## حالتِ شوق و انس

حالت - بندے کی حالت اس سے آگے یہ تھی کہ بہت گریہ دزاری ہوتی تھی حتیٰ کہ بعض اوقات اگر کھانے میں دیکھا کہ اچھی ترکاری یا عمدہ چاول کا کھانا ہے اس وقت خیال میں یہ آتا کہ ہماری طرح کے کچھ آدمی فاقہ میں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ اس بندے کو کیا اچھا کھانا کھلا رہا ہے، اس پر روتا ہوا کھانے سے ہاتھ اٹھالیتا تھا اور بعد تہجد و ظیفہ اگرچہ خوب ہوتا تھا اس میں دل کو راحت بھی ملتی تھی اور حضور پر اس قدر محبت آجاتی تھی بابا مولینا بابا مولانا کرتا ہوا کھڑا ہو جاتا تھا اب نہ معلوم کیا شانِ خدا ہے کہ حال بالکل بدل گیا ہے لیکن ذکر میں راحت خوب ہوتی ہے۔ گریہ میں فرق ہو گیا ہے دعا فرمادیں کہ آگے کی طرح ذوق و شوق پیدا ہو۔

تحقیق۔ وہ حالت شوق تھی یہ حالت انس کی ہے دونوں محمود ہیں اس کو  
 تنزل نہ سمجھا جائے یہ تبدیل ہے اور تبدیل بھی الی الخیر یعنی ترقی کے ساتھ کیونکہ انس  
 النفع واثبت ہے شوق سے عرض کام میں لگے رہیں ایسے غیرت کی طرف التفات  
 نہ کریں۔ (تربیت السالک ص ۵۸۴، تربیت حصہ مذکور ص ۵۶)

## شوق و انس میں فرق

حال۔ قبل اس کے طبیعت میں ایک قسم کا تردد رہتا تھا مگر اب وہ  
 جا تا رہا۔

تحقیق۔ وہ کیفیت شوقیہ تھی۔ اس کی عمر طویل نہیں ہوتی۔ سب اہل  
 طریق کو یہی امر پیش آتا ہے۔ کیفیت باقیہ انس ہے جو الحمد للہ باقی ہے۔  
 حال۔ لیکن بحمد اللہ حضوری قلب بدستور ہے۔

تحقیق۔ یہی ہے انس جو کہ باقی رہا کرتا ہے اور یہ شوق سے افضل ہے۔  
 حال۔ حالت موجودہ سے پیشتر یہ سلسلہ رہا کہ جس حالت کا اظہار حضو انور  
 سے کر دیا وہ حالت اسی دن سے بدل گئی مگر موجودہ حالت میں سوائے اس کے کہ سرور  
 کم ہو گیا اور بعض وقت ذکر میں کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کوئی تفرات نہیں ہوا۔  
 تحقیق۔ اس خاص قسم کی لذت کو کبھی زیادہ بقا نہیں ہوا کرتا جیسے مشکوٰۃ  
 قدمیہ سے دل تو زیادہ مل جاتا ہے مگر جوش و خروش نہیں رہتا۔ یہ امر موجب غم نہ ہونا  
 چاہئے اس کے لئے یہی حالت لازم ہے۔ (تربیت السالک ص ۵۲۲، تربیت حصہ پنجم ص ۲۰۶)

## ذوق و شوق مطلوب نہیں

حال۔ ناچیز اپنے معمولات میں (یعنی اسم ذات چھ ہزار مرتبہ) مشغول ہے۔

بفضلہ تعالیٰ و بہ دعائے حضرت اکثر روز بعد تہجد قبل صبح صادق بعض روز بعد صبح صادق اور بعد رہمت بعد نماز فجر ختم کرتا ہے لیکن جو رغبت و صلاحیت وقت حضوری دربار کے نصیب تھی اور جو حالت اس وقت تھی (یعنی حالت ذکر میں ایسی دل بستگی ہوتی تھی کہ رونا آجاتا تھا) اب وہ حالت نہیں۔

تحقیق — حالت یکساں نہیں رہتی مگر یہ خصوصیات مواجید و اذواق کی مقصود نہیں، مقصود محفوظ رہنا چاہئے اور یہ ذکر اور طاعت ہے، خواہ اس میں بسط ہو یا قبض کہ بعض منافع قبض کے زیادہ ہیں بسط سے، ہمت سے کام میں لگے رہیں اول اول ایسے ہی تغیرات ہوا کرتے ہیں پھر حق تعالیٰ مناسب استعداد کے تمکین عطا فرمادیتے ہیں جب اس کا وقت مقدر ہوتا ہے گہرا جانا دلیل ہے، ضعف ہمت کی۔ (تربیتہ حصہ دوم ص ۳۱)

## انس مع الحق کا اثر

حال — الحمد للہ! کہ انقباض عن الخلق تو عرصہ سے خود خلق کے سلوک میں نے پیدا کر دیا ہے لیکن جب تک حضرت یہ انس مع الحق کی طرف مفضی نہ ہو اس وقت تک محض سلب ہی سلب ہے اور انس مع الحق کی بوجہ اپنے اندر نہیں پاتا۔

تحقیق — اس انس نہ ہونے کا قلعن یہ بھی ایک درجہ ہے، انس مع الحق کا یا اقل درجہ انس مع الحق کے ایک مانع کا ارتفاع تو ہے جس سے انس مع الحق کا قرب تو ہوا یہ کیا تھوڑی نعمت ہے۔ آگے تھوڑی توجہ حصول مقصود کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

(النور شعبان ۱۳۵۸ھ، ماخوذ تربیت السالک جلد دوم ص ۳۹)

## حالت رسیعہ

حالت — اس وقت کے تمام حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ خدائے عزوجل سے ایک رسمی اور ضابطہ کی محبت اور انس رہ گیا ہے، نہ ذوق ہے نہ شوق ہے نہ سوز و گداز ہے، اگر کچھ خشیت ہے تو وہ بھی رسمی ہے دل کے ہلاتے اور لرزاتے والی نہیں معمولاً و اُوراد و وظائف مثل ایک خشک دماغ نمازی کی طرح پورے کر لیتا ہوں۔ ناغہ نہیں کرتا۔ دن رات کفِ افسوس ملتا ہوں کہ کیا تھا کیا ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حالت صرف ایک دن کی بے اعتدالی سے بدل گئی۔ صرف ایک وقت بعد عشا جو معمول کیا کرتا تھا بوجہ تکان و آمد و شد مردمان کے کرنا سکا، اسی وقت سے طبیعت کی حالت بدل گئی۔ سحر کو جو اٹھانے وہ شوق تھانے وہ ذوق تھا، طبیعت کھٹک گئی کہ خدا خیر کرے، چنانچہ آج تک اسی رجعتِ قہقری میں مبتلا ہوں، ہر چند چاہا کہ یہ خراب حالت حضرت اقدس کے گوش مبارک تک نہ پہنچے حضرت والا کو رنج ہو گا لیکن تلکے مشیت انبوی میں چارہ نہیں، اس حالت سے زندگی سے دور اور موت کے قریب ہو گیا نفس کی یہ حالت ہے کہ طرح طرح سے مکاریاں کرتا ہے قسم قسم کے شبہات پیش کرتا ہے کبھی تلاوتِ قرآن پاک میں (خاک برسمن) خیالات لاطائل پیدا کرتا ہے حضرت اقدس اس وقت تو خاکسار کی وہ کیفیت ہے کہ جیسے کسی جذامی کو لباسِ ناخرہ پہنادیا جاوے۔ ظاہر میں مسلمان ہوں، اندر دنی حالت کا خدا حافظ۔ اب قدوی مختصر اپنی حالت میں جو رنگِ طبیعت کا ہے عرض کرتا ہے۔ قدوی کی طبیعت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب تک تنہا رہے اور کوئی کام دُنیاوی نہ کرے یہاں تک کہ معمولی خور و نوش کی طرف بھی چنداں التفات نہ ہو تو از حد شوق و ذوق محبت و انس ترقی کرتا جاتا ہے اور اگر کسی خفیف سے کام دُنیاوی کی طرف توجہ کی جاوے تو پھر وہ



جوش اور رنگ طبیعت کا نہیں رہتا اس امر کا صلہ ہا مرتبہ تجربہ کر چکا ہوں کہ ہی وجہ سے آج تک محروم ہوں، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن وائے بر حال اس مسافر کے کہ جس کا ٹٹو (گھوڑا) بہت لاغر اور لٹکڑا ہوا اور مسافر سفر بھی بے وقت شروع کرے، و احسرتاً، اس مسافر کو کب منزل مقصود پر پہنچنے کی امید رکھنی چاہئے زیادہ والسلام۔

**تحقیق** - السلام علیکم۔ حق تعالیٰ رحیم و حکیم ہیں جس شوق و ذوق سوز و گداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور موسم کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے اگر آپ کو وہ کیفیات حاصل ہوتیں آپ جن کو بڑی چیز سمجھتے ہیں ضرور عجب پیدا ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے عجب سے بچایا جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر شکر واجب نہ کہ بالعکس شکایت کی جاوے۔

ہے تکس کہ تو نگر ت نے گرد اند  
اد مصلحت تو از تو بہتر داند

اس مضمون میں یہ باطنی دولت بھی داخل ہے اور جس کو آپ نقصان سمجھ رہے ہیں، اگر یہ نہ ہوتی تو آپ میں یہ انکسار نہ پیدا ہوتا جو بڑی نعمت ہے اور اس پر بھی شکر واجب ہے۔ البتہ چونکہ اس میں احتمال ناشکری کا ہے اس لئے اب اس کی حقیقت سمجھ لیجئے تاکہ اس پر بھی شکر کیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب تربیت السالک کے مضمون کو آپ ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ کلیہ سمجھ لیجئے کہ جو افعال اختیاری ہیں ان میں اللہ و رسول کے خلاف نہ کیا جاوے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیاری ہیں ان کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے، کام کئے جائیں آپ محروم نہیں ہیں۔ ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً بھی معلوم ہو جاوے گا اب تعلیداً مان لیجئے۔

(تربیت السالک ص ۶۱۲ حصہ ہفتم ص ۵)

## آثار محمودہ

حالت۔ میں نے جب سے کلمہ طیبہ کا ذکر شروع کیا ہے فی الجملہ بہ نسبت سابق قلب میں نرمی محسوس ہوتی ہے جس کی تمیز یوں ہوتی کہ ضعفاء خصوصاً بے زبان جانوروں پر زیادہ رحم آتا ہے اور ان کی تکلیف دیکھ کر پہلے سے زیادہ دل کو تکلیف ہوتی ہے۔

تحقیق۔ یہ آثار محمودہ سے ہے اگرچہ کمالات سے نہیں۔

(تربیت السالک حصہ دوم)

## حالات محمودہ کا یابی نہ رہنا مضر نہیں

حالت۔ وہ جو دولت کیفیت آنحضرت کی خدمت مبارک سے لیکر آیا تھا کئی دن ہوئے کہ وہ مسلوب کو لی گئی اگرچہ اپنی بد اعمالی ہی کی وجہ سے مسلوب ہوئی مگر دل کو قلق و افسوس ہے لیکن الحمد للہ کہ معمولات میں زیادہ فرق ابھی تک تو نہیں ہوا۔

تحقیق۔ احوال تابع اعمال کے ہیں۔ اعمال پر استقامت کا اہتمام رکھنا

ضروری ہے، اس سے احوال محمودہ ہر وقت کے مناسب خود بخود پیدا ہوتے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی حال ان میں سے سالک کی طبیعت کے موافق نہ ہو لیکن مصالحت کے موافق

ضرور ہوتا ہے جس کا سمجھنا محقق کا کام ہے نہ کہ مقلد و مبتدی کا۔ مقلد کو محقق کا صرف

اتباع اور اس کے کہنے سے اجمالاً اس کو مصالحت سمجھ لینا کافی ہے جب دولت تحقیق

نصیب ہوگی خود بخود سمجھ میں آنے لگے گا اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ کے معمولات

جاری ہیں یہی بڑی چیز ہے اطمینان سے کام میں لگے رہئے (تربیت السالک ص ۳۷۹)

تربیت حصہ پنجم ص ۲۶۳

## نزولِ تجلی

حال۔ رات تہجد کو اٹھائے ذکر میں یہ معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میرے پاس آگیا اور حضرت نے بائیں ہاتھ سے اس کو پکڑ کر اور دائیں ہاتھ سے مجھے پکڑ کر دونوں کو ملا دیا وہ میرے سینے سے خوب چپٹ گیا اور اس کے بیچ میں جو سیاہ پتھر تھا اس کا میرے قلب سے خوب اچھی طرح مساس ہوا پھر بیت اللہ نے بہت تیزی کے ساتھ میرا چند باطن طواف کیا پھر میں اس میں داخل ہوا اور وہ میرے سینے میں داخل ہو گیا اب بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرے سینے سے لگا ہوا ہے۔

تحقیق۔ مبارک ہو تجلی قاص نے قلب پر نزول فرمایا۔ (تربیت السالکین ص ۵۲)

(ترتیب جلد اول)

## آثارِ نزول

حال۔ اب غلام پر کوئی حالت برسوں سے طاری نہیں ہے اور نہ کسی حالت کے طاری ہونے کی خواہش ہے بلکہ یہ دل چاہتا ہے کہ کوئی حالت طاری نہ ہو کیونکہ خلاف سنت ہے۔ صدور اعمال حسہ کی رغبت اور احتراز عن المعاصی کا شوق ہے جو کچھ ذکر اور نوافل و تلاوت وغیرہ ہو جاتا ہے اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں لذت آنے نہ آنے کا بھی کچھ خیال نہیں ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اس پر مدد امت کی توفیق عطا فرمادیں۔ چند روز سے تہجد کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی بعض اشعار زبان سے جاری ہو جاتے تھے آج قبل دو پہر سے اتباع سنت کی دُھن ہے، اور اتباع سنت ہی حق تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے۔ اس کے خلاف ان کی درگاہ میں مقبول نہیں۔ پس جب میں حق تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوں تو پورے طور پر متبع سنت

ہو جاؤں جو کام ہو سنت کے موافق ہو کوئی فعل اور کوئی قول سنت کے خلاف نہ ہو  
حضور والا اتباع سنت کی توفیق کے لئے دعا فرمادیں ۔  
تحقیق ۔ ماشا اللہ ۔ یہ سب آثار نزول کے ہیں جو عروج سے افضل ہے  
مبارک ہو۔ (ترتیب السالک ص ۵۲۱ جلد اول)

## قبض و بسط

حدیث : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت  
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابتداءً نبوت میں جبکہ وحی میں توقف ہوا) اس درجہ  
منہوم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادے سے تشریف لے گئے کہ پہاڑ کی بلندی پر  
نگر کر جان دیدیں ۔ سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے آپ کو گرانے کی غرض سے چڑھتے تو جبرئیل  
علیہ السلام آپ کو نظر آتے اور فرماتے "اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم (منہوم متأسف نہ ہو)  
آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو سچ سچ اس سے آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا اور وحی  
کھڑھ جاتا۔ (بخاری)

واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے۔ حدیث سے اس کا  
اثبات ہوتا ہے۔ خوف درجہ جب بڑھ جاتا ہے قبض و بسط ہوتا ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ  
خوف درجہ آئندہ کی حالت یاد کر کے ہوتا ہے۔

محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت و استغناء کئی الحال وارد ہونے سے قلب کا  
گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے۔ اسی حالت کو (حدیث عبد اللہ بن کعب واقعہ تلافی عن تموک)  
میں ضیق ارض و ضیق انفس سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور قبض کے مقابل حالت بسط ہے  
یعنی آثار لطف و فضل کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا (تعلیم الدین التکشف)

کبھی سویرا اعمال کی وجہ سے سالک سے لذتِ فی الطاعات مفقود ہو جاتی ہے اور گناہے  
 بوجہ فتور و کسل و طلال کے طبعاً یہ حالت قبضِ پیشِ آتی ہے اور کبھی بےصاحت امتحان کے  
 کہ یہ حق کا طالب ہے یا لذت کا، منجانب اللہ تعالیٰ یہ حالت وارد کی جاتی ہے۔  
 (انفاسِ عیسیٰ)

قبض کا سبب صرف عدمِ رضائے حق نہیں بلکہ بعض دفعہ حکمتوں کی وجہ سے قبضِ طاری  
 کیا جاتا ہے۔ سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بھی بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ  
 عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی  
 خاص مرتبہ مقدر ہوتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہ کر سکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو اس  
 جسد اور اس کے اہل اور اس کے مال کو کس بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر وہ صبر کرتا ہے،  
 یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوا تھا۔  
 حضرت حاجی صاحب (یعنی شیخ العرب و العجم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز)  
 نے فرمایا کہ قبض حقیقتاً بصورتِ قہر لطف ہے۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو

آن صلاح تست آیش دل مشو

ترجمہ: اے سالک جب تجھے قبض پیش آئے تو تو اس سے دل گرفتہ نہ ہو کہ

تیری اصلاح کا ذریعہ ہے (انفاسِ عیسیٰ۔ ماخوذ شریعت و طریقت ص ۳۷۹)

## منافع قبض

قبض منافع میں بسط سے بھی زیادہ ہے، گو عین قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ  
 ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم ہو جاتے ہیں اور اگر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے  
 ہیں۔ اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ حصول کا علم۔ چنانچہ غایت انگسار اور عبیدت کے آثار

مثلاً شاہدہ عجز و ضعف اور غلبہ انکسار و امتقار وقتائے دعویٰ حالاً کا ترتیب ہوتا ہے جیسا کہ اکابر کا الہام ہے۔ اَنَا عِنْدَ هُنْكَسِرَةِ الْقُلُوبِ (میں خدا تعالیٰ کے شکستہ دلوں میں ملتا ہوں) ۷

فہم و قاطر تینز کردن نیت راہ  
جز شکستہ نگیں و فضل شاہ

(ترجمہ) عقل و سمجھ کو تیز کرنا حقیقت میں راہ نہیں یعنی اس سے اسرار اور مقاصد حاصل نہیں ہوتے شکستہ دل کے سوا بادشاہ حقیقی کا فضل کوئی حاصل نہیں کر سکتا یعنی اس کا فضل متواضع لوگوں پر متوجہ ہوتا ہے۔

قبض سے عجب کا علاج ہوتا ہے بعدیت کی حقیقت کا اس میں مشاہدہ ہوتا ہے فنا اور تہی دسی رائی العین ہو جاتی ہے۔ اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل اور محل امتحان ہے، اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگا (الفاس عینی ص ۹۹)

## قبض کی حکمتیں

حالت قبض و ہیبت کی ان حکمتوں کا بیان جو خود حضرت الہ

نے اپنی بعض تحریروں میں ارتسام مندرمائی ہیں —

حضرت والا ایک طالب کے طویل خط کے جواب میں جو مبتلائے قبض و وسادس تھے رسالہ مسہمی بہ الابتلاء لاهل الاضطفاء کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں "اب بعض منافع و مصالح و وسادس و بعض امور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں اس میں خفی الطان رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بلیۃ بیساختہ یہ کہہ کر پوری تسلی حاصل کر لے گا۔"

۵ الالایجارن احوالبلیہ  
فللرحمن الطافٌ خفیہ

- ۱۔ اس شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بد حال ہوں۔
- ۲۔ ہمیشہ ترسان رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے، اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔
- ۳۔ اگر یہ عقبہ پیش آچکا ہے شیطان کے مقابلے میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کرے گا اور بدرون اس کے گزرے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحت تک سے اندیشہ رہتا ہے جس کو میں نے ایک بار بیان کیا تھا کہ اس کی وجہ لطافت طبع معلوم ہوتی ہے۔
- ۴۔ مرتے وقت اگر دفعۃً یہ حالت پیش آئی تو پریشان ہو کر خدا جلنے کس کس خیال میں مرتا۔ اگر یہ عقبہ گزر جاوے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت بھی ایسا ہو تو پریشانی اور حق تعالیٰ پر بدگمان نہ ہوگا۔ اطمینان و محبت حق میں جان دے گا۔
- ۵۔ یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے بتلا کی دستگیری آسانی سے کر سکتا ہے۔
- ۶۔ ہر وقت اپنے اوپر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔
- ۷۔ اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت بعد کے عمل سے نہ ہوگی رحمت حق سے ہوگی وغیر ذالک ممالا یخصی اور میں نے ہی مجموعہ کو کہا کہ کوئی حالت محمودہ پیدا ہونے والی ہے۔

(منقول از مقدمہ تربیت السالک)

(اشرف السوانح ص ۲۶۸)

## دیگر

حال: آج کل طبیعت پر پرمردگی اور انقباض کا غلبہ ہے برابر بڑھتا جاتا ہے ہنقسوں کیا بلکہ ہینوں تک کوئی انبساط نصیب نہیں ہوتا۔ دل و دماغ پر معلوم ہوتا ہے کہ موت طاری ہے، یہ خلوت میں جی لگتا ہے نہ جلوت میں زندگی کے خلا و تعطل سے طبیعت بالکل تنگ آگئی ہے۔ موت کی تمنا تو ابھی تک نہیں پیدا ہوئی لیکن زندگی و بال ضرور ہے موجودہ حالت میں ایک ایک دن کاٹے نہیں کٹتا۔ حضرت دعلکے ساتھ کچھ چارہ گرمی بھی فرمادیں۔

تحقیق: یہ حالت قبض کہلاتی ہے جو سب کو پیش آتی ہے اور جو باعث بار صورت کے بلبے اور باعث بار معنی کے نعمت ہے کیونکہ اسباب اس کے مختلف ہیں کبھی تغیرات طبیعہ مزاجیہ، فساد اخلاط، یا موسم یا ادویہ یا اغذیہ سے یا عوارض نفسانیہ فکر یا حزن یا غضب وغیرہ سے جس کا علاج ان کے اضرار سے ہے کبھی کسی معصیت کا صدور جس کا حق معصیت کا تدارک اور استغفار کی کثرت ہے اور کبھی رفع درجات کہ اعمال اختیار یہ کی کی کا تدارک بجاہرہ اضطراب سے کیا جاتا ہے پھر اس سے درجات بڑھتے ہیں اور کبھی اصلاح خلاق کے کمالات سے اپنا خلو دیکھ کر شکستگی و پستی پیدا ہوتی ہے اور اس سے بہت سے عوامل کا علاج ہوتا ہے جیسے عجب و کبر و قسوت و امثالہا۔ اور کبھی امتحان محبت و عظمت کہ بندہ بشاشت ہی میں عمل کرتا تھا جس میں اک گونہ حظ نفس بھی ہوتا ہے یا بے ذوقی میں بھی عمل کرتا ہے جس کا سبب صرف محبت اور غلبہ عظمت ہو سکتا ہے اور کبھی جذب الی عالم القدس برفع المحب و الموانع ہوتا ہے اور کبھی دوسرے اسباب جو تعبیر سے بھی فوق ہیں۔

اس تہمید کے بعد چند امور قابل تہنئہ ہیں :-

۱۔ کبھی متعدد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔



۲۔ ایسی حالت پیش آنے کے وقت اسباب کی تشخیص و تعیین کی ضرورت نہیں بلکہ اکثر مرض ہے کیونکہ تعین کا کوئی ذریعہ نہیں سو اگر وہ سبب نہ ہو تو سہی ہی بیکار گئی۔

۳۔ بلکہ سب احتمالات کا حق ادا کیا جائے یعنی استغفار اور صبر و شکر و تقویٰ و توکل اور تواضع و دعا و ابتهال و کثرت ذکر و استقامت علی الاعمال اور لایعنی تعلقات کی تقلیل و استعمال مفرحات و مقویات طبع جس میں ملاقات احباب و اشتغال بالازواج و اولاد و استعمال مرغوبات طبعہ برعایت اعتدال بھی داخل ہے ان سب کو نظام کے ساتھ جمع کیا جائے۔

۴۔ ان اعمال کو بقصد تدریج و علاج و با منظر بسط و سکون نہ کیا جائے بلکہ ان کو خود مطلوب سمجھ کر کیا جائے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی یہ قبض رفع نہ ہو تو راضی اور ادلے حقوق مذکورہ پر مدام رہے۔

وہذا اوصی العارفون بقولہم

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط ہیں  
تازہ باش و چین میفکن بر جبیں

چونکہ قبضے آیدت اسے راہرو  
آن صلاح تست آیش دل مشو

۵۔ اسباب ضیق و تشویش سے احتراز سوائے ضرورت شدیدہ کے۔ ان امور

کے التزام سے انشاء اللہ تعالیٰ اکثر تو بسط طبعی ورنہ بسط عقلی لازمی طور پر میسر

ہوگا۔ اگر بسط کے بعد شبہ عود کا ہو تو ان عُد تم عُد نا کے لئے افادہ رہنا

چاہئے جیسے کسی کو موسمی بخار ہمیشہ آتا ہو تو وہ گھبراتا نہیں بلکہ نشہ کی تجدید کر لیتا ہے۔

حالت: جو اب والا نے سعادت بخشی تھی قبض کی حالت بدستور ہے اور بسط و نشا

قطعاً کافر ہیں اپنے ایمان و عمل کی حقیقت معلوم ہے اس لئے جذب الی عالم القدس یا رفع العجب

والموانع وغیرہ کے سے سبب قبض کا تو اپنے حق میں احتمال بھی نہیں ہوتا۔  
 تحقیق: یہی فیصلہ عمل کلام ہے جن اکابر کے حق میں ہم لوگ اس جذب اور دفع  
 کا اعتقاد قریب بلیقین رکھتے ہیں وہ اب سے زیادہ کہتے ہیں کہ اپنے ایمان و عمل کی حقیقت  
 معلوم ہے چنانچہ (۷۰) شہد بدین کے متعلق صحیح بخاری میں ہے:  
 کَلِّمُوا نَجَافَ النِّفَاقِ عَلَى نَفْسِهِ

بلکہ عارفین کے نزدیک یہی اعتقاد دلیل ہے کمال ایمان کی۔ ناقص الایمان کو اپنے  
 نقصان ایمان کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۸۶)

## قبض کی مبارک حالت

حالت: آج چار روز ہوئے میرے اوپر مغرب کے بعد سخت و شدید حالت قبض  
 طاری ہوئی قلب بالکل خالی معلوم ہوتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا کہ میں بالکل مردود  
 ہو گیا۔ اس وقت حالانکہ میں اپنے کو کافروں سے بھی بدتر سمجھتا تھا۔ نہ نماز میں پہلی سی  
 حالت، نہ ذکر کی رغبت، بار بار خودکشی کو دل چاہتا تھا مگر پھر یہ سوچتا تھا کہ یہ حالت  
 تو غیر اختیاری ہے میرے بس سے باہر ہے مگر خودکشی امر اختیاری ہے اس پر ضرور عذاب  
 ہوگا، پھر یوں بھی دل کو سمجھایا کہ کم بخت اس حالت میں مرنا کونسا اچھا حال ہے اپنی حالت  
 درست کر کے موت کی تمنا کرنی چاہئے، غرض عشاء کے وقت تک سخت اتر حالت رہی  
 عشاء کی نماز کے بعد کچھ کمی محسوس ہوئی تو میں نے نوافل میں دیر تک حق تعالیٰ سے  
 آہ و زاری کے ساتھ التجا کی کہ مجھ میں اس حالت کا تحمل نہیں میں ضعیف ہوں اس طرح  
 میرا امتحان نہ لیجئے میرے حال پر رحم فرمایا جاوے اور اگر اسی میں رخصت ہے تو میں راضی  
 ہوں مگر میرا خاتمہ ایمان پر کیا جاوے۔ بارے الحمد للہ کہ صبح کو وہ حالت بالکل رفع ہو گئی  
 اور حواس بجا ہوئے اور اب پہلے سے زیادہ انوار بسط و انوار ہیں، مگر جیسی اس رات

میری جان پر گزری ایسی مصیبت کبھی نہ دیکھی تھی مگر یہ عجیب بات تھی کہ اس بے چینی اور  
تمنائے خود کشی میں بھی لطف تھا۔ والسلام

تحقیق: مبارک مبارک یہ وہ حالت ہے کہ میری تمنائے متعلقین کے لئے  
اس کے طاری ہونے کی بشرط البصیرة والا استقلال ہوا کرتی ہے اور اس کے  
منافع اس قدر ہیں کہ احاطہ بیان میں نہیں آتے۔ مثلاً عجب و کبر کی جڑ کاٹ جانا ہر وقت  
استحضار اپنے محل تصرف میں ہونے کا، وساوس و خطرات غیر اختیار یہ یعنی تصرفات  
شیطانہ کی انتہا معلوم ہو کر جھجک نکل جاتا جو کہ شرعاً عین مطلوب ہے اگر مرتے وقت  
کسی کو ایسی حالت پیش آدے وہ طبعاً گھبرا جاوے اور خدا جانے گھبراہٹ میں کیا سمجھ  
بیٹھے حالت حیات و علم میں اس کے پیش آجانے سے اس کا تحقق ہو جاتا ہے۔ اگر  
وقت مرگ پیش آدے وہ کیفیت موثر نہیں ہوتی وغیر ذالک من المنافع و المصلح  
سب کا خلاصہ فنانے نام ہے اور اس کے بعد بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے  
الحمد للہ! اس حالت کے منافع حق تعالیٰ نے مجھ کو بھی مشاہدہ کرائے ہیں تب  
ہی سے اس کو حصول مقصود کے لئے مثل جزو اخیر علت تامہ کے سمجھ رہا ہوں اور  
اسی سے اپنے اجاب کے لئے اس کا تمنی ہوتا ہوں مگر مبارک باد دیتا ہوں۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۶۹۱)

## علاج بعض اقسام قبض

سوال: اب کچھ اپنی تباہی کا حال بیان کرتا ہوں کہ سمع خراشی کے لئے معاف  
فرمایا جاؤں جس کا یقین کامل ہے۔ حضرت اب تو نہایت اتر حالت ہے۔ وظیفہ وغیرہ  
سب ترک ہے اگر تسبیح لے کر بیٹھتا ہوں جی گھبراتا ہے۔ قید شمار تسبیح سے جی الجھتا  
ہے تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں اس میں البتہ کبھی کبھی عرصہ تک تیندیا کیا کہوں خبر نہیں

رہتی کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ شغل اشغال قطعاً بند ہیں۔ کیوں کہ دل الجھتا ہے لیکن ان کا تہہ ہر دم سو ہاں روح ہے اور ایک بات یہ بھی کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے، کیونکہ خدا جلنے میں کیا کچھ سمجھتا ہوں اور ہو کچھ اور، وہ یہ ہے کہ زیادہ اوقات میں اور کبھی کبھی ہر کام میں اور کبھی کبھی نہیں بھی دھیان اللہ کا دل میں رہتا ہے۔ اگر کچھ تسکین اس وقت ہے تو اس سے ہے کہ اگر چہ زبانی یا بقصد تسبیح کے ذکر نہیں کرتا ہوں، خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ کبھی دھیان تو اپنے اللہ کا آجاتا ہے۔ پیشتر جو سوز و گداز اور غلبہ رہتا تھا اس کا پتہ بھی نہیں ہے۔ اب فرمائیے کہ یہ کیا حالت واقع ہوئی اور کیا علاج کیا جاوے۔ اگر خدا نخواستہ کوئی بات خلافت ظہور میں آوے تو اللہ کو علم ہے کہ میری کیا حالت ہوگی۔ اللہ۔ صاف صاف جواب تحریر فرمائیے گا۔ ہرچہ بادا باد اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمادیں۔ پیشتر اس قدر تسبیح پڑھتا تھا کہ تیس تیس ہزار تسبیح علاوہ نماز و توافل کے روزمرہ ہو جاتی تھیں اور ایک ذوق تھا۔ اب قسمت سے میری یہ حالت واقع ہوئی۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے پیشتر جوش و خروش ابتدا میں تھا اب ایک معمولی حالت ہو گئی ہے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی بلکہ پیشتر سے اپنے میں بدرجہا کمی معلوم ہوتی ہے میرے خیال میں پیشتر سے بعض ترقی کے کمی ہوئی ہے اب آپ تحریر فرمائیے کیا ہے۔

مختصر آئیہ عرض ہے کہ اب ذکر وغیرہ کچھ نہیں بن پڑتا ہے البتہ میرے خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فکر کچھ ضرور رہے کیونکہ دل میں اللہ کی یاد کبھی کبھی ضرور رہتی ہے۔ یہ کمی اشغال و معمولات میں نہ معلوم کیوں ہو گئی براہ کرم مطلع فرمایا جاؤں۔

## الجواب

مشفق۔ سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا حال اچھا خاصا ہے۔ عبادت کے مختلف طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے ذکر بلا قید عد بھی عبادت ہے۔ اپنے کو ذلیل و خوار تا صر و

ناقص سمجھنا بھی عبادت ہے غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں ایک -  
 معصیت دوسرے غفلت۔ سو یہ بفضلہ تعالیٰ نہیں ہے۔ رہا غلبہ اور شوق یہ حالت عارضیہ  
 میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ قائم و دائم رہ سکتی ہے  
 جن حجابات کا آپ کو مشابہ ہو گیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ بلا دلیل  
 محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہتے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہتے  
 پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس سے مضر ہونے کا احتمال ہے۔ غرض یہ کہ آپ  
 مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے اپنی صحت کی خبر نہیں، سو یہ  
 خبر نہ ہونا کوئی ضرر کی بات نہیں۔ (ماخوذ از التکشف ص ۱۶ و ۱۷)

## حالتِ ہیبت و قبض

ارشاد: حالت قبض و ہیبت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس حال میں سالک یہ  
 دیکھ کر پریشان ہوتا ہے کہ میرے لئے چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے گئے ہیں حالانکہ  
 اللہ تعالیٰ کی اس میں مصالحت ہوتی ہے کہ سب طرف سے مایوس ہو کر میری ہی طرف  
 رجوع ہو اور اس سبب سے مقصود اپنے سے محبوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ شیطان سے  
 بچا کر خود اپنی پناہ میں لینا مقصود ہوتا ہے جیسے ماں بچے کو کسی مکان میں مقید کر کے  
 چاروں طرف کے دروازے بند کر دے کیونکہ باہر بچھو ہے تو بچہ گھبراتا ہے اور سخت  
 پریشان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ماں نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا لیکن اس نادان کو یہ خبر  
 نہیں کہ ماں کا مقصود اس کو مجبوس کرنا نہیں بلکہ باہر جو بچھو پھر رہا ہے اس سے بچانا اور  
 اپنی پناہ میں لینا مقصود ہے۔ (اشرف السواخ)

## آثارِ بیعت

حال : یہ ہے کہ جب سے حضور سے رخصت ہو کر چلا ہوں قلب پر ایک ہیبت رہتی ہے روز افزوں ترقی پر ہے اور ہر فعل مجھے اپنا محدود مش اور اعراض نفسانی پر معلوم ہوتا ہے مگر کوئی غرض متین نہیں ہوتی اور اس قدر اپنی حالت حقیر معلوم ہوتی ہے کہ ہستی تو کیا معنی بلکہ اس کے کسی فرد کا مصداق نہیں ہوں ۔

نہ ہونا ہائے کیا ہوگا ہمارا  
کہ ہونے پر نہ ہونے کا گمان ہے

یہاں تک کہ ضعف بھی ہو چلا ہے اور شاید اس ہی میں گھل گھل کر مثل برف کے ختم ہو جاؤں گا دعساؤ کی سخت ضرورت ہے ۔

تحقیق : یہ بیعت اور حرم مبارک اور رفیع حالات میں سے ہے اگر اس میں ختم ہو جائے شہادت کبریٰ ہے مگر سنت کا مفقود یہ ہے کہ جہاں تک اپنا علم اور قدرت کام دے اعتدال اور تعدیل کو اپنا مستقر اصلی بنا لے بیعت کے ساتھ انس اور حرم اور سوئے ظن بقیہ کے ساتھ رجاء رحمت اور زلف کے ساتھ بقا اور نستی کے ساتھ ہستی اور بالعرفی التواضع کے ساتھ مشاہدہ نعمت کا اہتمام و استحضار کرے تاکہ ختم ہونے سے پہلے دوسرے کا خاتمہ درست کر سکے کیفیات مذکورہ سابقہ میں صاحب نسبت راستہ کو اضطرار کم ہوتا ہے ۔

کیفیات اکثر سوچنے سے بڑھ جاتی ہیں تو ایسا سوچنا جو موجب حرمان ہو طریق میں مضر سمجھا جاتا ہے حدیث کے یہی معنی ہیں **سَدِّدٌ وَاَوْقَابٌ بَوَّاسٌ تَقِيْمًا** وَلَنْ تَخْصُوْا وَاَمِنْ شَاقٍّ شَاقٌّ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ اور حافظ شیرازی نے اس کے معنی میں کہا ہے ۔

دوش بامن گفت پنہاں رازداں تیز ہوش  
 کز شا پنہاں نہ شاید دہشت رازے فردش  
 گفت آساں گیر بر خود کار ہا کز روئے طبع

سخت سے گیر دجہاں بر مردمانِ سخت کوشش

آپ کو اگر آثار مہیبت و سو وطن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہوا کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش بریں  
 نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کا ملین کی  
 نجات ہوگی اسی طرح پر تائبین کی بھی ہوگی اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صفِ فعال ہی ہیں  
 جگہ مل رہے گی اگر اولیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی پس یہ سمجھ کر جسائے  
 اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ كَمَا اَعْرَضْتُمْ لِيْ كِي كَثُرَتْ كَرْنِيْ حَسَا مَيْتِيْ ۔  
 انشاء اللہ تعالیٰ مزاج درست ہو جائے گا اور اگر اس پر بھی یہ قبض مغلوب نہ ہو تو بعد  
 رمضان یہاں فوراً آجانا چاہئے۔ (تربیت السالک ص ۵۴۸۔ تربیت حصہ پنجم ص ۲۱۵)

## آخرت کی پریشانی کا علاج

حال :- آج کئی دن سے میں بہت پریشان ہوں مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میدان  
 حشر میں انبیاء و علماء و صوفیاء و شہداء وغیرہ کا گروہ کھڑا ہو گا اور ہر ایک کو کسی خاص اعزاز سے  
 ممتاز فرمایا جائے گا میں کس گنتی شمار میں ہوں گا۔ میرا تو کوئی عمل بھی ایسا نہیں کہ جس کا سہارا ہو  
 اتنے بڑے دربار میں سخت پریشانی ہوگی۔ دربار رسالت میں بھی تو منہ دکھانے کے قابل نہیں اگر  
 حضور نے جھیر تک دیا کہ تو کیا میرا اتنی ہے کیا کام کر کے لایا ہے تو کیا ہو گا یہ خیالات کچھ ایسے  
 جاگزیں ہو گئے ہیں کہ کسی وقت چین نہیں آتا قلب پر ایک خاص قسم کی گھبراہٹ ہے۔  
 مطب میں بیماروں کو دیکھنا کیسا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ گھبراہٹ روز بروز  
 بڑھتی جاتی ہے کوئی بات بتائیے کہ تسکین ہو جائے۔

تحقیق : اول تو یہ پریشانی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ ہزاروں سکون اس پر نثار ہیں۔ البتہ اس پریشانی سے طبعی کلفت ہوتی ہے جس پر ثواب بھی ملتا ہے لیکن حصول سکون کا طریقہ دو امر ہیں۔ استحضارِ رحمت جو عمل پر موقوف نہیں بلا عمل بھی رحمت ہوتی ہے، دوسرے کثرتِ دعا، کثرتِ استغفار و کثرتِ درود شریف۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے یونانیوں ما یہ پریشانی کم ہو جائے گی۔ (ترتیب سالک جلد دوم ص ۱۷۱)

## امورِ اختیاری و غیر اختیاری

منجملہ مواعظ طریق سلوک کے دو امر خاص ہیں جو اس قدر کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو بلکہ اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے ذوق و شوق و استغراق و لذت و یکسوئی و دفعِ خطرات و سوزش و جذب و عشقِ طبعی و امثالہا اور ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدہ کے ثمرات سمجھ جاتے ہیں اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالہ کے ہتھام میں لگ جاتے ہیں، جیسے قبض و ہجوم، خطرات اور دل نہ لگنا، یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضبِ طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونانہ آنا۔ یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ و امثالہا اور ان امور کو طریق کے لئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل نہ ہونے کو موجبُ بعد عن اللہ سمجھتے ہیں، یہ ہیں وہ امور جن میں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں۔ اور امرِ مشترک



ان دونوں امور میں یہ امر ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں تحصیلاً یا ازالۃً اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا مثل ہے متعدد مفاسد پر ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے کہ درپردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کی مزاحمت ہے، کیونکہ جب یہ امور غیر اختیاریہ ہیں تو انسان کی وسع میں نہ ہوئے نہ تحصیلاً نہ ازالۃً کیونکہ قدرت صدیق متعلق ہوتی ہے تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں پس جب یہ انسان کی وسع میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو موقوف علیہ مقصودِ مامور بہ کا سمجھا اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا اور مامور بہ کے لئے وسع کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور یہ وسع میں ہیں نہیں تو گو یا یہ معتقد ہوا اس امر کا کہ مامور بہ کے لئے وسع شرط نہیں تو صریح مزاحمت ہوتی، ارشاد لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کی اور یہ کنتی بڑی غلطی ہے دوسرا مفسدہ یہ ہے، یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے، اور یہ تحصیل و ازالہ کے لئے کوشش کرے گا جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی۔ پھر اس پریشانی کے یہ آثار متحمل ہیں :-

۱۔ اول۔ پریشانی کے تو اثر سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اورداد و طاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔

۲۔ ثانی۔ پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

۳۔ ثالث۔ غم و فکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل و عیال یا دیگر اہل حق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

- ۴۔ رابع کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور خسر الدنیا والاخرہ کا مصداق بنتا ہے۔
- ۵۔ خامس کبھی مایوس ہو کر اعمال و طاعات کو بے کار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطلت و تعطل محض کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔
- ۶۔ سادس کبھی شیخ سے بد اعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود اتنی ہی کو معلوم نہیں ہے۔
- ۷۔ سابع کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش و مجاہدہ کر رہے ہیں مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی، ذرا رحمت نہیں فرماتے، بالکل توجہ نہیں خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اَلَيْسَ الْاٰرِثِيْنَ اُولٰٓئِكَ (اور من یقرب الی شبرا تقربت الیہ ذرا عا۔ الحدیث تو نعوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے۔ نعوذ باللہ من الجور بعد الکفر (ماخوذ بواہر النوادر صفحہ ۷۹-۷۸) )

## اختیاری اور غیر اختیاری امور کی تفصیل

حضرت والا اس اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو دیگر عنوانات سے بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے مثلاً عقلی اور طبعی۔ اعمال اور احوال۔ افعال اور انفعال مقصود اور غیر مقصود۔ یہ کل پانچ عنوان ہوئے لیکن ان سب کا ممنون ایک ہی ہے کہ انسان اختیاری امور کا مکلف ہے اور غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں۔ حضرت والا ان پانچوں عنوانات سے دوران تربیت سالک بکثرت کام لیتے تھے اور ان کے ذریعے سے سالکین کی بڑی بڑی مشکلات کو حل فرماتے تھے۔ اب ان پانچوں عنوانات کے متعلق حضرت والا کے بعض ارشادات مختصر اور مثلاً پیش کئے جاتے ہیں مثلاً اختیاری اور غیر اختیاری کے متعلق فرمایا کرتے کہ دوسو سے لانا اختیاری ہے اس سے اجتناب کرے

اور دوسوے آنا غیر اختیاری ہے اس کی کچھ پردا نہ کرے۔ البتہ آئے ہوئے دوسووں کو اختیار باقی رکھنا بھی بوجہ اختیاری ہونے کے مذموم ہے۔ اسی طرح ذکر و تلاوت و نماز میں دل لگانا اختیاری ہے، دل لگانا غیر اختیاری ہے، اپنی طرف سے دل لگنے کے اسباب کو جمع کرے، پھر بھی اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہی عمل کو بہ تکلف کرتا رہے۔ اسی طرح میلان الی المعاصی کا غم نہ کرے کیونکہ میلان غیر اختیاری ہے۔ البتہ اس میلان کے مقتضا پر عمل کا صدور نہ ہونے دے جو اختیاری ہے محض میلان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ عمل پر ہے۔

اور مثلاً عقلی اور طبعی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ انسان عقلی امور کا مکلف ہے کیونکہ وہ اختیاری ہیں اور طبعی امور کا مکلف نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ چنانچہ ایک طالب علم نے لکھا کہ پہلے کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا لیکن اب کچھ رنج نہیں ہوتا۔ دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی کی علامت ہے۔

اور مثلاً اعمال اور احوال کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں کیونکہ اعمال اختیاری ہیں، احوال اختیاری نہیں۔

اور مثلاً افعال اور انفعالات کے متعلق ایک صاحب فضل کو جو طریق باطن کے متعلق حضرت والا سے خط و کتابت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ذوق و شوق حاصل ہو جائے، حضرت نے آخر میں قول مختتم اور خلاصہ کے طور پر تحریر فرمایا کہ اس طریق میں افعال کا اعتبار ہے، انفعالات کا اعتبار نہیں لہذا افعال کا اہتمام چاہئے جو اختیار کا ہیں انفعالات کے درپے نہ ہونا چاہئے جو غیر اختیاری ہیں۔

اور مثلاً شعبہ باطن میں مقصود اور غیر مقصود کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ مقصود

مقامات ہیں یعنی اعمال اختیار یہ نہ کہ احوال غیر اختیار یہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ گو احوال محمودہ، محمود ہیں لیکن مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیار ہی نہیں نہ ان کا حصول لازم نہ ان کا بقا دائم، اگر حاصل ہوں شکر کرے لیکن کمال نہ سمجھے، اگر نہ حاصل ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو جائیں تو غم نہ کرے۔ (اشرف السوانح حصہ دوم صفحہ ۲۰۲-۲۰۳)

## بعض اوقات اختیاری اور غیر اختیاری میں فرق معلوم نہیں ہوتا

نال۔ ایک صاحب نے تحریر کیا، خیر اور باتوں میں مضائقہ نہ تھا لیکن نماز، تلاوت اور ذکر میں یہ حالت بڑی شرمناک ہوتی ہے۔ حدیث نفس کا مرض بھی بدستور بلکہ روز افزوں ہے۔ وہ بھی نماز وغیرہ کسی حالت میں بچھا نہیں چھوڑتا۔ اس حد تک کہ فیصلہ میرے لئے مشکل ہو گیا۔ کہ ان باتوں کو کہاں تک میں اپنے لئے اختیار ہی سمجھوں، اور کہاں تک غیر اختیاری۔ بعض وقت خیال ہوتا ہے کہ بالکل اختیار سے باہر ہیں اور بعض وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات عزم سے دور ہو سکتی ہے مگر یہ عزم ناکامی پر ختم ہو جاتا ہے۔

تحقیق۔ اتنی کاوش کا عہد مکلف بھی نہیں۔ معتدل فکر سے جو چیز اختیاری معلوم ہو مقاومت کرے، جب عاجز یا کالواجز ہو جاوے تو دونوں احتمالوں کا حق ادا کرے، غیر اختیاری ہونے کے احتمال پر تو صبر کرے کہ مجاہدہ ہے اور اختیاری ہونے کے احتمال پر استغفار اور دعائے ہمت و قوت کرے اور اس کی نظیر فقہیات میں ماء مشکوک سے وضو کے ساتھ تیمم جمع کرنا ہے اس میں سب احکام کی رعایت ہو جائے گی اور کاوش کے غلو سے (کہ ایک درجہ میں منہی عنہ بھی ہے اور موجب تشویش بھی ہے محفوظ رہے گا۔ کما قال علیہ السلام مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهَ وَكَانَ الْحَافِظُ۔ ترجمہ بقولہ ۷

گفت آسان گیر بر خود کار ہا کز روئے طبع

سخت می گیر دجہاں بر مردمان سخت کوش

(ترتیب اسالک جلد دوم)

## خیر الاختیار فی خیر الاختیار

فرمایا ایک صاحب نے خط میں یہ شکایت لکھی ہے کہ جو جمعیت قلب حضرت والا کی خدمت بابرکت سے لے کر آیا تھا وہ یہاں آکر رفتہ رفتہ رخصت ہو گئی۔ فرمایا میں نے جواب لکھا ہے کہ اگر یہ کیفیت رخصت ہو گئی تو ضرر کیا ہو کیونکہ کیفیت مقصود ہی نہیں، حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ضرر تو ہوا ہے۔ فرمایا کیا ضرر ہوا ہے عرض کیا گیا ایک چیز نصیب ہوئی تھی وہ جاتی رہی۔ فرمایا اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ چیز اس کے لئے نافع ہی تھی ممکن ہے کہ وہ مضر ہوئی جو تعالے ہی مفید اور مضر کو خوب جانتے ہیں اور اس کو بھی کہ بندہ کے لئے کس وقت کیا مناسب ہے لوگ تو کیفیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور لذت کے طالب ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مزے سے اعمال میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ سہولت ہی کی کیوں طلب ہے کیا انسان دنیا میں سہولتوں کے لئے بھی گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا اور یہ طالب ہے سہولت کا۔ الغرض اس غم میں ہی نہ پڑنا چاہئے۔ اپنے کام میں لگے رہنا چاہئے کیونکہ اس غم میں پڑنا کہ وہ حالت نہیں رہی، یہ حالت نہیں رہی نلال کیفیت جاتی رہی۔ یہ سب قلب کا برباد کرتا ہے آخر یہ توجہ مخلوق کی طرف نہیں تو اور کس کی طرف ہے۔ اس وقت جو سوال کیا گیا ہے اس میں بھی عنوان تو اچھا اختیار کیا گیا ہے مگر ہے نفس کا کید، کہ راحت و سہولت کا طالب ہے اور شیطان بھی اس طرف مشغول رکھ کر توجہ بحق سے غافل رکھنا چاہتا ہے۔

ایک باریک بات کہتا ہوں اس کی طرف کم التفات ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر جمعیت قلب ہی کی طلب ہے تو اس کی فکر میں ہر وقت رہنا کہ جمعیت میسر ہو خود جمعیت کے بالکل منافی ہے جب یہ فکر رہی تو جمعیت کہاں رہی اور نہ اس صورت سے قیامت تک جمعیت میسر ہو سکتی ہے

جمعیت جب ہی ہو سکتی ہے کہ قلب کو اس کی تحصیل سے خالی کر لے۔ سوچ اور فکر ہی میں نہ پڑے ورنہ ہر وقت یہ فکر کہ جمعیت میسر ہو خود ایسی چیز ہے کہ اگر کچھ جمعیت نصیب بھی ہوئی ہو تو یہی فکر کر کے یہ اپنے ہاتھ سے خود اس کو برباد کر رہا ہے ایسا کرنا بالکل اس شعر کے مصداق ہے

سے یکے برس شاخ و بن سے نر یہ

خداوندستان نگاہ کرد و دید

جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہے اس طرح یہ لوگ اپنے ہاتھوں قلب کو مشوش کر رہے ہیں اور مشوش رہنے کی یہی وجہ ہے کہ غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ جمعیت نہ ہونے کے سبب ناز میں بھی لوگوں کو دسادس آتے ہیں اور اکثر ان کی شکایت کیا کرتے ہیں اور دفع کی تدابیر پوچھا کرتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس طرف خیال ہی مت کرو۔ اتفاقات ہی مت کرو۔ بلکہ ایسے موقع پر مفید صورت یہی ہے کہ اپنے کام میں لگے رہیں ان دسایہ کی طرف التفات ہی نہ کریں۔ جلبانہ سلباً کیونکہ یہ اتفاقات ایسا ہے جیسے بھلی کے تار کو ہاتھ دکا تاکہ چلے دفع کے واسطے ہو چاہے اپنی طرف کھینچنے کے واسطے ہو، ہر صورت میں وہ پکڑ لیتا ہے اور میں کہتا ہوں دسادس کی فکر ہی کیوں ہے۔ قلب تو مثل ایک مٹرک کے ہے اگر مٹرک پر بھنگی چار چل رہے ہیں اور آپ بھی اس پر سے گزر رہے ہیں تو آپ کا حرج ہی کیا ہے اگر مٹرک کے خالی ہونے کے انتظار میں آپ کھڑے رہیں تو کبھی بھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے البتہ بادشاہ کے لئے تو مٹرک خالی بھی ہو سکتی ہے مگر ہر شخص بادشاہ نہیں۔ انوس اب تو ہر شخص بادشاہ بننا چاہتا ہے کہ جیسے ان کے لئے مٹرک روک دی جاتی ہے ایسے ہی ہمارے لئے بھی سب گزرنے والوں سے مٹرک خالی کر دی جائے، اسے بھائی پہلے بادشاہ کے درجے کے تو ہو جاؤ پھر یہ تمنا کرنا جو بادشاہ کے درجے کے ہو جاتے ہیں ان کے لئے مٹرک بھی صاف کر دی جاتی ہے۔ لوگ دسادس کو حضور قلب میں مغل سمجھتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ خود حضور قلب ہی مقصود نہیں، صرف احضار قلب مقصود ہے۔ حضور ہو یا نہ ہو ہم اس کے

مشرعاً مکلف ہی نہیں پھر شرع پر زیادت چہ معنی سے  
 بُزہد و دوع کوشش و صدق و صفا  
 ولیکن میفرمائے ہر مصطفیٰ

معلوم بھی ہے جیسے عقاید و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ہے ایسے ہی احوال کی  
 زیادت بھی بدعت ہے یہ ظاہری آدہ باطنی غیر اختیاری امور کا مطلوب نہ ہونا اور اختیار کا  
 کا مطلوب ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ  
 بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لِلنِّسَاءِ لَنُصِيبَنَّ مَا  
 كَتَبْنَا وَاَسْئَلُو اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ط (النساء)  
 ترجمہ :- اور تم ایسے امر کی تمنائمت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں  
 پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے  
 لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست  
 کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر دل میں اس کی شان نزول یہی لکھی ہے کہ مجاہدین کے اجر جہاد کو جناب  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کاش  
 ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِۦٓ حٰٓزِنًا مِّمَّا كَتَبْنَا لَكُمۡ بِالْكِتَابِ وَاَقْرَبُ مَا فَضَّلَ اللّٰهُ لَكُمْ

امور غیر اختیار یہ ہیں آیت کا حاصل یہ ہوا کہ فضائل دو قسم کے ہیں موہو بہ یعنی غیر  
 اختیار یہ اور مکتبہ یعنی اختیار یہ۔ حق تعالیٰ نے وَلَا تَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِۦٓ  
 میں غیر اختیاری کی تمنائمت سے نہیں فرمادی ہے اور لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لَكُمۡ  
 میں اختیاری کے کتاب کی ترغیب دی ہے پھر وَاَسْئَلُو اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ میں اس  
 کی اجازت دی ہے کہ اگر فضائل غیر اختیار یہ کو دل ہی چاہے تو بجائے درپے ہونے اور

ہوس کرنے کے اس کی دعا کر لیا کر داس لئے ارشاد فرماتے ہیں **وَاسْتَسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ** یعنی ثمرات و فضائل کے لئے دعا کرنے کا اذن فرمایا ہے بشرطیکہ اور کوئی امر مانع دعا نہ ہو مثلاً کسی امر کا غیر عادی ہونا جیسے عورت کا مرد بن جانا پھر دعا کر کے بھی حصول کا منتظر نہ رہنا چاہئے اس سے بھی پریشانی ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ **إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا** پس اس میں تعلیم ہے کہ حق تولدے ہی کو مصلحت اور حکمت معلوم ہے وہ ہر ایک کی استعداد کے موافق فضائل و ثمرات خود عطا فرماتے ہیں کبھی دعائے کبھی بغیر دعوے کے تم ایسی غیر اختیاری چیز کی ہوس مت کرو اور نہ ان کی افراط کے ساتھ تمنا کرو۔ اور آج کل اکثر لوگوں نے ایسی ہی چیزوں کی تمنا کو اختیار کر رکھا ہے جن کے حصول کے درپے ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی سبب ہے زیادہ تر لوگوں کی ناکامی و پریشانی کا۔

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت بلا قصد اگر بچھلے گناہ یاد آجائیں تو اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ توبہ خالص و کامل کر چکنے کے بعد دوام کی ضرورت ہے ایک توبہ کہ خود ان گناہوں کا قصد استحضار نہ کرے جو ماضی میں گزر چکے ہیں اور جن سے توبہ کر چکا ہے۔ اور دوسرے آئندہ کے نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑے ماضی کا غم اور مستقبل کی فکر یہ دونوں حجاب ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں

ماضی و مستقبلت پر وہ خداست

خلاصہ یہ کہ قصد گناہوں کا استحضار نہ کرنا چاہئے اس سے بندے اور خدا کے درمیان حجاب ہو جاتا ہے البتہ جو گناہ بلا قصد یاد آجائے اس پر مکرر استغفار کر کے پھر اپنے کام میں لگ جائے زیادہ کاوش نہ کرے البتہ اگر کسی کو استحضار سے بھی کیفیت حجاب کی نہ ہوتی ہو اس کے لئے مضر نہیں مگر پھر بھی مبالغہ اور غلو نہ کرے۔

پھر انہی مولوی صاحب نے حدیث کی اس دعا کا مطلب دریافت کیا :-

اللَّهُمَّ اجْعَلْ وَسْوَاسَ قَلْبِي خَشْيَتَكَ وَذِكْرَكَ وَاجْعَلْ هَمَّتِي وَهَوَايَ



فِي مَا تُحِبُّ وَتُضَيِّقُ فَرِيَا اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بجائے دساویں کے خشیت و ذکر قلب میں پیدا ہو جائے اور جَعَلَ ایسا ہوگا جیسا ایک حدیث میں ہے ،  
 مَا جَعَلَ الْكُفْرَ هَمًّا وَاحِدًا اِیْنِی پہلی چیز زائل ہو جائے اور دوسری  
 پیدا ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ دساویں تدریجہ خشیت و ذکر کا بن جائیں جیسا حضرت  
 حاجی صاحب رَضِيَ اللهُ عَلَيْهِ نے فرمایا تھا کہ دساویں کو مرآة جمال خداوندی بتائے،  
 اس طرح سے کہ جب دساویں بندہ ہوں تو یہ مراقبہ کرے کہ اللہ اکبر قلب، کبھی کیسا بنایا  
 ہے کہ اس کے خیالات کی انتہا ہی نہیں پس اس صنعت کے مراقبہ میں لگ جاوے۔  
 تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ خود دساویں ہی کو خشیت و ذکر کر دیں جیسا کہ  
 مولانا فرماتے ہیں۔

کیسا داری کہ تبدیلیش کنی      گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی  
 ایں چنین مینا گر بہا کارست      ایں چنین اکسیر باز اسرارست

پس تو جب دسوسہ آئے ہمت سے اپنے قلب کو بہ تکلف دوسری طرف متوجہ کر دے  
 اور بالکل نکل جانا تو مطلوب نہیں اگر آدمی بچنا چاہے اور ہمت اور قوت سے کام لے  
 تو خدا مدد کرتا ہے رفتہ رفتہ دسوسہ سے بالکل ہی نکل جاتے ہیں اور اگر نہ بھی نکلیں تو تکلف  
 برداشت کرے۔ اگر خدا خواستہ کوئی مرض عمر بھر کو لگ جائے تو وہاں کیا کرے۔ عمر بھر  
 تکلیف کو طوعاً و کرہاً برداشت ہی کرنا پڑے گا۔ یہاں بھی یہی کرو اور اگر اس پر راضی  
 نہیں تو کوئی دوسرا خدا تلاش کرو۔ حضرت سرمدؒ نے خوب فیصلہ فرمایا ہے

سرمد گلہ اختصار سے باید کرد      یک کار ازیں دو کار سے باید کرد  
 یا تن برضائے دوست سے باید داد      یا قطع نظر زیار سے باید کرد

میں کسی کو سعی و کوشش سے اور اپنی اصلاح کی فکر سے منع نہیں کرتا ہاں غلو سے منع کرتا ہوں  
 نہ تو غلو ہونہ غلو ہو بلکہ غلو ہو اور اگر کسی کو ہوس ہوتی ہو کہ عارفین کو عبادات میں کیا لطف اور

مزے آتے ہوں گے چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ نَمَازِ مِيرِي آنکھ کی ٹھنڈک ہے، تو خوب سمجھ لیجئے کہ جہاں ان کے لئے لذت اور مزہ ہے وہاں ایک شے اور بھی ہوتی ہے جو سارے مزوں کو مایا میٹ کر دیتی ہے وہ ہیبت اور خشیت ہے کہ جس سے سارا مزہ گروہو جاتا ہے۔ خود جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں یہ حالت ہوتی تھی کہ "أَزْيِرُكَ أَزْيِرُ الْمَرْجَلِ" یعنی نماز میں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے آپ کے سینہ مبارک کی بوجہ غلبہ خوف و خشیت کے اسی حالت ہوتی تھی جیسے کوئی ہانڈی چولنے پر چڑھی ہوئی ہو اور اس میں ابال کی وجہ سے کھد بکھد بد آواز آرہی ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہقیر نہیں فرمایا کرتے تھے اور دائم الفکر رہا کرتے تھے تو جناب آپ کو کیا خبر کہ جن کو آپ سمجھتے ہیں کہ مزے مزے میں ہوں گے ان پر کیا گذرتی رہتی ہے اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں :-

اے ترا خار سے بہ پانٹا کتہ کئے دان کی چسیت

حال شیر لانے کہ شمشیر بلا بر سر خو رند

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو ہیبت و خشیت ہی کا اتنا کرنا ہے اور مزہ اس واسطے دے دیتے ہیں کہ ہیبت و خشیت کا تحمل ہو سکے اسی کو فرماتے ہیں :-

گر تو ہستی طالب حق مود راہ درد خواہ و درد خواہ و درد خواہ

اور دو کا بھی ایک شعر اسی کو ظاہر کرتا ہے :-

در د دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیباں

سمجھ لیجئے کہ لذت مقصود نہیں، مقصود خوف و خشیت ہی ہے، لیکن لذت اس لئے دی جاتی ہے کہ خشیت کا سہارا ہو سکے پھر بھی غلبہ خشیت ہی کا رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو بندہ پیدا ہی اس واسطے ہوا ہے کہ وہ اس کشمکش میں رہے، ورنہ عالم ارواح ہی سے آنے کی کیا

ضرورت تھی۔ اس امتحان ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے ہیں اور یہی تو حکمتِ روح کو جسد کے ساتھ تعلق کرنے میں ہے، جب تک جسد کے ساتھ روح کا تعلق ہے یہی کشاکش رہے گی اس سے چھٹکارے کی تمنا ہی کرنا فضول ہے۔ انسان اس کشاکش ہی کے لئے تو پیدا کیا گیا ہے ورنہ عبادت کے لئے فرشتے کیا کچھ کم تھے۔ شاہ نیاز اسی کو کہتے ہیں ۵

کیا ہی چینِ خوابِ عدم میں تھا، نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال  
سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

مجنوب کا قول ہے ۵

کہاں تھا کون تھا اور اب کہاں ہوں کیا ہوں میں

اس آب و گل کے جو دل دل میں آپھنسا ہوں میں

تھے کہاں گردشِ تقدیر کہاں لائی ہے

بادہ پیمانی تھی یا باد یہ پیمانی ہے

یہ بند ہے مگر خدا بن کر رہنا چاہتا ہے کہ جو میرا جی چاہے وہ ہو۔ بس حقیقت یہ ہے کہ لذتِ مقصود ہی نہیں مقصود نصب و وصب ہے اسی واسطے حضراتِ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے خالی نہ رہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار میں شدت ہوئی تاکہ ثوابِ مفاعف ہو اگر یہ کوئی چیز مقصود نہ تھی تو انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیوں بری نہ رہے، مولانا فرماتے ہیں ۵

زاں بلایا کا نبی ابرو داشتند سر بہ چرخ ہفت میں افراشتند

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَهْلُ  
فَالْاَهْلُ دِيكُمُ اَشَدُّ بَلَاءً فَرَمَا اَكْثَرُ دَاخَةَ نِهْنِي فَرَمَا اَدْرُو سَاوِي  
کی طرف سے تو ہم کو بالکل مطمئن فرمادیا گیا ہے۔ حضراتِ صحابہ سے بڑھ کر تو ہم نہیں ہو سکتے  
ان حضرات کو بھی ایسے ایسے وسوسے آتے تھے کہ جن کے بارے میں انہوں نے اس عنوان سے

حضور میں عرض کیا کہ ان کو ظاہر کرنے سے جل کر کوئلہ ہو جانا سہل ہے تو دیکھئے ان حضرات کو بھی کیسے کیسے خوفناک دوسو سے آتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا ذاک صریح الا ییمان ظاہر ہے کفر کے دوسو سے بڑا دوسوہ کوئی نہیں ہو سکتا اس کا بھی یہی حکم ہے اور جب اس قسم کے دوسو کا قلب میں ہجوم ہو تو وہی نسخہ ہستمال کیسے کہ اپنے خیالات کو کسی دوسری طرف توجہ کر دے خواہ کسی دنیا ہی کی چیز کی طرف مثلاً گاجر کا حلوا۔ شلجم کا اچار اور اس کے اذنان اور ترتیب میں قلب کو مشغول کر دے۔ اس طرح قلب کو توجہ کرنے میں چند روز تو تعب ہو گا مگر پھر انشا اللہ تعالیٰ بڑی سہولت سے دوسو کی مدافعت پر قدرت ہو جائے گی آخر میں بطور تحدت بالنعمة کے فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو تو ہر الجھن میں سیدھا راستہ نظر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طریق کے سمجھنے میں اب کوئی پیچیدگی نہیں رہی۔ (تربیت سالک حصہ ۱۴)

## حالات محمود اور غیر محمود کا معیار

سوال: ایک صاحب جنہوں نے اپنے مختلف احوال باطن تحریر کئے، ان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

تحقیق: مجموعی حالات سب محمود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اچھے حالات عطا فرمائے بس صرف یہ قاعدہ ہمیشہ قابل استحضار ہے کہ جو احوال غیر اختیار یہ ظاہر محمود ہوں مگر اعمال اختیار یہ شریعت پر منطبق نہ ہوں وہ احوال غیر محمود ہیں، اور جو احوال غیر اختیار یہ ظاہر غیر محمود ہوں مگر اعمال اختیار یہ شریعت پر منطبق ہوں وہ احوال محمود ہیں احوال کو ہمیشہ اس معیار پر جانچنا ضروری ہے۔ ان سطروں میں تمام احوال مرقومہ خط کا فیصلہ ہے۔ باقی دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔ والسلام۔ (تربیت سالک حصہ دوم ص ۲۳۱)

## غیر اختیاری امور مضر نہیں ہیں

حال : متعارف ذکر و شغل سے بالکل مناسبت نہیں معلوم ہوتی ہے ۱۶-۱۷ سال ہو رہے ہیں پہلے پاس انفاس کی مشق کرتا رہا۔ پھر اللہ اللہ کا ذکر قلبی کیا۔ پھر حضرت والہ کے ارشاد کے مطابق تہجد کے بعد نصف گھنٹہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرتا رہا جو بحمد اللہ جاری ہے لیکن کچھ ایسی وحشت و گرائی رہتی ہے کہ پہلو بدل بدل کر اور گھڑی دیکھ دیکھ کر یہ مشکل ۳ منٹ پورے کرتا ہوں دل بالکل متوجہ نہیں ہوتا زور لگا کر منٹ دو منٹ متوجہ رہتا ہوں پھر وہی بے توجہی عود کر آتی ہے۔

تخصیص : استعداد کے اختلاف سے ایسے حالات جو غیر اختیاری ہوں مختلف ہوتے ہیں جن میں سے کوئی حالت ذرا بھی مضر نہیں بشرطیکہ ماقبل کے حالات پر نکیہ اور اعتراض نہ ہو اگر خدا نخواستہ یہ ہو تو بہت خطر ناک ہے یہ شرط ذرا اہل طریق کے کلام میں مصرح ہے اور ایک شرط قواعد سے میرے ذوق میں ہے وہ یہ کہ پیش آمدہ حالات پر شکایت و ناشکری و بے قدری نہ ہو کہ یہ بھی مضر ہے گو پہلے ضرر سے کہ ہے کیونکہ

اس شکایت کا منشا تو اضع و انکسار ہے اور پہلے کا منشا دعویٰ و استکبار ہے لیکن بعد عن الحقیقتہ دونوں میں مشترک ہے بہر حال غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اصلاً مضر نہیں لہذا اس کی تدبیر کی تصدی حدود سے تعدی ہے البتہ اس کے مقابل کو نافع سمجھ کر دعا کرنا یہ افتقار ہے جیسے مرض غیر اختیاری کے مقابل صحت کی دعا ماذون فیہ ہے لیکن عدم اجابت پر دونوں میں راضی رہنا عبودیت ہے وَهَذَا مِنْ سَوَاحِجِ الْوَقْتِ وَهَبَ لِي رَبِّي هَذِهِ السَّاعَةَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۷۸)

## امر غیر اختیاری پر شبہ کا جواب

حال :- ایک اجازت یافتہ نے خط میں اپنا واقعہ کہ کسی جگہ جانا ہوا اور احتمال تھا کہ وہ لوگ امامت یا وعظ کی درخواست کریں گے مگر ایسا نہیں ہوا جو ناگوار ہوا اور اس سے شبہ ہوا کہ یہ اثر ان نفس و حب جاہ اور کبر کا مجموعہ ہے، اس پر استغفار کیا مگر اس کا اثر پورے طور سے زائل نہیں ہوا جو دلیل ہے حب جاہ کی یہاں سے جواب دیا گیا کہ یہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے مذموم نہیں اس پر ذیل کا خط آیا ۔

حال :- ایک شبہ عرض کر کے تشفی چاہتا ہوں وہ یہ کہ حسنت غیر اختیاری فی ذاتہا گو مطلوب نہیں علیٰ ہذا استیثانات غیر اختیاریہ فی نفسہا مذموم نہیں مگر ان امور غیر اختیاریہ کے مناشی بوساطت قریبہ یا بعیدہ ضرور اختیاری ہوتے ہوں گے جن پر امور غیر اختیاریہ کا ترتیب قریب یا بعید ہوا ہے وہ مناشی مطلوب یا مذموم ہوں گے تو بناءً علیہ ہر غیر اختیاری مرجح کوئی نہ کوئی امر اختیاری ہوا جو قابل طلب یا قابل دفع ہوا۔ اور اس کی تشخیص و تعیین اولاد علاج ثانیاً رائے شیخ پر موقوف ہے لہذا ہر غیر اختیاری کی شیخ کو اطلاع دیکر علاج طلب کرنا ضروری ہوا و ہذا اخلاف المتقدر عند المحققین تحقیق سے ؛ بالکل غلط مثلاً جس انقباض کی شکایت لکھی تھی اور اس کا اثر زائل نہیں ہوا تھا اس کا مرجح کوئی امر اختیاری ہے غیر اختیاری تو وہی ہے جو نہ بلا واسطہ اختیاری ہو نہ بواسطہ مجرمہ اختیاری کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری بلا واسطہ و ہذا قلیل اور دوسری اختیاری بواسطہ و ہذا کثیر۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ سوال کرتے وقت کوئی فرد اختیاری کی (جو بلا واسطہ غیر اختیاری ہے اور بواسطہ اختیاری) ذہن میں آگئی ہے اور اس کے بالذات غیر اختیاری ہونے پر نظر کر کے اس کو غیر اختیاری قرار دیا گیا ہے پھر اس کے منشا کے اختیاری ہونے پر نظر کر کے اشکال وارد کر دیا گیا۔ خود یہی غلطی ہے اور بہت موٹی غلطی ہے جس کا نہ سمجھنا تعجب ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۱۵)

## ملفوظ تہذیبی طریق سلوک ملقبہ

### السبیل لغیری السبیل

ایک مجلس میں عرض کیا گیا کہ حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال ماسور بہا سب اختیار ہیں اور اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں تو یہ تو بظاہر بہت معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے پھر طریق میں اہمیت ہی کیا رہی؟ فرمایا کہ ہے تو یہ معمولی اور موٹی بات لیکن لوگوں کا اس جانب التفات نہیں حالانکہ اسی پر دار و مدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا عرض کیا گیا کہ جب آدمی باوجود کوشش کے اپنی اصلاح سے عاجز ہو جاتا ہے تب ہی تو اس کی تدابیر اور معالجہ پوچھتا ہے تو اس سے بھی یہی کہہ دینا کہ ہمت اور اختیار سے کام لو کیونکہ کافی ہو سکتا ہے کیونکہ ہمت اور استعمال اختیار کی اُسے توفیق ہی نہیں ہوتی فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ استعمال پر قادر ہے تو ہمت کر کے اختیار کا استعمال کر لگا تو کامیابی لازم ہے ناکامی کی کوئی صورت ہی نہیں البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے، عرض کیا گیا کہ واقعی قدرت اور اختیار کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جب دشواری اور کلفت کی وجہ سے اس کے استعمال ہی کی نوبت نہ آتی تو وہ اختیار منید ہی کیا ہوا کیونکہ نتیجہ تو وہی ہوا جو عدم اختیار کی صورت میں ہوتا ہے یعنی عدم صدور اعمال فرمایا کہ جب علاج پوچھا جائے گا تب تو وہی بتایا جائے گا جو دراصل علاج ہے، رہی خود اس علاج کے استعمال کی دشواری سو جب اس کے متعلق سوال کیا جاوے گا اس وقت اس کا جواب دیا جائے گا۔

عرض کیا گیا کہ اب سوال کیا جاتا ہے اس ہتھیار پر، فرمایا کہ اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں البتہ اس استعمال اختیار میں کلفت اور دشواری ضرور ہوتی ہے۔ سو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر یہ تکلف اور یہ جبر کام لیتا رہے، رفتہ رفتہ وہ کلفت تبدیل بسہولت ہو جائے گی ساری ریاضت اور سارے مجاہدے بس اس لئے کئے جاتے ہیں کہ اختیار امر اور اجتناب تو اسی میں سہولت پیدا ہو جائے میں تو کہا کرتا ہوں کہ خلوص اور ہمت بس یہ دو چیزیں ماحصل ہیں۔ سارے تصوف کا اور ساری پیری مریدی کا، کیونکہ اگر ہمت نہ ہوگی تو عمل ہی نہ ہوگا اور اگر خلوص ہی نہ ہو تو عمل ناقص ہوگا۔ اگر ان دو کو جمع کر لیا جائے تو پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ بھی بس انہی دو چیزوں کی تعلیم کرتا ہے۔ رفع کلفت اور تحصیل سہولت کا جو طریق ارشاد فرمایا کہ بہ تکلف ہمت اور اختیار سے کام لیتا رہے رفتہ رفتہ سہولت ہونے لگے گی۔ اس کے ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ ہر کام شروع میں مشکل ہوتا ہے مگر کرتے کرتے مشق ہو جاتی ہے اور پھر تہا بیت سہولت کے ساتھ ہونے لگتا ہے جیسے سبق شروع میں دشوار ہوتا ہے مگر رٹتے رٹتے یاد ہو جاتا ہے۔ اگر شروع کی کلفت اور تعب کو دیکھ کر ہمت ہار دی تو پھر کوئی صورت ہی کامیابی کی نہیں اور اگر برداشت کر لی تو چند روز کے بعد دیکھے گا کہ سہولت کے ساتھ وہ عمل ہونے لگے گا۔

### چند روز سے جہد کن باقی بخند

جب حضرت یہ بیان فرما رہے تھے کہ اخلاص و ہمت ہی خلاصہ میں تصوف کا تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا اخلاص بھی اختیاری ہے فرمایا اور اختیاری کیوں نہ ہوتا، کیا گھی کا خالص رکھنا اختیاری نہیں۔ اس میں چربی نہ ملائے، تیل نہ ملائے، پس وہ گھی بقول عوام (ظرافت کے لہجے میں) نخالص ہے یعنی خالص ہے اور عبادت کے خالص رکھنے



ہی کو اخلاص کہتے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ شیخ کی دعا و برکت کو بھی بہت بڑا دخل ہے! اصلاح میں فرمایا کہ برکت کا انکار نہیں مگر اس کا درجہ بھی تو متعین کرنا چاہئے اس کا مرتبہ صرف ایسا ہے جیسا عرف سونف کا مرتبہ مسہل میں کہ اس سے اعانت ضرور ہوتی ہے مسہل میں مگر کیا محض عرف سونف بغیر مسہل کے کارآمد ہو سکتا ہے اور مسہل کا کام دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں عرض کیا گیا کہ اس کا تو مشاہدہ ہے کہ شیخ کی دعا و توجہ کی برکت سے بہت کچھ تغیر اپنی حالت میں محسوس ہونے لگتا ہے۔ فرمایا کہ مسہل میں ادھر عرف سونف پیا ادھر دھڑا دھڑا دست آنے شروع ہو گئے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اکیلا عرف سونف کافی ہو گیا؟ حضرت نری دعا و برکت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک خود اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے حضور مرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی صاحب برکت ہو سکتا ہے اور نہ مقبول الدعوات، حضرت کے چچا ابو طالب کیسے جہاں نثار اور عاشق زار تھے حضور نے دعا بھی دل و جان سے کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اصرار بھی فرمایا مگر چونکہ خود انہوں نے نہ چاہا ایمان نصیب نہ ہوا۔ بالکل طبیب اور مریض کی سی مثال ہے، اگر مریض دوا نہ پئے تو کیا محض طبیب کی شفقت اور توجہ سے مریض اچھا ہو جائے گا؟ صحت تو اس کے نسخہ ہی سے ہوگی اسی طرح اگر بچہ سبق یاد نہ کرے تو سبق کیسے یاد ہو جائے گا محض استاد کی توجہ سے تو سبق یاد نہیں ہو سکتا۔ وہ تو یاد کرنے ہی سے یاد ہو گا۔ عرض کیا گیا کہ شیخ کی برکت سے توفیق ہو جاتی ہے فرمایا کہ یہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں کہ برکت معین ضرور ہے مگر کافی نہیں۔ اس کا دخل تو دخل اعانت ہے، دخل کفایت نہیں یہاں تک کہ محض شیخ کی برکت تو ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ محض ہمت اور ہمتی اختیار کافی ہو جائے۔ میں تو ان باتوں کو علی الاعلان کہتا ہوں۔ خواہ مخواہ میں اپنے متعلقین کو مقید بنانا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کر سکے تو

چشم مار و شن دلِ ماشاد، خوشی کا مقام ہے کیونکہ ہمارا بوجھ ہلکا ہوا۔

عرض کیا گیا کہ یہ تقریر کہیں اس کے تو خلاف نہ ہو جائے گی سہ

بے ریفیے ہر کہ شد در راہِ عشق

عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

فرمایا کہ خلاف کیوں ہوتی، یہ تو اور ہماری موئید ہے، آگاہِ عشق فرمایا ہے یعنی بلا شیخ کے آگاہ نہ ہوگا، علم کا درجہ حاصل نہ ہوگا، سو اس سے ہمیں کب انکار ہے شیخ راہ بتائے گا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ گھسیٹ کر لے چلے گا۔ اندھے کو

سو آنکھ راہ بتاتا ہے گو در میں تو اٹھا کر نہیں لے جاتا۔ راستہ تو قطع خود اس کے چلنے ہی سے ہوگا۔ راستہ بتانا تو بیشک شیخ کا کام ہے لیکن اس کا قطع کرنا تو سب ہی کے ذمہ ہے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ اس جگہ حضرت کا ایک پرانا ملفوظ یاد آگیا۔ ایک صاحب

کو بہت مفصل طور پر راہِ سلوک کی حقیقت بیان فرما کر فرمایا کہ الحمد للہ میں تو طالب

کو ایک جلسہ میں خدائک پہنچا دیتا ہوں کیونکہ مقصود کی حقیقت بتلا دینا گو یا مقصود

ہی تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر کوئی راستہ بتا دے اور دکھائے کہ دیکھو رہ چرخِ جل با

ہے تو یہ اس کو گویا چراغ ہی تک پہنچا دیتا ہے، اب صرف راستہ ہی چلنا باقی رہ جاتا

ہے۔ سو یہ طالب کے اختیار میں ہے، قدم اٹھاتا چلا جائے، مقصود تک پہنچ جائے گا۔

اختیار کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ اختیار تو بدیہیات بلکہ محسوسات میں سے

ہے اور بدیہیات و محسوس کے لئے دلائل کی حاجت نہیں ہو کر تھی۔ اختیار کا ہونا تو

اتنا ظاہر ہے کہ انسان تو انسان جانوروں تک کو اس کا ادراک ہے۔ دیکھئے اگر کسی کتے

کو لکڑی سے مارا جائے تو وہ مارنے والے پر حملہ کرتا ہے نہ کہ لکڑی پر۔ اس کو بھی یہ امتیاز

ہوتا ہے کہ کون مختار ہے، کون مجبور ہے، ہر شخص اپنے وجدان کو ٹٹول کر دیکھ لے

کہ جب وہ کوئی ناشائستہ حرکت کرتا ہے تو اس کو خجالت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے

کو مجبور سمجھتا تو پھر خجالت کیوں ہوتی۔ خجالت تو اپنے اختیار ہی فعل ہی پر ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ یقینی ہے کہ انسان مختار ہے اور یہ مسئلہ اختیار اس قدر ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اندر صفت اختیار کو وجداناً اور طبعاً محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ جو جبری ہیں وہ بھی محض تو را جبری ہیں و جداناً وہ بھی اختیار کے قائل ہیں۔ کسی کو اس سے مجال انکار نہیں پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی کمنہ اور حقیقت کسی کو معلوم نہیں، نہ معلوم ہو سکتی ہے، مگر کسی شے کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے اس کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ضیاء اور روشنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں لیکن اس کا وجود بالکل واضح اور مشاہدہ ہے کیا اس کے وجود کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سادہ اور سہل عنوان سے اس مسئلہ جبر و اختیار کو بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں :-

زارئی ماشد دلیل اضطرار

خجالت ماشد دلیل اختیار

اگر اضطرار نہیں تو یہ زاری کیوں ہے، اور اگر اختیار نہیں تو اپنے کئے پر نترساری کیوں ہے غرض نہ خالص جبر ہے نہ خالص اختیار ہے، اختیار خالص نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ماتحت ہے، اختیار حق کے مستقل اختیار نہیں ہے۔ بہر حال انسان میں صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے۔ جب یہ ہے تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی صفت اختیار کا استعمال کرنا چاہئے۔ جب تک یہ نہ کرے گا اصلاح ممکن ہی نہ ہوگی۔ مثلاً کسی میں بخل ہے تو کیا نرسے ذکر و شغل یا شیخ کی دعا و توجہ اور برکت سے یہ رذیلہ زائل ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں یہ رذیلہ تو نفس کی مقادمت ہی سے زائل ہوگا البتہ ذکر و شغل وغیرہ معین ضرور ہو جائیں گے، مگر کافی ہرگز نہیں ہو سکتے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیز نے جابجا اپنے کتبہات میں یہی فرماتے ہیں :-

کارکن بگذر از گفتار

کاندریں راہ کار باید کار

کام ہی کرنے سے کام چلتا ہے، نری تمناؤں یا نری دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔  
 عرض کیا گیا کہ بعض بزرگوں کی توجہ سے تو بڑے بڑے بدکاروں کی خورد بخود اصلاح ہو گئی۔  
 ہے فرمایا کہ یہ ایک قسم کا تصرف ہے اور ایسا تصرف نہ اختیار ہی ہے نہ بزرگی کے لئے لازم۔  
 بہت سے بزرگوں میں تصرف بالکل بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر تصرف کے اثر کو اکثر بقا بھی  
 نہیں ہوتی۔ کچھ دن بعد پھر ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں۔ بخلاف اس اثر کے جو کہ ہمت اور  
 اعمال کے واسطے سے ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ توجہ کے اثر کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی  
 شخص تنور کے پاس بیٹھ گیا تو جب تک وہاں بیٹھا ہوا ہے تمام بدن گرم ہے مگر جیسے ہی وہاں  
 سے ہٹا پھر ٹھنڈے کا ٹھنڈا، اور اعمال کے ذریعے سے جو اثر ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ جیسے  
 کسی نے کشتہ طلا کھا کر اپنے اندر حرارت غریزہ پیدا کر لی تو وہ اگر شلہ پہاڑ پر بھی چلا جائیگا  
 تب بھی وہ حرارت بدستور باقی رہے گی اور اصل نفع وہی ہے جو باقی رہے۔ غرض نری  
 دعا و توجہ پر بیٹھے رہنا اور خود اپنی اصلاح نہ کرنا محض خیال خام ہے۔

پھر ان شبہات کے پیش کرنے پر مزاحاً فرمایا کہ میں تو گویا یہ طب اکبر لوگوں کے لئے  
 پیش کر رہا ہوں مگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کے درقوں پر کاغذ چپکا چپکا کر ان مضامین  
 کو چھپائے رکھیں۔

عرض کیا گیا کہ جیت تو کسی کی بدل سکتی نہیں پھر جبلی صفات و ذلیہ کی اصلاح کیوں کر  
 اختیار میں ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ تعجب ہے کہ آپ کو ابھی تک یہ شبہات ہیں۔ یہ تو زمانے کہ  
 مادہ جبلی ہوتا ہے یا فعل بھی جبلی ہوتا ہے یہ تو مانا کہ مادہ اختیار میں نہیں ہے مگر فعل تو اختیار  
 میں ہے وہ تو جبلی نہیں۔ مادہ بیشک زائل نہیں ہوتا مگر اس کے مقتضا پر عمل کرنا نہ کرنا یہ تو  
 اختیار میں ہے اور اسی کا انسان مکلف ہے اور بار بار اس مقتضا کی مخالفت کرنے سے  
 وہ مادہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ بڑے کام کی باتیں ہیں اور دراصل تعلیم کے لائق یہی باتیں ہیں مگر

میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں نہ علماء کے یہاں نہ مشائخ کے یہاں تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے۔ اسی وجہ سے مدت سے اس کی حقیقت مسوز چلی آتی تھی مگر الحمد للہ اس وقت ایسا وضوح ہو گیا ہے کہ کوئی جفا اور التباس کسی قسم کا اس میں باقی نہیں رہا۔ مجھے تو بجز اللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق مشبہ یا قلیجان نہیں نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ اس وضوح کو اس زمانے میں غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس سے منتفع ہونا چاہئے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ ایک زمانے میں حضرت نے طریق اصلاح کا خلاصہ ایک طالب کو جنہوں نے اپنے اندر صد ہا عیوب کا ہونا بیان کیا تھا اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی تھی صرف استحضار اور ہمت تجویز کیا تھا اور اس سے ان کو بہت نفع ہوا تھا۔ اس تجویز کا اور اس تقریر کا حاصل ایک ہی ہے۔ دونوں ایک ہی معنوں کے عنوان ہیں اخلاص اور ہمت میں بھی اصل چیز ہمت ہے کیونکہ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہوگی، اور ہمت کا معنی استحضار اور استحضار کی صورتیں مختلف ہیں، جو صورت شیخ تجویز کر دے اس پر عمل کرے، مثلاً ہر کوتاہی پر دس یا کم دسبیس نفل بطور جرمانہ ادا کرنا تاکہ جب دوسرا موقع کوتاہی کا پیش آئے، جرمانے کے خوف سے استحضار کی کیفیت پیدا ہو جائے اور جب استحضار اور ہمت کا اہتمام رکھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوتاہیوں سے محفوظ رہے گا اور رفتہ رفتہ پوری اصلاح ہو جائے گی طالب مذکور کے لئے علاوہ جرمانہ مذکورہ کے میں نے ہر روز مطالعہ نرہنہ البساتین بھی تجویز کیا تھا جس میں ایک ہزار حکایات ادلیا اللہ کی درج ہیں ان سے بھی علاوہ برکت کے کچھ قوت استحضار اور ہمت کو پہنچتی ہے نیز جامع عرض کرتا ہے کہ احقر نے حضرت کی اس تجویز استحضار اور ہمت کو بوجہ غایت نافع ہونے کے ایک شعر میں محفوظ کر لیا تھا اور ہوا ہذا،

جو کہ حضرت نے فرمایا ہے، استحضار و ہمت کا

سراسر نسخہ اکسیر ہے اصلاح امت کا

بس اب اتمام حجت ہو چکا۔ وما علینا الا البلاغ (اثر السوانح - تسہیل تصدیق)

## ثمرہ اعمال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں :-

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ  
 أَسَاءَ فَعَلِيَهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكَ  
 تُرْجَعُونَ (الجماعہ)

جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع  
 کے لئے اور جو شخص بُرا کام کرتا ہے اس کا وبال  
 اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف  
 لوٹ کر جانا ہے۔

اخلاق اور اعمالِ حسنہ کا نعم البدل (انعام) اور معاصی پر پنس العوض (عذاب) دیا جائے گا۔ یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا ثمرہ ملے گا۔ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ بدون سعی کے حصول (مقصود) کا وعدہ نہیں۔ دین کے کاموں کے لئے سعی کرنی چاہئے۔ کیونکہ مقصود کا حاصل دوام ہوتے ہیں۔ ایک مضرات سے بچنا، دوسرا منافع کا حاصل ہونا۔ چنانچہ ساری دنیا کی کوششیں کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اسی واسطے ہوتی ہیں کہ تکلیفوں سے بچا جائے، اور راحت کو حاصل کیا جائے اور ہر کام میں یہی قاعدہ ہے۔ اس ثمرہ کی بناء اعمال پر ہے، تو جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی ثمرہ ہوگا۔ پس اعمال کی تکمیل کا اہتمام کریں تاکہ ثمرہ کامل میسر ہو (اور یہ یاد رکھیں کہ) طلب مقصود، حصول مقصود نہیں۔ کام کرتے وقت صرف کام کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر کام کرتے وقت ثمرہ کی طرف بھی توجہ ہے تو خود وہ کام بھی ٹھیک طور پر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک شخص نے بی اے کا امتحان دیا، گوا امتحان دینے سے اس کا مقصود نوکری ہے، لیکن

یاد جو اس کے عین امتحان دیتے وقت وہ اس کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لاتا ، بلکہ ہمہ تن امتحان کی طرف متوجہ رہتا ہے ۔ اگر امتحان دیتے وقت وہ نوکری کا خیال جا کر بیٹھے تو امتحان میں گڑبڑ مچ جائے گی ۔ تو مقصود کی طرف توجہ ہوتی چاہئے ، نہ کہ غیر مقصود کی طرف ۔ مقصود کے معنی میں قصد کیا گیا ۔ تو قصد اختیاری چیز کا ہوتا ہے اور کام اختیاری ہے اور ثمرہ مثلاً نوکری غیر اختیاری ، تو مقصود کام ہوا ، پس کام کئے جائیں ۔ البتہ حصول ثمرہ کے واسطے دعا کریں کہ ثمرہ کی بھی حاجت ہے ۔ (شریعت اولہ طریقت صفحہ ۲۳۸)

## ثمرات کے لئے عجلت مضر ہے

فرمایا کہ ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے نہ کوئی کیفیت یا حالت اپنے لئے ذہن میں تجویز کرے ۔ بس اپنی تجویز کو مطلق دخل ہی نہ دے ، سارے احوال کو حق تعالیٰ کے سپرد کرے ۔ پھر جو اس کے حق میں بہتر اور اس کی استعداد کے مناسب ہو گا وہ خود عطا فرمادیں گے ع کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند بس ذکر کے وقت معتدل توجہ ، یا اگر آسانی سے ہو سکے تو مذکور کی طرف توجہ کافی ہے ۔ اور معتدل کی قید اس واسطے لگائی گئی ہے کہ توجہ میں زیادہ مبالغہ کرنے سے قلب و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں ، جس سے پھر ضروری توجہ میں بھی خلل پڑنے لگتا ہے ، اس کے متعلق ایک اور بات بھی بہت ضروری ہے ، وہ یہ کہ طبیعت میں ثمرات کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے کیونکہ اس سے علاوہ تشویش کے جو فعل جمعیت ہے اور جمعیت ہی اس طریق میں مدار نفع ہے بعض اوقات یا اس تک توجہ پہنچ جاتی ہے مجھے خود اس کا تجربہ ہو چکا ہے ۔ میری طبیعت میں نظری طور پر تقاضا اور جلدی بہت ہے ، اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ مجھ سے اتنی خدمت دین کی نہ ہو سکتی ۔ اسی تقاضے اور عجلت کی وجہ سے یہاں

تک پریشانی کی تو بیت بہنچی تھی کہ مجھ کو خودکشی تک کے دسواں آنے لگے تھے۔ بس ہر وقت طبیعت میں یہی تقاضا رہتا تھا کہ جو کچھ حاصل ہونا ہے جلد حاصل ہو جائے، دیر کیوں ہو رہی ہے۔ (اشرف السوانح)

## تَعَجُّل

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک جلدی نہ کرے۔ (ترمذی)

حصول ثمرات مجاہدے میں تقاضا و عجلت کرنا کہ اتنے دن ہو گئے اب تک کچھ نتیجہ نہیں ہوا، یہ (بھی) ایک مانع (طریق) ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو شیخ سے براعتاً ہو جاتا ہے۔ یا مجاہدہ ترک کر دیتا ہے۔ طالب کو سمجھنا چاہئے کہ کوئی چیز بھی دفعتاً حاصل نہیں ہوتی دیکھو یہی شخص کسی وقت بچہ تھا کتنے دن میں جوان ہوا پہلے جاہل تھا کتنے دنوں میں عالم ہوا غرض عجلت و تقاضا گویا اپنے ہادی پر فرمائش ہے۔ حافظ فرماتے ہیں:

ہمہ کام ز خود کامی و بد نامی کشید آخر

نہاں کئے ماتداں راز سے کر دسا ز ند مخفہا

(خود کامی استعمال وصل) یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کے بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ تمام لوگوں میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدریس پوچھنے لگا جس میں اظہارِ راز محبت کرنا پڑا۔ سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جاوے۔

اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استعمال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت و طمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل حق کی تخصیص بھی نہیں رکھتا بلکہ ہر کس و تا کس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا



ہے اور منفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی اور سے کرنا مذموم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر جانی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و شفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی، اور شیخ کی عنایت و لطف سے بھی جا تا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی اور بڑھتی ہے۔ غرض ظاہر آ اور باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے، پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز لقا اور جلدی نہ چاوے اور غیب مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔

(شریعت و طریقت صفحہ ۲۲۷)

## حدیث النفس

نقل مضمون (متعلق حدیث ان اللہ تجاوز لامتی عما حدث بہ  
انفسها الخ) حدیث: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے ان کے خیالات سے تجاوز  
فرمادیا ہے جن کو وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں، جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں  
یا ان کو عمل میں نہ لاویں۔

غریبی نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کو سینہ میں جو دھڑکے  
پیدا ہوں اور خفی نے کہا کہ (خیال کے مراتب پانچ ہیں ایک ہا جس دوسرا خاطر  
تیسرا حدیث النفس چوتھا ہم پانچواں عزم۔

پس جب کوئی بات قلب میں ابتداً واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت  
نہیں کی اس کو ہا جس کہتے ہیں پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اس کو  
دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہوگا۔ اور اگر وہ نفس میں  
دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اس کی آمد و رفت ہونے لگے

۱۰ ملقب بہ المصحفی حکم الوسمہ جزو النشرف جلد سوم زیر عنوان

مگر اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اس کو خاطر کہا جاتا ہے۔ جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا اور جب ان میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی اس کو حدیث نفس کہتے ہیں۔ سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عقاب ہے۔ اگر یہ شر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہے پھر جب اس فعل کو کر لیا تب اس فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا۔ اور ہا جس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہوگا (جیسا کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں) پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ ہونے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں بلکہ مزاج ہے جیسا وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں۔ اس پر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عقاب بھی ہوتا ہے۔ اگر شر میں ہے۔ پھر جب فعل کا رجحان قوی ہو گیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اس کو عزم کہتے ہیں۔ اس پر بھی ثواب ہوتا ہے، اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے، اگر شر میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ لفظ وسوسہ تینوں مرتبوں کو عام ہے یعنی ہا جس اور خاطر اور حدیث النفس سو وسوسہ کی ان تینوں قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں حالتوں میں حکم معافی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس پر مواخذہ نہ ہونا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی ہا جس و خاطر پر) عدم مواخذہ بالاولیٰ ہے، کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اس کے ماقبل کے درجات (یعنی ہا جس و خاطر پر جو کہ اس سے آہمون و ادون ہیں) بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے اور اگر تم کو یہ ظنجان ہو کہ حدیث کی بنا پر حدیث النفس کی معافی کا حکم اس پر موقوف ہے کہ حدیث میں (حدیث النفس کے) اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اس کی کیا دلیل ہے۔ پس اس ظنجان کو اس طرح دفع کر دو کہ یہ اصطلاح عین لغت ہے اور تصور معنی لغوی ہی پر معمول ہوتے ہیں جب تک معافی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح طاری نہ ہو جاوے۔ اور یہاں طاری نہیں ہوئی بس لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی (حدیث النفس کے) ہی ہیں جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ خوب سمجھ لو اور ہا جس پر عدم مواخذہ کا راز یہ ہے کہ یہ اس کا

فعل نہیں صرف اس پر ایک ایسی شے وارد ہو گئی جس پر اس کو نہ قدرت ہے نہ اس کا کوئی تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اس کے بعد ہے اگرچہ یہ شخص اس کے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ ہا جس کے اول ہی وارد ہونے کے وقت اس کو ہٹا دے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جائے) لیکن چونکہ یہ خاطر حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے اس لئے یہ خاطر بدرجہ اولیٰ معاف ہے اور اس (تحقیق) سے ایک سخت اشکال حل ہو گیا اور وہ اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا معتضاد یہ ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہو اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو (یہ تو مقدمہ ہے آگے اشکال ہے کہ) پھر امت مرحومہ کا یہ اختصاص (کہ وساوس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اگر مرتبہ مذکورہ میں سے غیر اختیاری کے اعتبار سے ہے (کہ غیر اختیاری پر ان سے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری اُمم سے ہوتا) تب تو اُمم سابقہ کو امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلف ہونا لازم آتا ہے اور کلیات شرعیہ کا معنی ہے (جیسے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کہ ظاہراً اس میں نفس عام ہے لاحق اور سابق کو) اور اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود ایک اختیاری اور دوسری اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجودیکہ اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیاری ہی کے اعتبار سے ہے، فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ ہے، کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اس کے لئے قصد کی ضرورت ہے اور اس مقصد سے اکثر ذہول ہو جاتا ہے پس ہا جس (اس ذہول کی حالت میں) اکثر خاطر اور حدیث النفس کی طرف (بلا قصد) منحرف ہو جاتا ہے سو اس (خاطر و حدیث النفس) پر مواخذہ ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں (کیونکہ یہ بایں معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری تھا جب دفع نہ کیا تو بقائے اختیاری ہوا اور اس بنا پر کسی امت کا اس کا مکلف ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا) لیکن رحمت الہیہ تھی اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس

درجہ کو بھی معاف کر دیا جیسے اصر و اغلال (بوجھ اور اطواق یعنی احکام شدیدہ) کو جو  
 ام سابقہ پر تھے اس آیت سے ہلکا کر دیا۔ پس یہ مرتبہ اختیاری ہے اس میں شدت  
 تھی اس لئے اصر و اغلال کی ایک فرد تھی۔ باقی رہا عزم تو ہا جس اس کی طرف اس طرح سے مفسی  
 نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے۔

پس یہ فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار عقودہ احضار ہوا جنہ ہول کے  
 سبب سے ہو اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا (جب یہ بات ہے) تو اگر گناہ کا حدیث  
 النفس بھی عزم مستقل سے ہو۔ اگرچہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم عورت کے تصور سے  
 قصد لذت حاصل کرنا موطا ہر یہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا اور ایسا التذاذ میرے نزدیک  
 اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس (بھی زنا) کرتا ہے اور اس کا زنا یہ ہے کہ وہ تمنا  
 کرتا ہے اور اشتہا کرتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ قلب میلان کرتا ہے اور تمنا کرتا  
 ہے اور ظاہر ہے کہ التذاذ بدون اشتہا (میلان) کے ہو نہیں سکتا پس یہ التذاذ بھی زنا  
 ہوا، اور اس حدیث کا مستحضر رکھنا دساوس کا علاج عظیم ہے جس کا نسخ استعمال کرتے  
 ہیں، اور بعض اکابر (جیسے امام غزالی) کا کلام اس مقام پر اور طرح ہے لیکن اصل مقصود  
 نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقتاً غیر اختیاری  
 ہو خواہ حکماً) ویلقب بیان ہذا الحدیث بالخصوص فی حکم الوسوۃ  
 (ماخوذ اشرف السوانح حصہ اول)

## حدیث نفس کے علمہ کا علاج

حالیہ: الحمد للہ کہ مسئلہ امور اختیاریہ کی نسبت بھی حضرت کے نسخے نے کامل شفا  
 بخشی اور شرح اباب و کے ساتھ بخشی اطال اللہ لقساؤکم و تقنا بہ۔

اب صرف ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں کہ حضرت نے حرکت فکر یہ کئے قطع کی جو

صورتیں تحریر فرمائیں ان میں سے یا ان کے علاوہ جو میرے لئے زیادہ موثر و مناسب حضرت کے نزدیک ہو وہ بھی تحریر فرمائی جائے میں بطور خود توجہ نماز میں پڑھتا ہوں اس کے معنی پر توجہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس میں کامیابی کم ہوتی ہے چاہتا ہوں کہ کم از کم جس وقت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ زبان سے ادا ہوتا ہے اس کے معنی پر توجہ ہو مگر اکثر اتنا بھی نہیں ہوتا۔ یا آگے نکل جانے کے بعد خیال آتا ہے مقصد ہی ہونے کی صورت میں پاس انفاس کا خیال رکھنا چاہتا ہوں، اس میں بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوتا اصل یہ ہے کہ حضرت بس حدیث نفس کا بہت غلبہ رہتا ہے پھر حال اب حضرت جو صورت تجویز فرمائیں حق تعالیٰ کی طرف توجہ رہنے کی جو صورت حضرت نے لکھی ہے اس کی کچھ تفصیل کا محتاج ہوں۔

تحقیق : اس سوال سے اس لئے دل خوش ہوا کہ ایسا سوال علامت ہے کام کرتے کی اور جو شخص کام کرے گا اس کو یہ سوال پیش آوے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے حل کا ذریعہ بنایا جس سے آپ بہت سے طالبین کے رفع پریشانی کے سبب ہو گئے و الحمد للہ علی ذالک اور خط سبالی لکھنے کے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ یہ سوال کیا جاوے اور کئے جانے کی امید بھی تھی۔ اب جواب عرض کرتا ہوں۔ اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے ایک مع الخوض، اگرچہ اشیائے مختلفہ کی طرف ہو۔ دوسری شے واحد کی طرف اگرچہ بلاخوض ہو۔ اب جس شخص کو آیات و اذکار کے معانی بلاخوض ذہن میں آجاتے ہوں وہاں نہ خوض ہے نہ ماقیہ الفکر شے واحد ہے اس لئے کوئی قسم توجہ کی نہ پائی گئی، پس وہ قاطع خطر آ بھی نہ ہوگی بخلاف اس شخص کے جس کو سوچنے سے معنی یاد آتے ہیں اس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی اس لئے آپ کو اس تدبیر میں کامیابی نہیں ہوئی کہ آپ کو خوض کی حاجت نہیں ہوتی۔ پس ایسے شخص غیر محتاج الی الخوض کے لئے دوسری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی توجہ الی ایشیٰ الواحد خواہ شے واحد کچھ ہو ذات حق یا رویت حق للعبید یا نظر الی الکعبہ یا کچھ اور۔ اور جس توجہ الی الحق کی

تفصیل آپ نے دریافت فرمائی ہے وہ یہی ہے کہ یا ان کی ذات کا اجمالاً تصور رکھے جس طریق سے بے تکلف ذہن میں آجاوے جس پر ہر شخص قادر ہے۔ زیادہ کاوش کی حاجت نہیں یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے، مثلاً وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔

توجہ الی الیشی الواحد کا ایک طریق میں نے تجویز کیا ہے جو غایت درجہ سہل بھی ہے اندر بھلا نافع بھی ثابت ہوا۔ مدد یہ کہ اپنی تمام طاعات، صلوٰۃ و تلاوت و اذکار، بلکہ اعمال مباحہ میں بھی اس کا تصور رکھے کہ یہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے تو ان میں کوئی ایسا اختیار ہی خللی نہ ہو جس سے پیشی کے قابل نہ ہوں۔ بس اتنا ہی تصور کافی ہے۔ ابتدا میں استحضار ضعیف ہوگا، مگر مہارت کے بعد اس استحضار میں دوام پیدا ہو جاوے گا۔ چونکہ یہ محجہ کو نافع ہوا اور کئی موقعوں پر آپ کی طبیعت کا مناسب اپنی طبیعت کے ساتھ مشاہدہ کر چکا ہوں امید ہے کہ آپ کے لئے بھی انشا اللہ تعالیٰ نافع ہوگا اور اس بحث کے متعلق جو تنبیہات رقمیہ سابقہ میں عرض کر چکا ہوں وہ سب اس میں ملحوظ رہیں۔ واللہ الموفق امید ہے کہ سب اجزاء و سوال پر بقدر ضرورت کلام ہو چکا ہے۔ اگر کچھ رہ گیا ہو پھر منبہ فرما دیا جاوے، والسلام فقط (ماخوذ النور جلد اولی الثانی ۱۳۵۶ھ و ترمیمت السالک جلد دوم ص ۱۶۹)

## یک سوئی

ملفوظ : فرمایا کہ اگر ثمرات و کیفیات کی تمنا بھی ہو تب بھی ان سے یکسو ہی رہنا ضروری ہے کیونکہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں یکسوئی سے اور حیب کیفیات کے ورود کی جانب توجہ رہی تو یکسوئی کہاں رہی۔ اس لئے ذہن اور ذکی آدمی کو کیفیات نہیں ہوتیں اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم، کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یک سوئی ہوتی ہی نہیں اور بلا یک سوئی کے کیفیت پیدا ہوتی نہیں۔ اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں، برعکاس اس کے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو ایسے آثار سے بہت

مناسبت ہوتی ہے گو اس کا عکس لازم نہیں لیکن ایسے لوگ اپنے کام کے تو خوب ہوتے ہیں مگر دوسروں کو ان سے فائدہ کم پہنچتا ہے۔ (امثرف السوانح)

## یکسوئی کے اقسام

حالت: بوجہ کمزوری دماغ کے بوجب حکم حضور بعد تہجد بارہ بیچ بلا ضرب کے آہستہ کا معمول ہے مگر بوقت ذکر یک سوئی نہیں ہوتی۔

حقیقت: یک سوئی نہ ہونے کی جو شکایت لکھی ہے اپنی طرف سے دوسرے خیالات کا استحضار نہ کیا جاوے۔ اس پر بھی اگر یک سوئی نہ ہو تو وہ مضر نہیں جس یکسوئی کا نہ ہونا مضر ہے وہ یک سوئی اعتقادی ہے ایسے یکسو کو حنیف کہتے ہیں اس کی تحصیل واجب ہے اور اختیاری ہے۔ باقی خیالی یک سوئی وہ نہ اختیار ہی ہے نہ واجب اور اس کا نہ ہونا مضر نہیں۔ اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہئے اس کے نہ جلتے سے بہت لوگ پریشان ہیں۔

## وساوس و خطرات

### وساوس و خطرات اور ان کا علاج

اکثر لوگ اس کی شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو نماز میں وسوسے آتے ہیں اور اس کے مختلف علاج کرتے ہیں خوب سمجھو کہ وساوس کا حاصل غیر سے مشغول ہونا ہے پس اس کا بجز اس کے کچھ علاج نہیں ہے کہ اپنے قصد اور اختیار سے خدا کے ساتھ مشغول رہو وساوس خود بخود منقطع ہو جائیں گے اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص مکشکی باندھ کر ایک شے کی طرف دیکھ رہا ہے تو اگر اس کی نگاہ شبیراً بشیراً بالکل پورے طور سے اس کی طرف ہے





ہوا اور یہی توجہ الی اللہ ہے، اس لئے کہ موصل الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی) ہے۔ پس اس کو توجہ الی غیر الحق (غیر اللہ کی طرف توجہ کرنا) نہیں کہیں گے۔ اور جن کی چشم غیرت حق تعالیٰ نے کھول دی ہے، ان کے لئے تو ہر شے موصل الی الحق ہے، کسی نے خوب کہا ہے ۔

ہر چہ بنیم در جہاں غیر تو نیست  
یا توئی یا خوئے تو یا بوسے تو

یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا منظر ہے، ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے، غیر کا وجود ہی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے۔

پس جب نماز میں دوسو سے آویں، ذکر کی طرف توجہ ہو جاوے۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تسبیح و قراوت یاد سے نہ پڑھو، ارادہ سے پڑھو۔ مولانا اس کی مثال دیا کرتے تھے کہ میاں ہماری نماز تو ایسی ہے جیسے گڑھی کہ جب اس کو کوک دیتے ہیں تو وہ برابر چوبیس گھنٹہ تک چلتی رہتی ہے۔ اسی طرح ہم نماز جب شروع کرتے ہیں تو ہم کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ رکوع۔ سجود۔ قیام۔ قراوت سب آپ سے آپ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ نماز بھی ادا ہوتی رہتی ہے اور دکان و بازار کے کام بھی ہوتے رہتے ہیں۔ جب سلام پھیرتے ہیں اس وقت خیر ہوتی ہے کہ ہم نے نماز پڑھی ہے وہ اس کی طرف یہ ہے کہ ہم نماز محض یاد سے پڑھتے ہیں۔ علاج اس کا یہ ہے کہ نماز یاد سے نہ پڑھو ارادہ سے پڑھو، یعنی ہر فعل کرنے اور ہر کلمہ کہنے کے وقت مستقل ارادہ کرو۔ مثلاً الحمد کہو تو اول ارادہ کرو کہ میں الحمد کہوں گا اس کے بعد اللہ کہنے کا ارادہ کرو۔ اسی مثال سے تمام نماز ختم کرو۔ دیکھیں کیسے دوسو سے آتے ہیں۔ البتہ نفس کو تھوڑی سی مشقت و دشواری ضرور ہوگی کہ اس کو جو عادت تھی شتر بے ہمار کی طرح جہاں چاہتا تھا پھرتا تھا۔ اس کو مقید کرنا پڑے گا۔ سوائی دشواری اور

مشقت کوئی مشکل نہیں ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ نفس کو اتنی محنت بھی نہ کرنا پڑے  
صاحبو! اگر جان بھی اس راہ میں جا کر کچھ مل جائے تو ارزاں ہے

ع متاع جانِ جانانا، جان دیتے پر بھی سستی ہے

اور یہاں تو جان دی بھی نہیں گئی۔ جان لی گئی ہے کہ ادھر ادھر جو نفس مارا مارا پھرتا ہے  
اس کو ایک جگہ آرام دینا ہے۔

اے صاحبو! خدا کی طلب کا دعویٰ اور اس قدر سستی اور آرام طلبی آپ چاہتے ہیں  
کہ ہم کو اتنا بھی کام کرنا نہ پڑے، مفت سفت مل جائے۔ اتنا آسان طریق اور وہ بھی  
آپ نہ کریں تو بس تراد دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ بزرگانِ دین تو یہ فرماتے ہیں:

صوفی نہ شود صافی تا در نہ کشد جامی

بسیار سفر باید تا پختہ شود حنّامی

صوفی جب تک بہت مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے۔ پختگی مجاہدات کے  
بعد حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تو بسیار سفر بھی نہیں ہے۔ نہایت ہلکا کام ہے۔ غرض یہ  
طریقہ ہے نماز میں جی لگانے کا۔ (المبدلح ص ۵)

## دسائوس کا علاج

حالت: حضور والا قلب میں نہایت غیر استقلالی و ناامیدی کی حالت غالب  
ہو گئی ہے۔ طبیعت میں سخت گھبراہٹ ہے۔ خلاصہ حال یہ ہے کہ دل میں رد و ذکر یہ  
خیال غالب ہوتا ہے کہ میں بالکل بچپن سے بیمار ہوں اور اب تک باقاعدہ کتنا علاج  
ہو تا رہا مگر صحت کامل حاصل نہ ہوئی۔ قلب سخت غیر مطمئن اور غیر مستقل ہے برائے خدا  
میرے لئے دعا فرمادیں کہ قلب مسرور و مطمئن ہو اور صحت کلی حاصل ہو اور قلب کی حالت  
موجودہ سخت گھبراہٹ و ناامیدی اور غیر استقلالی کا معالجہ ارشاد فرما کر مسرور فرمادیں

کیونکہ ان حالتوں میں مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ منجملہ میرے امراض باطنی کے جو میں مجھے فی الحال سخت تکلیف پہنچا رہا ہے اور دینی و دنیوی امور میں نکتا بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے ہر کام میں دینی و دنیوی خصوصاً طہارت، وضو، غسل اور نماز میں سخت دوسو سے پیدا ہوتے ہیں یعنی شبہ ہوتا ہے کہ کہیں قطرہ پیشاب نکل آیا۔ طہارت پوری طرح نہیں ہوتی۔ نماز میں قلاں رکن چھوٹ گیا۔ قلاں واجب ترک ہو گیا، اور یہ دوسو اس حد تک بڑھا ہوا ہے، کہ بڑے استنجے کے لئے ویسے ہی دو بڑے لٹے صرف ہوتے ہیں اور غسل میں بھی بہت پانی خرچ ہوتا ہے۔ ایک ایک نماز کے لئے چار پانچ پانچ مرتبہ نیت باندھنی پڑتی ہے تب نماز ادا ہوتی ہے اور وہ بھی سجدہ سہو کے ساتھ جس بارے میں شبہ ہوتا ہے، اس کی کئی بار تحقیق کر لیتا ہوں۔ اکثر ایک بار کی تحقیق سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ شبہ یہ ہوتا ہے ہر بار تحقیق کئے بغیر چہن نہیں ہوتا۔ ایک مولوی صاحب نے مجھے فتویٰ دیا ہے کہ اگر شبہ اس درجہ بڑھا ہوا ہو تو نماز میں اگر کسی رکن تک کے فوت ہو جانے کا بھی شبہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں نماز ہو جائیگی دوسرا یہ کہ جن نمازوں میں قراوت با بھر نہیں اس میں آہستہ اس طرح پڑھنا واجب ہے کہ پاس کا کھڑا ہونے والا بھی اس کو سن لے اور مچھکو نماز میں اکثر اسی کا شبہ ہوتا ہے کہ میں نے جو آہستہ قراوت کی اس کو میں نے خود سن لیا مگر اتنا آہستہ تو نہ ہوا کہ پاس کے کھڑے ہونے والے مصلیٰ نے نہ سنا ہوا اس شبہ سے سجدہ سہو کرتا ہوں۔

تحقیق : حق تعالیٰ بندہ کو ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں اگر وہ بیمار بھی رکھیں تو اس میں بھی رحمت اور حکمت ہے اس پر راضی رہنا چاہئے۔ پس پھر کچھ بھی غم نہ ہوگا اور دوسو کا علاج یہی ہے اس پر عمل نہ کیا جاوے۔ طہارت و نجاست میں بہت وسعت رکھی گئی ہے کسی نہ کسی کے قول پر طہارت ہو جاتی ہے اور اپنی آواز کان میں پڑنا یہ سب کا قول نہیں بعض کے نزدیک بدون اس کے بھی نماز ہو جاتی ہے، بمفکر رہیں (ترتیب السالک حصہ اول

## دیگر

حالت میرے دل پر دوسوہ جات زیادہ رہتے ہیں اور بعض وقت جب کسی بُرے کام کی طرف رغبت دلاتے ہیں تو اللہ اپنے فضل سے بچا بھی دیتا ہے اور بعض میں مغلوب بھی ہو جاتا ہوں لیکن بعد میں از حد پریشانی اور ندامت ہوتی ہے۔ اگر آں حضرت اپنے دربار فیض سے کوئی نسخہ مرحمت فرمادیں جس کی حسب ہدایت پیروی کرنے سے میری طبیعت پر اللہ کا فضل ہو — اور راہ ہدایت نصیب ہو تو کمال عنایت ہوگی اور امید ہے کہ میں اس سے محروم بھی نہ رہوں گا۔

تحقیق: اگر ممکن ہو تو معمولات ذیل مقرر کر لیجئے انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا اور پھر حالات سے اطلاع دیجئے انشاء اللہ سلسلہ تلقین کا جاری رکھوں گا معمولات یہ ہیں نمبر: تہجد چار رکعت سے بارہ رکعت تک جس قدر سہل ہو خواہ آخری شب میں یا عشاء کے بعد۔

نمبر: بعد تہجد کے یا اور کسی وقت فرصت ہو ذکر لا الہ الا اللہ سو سے بارہ سو تک اتنی آواز سے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے اور دوسروں کو پریشانی نہ ہو کبھی کبھی درمیان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا لیا جاوے۔

نمبر: سوتے وقت محاسبہ نفس یعنی تہنہا بیٹھ کر دن بھر کے گناہوں کو یاد کر کے یہ سوچنا کہ گویا میدان قیامت قائم ہے اور میں حق تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں اور ایک ایک گناہ پر باز پرس ہو رہی ہے اور میں لاجواب ہو ہو جاتا ہوں اور میرے لئے سزا کا حکم ہو چکا ہے، اور میں اس وقت معافی کی درخواست کر رہا ہوں بس ایسے وقت میں جس کیفیت سے

معافی کی درخواست کی جاسکتی ہے، اسی طرح اس وقت استغفار میں مشغول ہو جانا چاہئے اور عہد کرنا چاہئے کہ میں پھر نافرمانی نہ کروں گا اور اسی خیال میں سو رہنا چاہئے۔ صبح اٹھتے ہی یاد کیا جاوے کہ میں شب کو کیا عہد کر چکا ہوں، اور جب کسی معصیت کا تقاضا ہو، اس عہد کو یاد کر لیا جاوے اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا خیال کر لیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز حالت درست ہوتی جاوے گی، اور پھر اطلاع دی جاوے۔ (ترتیب حصہ پنجم ص ۱۳۱)

## دیگر

خط ہدایتہ تملط نمرود عزیرے کہ از ہجوم و مساوس  
خطرات باعجز و مغلوب آمدہ قصد خود کشی کردہ بود تحریر نمود

جواب: مگر چونکہ آپ کو ابھی علم کم ہے اس وجہ سے اندیشہ اور قلق کا ہجوم ہو گیا ہے ورنہ آپ کی حالت بڑی خوشی کے قابل ہے۔ یہ حالت دوسرے کی خواہ وہ ایک دوسرے ہو یا ہزار ہوں، کچھ آپ کو اول پیش نہیں آتی، کوئی ایسا سالک دراصل الی اللہ نہیں ہے جس کو راستہ میں یہ گھائی نہ آتی ہو۔ پس ان میں جو خود عارف یا کسی عارف سے تعلق و محبت و اعتقاد رکھتے والا ہے اس کی نظر میں تو یہ لاشے محض معلوم ہوتی ہے اور جو ناواقف ہیں وہ تل کو پہاڑ کر کے طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسے عزیز اصحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی عالم کا یا کسی عارف کا تہنہ نہیں ہوا ان تک کو یہ قصد پیش آیا کہ انواع و اقسام مساوس نے گھیرا، اور مساوس بھی ایسے جن کو وہ زبان پر لانا جمل کر کوئلہ ہو جانے سے بدتر اور سخت تر اور گراں تر و ناگوار تر جانتے

تھے۔ آخر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس کو ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذاک صریح الایمان یعنی یہ تو کھلی نشانی ایمان کی ہے دو وجہ سے اول اس لئے کہ چور وہاں جاتا ہے جہاں متاع پاتا ہے، پس اگر متاع ایمان اس شخص کے قلب میں نہ ہوتا تو شیطان اس کے پیچھے نہ پڑتا یہی وجہ ہے کہ اکثر نیک لوگوں کو دسواں آتے ہیں اور جو فساق و فجار و اشرار ہیں ان کو کبھی اس کا اتفاق بھی نہیں ہوتا کیوں کہ شیطان ان سے جب گناہ کرارہا ہے تو اس کو کیا ضرورت ہے وہ ایسے امر میں مبتلا کرے جس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہیں ترارنج ہی رنج ہے، دوسرے اس لئے علامت ایمان کی ہے کہ مومن نے اس کو برا سمجھا پس اگر اس شخص کے ایمان میں خلل ہوتا تو ان خیالات کفریہ کو حق سمجھتا اور ان کو دل سے قبول کرتا اور ان پر مطمئن ہوتا اور ان میں اس کے قلب کو شراح ہوتا کرامت نہ ہوتی جیسا تمام کفار کو دیکھا جاتا ہے، جب اس شخص نے ان کو مکروہ سمجھا تو ان کے اضداد کو حق سمجھتا ہے اور یہی ایمان ہے، غرض ان وجود سے یہ علامت ایمان کی ہے، ہرگز ہرگز کفر نہیں بلکہ گناہ و معصیت بھی نہیں کیونکہ گناہ وہ فعل مذموم ہے جو با اختیار خود کرے اور چونکہ دسواں پر اختیار نہیں ہے اس لئے وہ گناہ نہیں ہو سکتا، جب گناہ نہیں پھر اس پر پریشان ہونا فضول ہے،

یہ تو حقیق ہے دوسوہ کے بُرے یا بھلے ہونے کی رہا اس کا علاج بس سب معالجات سے بہتر علاج جس کو اسی اعظم کہنا چاہئے یہی ہے کہ اس کا علاج نہ کیا جاوے بلکہ جرات ڈرائی کے ساتھ اور یقین و عزم کے ساتھ سمجھے اور دل میں خیال کرے کہ جب یہ عند اللہ گناہ نہیں اور شرعاً کوئی مرض نہیں پھر کیا غم بلکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دلیل ایمان ہے تو اس پر اٹنا اور خوش ہونا چاہئے، اب یہ شخص خوش ہو گا تو شیطان نے وہ دوسوہ تر خاص ہی لئے القا کیا تھا کہ یہ شخص عز و ن ہو گا۔ وہ دیکھے گا کہ یہ شخص تو خوش ہوتا ہے اور اس کا خوش ہونا اس کو پسند نہیں پس وہ دوسوہ ڈالنا چھوڑ دے گا اور بہت آسانی سے اس سے بچتا

ہو جائے گی۔ اور اگر نجات نہ بھی ہو تو بھی پرواہ نہیں کیونکہ جب یہ معصیت نہیں تو اس سے نجات کی ضرورت کیا ہے، اور جیسا بے پرواہی و دلیری اور بے توجہی سے یہ قطع ہو جاتا ہے اسی طرح اگر اس سے ڈرا کرے اور اس کے غم میں پڑ جاوے اور یہی فکر ذکر رکھے اور سوچا کرے تو یہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے گو اس کے بڑھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر خواہ مخواہ ایک واہمیات پریشانی ہوتی ہے۔ پس عمدہ علاج یہ ہے اور ہر دوسو سے کا با تفصیل جواب سوچنا یا کسی سے پوچھنا یہ طریقہ مضر ہے، اس میں اگر ذری تہلی بھی ہو جاتی ہے تو دو چار روز کے بعد پھر اس کے جواب میں کوئی خدشہ ہو جاتا ہے پھر دوسو ستانے لگتا ہے اور نفس میں اچھا خاصا ایک مناظرہ کا میدان گرم ہو جاتا ہے اس لئے اس طریق کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے بلکہ بجائے اس سوچ بچار کے ذکر اللہ کا شغل رکھے کہ وہ قاطع و بوسہ بھی ہے جیسا حدیث میں آیا ہے اور اس سے قلب میں بھی قوت پیدا ہوتی ہے جس سے وہ ایسے خرافات سے متاثر نہیں ہوتا پس خلاصہ تمام تقریر کا تین امر میں ہے :-

- ۱۔ ایسے دس آدمی کی کچھ پرواہ نہ کریں نہ ان کے دفع کی فکر کریں۔
- ۲۔ اس کا جواب نہ سوچیں نہ کسی سے وجہ پوچھیں کتاب و سنت کو بلا دلیل حق سمجھیں گو کسی بات کی وجہ سمجھ میں نہ آوے گو قلب میں اس کا خطرہ آوے۔
- ۳۔ ادھر سے اعراض کر کے اللہ کے ذکر میں متوجہ رہیں خواہ درود شریف خواہ استغفار یا اور کچھ اس میں خیال لگائے رہیں۔

انشا اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو ایک ہی روز میں بلکہ ایک منٹ میں پوری تسکین و راحت حاصل ہو جاوے گی اور پھر کبھی عمر بھر بھی تشویش نہ ہوگی۔

والسلام، از تہانہ بیون یکم جمادی الاول ۱۳۲۱ھ (ماخوذ من التکشف ص ۲)

## وسوسہ خلاف تقویٰ نہیں

تحقیق : إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ (الاعراف)

اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ کا آنا خلاف تقویٰ نہیں بلکہ متقی کو بھی وسوسہ آسکتا ہے اور وہ اس کے ساتھ بھی متقی رہتا ہے اس میں بڑی تسلی ہے اہل سلوک کے لئے پس وسوسہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ)

## وساوس کا ہل و مجرب علاج

تحقیق : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وسوسوں سے خوش ہونا چاہئے تاکہ شیطان تمہاری خوشی دیکھ کر بھاگ جائے کیونکہ اس کو مسلمان کی خوشی گوارا نہیں وہ تو رنج دینے کے لئے وسوسے ڈالتا ہے پھر جب دیکھے گا کہ اس کو اٹنی خوشی ہے تو بھاگ جاوے گا لیکن یہاں پر ایک بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ وساوس پر اس نیت سے خوش نہ ہو کہ اس خوشی سے وساوس دفع ہو جاویں گے کیونکہ شیطان ان نکتوں کو سمجھتا ہے جب وہ دیکھے گا کہ یہ دفع وساوس کے لئے تدبیر کر رہا ہے تو وہ کبھی نہ بھاگے گا۔ پس اس کا ہل نسخہ یہی ہے کہ ان کی پرواہ ہی نہ کرے اور دفع کی نیت ہی نہ کرے۔ دفع وسوسہ کا قصد کرنے سے ان کی طرف اور توجہ بڑھے گی۔ گھٹے گی نہیں۔ پھر جب شیطان اس کو وسوسہ کی طرف متوجہ پائے گا تو اور زیادہ وسوسے ڈالے گا۔ بلکہ جب وسوسہ آئے اس وقت مقصود کی طرف توجہ کی تجدید کرے۔ (تربیت السالک)

## دیگر

حالت : یہ تو عام حالت ہے اس کے علاوہ اکثر حضرت کی زیارت کا بدل میں



ایک دلولہ پیدا ہوتا ہے اور طبیعت چاہتی ہے کہ اسی وقت تھانہ بھون پنچ کر حضرت کی زیارت کرول اور اسی کے ساتھ ساتھ بعض ایسے ایسے وساوس آتے ہیں کہ زبان پر لاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، کبھی خیال آتا ہے کہ نہ معلوم اب حضرت کی زیارت نصیب ہوگی یا نہیں کبھی گمان ہوتا ہے کہ میرے جیسے گنہگار اس قابل کہاں جو ایسے بزرگوں کی زیارت کریں۔ بلکہ مجھ ایسوں کو دیکھ کر ان کے نورانی قلوب تکدر محسوس کرتے ہوں گے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ حضرت اکثر علیل رہتے ہیں اور ضعف و اضمحلال اب زیادہ ہو گیا ہے۔ نہ معلوم میرے پیچھے ہی کیا ہو جائے۔ غرض اس قسم کے بیسیوں وساوس آ کر پریشان کرتے ہیں، اور ایک بے خودی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ جب بہت ہی بے چین ہو گیا اور صبر مشکل ہو گیا تو فلاں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے تسلی و تشفی کا خواہاں ہوا انہوں نے بہت کچھ تسلی فرمائی، دلاسے دیئے مگر اس وقت تو عارضی سکون ہو گیا۔ پھر وہی وساوس اور خدشے پیدا ہو کر نگر بند بنائے ہوئے ہیں۔

تحقیق: کلیہ ہے کہ جو حالت بلا اختیار ہو وہ محمود ہی ہے۔ خصوصاً غلبہ محبت کی حالت کہ اس کے بعض افراد یا بعض آثار ناقص تو ہو سکتے ہیں مگر مذموم یا مضر نہیں سمجھتے اس سے بے فکر رہیں اور ناقص مقابل کامل کے ہے۔ سو کامل حالت وہ ہے کہ یہ عمل پر غالب نہ ہو۔ کماکان علیہا الصحابة رض۔ سو اس کے لئے تدبیر دعا ہے، کہ ہر حال میں طبع پر عقل اور دین غالب رہے۔ اس دستور العمل کے بعد اس پر اجماع ہے کہ

در طرفیت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست  
بر صراط مستقیم اے دل کے گمراہ نیست

(ترتیب سالک حصہ دوم ص ۲۰۹)

## دیگر

حالت: یہ عرض کرتے جیسا بھی آتی ہے اور خوت بھی۔ حق تعالیٰ حضرت کے قدم کی برکت سے مجھ پر رحم فرمادیں کہ کچھ زمانے سے کبھی کبھی حق تعالیٰ کا وجود اور اس کی مشیت و ارادہ سب ہی مشکوک نظر آنے لگتا ہے۔ مثلاً استدلالاً نہیں بلکہ محض طبعاً و وجداً دنیا کا نظام اور قانون بجائے ذات قدس جل مجدہ کے تحت امر و مشیت اور قصد قدرت ہونے کے ایک عمومی حرکت طبعی و مادی اور محرکات اتفاقیہ سے زیادہ مہتمم نہیں معلوم ہوتی۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ لیکن اس کے باوجود معصیت کی بھی جرأت نہیں۔ تجزیہ کرنے پر اس عدم جرأت کا منشا محض رسم و عادت اور قلبی ضعف معلوم ہوتا ہے۔ بیحد تاسف کے ساتھ خیال ہوتا ہے کہ اسے خدا یا جس ہستی کی رہنمائی نے نصف صدی تک امت مرحوم کے قلوب کو آپ سے وابستہ کیا اور وہ وابستگی متجاوز ہو کر آفاق میں آج تک جاری ہے، اور مخلوق کو آپ سے مربوط کئے ہوئے ہے (ارادید جددہ وکان ۷ کذالک) آج اس کی اولاد کے لئے کیا ہونے والا ہے رہ کس مرکز پر جا کر رکے گی اللہم ارحمنا واعف عنا و اهدنا۔

تحقیق: ایسے دشت پر خار سے سب کو گذرنا پڑتا ہے اور جو علامت ہے قطع مسافت کی درہ خانہ نشین کو بجز مامون (محموظ) دیواروں کے کیا نظر آوے گا۔ مگر اس خارستان سے گزرنے والے کو کہہ دیا جاتا ہے

باغبان گریخ روز سے صحبت گل بایدیش

بر حیفائے خار ہیراں صیر بلسل بایدیش

کیا احادیث میں حضرات صحابہؓ نے اسی کی امثال خطرات کے متعلق یہ عرض نہ کیا تھا کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان کو زبان پر لانے سے احب (زیادہ محبوب) ہے اور کیا حضورؐ اس

صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے ان کی تشدید کے ان کو تہوین کے لئے یہ نہ فرمایا تھا :  
 الحمد لله الذی رد کید الی الوسوسة اور ذالک صریح الایمان  
 اور کیا یہ تعلیم دفع الوقتی تھی یا مغز تحقیق تھی اور کیا وہ تحقیق منسوخ ہو گئی یا قیامت تک  
 باقی ہے۔ پھر قبل کے بعد کیا سوال رہا۔ اگر اس سے زیادہ گندے وساوس غیر اختیاری ہجوم کریں  
 مگر تصدیق کا اختیاری درجہ باقی ہوں ہی فیصلہ ہوگا۔

لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ (المائدہ)  
 (مع الضام قولہ تعالیٰ) وَإِنْ جُنَدْنَا لَهُمُ الْغَلِيْبُونَ ۝ (الصفّت)

بالکل بے فکر رہیں یہ سب خود ہباء منشوراً ہو جاوے گا۔ (ماخوذ النور شمال ۱۳۵۹ء  
 و تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۷ و ۲۰۸)

## ذکر اللہ دافع وساوس ہے

نہ فرمایا ذکر اللہ کی یہ خاصیت ہے کہ اس کے بعد وساوس باقی نہیں رہتے  
 صرف مشابہہ وساوس کا رہتا ہے اور اس کی ایک حدیث مؤید ہے إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ  
 خَشِيَ وَإِذَا غُفِلَ وَسَّوَسَ عَيْنٌ نَسِيَ اس کی ایک مثال تجویز کی ہے کہ اگر آئینہ  
 کے اوپر کبھی بیٹھ جائے تو ظاہر دیکھنے والوں کو گواہی اندر ہی معلوم ہوگی مگر حقیقتاً باہر ہی ہے  
 اور یہ وساوس گو بہت ہلکا مرض ہے مگر لوگوں نے اس کو بڑا بیماری بنا لیا ہے۔ جیسے کسی کا  
 دوڑنے میں سانس پھول جائے اور حکیم سے آکر کہے کہ حکیم صاحب مجھے تو دمہ کی بیماری ہو گئی  
 ہے تو حکیم ہنستا ہے کہ حق یہ تو تیرے دوڑنے سے عارضی حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ چند  
 منٹ میں دفع ہو جائے گی یہ دمہ نہیں ہے۔ ایسے ہی مبتدی وساوس سے ڈرتا ہے  
 مگر محقق کہتا ہے تم پروا نہ کرو۔ التفات نہ کرو اور بے التفاتی سے بھی دفع کا قصد نہ کرو  
 کہ یہ بھی التفات ہے، بس یوں ہی بے فکر رہو، اگر تمام عمر بھی اس میں گزر جائے کچھ پروا

نہ کر دخواہ اسی حالت میں موت آجائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دوسو سے نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ میں کہتا ہوں عَسَى  
 اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ مَثَلًا يَسْمَعُ لے کہ اچھا ہوا یہ مرنے  
 ابھی ہو گیا، مرتے وقت ہوتا تو بڑی پریشانی ہوتی۔ اب مرنے کے وقت بھی دسوا دس  
 آئے تو یہی خیال ہو گا کہ اچھا یہ سُسرا (بد معاش) وہی ہے جو زندگی میں وق کرتا  
 تھا اور محض ناچسپیز نکلا۔ دسوا دس سے پریشان ہونے والے اس سے منموم ہوتے  
 ہیں کہ یہ کلام نفس کر رہا ہے میں نے اس کا جواب دیا ہے کہ نفس متکلم نہیں ہے بلکہ  
 سماع ہے اور متکلم شیطان ہے اور تحدیث کی اسناد نفس کی طرف مجازی ہے،  
 جب یہ ہے تو مواخذہ متکلم پر ہے نہ کہ مستمع پر۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم کسی

بادشاہ کی ملاقات کو جا رہے ہوں اور راستہ میں کوئی حاد جو حاضری دربار سے  
 ہم پر حسد کرتا اور روکنا چاہتا ہے۔ بادشاہ کو گالی دینے لگے تاکہ ہم اس میں لگ کر  
 جلنے سے رُک جائیں تو ہم کو چاہئے کہ اس کی طرف التفات کریں ایسے ہی شیطان یہ  
 چاہتا ہے کہ یہ شخص مجھ میں مشغول ہو ذکر اللہ میں مشغول نہ ہو۔ اس لئے جب کبھی دسوا دس  
 آویں تو یہ سمجھے کہ شیطان کہہ رہا ہے اور میرا قلب سُن رہا ہے چنانچہ هُنَّ شَرُّ الْوَسْوَسِ  
 الْخَنَّاسِ میں صاف دلالت ہے کہ دوسو شیطان کا فعل ہے۔

سلیمان دارانی نے لکھا ہے کہ جب دوسو آئے تو خوش ہو۔ رہا یہ کہ اس ترکیب کی  
 بھی تو شیطان کو خبر ہے، جواب یہ ہے کہ شیطان کو ضمائر وغیرہ کی خبر نہیں وہ عالم الغیب  
 تھوڑا ہی ہے۔ فرشتوں کو بھی جب آدمی بچتہ ارادہ کرتا ہے تب خبر ہو جاتی ہے ورنہ  
 نہیں ہوتی۔ جیسے ذکر خفی کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ کاتبین اعمال کو بھی اس کا

پتہ نہیں ہے

میانِ عاشق و معشوق رمزیت

کراما کا تبین راہم خبر نیست

بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان کو بھی دھوکا ہو جاتا ہے اسے اپنے کئے کا انجام معلوم نہیں ہوتا پس دوسوہ ڈالا تو ضرر کے لئے وہاں اٹا مجاہدہ کا نفع ہو کر ثواب عطا ہو گیا۔ بزرگوں کے ایسے ہی علوم کی وجہ سے حدیث ہے **فَقِيهٌ وَّأَحَدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ** یعنی محقق اس کے مکاتیب پر مطلع کر دیتا ہے جس سے یہ پریشان ہوتا ہے کہ میری ساری ترکیب کبریٰ کرانی بیکار ہو گئی، اگر وہ یہ سمجھ جاتا ہے تو وہ وقت کو خراب نہیں کرتا۔ غرض وہ دوسوہ سے مومن کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح ایک قصہ ہے مشابہ دوسوہ کے۔ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ شیطان مرنے کے وقت پیشاب پلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر مومن جانتا ہے تو پئے گا کیوں اور اگر نہیں جانتا تو ضرر کیا ہے، بلکہ مرتے وقت ایمان بہت قوی ہو جاتا ہے۔ دوسوہ سے زائل نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسے امور سے ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں اگر انسان کے ہوش و حواس درست ہیں تو مومن کفر کو یوں پسند کرے گا اور اگر درست نہیں تو مفرور العلم ہے معاف ہے نہ معلوم لوگ اس کم نخت شیطان سے اس قدر کیوں ڈرتے ہیں یہ تو کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔ ایک شاعر نے اس حدیث کا ایک شعر بنایا،

فَإِنَّ فِقِيهًا وَ أَحَدًا أَشَدَّ رِعَا

أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ (اشرف السوانح)

## خَطَرَهُ

خطرہ ہر چند مواخذے کی چیز نہیں مگر اس کا غلبہ و هجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور اتہادِ رجبہ کا حزن و الم قلب پر طاری ہو جاتا ہے سو یہ امراض شرعیہ میں تو نہیں ہے اس حیثیت سے اس کا علاج ضروری نہیں مگر امراضِ طبعیہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے اس لئے اس کا علاج سہل و مجرب اور مختصر عرض کیا جاتا ہے وہ یہ کہ

خطرے کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے چوتلکے یہ مسئلہ بد اہمت عقل و یہ تسلیم حکماء و علماء ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آوے تو اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے نہ اس میں اور نہ اس کے اسباب میں خوض کرے، کیونکہ اس طرح یہ اور زیادہ پٹتا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے اس سے وہ بُرا خیال خود بخود دفع ہو جاوے گا، اور اگر وہ پھر خیال میں آوے پھر ایسا ہی کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخیلہ سے بالکل نکل جاوے گا۔ علاج کلی اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔ (التکشف ص ۵۸)

## شک اور تردد کا علاج

حال : ایک صاحب نے تحریر کیا کہ حضرت اقدس اس ناچیز کی طبیعت کچھ شکی واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سن کر طبیعت متردد ہو جاتی ہے اس لئے حضرت اقدس ہی کی تصانیف کا مطالعہ کرتا ہوں۔ جب طبیعت میں تردد و شک سا ہوتا ہے تو بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا البتہ عبادت میں دو پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہ لگیں سا رہتا ہے۔ ساتھ ہی دل اس شک یا تردد کو مکروہ اور بُرا جانتا ہے مگر رہتا ضرور ہے۔ سمجھتا ہوں کہ گویا متافق ہو گیا ہوں۔ حضرت اقدس فرمادیں کہ یہ مرض کس طرح دور ہو۔

تحقیق : ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھے گی اور ہمیشہ کے لئے ایک

مستقل شغل ہو جاوے گا۔ بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے انتہائی اختیار کرو اور کتنا ہی دوسرے سناو سے بالکل پرواہ مت کرو البتہ دعا و تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب یہی عادت ہو جاوے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جاوے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے واللہ العلیٰ اعلم۔ (تربیۃ السالک حصہ دوم ص ۱۲۵)

### حزن بقدر خاص مجاہدہ ہے

حال :- کل میرے یہاں میرے چھوٹے بھائی کی لڑکی کا تین سال کی عمر میں انتقال ہوا، اگرچہ یہ معمولی واقعہ تھا، مگر قصہ یہ ہے کہ اس بچی کو میرے ساتھ انس و عشق تھا۔ اور مجھ کو بھی دنیا میں کسی عزیز قریب کے بچے سے اس قدر الفت نہ تھی جو اس سے تھی بلکہ اس کو اولاد کی جگہ تصور کر رکھا تھا۔ اس واقعے سے بندہ سخت محزون و مضطرب ہے حق تعالیٰ انشاء اپنی محبت میں تمام ماسوا سے بیزار فرمائے کہ عشق را با حقی و باقیوم دار، حضرت بھی میری تسکین کے واسطے دعا فرمائیں۔ اس کا خیال بے اختیار اکثر اوقات آتا رہتا ہے، اور یہ چین رکھتا ہے۔

حقیقت : یہ بھی باطن کو مفید ہے، اکابر طریق نے تصریح کی ہے کہ حزن کے برابر کوئی مجاہدہ نافع نہیں بشرطیکہ اس سے کام لیا جاوے یعنی غفلت عن اللہ نہ ہو اور غیر اللہ کی بے ثباتی کا اور اپنے ضعف و عجز کا استحضار رکھے اور اس استحضار سے اخلاق میں انکساری اختیار کرے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيَجْرِ بِ (جن کا جی چاہے تجسربہ کرے)

(تربیۃ حصہ پنجم ص ۱۶۷)

## خوف اور احتیاط کی بھی حد ہے

حالت: آج کل تندرہ بہت پریشان ہے جب سے یہ حدیث شریف (بخاری) نظر سے گزری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یصلون لکم فان اصابوا فلکم وان اخطاء و افلکم و علیہم۔ جب نماز پڑھنے لگتا ہوں اور یہ حدیث یاد آتی ہے وان اخطاء و افلکم و علیہم عقاب بھاتا تو بید پریشانی ہوتی ہے۔ میں بھی غلطی کرنے والوں میں سے ہوں اور میرے پیچھے جمعہ وعید میں ہزاروں آدمیوں نے نماز پڑھی ان کا عقاب بھی میرے سر پر ہو گا۔ یہ خیال آنے کے وقت گریہ و خوف ہو جاتا ہے کبھی کبھی گریہ کی وجہ سے آواز بھی نکل جاتی ہے اور آنسو ہر وقت جاری رہتا ہے اور خوف کی وجہ سے دو دن امامت نہیں کر سکا۔ اور دو دن سے کھاتا بھی خوف سے نہیں کھا رہا ہوں بھوک نہیں لگتی۔ جیسا آپ کا حکم ہو اس پر فردی عمل کرے گا۔

تخصیص: خوف و احتیاط کی بھی حد ہوتی ہے غلو اس میں بھی مذموم ہے جو سلف صالحین امامت کرتے تھے کیا وہ اپنے کو امامت کا اہل سمجھتے تھے اس کا تو گمان بھی نہیں مگر پھر بھی حکم شرعی سمجھ کر نہیں چھوڑا اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرتے رہے بس یہی طریقہ ہم لوگوں کو اختیار کرنا چاہئے اگر اس کے بعد بھی خوف رہے وہ نعمت ہے اور اگر اس درجہ کا نہ رہے وہ بھی نعمت ہے کیونکہ یہ احوال ہیں اور غیر اختیاری اور ایسی چیزیں سب نعمت خیر ہیں۔ (تربیت السالک جلد دوم ص ۲۳۹)

## موت سے ڈر ضعف قلب کی وجہ سے

حالت: مجھے موت سے بہت خوف معلوم ہوتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے موت سے نفرت طبعی اس حد سے بھی متجاوز ہے جس کا ثبوت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا



کی حدیث سے ہوتا ہے یہاں تک کہ محلہ میں اگر کوئی مر جاتا ہے تو کئی روز تک خوف سوار رہتا ہے۔ رات کو عشاء کی نماز میں جاتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کے لئے موت کو اچھا سمجھتا ہوں تاکہ میں نماز جنازہ پڑھوں اور جنازہ سے کے ساتھ جاؤں اور ثواب حاصل کروں۔ پھر حال بہت نفرت ہے موت سے، حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا کی ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے حال پر حجب نظر ڈالتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔

تحقیق :- غلط ہے۔ بعض مسلم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتے دیکھا ہے۔ منشا اس کا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں۔

(ترتیب السالک حصہ دوم ص ۱۵۱)

### دوسرے کا علاج مستونہ

حدیث ہے، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان میرے اور میری نماز و قرائت کے درمیان حائل ہو گیا ہے کہ اس میں شبہات ڈال دیتا ہے۔ (یعنی عدم قرائت و قرائت و عدم قرائت میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔) آپ نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جس کا لقب خنزیر ہے۔ جب تم کو اس کا کوئی اثر معلوم ہو تو اعدو با اللہ پڑھو اور بائیں طرف تین بار تھکاردو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس پر عمل کیا سو اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دفع کر دیا۔ (رواد مسلم)

نوٹ :- دوسرے کا علاج مختلف طریقے سے آیا ہے، ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے۔ حاصل سب کا توجہ الی اللہ و ترک التفات الی الوسوسہ ہے اور سب طریق اسی کے تحصیل کے ذرائع ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی نحوذ باللہ ذریعہ توجہ الی اللہ کا ہے اور بائیں طرف تھکا و تارک التفات، طریقہ ترک التفات الی الوسوسہ کا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ طریق خاص نماز شروع کرنے سے قبل کا ہے اور اس طرح دوسرے کا ازالہ کر کے نماز میں گھڑا ہو جائے اور داخل صلوٰۃ کے صلوٰۃ کی طرف متوجہ رہنا کافی ہے۔ واللہ اعلم (الکنز)

# اخلاق حمیده

# حقیقتِ نفس

## تشریح

نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے، خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر۔ اگر اکثر شر کی خواہش کرنے اور نادم بھی نہ ہو اس وقت 'آمارہ' کہلاتا ہے۔ یعنی کثیر الامر یا السوء دہوی اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہے اور کبھی کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہو جانا اس مفہوم کے منافی نہیں کیونکہ کثیر الامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو 'لو آماہ' کہلاتا ہے اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت 'مطمئنہ' کہلاتا ہے، بمعنی ساکن الی الخیر۔ گو اس میں شر کی بھی خواہش بلا عمل اچاناً پیدا ہو جاوے کیونکہ محض اجتذاب بمعنی میدان منافی سکون کے نہیں۔ چنانچہ اجسام ثقیلہ باوجود میدان الی المرکز کے ساکن بھی دیکھے جلتے ہیں البتہ اس خواہش کے مقصد اور عمل کرنا حرکت من المقر ہے، یہ البتہ منافی سکون ہے تو اس صورت میں مطمئنہ نہ رہے گا۔ غرض دونوں خواہشیں خیر کی بھی، شر کی بھی نفس ہی کے متعلق ہیں البتہ اسباب ہر خواہش کے جدا جدا ہیں بعض تو مشاہد ہیں جیسے نصیحت و صحبت نیک، خواہش خیر کے لئے اور اغواء و صحبت بد خواہش شر کے لئے اور بعض اسباب غیر مشاہد ہیں جیسے القاد ملک (فرشتہ) خواہش خیر کے لئے اور القاد شیطان خواہش شر کے لئے۔ اسی کو حدیث میں لمتہ الملک و لمتہ الشیطان اور الیعاد بالخیر اور الیعاد بالشر سے تعبیر فرمایا ہے اور بزرگوں کا مباحث کو چھوڑنا اس بنا پر نہیں کہ مباحث کی خواہش ہوئے نفسانی ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مفضی الی الہوی نہ ہو جائے۔ اس تقریر میں تامل کرنے سے امید ہے کہ سب شبہات زائل ہو جائیں گے، کیونکہ اس میں منشاء اشتباہ کا مرقع ہو گیا۔ (التکشف)

## حقیقت اخلاق

اخلاق سب فطری و جبلی ہیں اور درجہ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود۔ بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے۔ مَنْ أَعْطَىٰ اللَّهُ وَمَنَعَ اللَّهُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ (یعنی جس نے اللہ تعالیٰ سے ہی کی رضا کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے روکا تو اس کا ایمان مکمل ہوا) اس میں اعطاء و منع دونوں کے ساتھ اللہ کی قید ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں، نہ بخل مطلقاً مذموم، بلکہ اگر خدا کے لئے ہوں تو دونوں محمود۔ ورنہ دونوں مذموم۔ (انفاس علی ص ۱۸۶)

## نیت

### حقیقت نیت

دل کا ایسی چیز کی طرف ابھرنا جس کو اپنی غرض و نفع کے موافق سمجھتا ہے اس کو نیت کہتے ہیں۔ اور اس کے معنی ارادہ و قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے اور علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے، اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، گویا قدرت قصد و ارادہ کی خادمہ ہے۔ مثلاً ہمارے اندر ان لذتوں کی خواہش رکھی ہوئی ہے جو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل و شرع کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش اور میلان کی بھی خادمہ ہے لہذا وہ اعضاء کو حرکت دے گی۔ اور خواہش کو پورا کرنے کی پس وہی عزم اور سختہ میلان جس نے ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتا ہے۔ مثلاً جہاد میں جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو اس کو گھر سے نکلنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے، اگر اس کا باعث مال غنیمت ہے یا شہرت و نیک نامی کا حاصل کرنا ہے تو وہی کو اس کی نیت کہیں گے۔ (تبلیغ دین)

## نیت و ارادہ

(جب کام شروع کرے تو) شروع میں ایک بار نیت کر لینا کافی ہے، اگر ہر بار نیت کی ضرورت ہو تو کوئی بھی فعل اختیاری نہ ہو سکے گا۔

دیکھئے مسجد کی طرف نماز کی نیت سے چلنا موجب ثواب ہے مگر ہر قدم پر نیت مٹی و ارادہ رفع قدم ضروری نہیں۔ اس طرح تو چلنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ غرض انفعال اختیار یہ کے لئے حدود میں تو ارادہ کی ضرورت ہے، مگر اس کے بقا، میں ضرورت نہیں ایک دفعہ نیت کافی ہے پھر جتنی دیر تک وہ فعل کرتے رہو گے وہی نیت مستمر (یعنی جاری) رہے گی۔ (العید والوعید ص ۴۴)

نیت یہ ہو کہ ہمیں راستہ نظر آ جاوے اور رہبر بننے کی نیت شرک فی السطریعہ ہے، بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہئے۔ اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے۔ خود کچھ تجویز نہ کرے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۲۴)

## إِحْتِلَاصٌ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-  
وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ  
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءً  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں  
کی طرف نظر نہیں فرماتے لیکن حق تعالیٰ  
تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔  
إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ  
وَأَمْوَالِكُمْ وَلَا يَنْظُرُ  
إِلَى نِيَّاتِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ

## حقیقتِ اخلاص

اپنی طرف سے صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب در رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی اور رضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کی آمیزش نہ ہونے دینا اخلاص ہے۔  
 اخلاص کے وجوداً اور عدماً تین درجے ہیں ایک یہ کہ فعل کے وقت غایت صحیح کا قصد ہو، یہ تو غایت اخلاص ہے اور یہی مقصود اور مرتبہ کمال کا ہے۔ دوسرے یہ کہ غایت قاصد کا قصد ہو۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے، ایک یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو۔ نہ غایت صحیح کا نہ غایت قاصد کا، بلکہ یونہی معمول کے موافق ایک کام کر لیا یہ درجہ بین بین ہے اس کو اخلاص سے اتنا بعد نہیں جتنا دوسرے درجہ کو بعد ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے، اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو۔ یہ تو اخلاص کا درجہ کمال ہے، ایک یہ صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کے دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خضوع و خشوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جاوے گا۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے، ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے مطابق نماز پڑھ لیں، نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو۔ یہ درجہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجہ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں۔ اس کو اخلاص سے قریب ضرور ہے، مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیار، فاعل مختار سے بدون کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں مگر نیت کچھ نہیں ہوتی مجبوس عادت کی برکت ہے۔ جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے اس کے لئے بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی، تکرار کی وجہ سے عادت ہو گئی ہے،

اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہوا کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ قریب ہے، اور جس میں تکرار نہ ہو، اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک غایت صحیح کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔ (اشرف المسائل ص ۹)

## عدم اخلاص کا شبہ اور اس کا علاج

حالت: حضرت اپنے متعلق جب تک بے خیالی میں پڑا رہوں جب تک تو خیر لیکن غور و خیال کے بعد صحت اضطراب و کشمکش میں پڑ جاتا ہوں۔ عام عبادات و فرائض کا تو ذکر ہی نہیں کہ وہ تاثر ایک عادت کے ماتحت محض رسم کے طور پر جوں توں ادا ہوتے رہتے ہیں بغیر کسی قسم کی تازگی ایمان و بیداری و تعلق مع اللہ کے، خود ان چیزوں پر جب بعد کو غور کرتا ہوں جنہیں اپنے نزدیک خاص و لولہ دینی و حرارت ایمانی کے ساتھ انجام دیا تھا۔ مثلاً ملاحظہ کا جواب یا ترجمہ و تفسیر قرآن مجید وغیرہ تو بعد غور انہیں بھی اخلاص سے معرّی پاتا ہوں، اور ان کی تہہ میں بھی رضائے خالق سے کہیں زیادہ رضائے مخلوق ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ بار بار یہ جرح کرتا ہوں کہ اگر کہیں سے مطلق داد ملنے کی توقع نہ رہے تو جب بھی فلاں فلاں خدمت کا عزم و حوصلہ باقی رہے گا۔ بار بار جی میں الجھن حسرت بلکہ یاس تک پیدا ہو جاتی ہے کہ کہیں یہ سب الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَالْمَصْدَاقِ نہ ٹھہر جائے اور کہیں کا بھی نہ رہوں۔ جب کبھی جناب والا کے مواعظ و تصانیف میں س یا وغیرہ کا بیان دیکھ لیتا ہوں تو وقتی طور پر تسکین ہو جاتی ہے لیکن پھر کہتا ہوں کہ کہیں یہ بھی دھوکا تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ دوسروں کا اور چھوٹے کاموں اپنے اوپر منطبق کر رہا ہوں۔ کئی دن سے اس کیفیت کا زیادہ زور ہے، اس لئے براہ اختیار یہ عرضہ لکھتے بیٹھ گیا۔

تحقیق: کسی ایسے شخص کو طیب سمجھ کر اپنا مرض بتلانا جو خود اپنے کو اس مرض میں مبتلا دیکھتا ہو یا سمجھتا ہو گو اس کے اوان کسی قدر مختلف ہوں اس معنی پر تو کم مفید ہے،  
 رائی العلیل علیل لیکن اس معنی پر زیادہ مفید ہے کہ ایسا شخص اپنے لئے بہت ہی  
 حوصلہ و فکر و اہتمام سے تدبیر تجویز کرے گا تو دوسرے کو وہ تدبیر بلا تکلف ہاتھ آئے گی۔  
 اس وقت اسی اصل کے ماتحت عرض کر رہا ہوں۔ میرے نفس نے مجھ سے یہی شکایت کی۔  
 میں نے جواب دیا کہ ان سب مقدمات کو تسلیم کر کے تجھ سے پوچھتا ہوں کہ آیا اس کو تاہی تدارک  
 اختیاری ہے یا غیر اختیاری، ظاہر ہے کہ اختیاری ہے۔ ورنہ شکایت اور قلق ہی بے معنی  
 ٹھہرتا ہے جب اختیاری ہے تو اب ماضی پر حسرت انفع و اہم ہے یا مستقبل میں تدارک  
 سونپا ہر ہے کہ شق ثانی ہی متعین ہے پس تو اس کے اہتمام میں مشغول ہونا چاہئے۔ اور  
 شاید کسی پریشانی میں یہ وہم ہو کہ کو تاہی کی عمر تو اتنی دراز اگر تدارک کے لئے اتنا دراز  
 وقت نہ ملا تو تدارک کیسے ہوگا۔ سو حل اس کا یہ ہے کہ تدارک کا کیت میں تامل ضروری  
 نہیں۔ قوت میں تامل کافی ہے۔ اور وہ بھی اختیاری ہے اور اختیاری کے ساتھ سہل  
 بھی۔ اب اس تدارک کی تعیین باقی رہی اور اس میں کوئی کلام بھی نہیں ہو سکتا کہ عدم اخلاص کا  
 تدارک صرف اخلاص ہے۔ پس ماضی پر ہستفلا کر کے مستقبل میں اخلاص اختیار کیا جاوے  
 جو نہایت سہل تدبیر ہے۔ بلا ضرورت مشقت و تعب میں کیوں پڑا جاوے۔ یہ جواب ہو گیا  
 تمام سوالات کا، اب اگر اخلاص کے متعلق کوئی سوال ہو تو بے تکلف ظاہر فرمایا جاوے۔  
 انشاء اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اس میں سہولت مشاہد ہوگی و فی مثل ہذا قال الحافظ

گفت آساں گیر بر خود کار پاکر زوے طبع

سخت می گیر و جہاں بر مردمان سخت کوشش

وكانه ترجمۃ الحدیث من شاق شاق اللہ علیہ۔ واللہ اعلم



## تحدت بالنعمة

میں نے تو جواب لکھنے کے بعد ہی بتوفیق حق کام شروع کر دیا جو بالکل سہولت سے ہونے لگا اور چونکہ آپ تنبیہ کا واسطہ بنے آپ کے لئے یہی خوب دعا کی تحصیل کی بھی تسہیل کی بھی، تسہیل کی بھی تسہیل کی بھی۔ ومن اللہ التوفیق۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۸۳ تا ۸۵) حال: سیدی و مطاعی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جواب گرامی حسب توفیق جامع بھی تھا اور شافی بھی۔ اب عرض یہ ہے کہ خود اخلاص کا معیار کیا ہے، یعنی قلب کو یہ اطمینان کیسے ہو کہ فلاں عمل خالصاً لوجه اللہ صادر ہوا ہے۔

تختیق: مشفق السلام علیکم۔ جواب کے پسند آنے سے جی خوش ہوا اس کے ساتھ ہی معیار اخلاص کے متعلق سوال کرنے سے ایک مشہور شعر یاد آ گیا۔

باسایہ تر انہی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

انطباق کی تقریر یہ ہے کہ اخلاص کی حقیقت معلوم ہے چنانچہ خود سوال میں بھی اسی کو ظاہر کر دیا گیا ہے کہ فلاں عمل خالصاً لوجه اللہ صادر ہوا ہے؟ پھر وہ حقیقت چونکہ مثل صفات نفس کے ہے جن کا علم حضور ہی ہوتا ہے۔ ادنی التفات سے اس کا اثبات اور نفی علم ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی پوچھے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ میرا مسلمان رہتا خاص لوجه اللہ ہے یا کسی غرض و مصلحت سے ہے، سو جو اس کا جواب ہوگا وہی اس کا جواب ہے، وہ جواب یہ ہوگا کہ ایمان کی نہ حقیقت مخفی تھی نہ اس کا داعی مخفی پھر سوال کیا۔ ایسے سوال کا متناظر غلبہ ہدیت ہے کہ شواہب مومنین پر حقائق واقعہ کا شبہ اور وسوسہ ہو جاتا ہے اور اس کا خیالی وجود بھی ناگوار ہوتا ہے، جیسے سایہ کوئی معتدبہ وجود نہیں رکھتا مگر کوئی بدگمان عاشق اپنے دہم سے اس کو معتدبہ سمجھ کر مقصود کا مصاحب دیکھ کر اس سے کراہت کرتا ہے۔

اسی طرح یہاں غلبہ ہیبت سے جو کہ اثر ہے محبت و عشق کا غیر مقصود کے درجہ  
 و سوسہ کو مشابہ حقیقت کے سمجھ کر اس پر شبہ مشتبہ ہونے کا کرنے لگتا ہے اور یہ ہیبت بھی  
 بجائے خود ایک امر محمود بلکہ مطلوب ہے کما اشیر بقولہ تعالیٰ وَالسَّيِّئِينَ  
 لِيُؤْثِرُونَ مَا آتَوْا فُتْلُوْهُمْ وَجِلَّةٌ لِّیْنَ جِسْ طَرَحٌ نَّعِیْفٌ الْمَعْدَةُ  
 غذا نے قوی کا تحمل نہیں کر سکتا اس کے نافع ہونے کے لئے کسی ایسے جزو کے  
 ساتھ اس کو مرکب کرنے کی بلکہ کبھی غالب کرنے کی ضرورت ہے جس سے اس میں  
 اعتدال ہو کر مفید ہو اور اس انضمام کا طریق یہ حکم لگاتا ہے کہ جب ہم اپنے اختیار کے  
 اس عمل میں کسی غرض مذموم کا قصد نہیں کرتے تو بس وہ قالس لوجه اللہ ہے اور یہ  
 حکم لگاتا ہے کہ اگر بلا قصد اس کے کسی دوسری غرض کے مشتبہ کا خطرہ محسوس ہو  
 (اور منشا اشتباہ کا اسی خطرے کا احساس ہے) تو وہ محض و سوسہ ہے جس پر ذرا  
 مواخذہ نہیں بلکہ ناگواری کے سبب اجر بڑھ جاتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جب  
 کسی غرض کا و سوسہ ہو اسی کے ساتھ فی الفور ابتغاء مرضات اللہ کی نیت کی تجدید  
 کر لی جاوے پھر وہ و سوسہ خواہ دفع ہو یا نہ ہو اس کے درپے نہ ہو، وہ مرفوع ہی کے  
 حکم میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (شریعت و طریقت، تربیت السالک جلد دوم)

## حقیقتِ صدق

جس مقام کو حاصل کرے اس کو کمال کو پہنچا دے۔ اس میں کسر نہ رہے صدق  
 کہلاتا ہے اور اس کے معنی پختگی کے ہیں۔ اور اسی سے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے  
 کیونکہ وہ تمام احوال و افعال و اقوال میں مرتبہ رسوخ حاصل کر چکا ہے۔ شریعت میں  
 صدق عام ہے۔ افعال کو بھی، اقوال کو بھی، احوال کو بھی۔  
 اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات سچی ہو یعنی واقعے کے مطابق ہو۔ جو شخص اس

صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر (بحکم الہی) ہو۔ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں، اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے۔

اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں۔ پس جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال کا ذیہ ہیں اور جس شخص کے احوال و کیفیات سنت کے موافق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔ نیز صدق احوال کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحب حال پر باقی رہے، یہ نہ ہو کہ آج ایک حالت پیدا ہوئی پھر زائل ہو گئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا۔ یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہنا چاہئے کہ جو حالت طاری ہو وہ مقام ہو جائے (الکمال فی الدین ص ۷۷، شریعت و طریقت)

## حقیقت تقویٰ

تقویٰ کا امر اور فضیلت قرآن مجید میں جس قدر ہے غالباً کسی اور چیز کا اتنا نہیں۔ اس سے اس کا اہم بائشان ہوتا معلوم ہوا۔

حقیقت اس کی یہ ہے کہ تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے۔ ایک "ڈرنا" دوسرے "بچنا" اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو (مناصی سے) بچنا ہی ہے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے تبھی اس سے بچا جاتا ہے۔

تقویٰ کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک تقویٰ یہ ہے کہ کفر اور شرک سے بچے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو ترک نہ کرے اور مخرمات کا ارتکاب نہ کرے۔

بھر جیسے جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ پیدا ہوتا رہے گا اور تقویٰ کے کمال سے ایمان بھی کامل ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ درجہ "احسان" حاصل ہو جائے گا جو کہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی تقویٰ کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اور یہی درجہ مطلوب ہے۔

(الکمال فی الدین ص ۲۱-۸۳-۸۵-۸۶)

نیز خیال رہے کہ ہر شے اور اعضاء کا تقویٰ ہے، آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ بُری نگاہ سے کسی عورت یا اُمرد کو نہ دیکھے۔ زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے جھوٹ نہ بولے کسی کو ستائے نہیں اسی طرح ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے شہوت سے مس نہ کرے پاؤں کا تقویٰ یہ ہے کہ بُری جگہ چل کر نہ جاوے۔ کالین کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے۔ راگ بلجے سے بچے۔ وضع میں بھی تقویٰ ہے کہ خلاف شریعت وضع نہ رکھے، پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھاوے (وغیرہ) حاصل یہ ہے کہ صادق اور متقی یہی لوگ ہیں جن کے یہ اوصاف ہیں (جو مذکور ہوئے) اور ان اوصاف میں تمام احسن لئے دین کا ذکر جہاں آگیا دین کا کوئی حیرت داس سے باقی نہیں رہا اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ صادق اور متقی وہی شخص ہے جو دین میں کامل ہو پس صدق اور تقویٰ کی حقیقت، کمال دین، ہونا ثابت ہو گیا۔ جو کام کریں اس میں یہ نہ دیکھ لیں کہ ہم خلاف شریعت تو نہیں کرتے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ دین کے کام میں تو یہ دیکھ لیں کہ شریعت نے اس کی کامیابی کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ کیلے اسی کے موافق کریں اور دنیا کا جو کام کریں اس میں صرف یہ دیکھ لیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔

اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرنا اور سوچنا اس کا طریق تحصیل ہے۔

(رعظہ الصرم ص ۱۹)

# حقیقتِ عبدیت

ایمان و عمل کے کمال کا نام عبدیت یا غلامی ہے (یعنی خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو بے چون و چرا ماننا اور عمل کرنا اور ان کی رضا اور خوشی میں اپنی خواہش و مرضی کو فٹا کر دینا) اگر غور کیا جائے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ توہم کو حقیقی غلامی کا تعلق ہے۔ انسانی غلامی سے تو آدمی آزاد بھی ہو سکتا ہے۔ برخلاف خدا تعالیٰ کی غلامی کے کہ اس کا طوق ہماری گردن سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی صورت یہی ہے کہ نعوذ باللہ ہم بند سے نہ رہیں۔ اور خدا، خدا نہ رہے۔

انسان کو جس بات کے حاصل کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ یہی عبدیت کی حالت ہے۔ یعنی دنیا میں انسان کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اوامر و نواہی کو پورا کر کے عبدیت حاصل کر لے (اور اوامر و نواہی کا تعلق ہی زیادہ تر افعال و اعمال سے ہے۔ خواہ وہ اصطلاحی عبادات ہوں یا معاملات و معاشرت و اخلاق سب کو پورا کرنا ہی عبدیت یا بندگی ہے) (تصوف و سلوک صفحہ ۱۹۸)

اور کمالِ عبدیت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور حق تعالیٰ جو تصرف اس کے اندر کرے اس پر راضی رہے۔ (الغاس عیسیٰ صفحہ ۲۲۵)

غرض تفویض کلی عبدیت ہے اور اپنی تجویز سے امتیازی شان بتانا عبدیت کے بالکل خلاف ہے، مثلاً جب حق تعالیٰ نے کھانے پینے کو اچھا دیا اس وقت خستہ حالت میں رہنا ناشکری، نعمت کی بے قدری اور خلاف اطاعت ہے۔ کیونکہ جیسے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے نوکر کو تنخواہ دو۔ کھانا کپڑا دو، ویسے ہی یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنی جان کو کبھی راحت دو۔ پس جیسے نوکر خدا تعالیٰ کی مخلوق و ملوک ہے تمہاری جان بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق و ملوک ہے، اس لئے

تم کو اپنے اندر بھی بدون اجازت کسی تصرف کا حق نہیں۔ اگر نوکر کو حکم الہی سے کھانا پکڑا دیتے ہو تو اسی آقا کے حکم سے تم اپنی خدمت بھی کرو، کیونکہ تمہاری جان بھی خدا تعالیٰ کی ہے۔ غرض عارف اس اعتبار سے حقوق نفس ادا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے،  
(تصوف و سلوک ص ۴۰۱-۴۰۵ ملخصاً۔ مشریت و طریقت)

## علامتِ عبدیت

حالت : ظہر کی نماز کے بعد جب میں ذکر کرنے لگا تو مجھے دو باتوں کی فکر ہوئی ایک یہ کہ خاتمہ میرا کس حالت پر ہوگا کیونکہ اس وقت تو خدا کے فضل سے ہوش و حواس درست ہیں۔ پھر بھی مجھ کو دوسرے ہوتے ہیں اور اس وقت تو نہ ہوش رہے گا اور نہ حواس درست رہیں گے۔ اس وقت کیا حالت ہوگی دوسرے یہ کہ آخرت میں انجام معاملہ کس طرح ہوگا کیونکہ اپنے اعمال کی طرف نظر کرنے سے سوائے اعمالِ بد کے اعمال نیک نظر نہیں آتے۔

تحقیق : یہ عبدیت کی علامت ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی حالت ہے۔

(تربیت حصہ دوم ص ۲۶)

## حقیقتِ محبت

طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو (محبت کہتے ہیں) یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے اس کو عشق کہتے ہیں۔ محبت کا یہ درجہ طبعی ہے اور غمیر مامور بہ ہے مگر نعمت ہے اور وہی ہے، پھر اس میلان کے آثار میں سے رضائے محبوب کو رضائے غیر محبوب پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت عقلی ہے، (جو فرض اور واجب ہے) پھر اس ترجیح کے باعث بار محل ترجیح کے اقسام ہیں چنانچہ ایک قسم ایمان کو کفر پر ترجیح دینا،

اور یہ محبت کا ادنیٰ درجہ ہے۔ بدوہن اس کے بندہ مومن نہیں ہے اور دوسرے اقسام میں دوسرا حکام کو غیر احکام پر ترجیح دینا ہے اور احکام کے درجات کے اعتبار سے اس کے درجات ہیں۔ کوئی اوسط اور کوئی واجب کوئی اعلیٰ و مستحب (تعلیم الدینؑ) کمالاً اشرافیہ (مجتب کی دو قسمیں ہیں۔ محبت طبعی اور محبت عقلی۔ محبت طبعی اختیاری نہیں۔ اس کا حدوث و بقا بالکل غیر اختیاری ہے اور امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا بخلاف محبت عقلی کے کہ اس کا حدوث و بقا اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے اس لئے محبت عقلی افضل اور راجح ہے، محبت طبعی کا منشاء و جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ رہا نہیں کرتا۔ (شریعت و طریقت ص ۱۷۵)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ  
فَاتَّبِعُوْنِيْ يَحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (البقرہ)

آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم (بزرگم خود) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

محبت گو غیر اختیاری ہے مگر اس کا طریقہ اختیاری ہے جس پر محبت کا پیدا ہونا عادتاً ضروری ہے اور اختیاری کاموں میں خدا تعالیٰ نے ہر کام کی تدبیر بتلائی ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ چند باتوں کی پابندی کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائے گی (جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی جائے) اس کا طریقہ یہ ہے کہ :-

- ۱۔ دین کا علم سیکھیں۔

- ۲۔ اعمال میں ہمت کر کے ظاہر اچھی اور باطناً بھی شریعت کے پابند رہیں۔
- ۳۔ شوق راحت کو اختیار کریں بشرطیکہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آجائے کیونکہ راحت میں

حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری طرح اطاعت کریں کیونکہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے۔

اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔

۵۔ نیک عمل میں بہ نیت اور زیادہ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہیں۔

۶۔ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ کریم کو یاد کریں۔

۷۔ محبانِ خدا تعالیٰ سے علاقہ پیدا کریں اور ان کی صحبت اختیار کریں اور یہ بہت

ضروری ہے۔ اگر آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی رکھیں۔

۸۔ تنہائی میں کسی وقت خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کریں۔ پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کریں

۹۔ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ محبت عطا فرمائیں۔

۱۰۔ یہ مراقبہ کیا کریں کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مجھ کو چاہتے ہیں، اس

بندے کے قلب میں بھی محبت پیدا ہوگی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی

میں ہو ساری پریشانی دور ہو جائے گی۔ (شریعت اور طریقت صفحہ ۱۸)

## حصولِ محبت کا طریقہ

توضیح بقدر ضرورت یہ ہے کہ اول انجذابِ الی اللہ کے اسباب ہیں اور اس کے

جیسے کثرت ذکر یا وہ اشغال جن میں بالخاصہ جمع خواہ و فنائے دساوس را اشغال حرارت

کا اثر ہو یا جن پر عشق کا طبعاً غلبہ ہے ان کی صحبت اختیار کرنا یا ایسے مضامین نثر یا نظم کا

مطالعے میں رکھنا اور اس کے ساتھ غذا میں تغلیل کرنا جس سے نہ گرائی و کسل ہو اور نہ ضعف

ہو، یہ اسباب ہیں انجذاب کے، اسی انجذاب کا نام عشق ہے، اور اس کے

اسباب کا قصداً جمع کرنا توجہ و ہمت کہلاتا ہے، اور اس توجہ و ہمت کے ساتھ طالب

اور شیخ دونوں متصف ہو سکتے ہیں، یعنی طالب نے اگر جمع کیا تو کہیں گے کہ اس نے



توجہ و ہمت کی اور اگر شیخ اس جمع کا طالب کے لئے اہتمام کرتا رہا اور وقتاً فوقتاً طالب کو اس کا امر کرتا رہا تو کہیں گے کہ شیخ نے ہمت و توجہ کی اور القاد نسبت یہی کہلاتا ہے مگر اس کے ساتھ صرف شیخ ہی متصف ہوتا ہے جس کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اپنی قوت خیالیہ سے طالب میں کسی اثر کے پیدا ہونے کا قصد کرے اور اگر یہ اسباب عملاً جمع کر دیئے گئے لیکن قصد اس جمع سے یہ نہ تھا کہ یہ انجذاب پیدا ہو تو اس کو ہمت نہ کہیں گے، گو اتفاقاً اس پر کبھی انجذاب مرتب بھی ہو جاوے اور گو یہ مشہور معمول ہے کہ القادے نسبت اس طرح ہوتا ہے کہ شیخ و مرید تمام خطرات سے خالی ہو کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں، مگر القادے نسبت اسی میں منحصر نہیں۔ باقی یہ بھی ایک طریق ہے جیسا ادب پر ذکر کیا گیا۔ اور غالباً اس میں کچھ مفاسد بھی ہیں۔ اس لئے بعض محققین متبعین سنت سے ترک کر دیا ہے اور اس مذکورہ جمع اسباب کا اثر جو انجذاب الی اللہ ہے، یہ اثر ہر شخص میں مختلف درجہ میں بقدر استعداد پیدا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ ہر شخص میں سوزش و شورش و اضطراب و التہاب ہی کے رنگ میں پیدا ہو، ہاں گلہ ہے ایسا بھی ہو جاتا ہے مگر نفس انجذاب میں ہوتا ہے، خواہ قوی خواہ ضعیف اور یہ انجذاب طبعی ہوتا ہے اور یہی قید سے یہ ایک مستقل طریق ہے جو مقابل ہے طریق عمل و سلوک کا درجہ مطلق انجذاب تو طریق عمل میں بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ عقلی و اعتقادی ہوتا ہے اسی طرح اس انجذاب مذکور کے جو آثار میں تعلق و یکسوئی وغیرہ یہ سب انجذاب کے لئے لازم ہیں مگر یہ نہیں کہ ان آثار کا ہر درجہ اس انجذاب کے لئے لازم ہو بلکہ اس میں بھی استعداد کے اختلاف سے اختلاف ہو جاتا ہے یعنی یہ تعلق و یکسوئی کبھی قوی درجہ کی ہوتی ہے کبھی اس کا ضعیف درجہ ہوتا ہے تو طالب غیر مبصر سمجھتا ہے کہ مجھ کو وہ تعلق و یکسوئی نصیب نہیں ہوئی اور بقاعدہ ارتفاع اللزوم استلزام ارتفاع الملزوم سمجھتا ہے کہ مجھ کو انجذاب بھی حاصل نہیں ہوا اور اس سے اس پر یا اس کا غلبہ ہو جاتا ہے جو کہ طریق کیلئے مضر ہے اور اس تحقیق کے استحضار سے حقیقت واضح ہو گئی اور دیا سے محفوظ رہے گا۔ (ماخوذ یوادر النوادر ص ۸۴-۸۳)

## وصول بطریق جذب

فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں جو اس قدر حلیہ وصول الی اللہ پہنچاتا، حالانکہ یہاں کچھ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وصول بطریق جذب ہوتا ہے، بطریق سلوک نہیں ہوتا اور یہ جذب برکت ہے، اتباع سنت کی کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبیہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے، اور محبوبیت کے لئے جذب لازم ہے۔ (اشرف السوانح ص ۳۳۸ حصہ دوم)

## محبت الہی کا غلبہ

حالت: پہلے مجھے حضرت شیخ کے ساتھ اور کچھ عرصہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت غلبہ محبت رہا۔ حضرت شیخ کی صورت دیکھ کر تاب نہ رہتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیکر رو دیا کرتا اور درود شریف کا بہت خیال رہتا تھا اب تو صرف تصویر ذات بسیط میں دل لگتا ہے دل میں اسی کی دھن ہے سب محبتیں مغلوب معلوم ہوتی ہیں۔

تحقیق: مبارک ہو یہی ہے غلبہ توحید، یہی ہے غلبہ تہذیب اور یہ غلبہ ظاہر اتوان پہلی محبتوں کا ضعیف کرنے والا ہے لیکن درحقیقت ان محبتوں کا بھی قوی کرنے والا ہے چنانچہ مواقع امتحان میں اس کا امتحان ہوتا ہے اور راتوں میں یہ ہے کہ وہی محبتیں تو موصل ہوتیں اس دولت کی طرف اور ظاہر ہے کہ مقصود جتنا عظیم ہوگا اس کے وسائل کی بھی اسی قدر وقعت ہوگی البتہ خود مقصود کے مقابلہ میں وسائل مغلوب ہوں گے۔ پس مقصود کے اعتبار سے تو ضعیف اور وسائل کے تعلق مسائل کے اعتبار سے موجودہ تعلق

قوی کا (تربیت سالک ص ۱۴۲)

## حُبِّ حَقِّ وَ حُبِّ نَبَوِیِّ مِیں تِلَا زِم

حال : دیگر یہ عرض ہے کہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک احقر کے سامنے لیا جاتا ہے تو فوراً بدن میں لرزہ سا پیدا ہو جاتا ہے اور درود مبارک فوراً زبان پر آجاتا ہے اور بہت دیر تک رہتا ہے اور یہ حالت رہتی ہے کہ اگر (نعوذ باللہ) میں قصداً درود شریف نہ پڑھنا چاہوں تو اس پر بالکل قدرت نہیں ہوتی ، اور جس وقت خدا تعالیٰ کا نام مبارک لیا جاتا ہے تو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ یہ تعدی فی الدین تو نہیں ہے اگر ہے تو کیا علاج ہے۔

تحقیق : اس میں طبعاً مذاق مختلف ہے ، بعض پر آثار حُبِّ حَقِّ کے غالب ہوتے ہیں اور بعض پر آثار حُبِّ نَبَوِیِّ کے غالب ہوتے ہیں ، اور چونکہ دونوں محبتوں میں تِلَا زِم ہے لہذا دونوں مذاق مقبول و محبوب ہیں۔ صرف لون کا اختلاف ہے۔ حقیقت دونوں جگہ محفوظ ہے۔ جو کہ مقصود ہے ، اس واسطے کچھ تردد و فکر نہ کریں نہ یہ تعدی ہے نہ اس کے علاج کی ضرورت ہے۔ مبارک حالت ہے جب جس کا غلبہ ہو اسی کی اتباع کرنا چاہئے البتہ اعتقاد عقلی امر اختیاری ہے اس کا تعلق واجب اور ممکن کے ساتھ بالذات و بالعرض ہونے میں مفادوت ہونا چاہئے۔ والسلام  
(ترتیب اسالک جلد اول ص ۱۹۵)

ایمان اور محبت اور اس کی زیادتی مطلوب ہے لیکن وہ مقصود

و زیادتی ایسی لطیف ہے جیسے بچے کی نشوونما۔ !

حال : جناب والا نے کشف حقیقت و شرح صدر فرمائی۔ واقعی اصل شے بس ایمان و محبت اور اسی کی زیادتی کی طلب ہے۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف

جس اعتبار و جہت سے بھی توجہ نصیب ہو اس میں لذت ایسے نہ ہوگی۔ حضرت نے خوب فرمایا کہ میلا کپڑا مکروہ معلوم ہوتا ہے لیکن محبوب کا میلا کپڑا بھی محبوب ہوتا ہے مگر حضرت اس کو کیا کروں کہ نہ ایمان میں کوئی قابل لحاظ از زیاد معلوم ہوتا ہے اور محبت تو سرے سے مفقود ہی معلوم ہوتی ہے۔

حقیقہ : از زیاد و مطلوب کی رفتار ایسی لطیف ہے جیسے بچے کی نشوونما، کہ کسی دن بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے سے بڑھلے ہے۔ البتہ بعد فصل بعید کے قبل اور بعد کی حالت میں موازنہ کے بعد پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح قبل التزام اعمال کی حالت کا بعد التزام کی حالت سے موازنہ کر کے دیکھا جاوے تو از زیاد مشاہد ہوگا مگر گناہ نہیں بلکہ کیف لایمزید ولا ینقص کا محمل کم ہے اور یزید و نقص کا محمل کیف اور احیاناً اس کا بھی ادراک نہیں ہوتا لیکن عدم ادراک، عدم وقوع کی دلیل نہیں خصوصاً جب خشیت کا علیہ ہو اس وقت وہ کیفیت ہوتی ہے۔ اور کت سبعین بدریا کلہم نیخاف النفاق علی نفسہ رواہ البخاری۔ اور بہت فی نفسہ مقصود نہیں آ لہ عمل ہے۔ اگر عمل کا صدور ہو جاوے مقصود حاصل ہے گو اس میں قوت نہ ہو۔ (ماخوذ از تربیت السالک حصہ دوم ص ۷۰-۶۹)

## حقیقتِ خشوع

کسی نیک عمل میں بطور مقصود بیت کوئی غیر اللہ کا خیال قلب میں حاضر نہ ہونا اور قلب کا اتفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہونا (خشوع ہے) خشوع لغتہً مطلق سکون ہے اور شرعاً سکون جوارح، جس کی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب، جس کی حقیقت، حرکتِ فکر کا انقطاع ہے اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر ضرورت ہے مثلاً صحیح قوی سوی اس پر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت نماز کے علاوہ صادر نہ

ہونے دے، وہ اس کا مکلف ہوگا۔ اور جو کسی درد میں مبتلا ہے غلبہ درد کے وقت اس پر قادر نہیں جب درد اٹھے گا بے چین ہو کر پیچ و تاب کھائے گا اس لئے وہ اس درجہ سکون کا مکلف نہ ہوگا۔ البتہ جب درد نہ ہو، پھر وہ از سر نو اس سکون کا مکلف ہوگا۔ اسی طرح سکون قلب کی تکلیف بقدر قدرت ہوگی۔ مثلاً جو شخص تشویش کے تمام اسباب سے محفوظ ہو وہ حرکاتِ فکریہ کے کلی القطاع پر قادر ہے اس لئے وہ اس کا مکلف ہوگا اور جو تشویش کے اسباب میں مبتلا ہو وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہیں۔ اس لئے وہ اس درجہ کا مکلف ہی نہ ہوگا۔ البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا میسر ہوگا یعنی وہ تشویش متخیلہ پر غالب نہ ہو اس وقت میں اس کا مکلف ہوگا۔ یہ تو کلام کلی ہے۔ اب اس مقام پر ایک دقیق جزئی ہے۔ وہ زیادہ قابلِ اعتناء ہے اور اس میں زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔ اگر صاحبِ معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے۔ وہ یہ کہ اس قطع حرکتِ فکریہ کا طریق کیا ہے؟ کیونکہ یہ قطع براہِ راست حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے قلب کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کر دیا جائے جو وضعِ صلوة کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً ذاتِ حق کی طرف برابر متوجہ رہے۔ اگر خیال نہ چمکنے کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرے کہ میں کعبہ حسنی کی طرف رخ کئے ہوئے ہوں۔ یا نماز میں جہاں کار و تسراوت پڑھ رہا ہے ان کی طرف توجہ رکھے کہ میں یہ الفاظ پڑھ رہا ہوں یا ان کے معانی کی طرف توجہ رکھے۔ چونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس لئے یہ توجہ دوسرے خطرات کے آنے سے مانع ہو جائے گی۔

یہ ہے وہ طریق، اب اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہے۔ کسی شخص کے لئے ایک تصور نافع ہے، دوسرے شخص کے لئے دوسرا تصور۔ بعض اوقات صاحبِ معاملہ توجہ عدم بصیرت و عدم تجربہ کے اپنے لئے

ایک طریق کو اختیار کرتا ہے اور وہ طریق اس کی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا اس لئے اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور بار بار کی ناکامی سے مایوس ہو کر اس غلط گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خشوع فعل اختیاری نہیں اس لئے بالکل اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے اور اس مامور بہ کی برکت سے محروم رہتا ہے اس لئے اپنے مناسب طریق کی تعیین کے لئے سخت اہتمام کی حاجت ہے۔ دوسری غلطی اس سے اشد یہ ہوتی ہے کہ تعیین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے اس میں کاوش زیادہ کرنے لگتا ہے اور اس کا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلاً نہ آنے پائے اور اس کے لئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے حتیٰ کہ نوبت کلال و ملال کی پیش آتی ہے جس کا نتیجہ وہی یاس کے بعد عمل ترک کر دینا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے ترک کاوش کی۔ یس مٹری معتدل توجہ کافی ہے اگر اس توجہ کے ساتھ دوسرا کوئی خطرہ آ جاوے تو وہ غیر اختیاری ہوگا اور مضر نہ ہوگا جیسے کسی خاص صفحہ میں سے کسی خاص لفظ پر تصدّ نظر کی جاوے تو یہی بات ہے کہ وہ شعاعیں بلا قصد دوسرے کلمات پر پہنچ جاتی ہیں۔ مگر وہ نظر تصدی نہیں ہوتی اور ایک غلطی سب سے بڑھ کر یہ ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنے کے ساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال تصدّ آیا ہے یا بلا قصد۔ سو یہ فیصلہ محض بیکار ہے۔ اگر فرضاً یہی تحقیق ہو جاوے کہ تصدّ آ گیا تو اب گذشتہ کا تو اعدام (معدوم ہونا) ہو نہیں سکتا۔ آئندہ کے لئے یہی تدارک کیا جائے گا۔ سو اگر اس فیصلہ کے بدون بھی اس تدارک میں مشغول ہو جائے تو کیا ضرر ہے۔ اور وہ تدارک بعد تشبیہ کے تجدید ہے اس توجہ مقصود کی اور نیت و ارادہ جو کہ مترادف میں قبل اختیار کے ہوتے ہیں، جو مامور بہ کو اختیار کئے بغیر کافی نہیں۔ جیسے نماز کی نیت کرے مگر فعل صلوٰۃ کو اختیار نہ کرے یہ ناکافی ہے لیکن جن اشکالات کا حل اس فرق کی تحقیق کو سوچا تھا اب بدون اس تحقیق کے بھلائی حل ہو گئے یعنی فرق ہونے پر بھی اور نیت کے کافی نہ ہونے پر بھی اشکال نہیں رہا۔ کیونکہ اختیار کے درجات میں ایسی گنجائش نکل آئی کہ کسی درجہ میں بھی خلجان اور مشقت کا احتمال نہیں رہا واللہ اعلم۔

## طریق خشوع فی الارادہ

خشوع کے لئے عمل کی ابتداء میں توجہ کافی ہے۔ ہر ہر لفظ پر ضرور توجہ نہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی تلاوت سے پہلے یہ خیال کریں کہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے تلاوت کرتا ہوں یہ کافی ہے۔ ہر ہر حرف پر ایسی توجہ ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ تکلیف بالایطاق ہے۔ مگر اس میں یہ قید بھی ہے کہ جب تک اس کی مضاہ توجہ محقق نہ ہو اس وقت تک اسی پہلی توجہ کو حکماً باقی سمجھا جائے گا۔ جیسا انسان چلنے سے پہلے یہ ارادہ دل میں کر لے کہ جامع مسجد کی طرف چلتا ہوں پس اتنا کافی ہے ہر قدم پر یہ ارادہ ضروری نہیں ورنہ چلنا دشوار ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی دوسری طرف ایسی توجہ ہو جو اس توجہ کے مضاہ ہو، یا نئی جاوے تو پھر پہلی توجہ معدوم ہو جائے گی۔ (الکلام الحسن ص ۸۴)

## طریق خشوع فی الاعمال

اس خشوع کا طریقہ یہ ہے کہ (بختہ) حافظوں کی طرح نماز نہ پڑھا کریں، بلکہ ایسے ناظرہ خواں یا حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا حافظ ہر لفظ کو دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے۔ اسی طرح نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کریں۔ (ایوار الیتامی ص ۷۳)

اور جو قول و فعل نماز میں صادر ہو، وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہئے۔ محض مشق اور یاد سے نہ ہو۔ مثلاً زبان سے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے کہہ رہا ہوں، پھر بِحَمْدِكَ کہا تو اسی طرح اس کی طرف توجہ اور قصد ہو۔ اسی طرح آخر نماز تک، پس اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعت رہی اور ایک طرف توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی۔ پس لامحالہ اس سے غیر صلوات کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ پس حضور کامل میسر ہوگا۔ اور حضور کے لئے کف جو ادح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھرنے سے بواسطہ نگاہ خیالات منشر ہوں گے۔ (المتکشف ص ۴۴۱-۴۴۲)

## حقیقتِ خوف

قلب کا دردناک ہونا، ایسی چیز کے خیال میں جو ناگوار طبع ہو، اور آئندہ واقع ہونے کا اندیشہ ہو اس کو خوف کہتے ہیں اور شریعت کے اعتبار سے خوف کی حقیقت، احتمالِ عذاب ہے کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی مامور یہ ہے اور اسی کا بندہ مکلف کیا گیا ہے۔ یہ تو شرط ایمان ہے اور اس کا نام خوف عقلی ہے۔ اس میں ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت وعید اور عذاب خداوندی کو یاد کر کے سوتح سوتح کے گناہوں سے بچا جائے۔ یہ درجہ فرض ہے اس کے فقدان سے کفر تو نہ ہوگا، ہاں گناہ ہوگا، اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ مراقبات و اشغال سے آیات وعید اور عظمت و جلال حق کو ہر دم مستحضر اور پیش نظر رکھا جائے یہ درجہ مستحب ہے اور سب درجات مکتبہ ہیں جو کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کے آگے ایک درجہ اور ہے جو اختیار سے باہر ہے وہ یہ کہ آثار خوف اس قدر غالب ہو جائیں کہ اگر ان کو کم کرنا یا بھلانا بھی چاہیں تو اختیار و قدرت سے باہر ہو۔ یہ محض وہی ہے جو درجات سابقہ مکتبہ کو حاصل کرنے کے بعد محض عطلے حق سے بعض کو حاصل ہو جاتا ہے (جو اگرچہ محمود تو ہے مگر مقصود نہیں۔) (شرعیات و طریقت ص ۱۴۱)

اشرف المسائل

### خوفِ مطلوب اور اس کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں فرماتے ہیں۔

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا  
 آتَى اللَّهُمَّ آتَى سَأَلَكَ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا  
 تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ  
 اے اللہ ہم آپ سے خوف میں سے اس قدر مانگتے  
 ہیں کہ اس سے آپ ہمیں اور معصیت میں داخل ہو جائے



تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے بالذات  
 مطلوب نہیں ورنہ خشیتک (تیرا خوف) منطلق فرماتے، کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے  
 صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں خوف کی حد بیان فرمادی  
 کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے  
 تو محمود نہیں، خوف مع الرجاء ہی ہے، اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجاء نہ رہے اور  
 ناامیدی تک ذوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے (شریعت و طریقت ص ۱۴۳ - وعظ میرٹھ)  
 الغرض خشیت مومن کے لئے لازم ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو مال میں  
 احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال  
 ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی  
 اختیاری ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

## طریق کار

اس کا طریق مراقبہ یہ ہے کہ پندرہ بیس منٹ دیر میں سویا کریں، اور بیٹھ کر یا  
 لیٹ کر یاد کیا کریں کہ آج کیا کیا گناہ کئے، فہرست گناہ تیار کریں۔ پھر دل میں خیال جمائیں  
 کہ میدانِ قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے۔ اپنا مددگار کوئی بھی نہیں۔ دشمن  
 بہتیرے ہیں۔ جیلہ کوئی چل نہیں سکتا۔ زمین تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب  
 مہر پر ہے دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے۔ کوئی جواب معقول  
 بن نہیں پڑتا جب یہ حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو  
 معذرت کریں گے کہ بیشک خطا دار ہیں کہیں ٹھکانہ نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور  
 کے رحم و کرم کا۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں۔ رات کو یہ کریں اور صبح اٹھ کر یاد رکھیں کہ فلاں  
 فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان کا استغفار اور عہد کیا ہے سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائیں

اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی۔ غرض یہ تدبیر ایسی ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(شریعت و طریقت ص ۴۳ تا ۴۵، وعظ میرٹھ)

## رَجَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۗ اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي رَحْمَتٍ سَيَكْفِي مَا أُمِدُّ نَهْوَ-

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللَّهِ ۗ

مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ

جَنَّتِهِ أَبَدًا۔ (متفق علیہ) نہ ہو۔

## حقیقت رَجَا

محبوب چیزوں یعنی فضل و مغفرت اور نعمت و جنت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا، اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا (رَجَا ہے) سو جو شخص رحمت و جنت کا معتظر رہے اور اس کو حاصل کرنے کے اسباب یعنی عمل صالح و توبہ وغیرہ کو اختیار نہ کرے، اس کو مقام رَجَا حاصل نہیں وہ دھوکے میں ہے جیسے کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلہ پیدا ہونے کا معتظر رہے یہ صرف ہوس خام ہے۔

## رَجَا کے درجات

جیسے خوف کی حقیقت اور درجات ہیں، اس کے مقابلے میں رَجَا کے بھی درجات

ہیں۔ ایک شرط ایمان بمعنی احتمالِ نجات، اور یہ درجہ فرض ہے، اور ایک درجہ مستحب ہے، ایک درجہ رجا میں بھی ایسا ہے جو اختیار سے خارج ہے، مکتب نہیں بلکہ محض وہب سے عطا ہوتا ہے (جو مطلوب نہیں تفصیل کے لئے خوف کی حقیقت ملاحظہ ہو) (شریعت و طریقت ص ۱۵۲۔ تعلیم الدین۔ اشرف المسائل)

## خوف و رجا کی حالت

سوال : ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی تھا کہ اب اللہ تعالیٰ کا خیال بالکل بے کیفیت دل میں آتا ہے اور اس سے اس قدر اشراج قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن دریافت طلب یہ امر، کہ میری اعمال کو تاہیوں کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الہی اور حضور کے فیوض لامتناہی میرے شامل حال ہو سکتے ہیں؟ یا میرے نفس نے یہ خیالات تراشے ہیں؟

جواب :- تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا بھی بڑی دولت ہے جس کا حاصل "الایمان بین الخوف والرجا" ہے، مبارک ہو۔ (اشرف السوانح۔ تربیت السالک جلد اول)

## حقیقتِ تواضع

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

« اور رحمن یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں »

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

« جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے »

تواضع (الہیہ کی حقیقت) یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشیئہ سمجھے، اور مسیح سمجھ کر تواضع کرے۔ اپنے کو زنت کا اہل نہ سمجھے اور مسیح اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔ اس کی اصل جہادہ نفس ہے، کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرہ بے مقدار کہہ دیا۔ بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار سمجھ کر بڑا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور تم اپنے نفس کو میں سمجھاؤ کہ واقعی تو ایسا ہی ہے۔ پھر کیوں بڑا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً مساوات ہو نہیں سکتی (کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ اختیاری امور میں تواضع اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

حضرت (لعمان علیہ السلام) نے یہ نصیحت کی "بیٹا لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کے مت چل (بے شک) اللہ تلے کسی تکبر کرنے والے نخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر (یعنی بے تکلف اور متوسط رفتار تواضع و سادگی کے ساتھ اختیار کر اور بولنے میں) اپنی آواز کو پست کر (یعنی گفتگو میں بھی عاجزی اور تواضع اختیار کر) (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو زنت عطا کریں گے۔ (نیز) اتفاق کی اصل تواضع ہے جن در شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نا اتفاق نہیں ہو سکتی۔ تواضع میں جذب اور کشش کی خاصیت ہے۔ متواضع کی طرف خود انجذاب ہوتا ہے، بشرطیکہ صحیح تواضع ہو۔ (الفاس عیسیٰ)

طریق کام :-

یہ سمجھ کر تواضع اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ ان کے

سامنے پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائیں اور اپنے کو لاشعے سمجھیں۔  
لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے طلب عزت کرنا انسان  
کا کام نہیں یہ تو نہایت بھدرا پن ہے جس جماعت میں شمار ہے اسی کی اصطلاح وضع  
اور طرز کو اختیار کریں۔ عزت اسی میں ہے۔ اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ بھی ہوئی  
تو کیا پرواہ ہے۔ خالق کے نزدیک تو ضرور عزت ہوگی۔ ظاہری اسباب عزت کی ضرورت  
نہیں۔ انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہوگو ظاہر میں فقیر ہو عارف فرماتے ہیں۔

مبین حقیر گدایانِ عشق را کیس قوم

شہانِ بے مکرو خسروانِ بے کلاہ اند

اگر کوئی لباس پر طعن کرے، کرنے دیں۔ طرز میں عیب نکالے۔ نکالنے دیں کسی  
کی تحقیر کی پرواہ نہ کریں، تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے۔ ان کو راضی کرنے کی  
نکر کریں۔ اور یہ یاد رکھیں کہ عشق و محبت میں تو ملامت ہو اسی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے  
محب بننا چاہتے ہیں تو ملامت سننے کے لئے تیار رہیں۔

ناز و عشق را کنج سلامت

خوشا رسوائی کوئے ملامت (وعظ المرغیہ المرغوبہ)

لیکن جس جگہ تواضع کرنے سے دوسرے شخص کو تکلیف ہوتی ہو وہاں تصدماً اتنی  
تواضع نہ کریں کیونکہ بعض طبائع کو بلکہ اکثر کو واقعی زیادہ تواضع سے تداامت اور تکلیف  
ہوتی ہے۔ باقی اگر حال ہی غالب ہو جائے یا اس طرف التفات ہی نہ ہو وہ اور  
بات ہے۔ (تعلیم الدین)

تواضع اور بغض فی اللہ

سوال: ایک سوال معرض خدمت ہے اس کے جواب سے بھی سرور از فرمائیں،

فتوح الغیب میں تحریر فرماتے ہیں تو اضع کی حقیقت میں ہو اُن لا یلقى العبد احداً من الناس الا رآی لہ الفضل علیہ۔ اور آگے تحریر فرماتے ہیں کہ خواہ جاہل ہو یا فاسق ہو یا کافر ہو کسی سے اپنے کو بہتر نہ سمجھے۔ سو اولاً تو عرض ہے کہ بندے نے جو اپنے آپ کو دیکھا تو میرے اندر بالکل یہ صفت نہیں پائی جاتی سو نہایت ادب کے ساتھ یہ استدعا ہے کہ حضور بندے کے واسطے دعا فرمائیں، اور کوئی آسان تدبیر ایسی تحریر فرمائیں جس سے بسہولت یہ صفت حاصل ہو جائے اور کبر و عجب کا نام نہ رہے تا نیا گذارش ہے کہ تو اضع کا مقتضا تو یہ ہے کہ ہر ایک کو بہتر سمجھا جاوے اور اس کے ساتھ نرمی کی جائے اور بعض فی اللہ کا مقتضا یہ ہے کہ عاصی کو بُرا سمجھا جائے اور اس پر سختی اور خشکی کی جلے سودو نوں کیسے جمع ہوں؟

جواب : اچھا برا سمجھنا درجہ احتمال میں کافی ہے یعنی یہ سمجھے کہ گو اس وقت ظاہر آئے شخص ہم سے کتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی وقت اس کے باطن میں کوئی خوبی ہم سے زیادہ ہو یا مال میں یہ ہم سے اچھا ہو۔ پس اس کا یہ اثر ہو گا کہ اپنے کو یقیناً افضل نہ سمجھے گا، اور دفع کبر کے لئے اتنا کافی ہے اور اس طرح سے احتمالاً کسی کو اچھا سمجھنا مستلزم نرمی و لفت کو نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کا مال میں ہم سے اچھا ہونا محتمل ہو یا بفعل اس کی کوئی ایسی حالت ہو کہ اس پر نظر کر کے شریعت سے ہم اس کو مبغوض رکھنے کے مامور ہوں تو ان دونوں میں کیا تسانی ہوئی اور اس احتمال کا استحضار عجب و کبر کو دفع کرے گا۔

(بوادرالنوادر)

### قلوبہ تواضع و وسعت رحمت و عظمت حق تعالیٰ

حال : قبل ازیں کسی کو خلاف سنت پر دیکھتے سے سخت بار معلوم ہوتا تھا اور دیر تک دل میں غصہ رہتا تھا اور وہ حالت اب نہیں ہے بلکہ کسی کی طرف توجہ کرنے کو

بھی جی نہیں چاہتا ہے اور کوئی شخص اگر خلاف شریعت کوئی کام میرے سامنے کر گزیرے  
دل میں فوراً یہ خیال آجاتا ہے کہ شاید یہ شخص اللہ کے پاس مجھ سے اچھا ہو، اب سوال یہ ہے  
کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ کسی منکریات کو دیکھ کر دل سے بُرا سمجھنا یہ اضعف  
ایمان ہے تو کیا میرے ایمان میں تو کوئی نقص نہیں آیا نعوذ باللہ، اور پھر جب جلال اور کبریائی  
خدا پر نظر پڑتی ہے تو دل پر اور بھی زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔

تحقیق : منکر کو دل سے بُرا سمجھنا یہ اعتقاد ہے کہ طبعاً نہ ہو طبعی انکار پر بعض  
دوسرے اسباب غالب آجاتے ہیں اور ان ہی میں سے وہ کیفیت ہے جو آپ پر غالب  
ہے جس کا ما حاصل تواضع اور وسعت رحمت و عظمت حق پر نظر ہے کہ عین مطلوب ہے،  
پس ان اسباب کے غلبہ سے اگر طبعی انکار کا غلبہ نہ ہو کوئی نخل ترود نہیں اٹھاتا کہیں۔  
(تربیۃ حصہ پنجم، تربیت السالک ص ۱۶۵)

### اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا

حال : اکثر خیال دل میں رہا کرتا ہے کہ مجھ سے تمام دنیا والے اچھے ہیں حتیٰ  
کہ ہندوؤں کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ ہزار دُجے مجھ سے اچھے ہیں کچھ کام تو دنیا  
ہی کا صحیح کر لیتے ہیں اور میں تو کسی کام کا نہیں رہا خیال بعض مرتبہ ہو جاتا ہے کہ خود  
کشی کروں مگر حرمت کا خیال آجاتا ہے کہاں تک عرض کروں نظر تو جہ فرما دیں ورنہ خوف  
میرے خراب ہو جانے کا ہے ۵

گو بُرا ہوں یا بھلا جیسا ہوں میں

سنگ تیرے در کا کہلاتا ہوں میں

تحقیق : یہ حالت از بس رفیع ہے یہ کمال شکستگی ہے جس کے ثمرات از بس

رفیع ہیں جن کی طرف حدیث "من تواضع لله رفع الله" میں اشارہ ہے۔ عارفین

نے تصریح فرمائی ہے ۶ "مومن مومن نباشد تا آنکہ خود را از کافر فرنگ بدتر نہ پندارد" یعنی حالانکہ کہ اعتقاداً ایسا شخص انشاء اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں ہوتا۔ اصل فضیلت کی عجب ہے مگر اس کی طرف چند ماں التفات نہ کیجئے۔ کام میں لگے رہئے کہ التفات مفہم ہے کہ اس سے کبھی یاس اور کبھی کبر تو وضع کا پیدا ہو جاتا ہے۔ و ہذا شد من الکبر المحض" (النور ص ۲۱۹، تربیت السالک ص ۱۸۶)

## حقیقتِ شکر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ (الآیۃ) اور مہرِ اُشکر کرو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنْ اَصَابَتْهُ نَسْرَاءٌ شَكَرًا (رواہ مسلم) اگر اس کو خوشی پہنچی شکر کیا۔

نعمت کو نعم حقیقی کی طرف سے سمجھنا اور اس سمجھنے سے دو باتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔

ایک نعم سے خوش ہونا اور دوسرے اس کی خدمت گزاری اور امتثالِ اوامر میں سرگرمی کرنا (تعلیم الدین ص ۷۷)

یعنی جو حالت طبیعت کے موافق ہو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو، اس حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا، اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا، اور اس نعمت کا (جو ارج یعنی اعضاء وغیرہ سے) گناہوں میں استعمال نہ کرنا۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۱۸)

(بلکہ اس نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرنا (شکر ہے) اور یہ اس وقت

ہو سکتا ہے جبکہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا

چیز کس کس کام کے لئے پیدا ہوئی ہے مثلاً آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت



ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی بڑی مخلوق کے اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کسے کہ عبرت حاصل ہو، اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے آگاہی ہو۔ نیز شکر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے (اور دیگر ممنوعات) سے روکے رکھے، اسی طرح کان ایک نعمت ہیں اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور ہجو، لغو اور فضول کلام سننے سے روکے۔ من بان کو یاد خدا احمد و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف میں شکوہ و شکایت سے باز رکھے، کہ اگر کوئی حال بھی بوجھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلے پائے۔ کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکالنی جو کچھ نہیں کر سکتا بالکل فضول اور معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا۔ (تبلیغ دین ص ۱۰۸)

یہ (زبانی) الحمد للہ کہنا محض درجہ عنوان میں ہے یہ چھلکا ہے جس میں گری (مغز) نہیں یعنی الفاظ شکر ہیں معنی شکر نہیں، اور جب معنی شکر نہیں، جیسے کوئی بادام خرید لے اور اس میں مغز نہ نکلے اور نہرا چھلکا ہو تو بادام نہ کہیں گے۔ اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے، اور ایک پوست اور صورت ہے۔ پس شکر کی روح یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر کرو۔ ابتدائی درجہ تو مرتبہ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اس کی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات و سکنات میں نمایاں ہو (یعنی تمام عقائدات، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت وغیرہ شریعت کے مطابق ہوں)۔

شکر کا محل نعمت ہے اور نعمت کی حقیقت یہ ہے۔ النِّعْمَةُ حَالَةٌ  
مَلَائِكَةٌ لِلنَّفْسِ (نعمت وہ حالت ہے جو کہ نفس کے لئے خوشگوار ہو) حالاً

جو اس کی مرضی کے موافق ہیں موقع ہیں۔ یہ کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف سے جانے  
اترائے نہیں، اپنا کمال نہ سمجھے، غافل اور ناسی (بھولنے والا) نہ ہو، اور نعمت میں  
مشغول ہو کر رب نعمت کو نہ بھولے بلکہ یہ نعمت اس کے لئے زیادہ موجب تذکر ہو جاوے  
یہ نعمت عام ہے خواہ کھانا ہو یا پانی ہو یا کوئی کپڑا ہو یا یہ کہ کوئی ناگوار حالت نہ ہو۔  
(الشکر ص ۴ - ۱۱ - ۱۲)

## صبر و شکر وغیرہ

حال :- صبر و شکر و تقویٰ و توکل کی حالت زیادہ تر بے بسی و بے چارگی سے  
معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق :- یہ بھی نعمت ہے جو اضطراراً عطا کر دی گئی۔ قصد انفعال اختیار  
میں شرط اجر ہے نہ کہ امور اضطراریہ میں، اس میں بلا قصد بھی اجر عطا ہوتا ہے  
(بوادر التواضع)

## حقیقتِ صبر

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک دین پر ابھارتی ہے، دوسری ہوائے نفسانی پر  
سو، محرک دینی کو محرک ہوائی پر غالب کر دینا، صبر ہے۔ (تعلیم الدین ص ۷۷)  
اور اس کی حقیقت ہے حَبْسُ النَّفْسِ عَلَىٰ هَاتَا تَكْرًا یعنی ناگوار بات پر  
نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا۔ آپے سے باہر نہ ہونا اور وہ ناگوار امر خواہ کچھ ہو (الشکر ص ۷)  
اب کہیں تو جس (رودکنا) کے ساتھ کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے اور کہیں محض جس (رودکنا)  
ہی جس (رودکنا) ہوتا ہے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ تو اس عنوان سے ناگواری کے  
اقسام پر شرعاً صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر علی العمل (۲) صبر فی العمل (۳) صبر عن العمل۔

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا۔ یعنی اس پر حجم جانا اور قائم رہنا مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلا ناغہ ان کو ادا کرتے رہنا۔

اور صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا۔ طاعات بجالانے کے وقت ان کے حقوق و آداب کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا۔ مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر الہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو ماہی اللہ عنہ (جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ ان) سے روکنا، اور شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا، ان سے روکنا۔ (اس کے علاوہ) ہر ممنوع امر سے رکنے کو صبر ہی کہا جاوے گا۔ (مثلاً) صبر عن الشہوت، شہوت میں شہوتِ رجال و نساء و شہوتِ لباس و شہوتِ طعام و شہوتِ کلام (وغیرہ) بھی داخل ہے۔ اسی طرح تمام معاصی سے نفس کو روکنا، یہ بھی صبر میں داخل ہے، حتیٰ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ  
وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ

اور صبر کرنے والے ہیں باسآء میں  
اور ضراء میں اور باس کے وقت،

بأساء سے مراد فقر و تنگ دستی۔ چھل یہ کہ فقر اور تنگ دستی میں صبر کرے، یعنی خدا تعالیٰ پر نظر رکھے۔ مخلوق کے مال و دولت پر نظر نہ کرے، نہ ان سے توقع رکھے۔ اس میں قناعت و توکل کی تعلیم ہوگئی اور ضراء سے مراد مطلق بیماری۔ خواہ ظاہری ہو یا باطنی۔ ظاہری بیماری میں صبر یہ ہے کہ لوگوں سے شکایت نہ کرتا پھر سے خدا تعالیٰ سے دل میں مکر نہ ہو۔ اس میں تسلیم و رضا کی تعلیم ہوگئی اور باطنی بیماریوں میں صبر یہ ہے کہ

امراض قلبیہ (رذائل) کے مقتضاء پر عمل نہ کرے، عمل سے ان کا مقابلہ کرے اور باس سے مراد مطلق شدت و پریشانی جو بھی لاحق ہو، اور اس میں مستقل مزاج رہے، جس کا ایک فرد صبر عند الحرب بھی ہے کہ جہاد کے وقت لڑائی میں ثابت قدم رہے۔ پس اب صبر کا حاصل یہ ہوا کہ موحد کامل بن جائے۔ جب مقام صبر کامل ہو جاتا ہے تو توحید بھی کامل ہو جاتی ہے۔ پس یہ ایسا جامع خلق ہے کہ بہت سے اخلاق اس کے اندر داخل ہیں۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے الصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ (یعنی صبر نصف ایمان ہے۔) (وعظ الکمال فی الدین ص ۶۰ - ۱۷۲ ملخصاً)

توصیر فی نفسہ تمام اعمال شرعیہ کو عام ہے (الجمعین ص ۱۷۲)

یعنی جس وقت جس کام کا امر ہو اس پر ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ پس اگر کسی وقت معذرت کے ترک کا امر ہو تو اس وقت ترک معمولات ہی صبر ہوگا (وعظ ما علیہ الصبر ص ۱) حالات دو قسم کے ہیں نعمت اور مصیبت، نعمت سے مسرت ہوتی ہے اور مسرت کی وجہ سے منعم کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے، بخلاف مصیبت کے کہ اس میں ناگواری ہوتی ہے (وعظ الصبر بالصبر ص ۳)

اور صبر کا موقع مصیبت ہے اور مصیبت کہتے ہیں حَالَةٌ غَيْرُ مَلَائِمَةٍ لِلنَّفْسِ (مصیبت وہ حالت ہے جو نفس کو ناگوار ہو) (وعظ الشکر ص ۳)

اس کی دو قسمیں ہیں، ایک صورت مصیبت اور ایک حقیقت مصیبت، جس مصیبت سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے (اور حقیقت میں مصیبت) اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو، وہ حقیقت میں مصیبت نہیں گو صورت اس کی ہو۔ (وعظ اکبر الاعمال ص ۱۴ - ۱۵)

عارفین کو مصیبت کا احساس تو ہوتا ہے بلکہ بوجہ ادراک لطیف ہونے کے دوسروں سے زیادہ احساس ہوتا ہے مگر ان کا رنج و غم حد سے نہیں بڑھتا۔

کیونکہ اس میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے، اور ان حکمتوں پر بھی جو خدا تعالیٰ نے مصائب میں رکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان کو جو ایک کانسٹالگتا ہے وہ بھی اس کے لئے حسنة ہے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ گل ہو گیا۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے، فرمایا ہاں جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو، وہ مصیبت ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ (دعوت السبر بالصبر ص ۳-۱۲) حال : صبر کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ صبر پر جو وعدہ ثواب کا ہے، وہ کسی صورت میں یعنی کوئی شخص کسی انتقام یا تکلیف کے دور کرنے پر قادر ہو اور نہ کرے اور صبر کرے تب اجر ملے گا یا قادر نہ ہو پھر صبر کرے اس پر بھی اجر ملے گا مثلاً کسی نے زید کے تھپڑ مارا اور وہ انتقام پر قادر نہیں یا زید کا لڑکا مر گیا اس پر کہا جاتا ہے کہ صبر کرو یا اس کا مال چوری ہو گیا لوگ کہتے ہیں کہ صبر کرو، اس صورت میں وہ مجبور ہے اس کے دفع کرنے یا انتقام پر قادر نہیں ایسی صورت میں صبر کس طرح کیا جاسکتا ہے ایسی صورت میں بھی ثواب ملے گا یا نہیں۔ یا مثلاً ایک بیٹا شخص کہے کہ میں خدا کے خوف سے اور اس کے حکم کی وجہ سے کسی نامحرم عورت پر نظر نہیں ڈالتا، اور ایک نابینا بھی کہے تو صاف ظاہر ہے کہ نابینا کے پاس وہ آلات ہی نہیں جس سے وہ گناہ کرے، تو نابینا کا یہ کہنا فضول ہے۔ البتہ وہ بیٹا قابل ثواب ہے کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ نامحرم کو دیکھے لیکن نہیں دیکھتا۔

تحقیق :- بے صبری کی متعدد صورتیں ہیں۔ انتقام بالمثل لینا اس کا ترک کرنا صبر ہے، یہ شرط ہے قدرت کے ساتھ، دوسری صورت زبان سے بُرا کہنا

کہتا سامنے یا پس پشت بددعا دینا غیر قادر علی الامتقام بھی اس پر قادر ہے۔ اس کے لئے اس کا ترک کرنا صبر ہے اسی طرح اہل میت کو مدافعت پر قادر نہیں لیکن زخم و شکایت پر تو قادر ہیں، ان کی یہ بے صبری ہے اور اس کا ترک کرنا صبر ہے اور جو کسی فعل پر بھی قادر نہ ہو جیسے اندھا کہ دیکھنے پر بالکل قادر نہیں مگر تصور یا عزم بصورت ابصار تمنا ابصار لدا بصار پر تو قادر ہے اس کی بے صبری یہ ہے اور اس کا ترک صبر ہے اور ہر شخص کو اس کے مناسب صبر پر اجر ملتا ہے۔

یہ تفصیل تو اجر صبر میں ہے اور ایک اجر خود تکلیف پر بھی ہوتا ہے اس میں صبر کی قید نہیں اگر صبر کیا تو دو اجر ملیں گے ایک صبر کا دوسرا تکلیف کا، اور اگر صبر نہ کیا تو تکلیف کا اجر ملے گا اور بے صبری کا گناہ ہوگا جیسے ایک شخص نماز پڑھے اور روزہ نہ رکھے، تو نماز کا ثواب ملے گا اور روزہ نہ رکھنے کا گناہ ہوگا امید ہے کہ سب سوالات حل ہو گئے ہوں گے۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۲۲۰)

### بیماری میں اضطراب کا ہونا خلاف صبر و توکل نہیں

حال: اپنے اس بشری اضطراب کو دیکھ کر (جو لڑکیوں کی بیماری سے اوپر مذکور تھا) بار بار یہ خیال آتا ہے کہ میرا یہ حال صبر و توکل کے خلاف ہے مگر اس کا علاج نظر نہیں آتا۔  
حقیقت: علاج تو مرض کا ہوتا ہے۔ یہ اضطراب طبعی غیر اختیاری خود مرض ہی نہیں جو ضرورت علاج ہو۔ اسی غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے یہ صبر و توکل کے بھی خلاف نہیں کیونکہ یہ دونوں اختیاری ہیں۔ پس دونوں جمع ہو سکتے ہیں، پھر مخالف کہاں رہا۔ جیسے آپریشن کوئی رضا سے کر لے اور شترنگے کے وقت زور سے آدنکے اور اس کے بعد جراح کو انعام بھی دے جو صریح علامت ہے رضا کی۔ یہاں اضطراب اور صبر و رضا جمع ہو گئے البتہ اس مثال میں اگر کلورافارم دیا جاوے تو الم محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح حکمت مقفی

ہوتی ہے تو کسی ایسے حال کو منجانب اللہ غالب کر دیا جاتا ہے جس سے اضطراب طبعی بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ ناقص کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات پر آنسو نکلے جو دلیل ہے کمال کی۔ (تربیت السالک حصہ دوم)

## تواصی بالحق و تواصی بالصبر

ملفوظ: تواصی بالحق و تواصی بالصبر کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان فرمایا کہ "یہ ناگواری مخاطب کو گو تبلیغ عقائد میں زیادہ ہوتی ہے مگر حیب وہ ایک مرتبہ اپنے عقائد سابقہ کی غلطی سمجھ کر عقائد حقہ کو قبول کر لیتا ہے تو اس کے لئے بار بار تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی بخلاف اعمال کے کہ ان کی تبلیغ ابتداء میں تو دشوار نہیں نہ مخاطب کو اس میں زیادہ ناگواری ہوتی ہے، مگر اس میں بار بار تبلیغ کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ انسان اپنے اعمال فاسدہ کو ایک بار چھوڑ کر بھی لذت نفسانی کی وجہ سے پھر اختیار کر لیتا ہے تو اس میں ابتدائی تبلیغ کافی نہیں ہوتی بلکہ بعد کے تبلیغ کی بھی حاجت رہتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ عقائد کی ابتداء دشوار مگر بقا سہل اور تبلیغ اعمال میں ابتدا آسان مگر بقا دشوار اس لئے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں ایسا عنوان اختیار فرمایا گیا جس میں مبلغ کو بھی صبر و استقلال کی تعلیم ہے (وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَسْرَارِ كَلَامِهِ)

ایک اور دقیق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر کیوں بڑھایا؟ وجہ یہی ہے کہ اعمال صالحہ جو ہر ایمان کے محافظ ہیں اور گناہ و معاصی اس دولت کے دشمن ہیں، جو شخص خود گناہ کرتا یا کسی دوسرے کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر نصیحت نہیں کرتا، رفتہ رفتہ اس کے دل سے گناہوں کی نفرت کم ہو جاتی ہے، پھر زائل ہو جاتی ہے اور گناہ کو ہلکی اور معمولی بات سمجھنے لگتا ہے اور یہی کفر ہے۔

(تجدید تعلیم و تبلیغ)

# حقیقتِ توکل

## اقسام و احکام توکل

توکل کی دو قسمیں ہیں۔ علماً و عللاً۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں تصرف حقیقی و بدیہہ تحقیقی حق جل و علا شائد کو سمجھے، اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور حیرت و عقائد اسلامیہ ہے۔ قسم دوم توکل علماً اس کی حقیقت ترک ایسا ہے پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ اسباب دینیہ اور اسباب دنیویہ۔ اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کو ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران و حرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہیں اگر لغتاً توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے۔

اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو تو اس نفع کی دو قسمیں ہیں حلال یا حرام اگر حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے اگر حلال ہو تو اس کی تین قسمیں ہیں :-

۱۔ یقینی ۲۔ ظنی اور ۳۔ دہمی

اسباب دہمیہ جن کو اہل حرص و طمع اختیار کرتے ہیں جس کو طول امل کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض و واجب ہے۔

اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادتاً ضرور مرتب ہو جاوے جیسا کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا پانی کے بعد پیاس کم ہو جانا اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً توکل ہے اور لغتاً توکل کہا جاوے تو یہ توکل ناجائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہو جاوے مگر بار بار تخلف بھی ہو جاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری



مزدوری کے بعد رزق ملنا۔ ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں۔ اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کے لئے جائز ہے۔ بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لئے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی ٹوکد ہے پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ توکل علی تو مطلقاً اور علی میں بمعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع دنیوی موم و مشرک اور بمعنی ترک اسباب دینیہ و بمعنی ترک اسباب ذمیویہ مباحہ لیسب حرام و مذموم و بمعنی اسباب مباحہ ذمیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب۔ پس تین قسمیں ذمہ اور دو قسمیں حرام۔ ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں واللہ اعلم۔

فائدہ :- اس مضمون کی تکمیل کے لئے ایک دوسرا مضمون مثنوی سے نقل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تدبیر میں دو مرتبے ہیں۔ ایک اس کا نافع ہونا اور دوسرا اس کا جائز ہونا۔ سو نافعیت میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہیں اور اس کے جواز میں یہ تفصیل ہے کہ اس میں دو مرتبے ہیں ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبعین و متکرین قدر کو مستقل بالتاثر سمجھا جاوے سو یہ اعتقاد شرعاً حرام و باطل ہے۔ البتہ تاثر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جبر مذموم ہے دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی مقاصد کے لئے اسباب اختیار کئے جاویں۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے کیا ہے، سو اس میں تین احتمال ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیوی مباح ہے یا معصیت ہے۔ اگر معصیت ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے اور اگر دین ہے تو دیکھنا چاہئے کہ امر دین واجب ہے یا مستحب، اگر واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔ اگر مستحب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے اور اگر

وہ دنیاۓ مباح ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیاۓ مباح ضروری ہے یا غیر ضروری۔ اگر ضروری ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے، اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاً کے لئے اختیار اسباب اور اقیانوں کے لئے جو جائز ہے مگر ترک افضل ہے، اور اگر وہ دنیاۓ مباح غیر ضروری ہے تو اگر اس کے اسباب کا اختیار کرنا مضر دین ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز مگر ترک افضل ہے۔

یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص حکم ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہو جاوے گا کہ کس مرتبہ پر توکل جائز یا ناجائز ہے۔

ان دونوں تقریروں کے جمع کرنے سے اس مسئلہ میں پوری شفا ہو سکتی ہے۔

(ماخوذ پورا درالتوا اور ص ۲۸۸-۲۸۷)

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرے پر پریشان ہو جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج تحریر فرمادیں۔

جواب: - تحریر فرمایا کہ مذکورہ معصیت ہے نہ یہ توکل کے خلاف ہے کیوں کہ توکل کی حقیقت

ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظہنہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے، اور جو اسباب عادتاً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے، بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔

(اشرف السوانح)

# حقیقت تفویض

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ تدبیر کے بعد ہر تصرف حق پر راضی رہنا، اور اس پر ایک شبہ کا جواب۔

ارشاد: بعض دفعہ یہ بات دیکھی کہ اگر باوجود احتیاط کے مالی نقصان ہو گیا تو زیادہ قلق نہیں ہوا لیکن اگر بے احتیاطی سے کچھ نقصان ہو گیا تو قلق زیادہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے شبہ ہوا کہ یہ ناقص حالت ہے آخر نقصان مال پر اتنا زیادہ قلق کیوں۔ اس وقت یہ علاج وارد ہوا کہ یہ بھی حق تعالیٰ کا تصرف ہے کہ بے احتیاطی کی حالت میں یہ نقصان ہو گیا بس یہ تصور کرنا تھا کہ ایک ہی جلسہ میں مرض کی اصلاح ہو گئی۔ شاید کوئی یہ کہے کہ پھر ازالہ نقص کی تدبیر ہی کی کیا ضرورت ہے۔ مجاہدہ و ریاضت کی کیا حاجت ہے بس جیسا خدا نے دے دیا اسی پر راضی رہنا چاہئے۔ تکبر دیا تو اس پر راضی نکل دیا تو اس پر خوش کیونکہ تصرف حق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ترک تدبیر کی تم کو اجازت نہیں۔ تم تدبیر کرنے کے لئے مامور ہو اس لئے تدبیر کرنا واجب ہے ہاں تدبیر کے بعد بھی اگر نقص رہے گا تو یہ تصرف ہے اس پر راضی رہو۔ یہاں سے یہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ گناہوں پر بھی راضی رہنا چاہئے کیونکہ یہ بھی تصرف حق ہے اور موافقت ہے تقدیر کی تو سمجھ لو کہ عین گناہ کے وقت یا گناہ سے پہلے عزم کے وقت اس تصور سے کام نہیں لے سکتے۔ کیونکہ تم کو ابھی سے کیا خبر ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے یہ تصرف مقدر کیا ہے کہ فلاں گناہ کرو گے پھر جس وقت گناہ کرتے ہو اس وقت موافقت تقدیر کی نیت کب ہوتی ہے اس وقت تو اپنی خواہش کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ قبل از وقوع تدبیر کی خبر کس کی ہے یہی جواب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دیا تھا جبکہ شیطان نے کہا تھا کہ آپ نے تو میرا سجدہ نہ کرنا مقدر ہی کیا تھا تو اگر میں نے تقدیر کے موافق سجدہ نہ کیا تو مجھ پر

لغت اور غضب کیوں ہوا۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ موافقت تقدیر کا علم تو بعد وقوع کے سمجھ کر ہوا۔ وقوع کے وقت تو تو نے اس کا قصد نہیں کیا۔

بہر حال گناہ کے وقت اس مراقبہ سے کام نہیں لے سکتے ہاں گناہ کے بعد توبہ نصوح کر کے بھی جب قلق زائل نہ ہو اور اس قلق سے تعطل فی الاعمال کا اندیشہ ہو تو اس وقت اس مراقبہ سے کام لو اور زیادہ قلق میں نہ پڑو۔ (انفاس عیسیٰ)

## طریق کار

اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں اس میں تصرف کریں اور اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرنا (تفویض ہے) جو تمام حالات کو شامل ہے خواہ وہ حالات آفاقیہ ہوں خواہ انفسیہ ہوں۔ پھر انفسیہ میں خواہ احوال حسیہ ہوں جیسے مرض و صحت اور قوت و ضعف، خواہ باطنیہ ہوں جیسے قبض و بسط، ہیبت و اُتس اور محبت و شوق و امثالہا۔

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے۔ تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق و دخل نہیں۔ ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض و تسلیم اختیار کرے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۲۲-۲۲۱-۲۳۰)

اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرے۔ تجویز ہی تمام تر پریشانیوں کا سبب ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے۔ پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے۔ غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری امور کے لئے نظام تجویز کرنا حاجت نہیں تو کیا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ نے تجویز قطع کر کے یہ

مذہب اختیار کر لیا ہے سہ

زندہ کنی عطا ئے تو ور یکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلا ئے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور عطا الحیر بالصبر سن ۳۶)

### طریق حصول

جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے اس وقت اس کو فوراً ذہن میں حاضر کر لیا جاوے کہ یہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے ابتداء میں تو اہل اللہ کو یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی حکمت و قدرت کو سوچ سوچ کر اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے پھر یہ حالت ان کے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

### تفویض عقلی مطلوب ہے

حال جناب والا نے سعادت بخشی تھی مسئلہ تفویض کے بارے میں الحمد للہ کہ حضرت کے ارشادات سے یہ بالکل سمجھ میں آ گیا کہ مطلوب تفویض عقلی ہے خواہ اس سے طبعی قرار نہ بھی نصیب ہو بلکہ طبعی قرار و تسلی کی صورت میں واقعی اخلاص کی کمی کا شبہ ہو سکتا ہے۔ تحقیق: لیکن خواہ مخواہ شبہ بھی نہ کیا جاوے۔ اگر اللہ تعالیٰ طبعی قرار بھی عطا فرماوے تو اس کو مستقل سمجھ کر اس پر شکر کیا جاوے اور یہ تو فوق شکر علامت اخلاص کی بھی ہوگی، اور بغیر ض محال اگر اس میں کمی بھی ہوگئی تو اس شکر سے اس کی کمی کی تلافی بھی ہو جاوے گی۔ اس کلیہ کے تحت میں ان المحنات یندھبن الشیات حال:۔ لیکن حضرت عقلی تفویض کیا ذہنی تجویز سازیوں اور ان کے لئے دوادوش کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے؟

تحقیق: ہو سکتی ہے دو شرط سے، ایک وہ تجویزیں مشروع ہوں دوسرے اگر وہ

تجویزیں ناکام ہوں تو اعتقاداً اس ناکامی کو خیر سمجھے گو اس کے ساتھ غیر اختیاری ضیق بھی ہو وہ اس کے منافی نہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس غیر اختیاری ضیق کو ثابت فرمایا ہے **وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ** (حجرت) اور اختیاری ضیق سے نہیں فرمائی ہے **وَلَا تَكُ فِی ضِیقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ** (نحل) اور اس سے حضور اقدس سے اختیاری ضیق کے وقوع کا توہم نہ کیا جاوے کیونکہ نہی کا تعلق ماضی سے نہیں ہوتا مستقبل سے ہوتا ہے کقول لقمان علیہ السلام **لَا بِنَهٍ لَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ** (ترتیب السالک حصہ دوم ص ۲۴۰)

### منصوص دعاؤں کا اثر نہ ہونا اس میں عبدیت و تفویض کا امتحان ہے

حال : منصوص دعائیں اور اوراد پڑھ رہا ہوں مگر ان کا کچھ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ تحقیق :- اس انتشار کا منشا یہ ہے کہ ادعیہ کے اثر کو ادویہ کے اثر پر قیاس کیا جاتا ہے اور یہی غلطی ہے۔ سنتہ اللہ دونوں جدا جدا ہیں۔ دوائی تاثیر کے شرائط و مواعظ کم ہیں، دعا کے زیادہ ہیں جس میں بہت حکمتیں ہیں۔ ایک بت حکمت یہ ہے کہ دعا عبادت ہے جس کی روح عبدیت ہے، اگر یہ فوراً قبول و موثر ہو جاتی تو اس میں عبدیت و تفویض کا امتحان نہ ہوتا۔ واللہ اعلم۔ اور اگر وہ اثر آخرت میں موعود ہے تو پھر یہ سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا۔ (النور ربیع الاول ۱۳۵۹ھ، ترتیب السالک حصہ دوم ص ۲۶۶)

### توکل و تفویض میں فرق

سوال :- ایک طالب نے توکل و تفویض کا فرق دریافت کیا۔  
جواب :- تحریر فرمایا کہ توکل بعض کے لئے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے۔

اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تہ بیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تہ میر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے (اشرف السوانح)

## جمعیت و تفویض

ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا اور انتظار نہ رکھیں کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی وصول کی شرط عادی ہے اس کو خوب راسخ کر لیں کہ یہ رُوح سلوک ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ذکر و طاعت میں مشغول ہونے کے لئے دلچسپی اور سہولت کا منتظر نہ رہے بلکہ یہ تکلف عمل شروع کر دے پھر اسی سے رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگتی ہے اور دلچسپی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک بار فرمایا: کہ لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب دلچسپی پیدا ہو تب کام شروع کریں اور دلچسپی اس انتظار میں رہتی ہے کہ جب کام شروع ہو جائے تب میں پیدا ہوں (اشرف السوانح)

## اپنی رائے اور تجویز کے قنا کرنے کے برکات

فرمایا کہ کوئی اپنی رائے اور تجویز کو قنا کر کے تو دیکھے پھر اللہ تعالیٰ وہ دو لتیں عطا فرماتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ اسی میں اتباع شیخ بھی داخل ہے جس کی سخت ضرورت ہے، اپنی رائے سے کچھ نہ کرے اور علاوہ ادب طریق کے شیخ کے اتباع میں ہر قسم کی سہولت اور راحت اور بے فکری بھی تو ہے لہذا بہت جلد جلد اپنے حالات کی اطلاع اور شیخ کی تجویزات کی اتباع کا سلسلہ جاری رکھے اور شیخ جس امر کے متعلق جو تجویز کرے اس کو بے چوں و چرا مان لے اور اسی کے مطابق کامل اعتماد کے ساتھ عمل میں مشغول رہے، خواہ کتنا ہی نفس کو ناگوار ہو۔ (اشرف السوانح)

## تفویض ترک اعتراض علی الحق ہے

حال: ایک بات احقر کو یہ پیش آتی ہے کہ احقر جو کام کر رہا ہے اس میں عرصہ سے نقصان ہو رہا ہے اب تک آئندہ فائدہ کی امید پر دل تنگی سے نقصان برداشت کرتا رہا مگر اب کچھ دنوں سے قلب میں ایک نئی حالت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نقصان سے جو ہوا ہے دل میں تنگی معلوم نہیں ہوتی (جو احقر کو پہلے معلوم ہوتی تھی) بلکہ دل میں یہ بات سما گئی ہے کہ ہم کو تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دینا چاہئے ہمارے لئے وہی بہتر کریں گے جو ہمارے لائق ہوگا۔ ہمیں جو نقصان ہوا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہی ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے جو ہمارے لئے بہتر ہی ہے جبکہ یہ بات دل میں سمائی ہے دل اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں کیا بلکہ ہر حالت میں راضی ہے تنگی وغیرہ سب دور ہو گئی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فاضل آمدنی کم کر کے استغناء عطا فرمایا۔ تحقیق: یہ تفویض ہے۔

حال: ایک عرض یہ ہے کہ بعض وقت مالی نقصان سے طبیعت پر رنج بھی ہو جاتا ہے یہ تفویض کے منافی تو نہیں؟ (گو احقر زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہتا) اگر ہے تو کیا تدبیر کریں؟  
تحقیق: اگر رنج طبعی ہو مگر حق تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو تو وہ تفویض کے منافی نہیں۔  
حال: ایک عرض یہ ہے کہ احقر تفویض کو یہ سمجھا ہے کہ بندہ اپنی تجویز کو اللہ تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دے اور اپنے سے کچھ تجویز نہ کرے۔

تحقیق: یہ معنی نہیں بلکہ ترک اعتراض علی الحق ہو۔

حال: اور توکل کو یہ سمجھا ہے کہ تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔  
تحقیق: تدبیر کے محصل میں یہ ٹھیک ہے اس میں ایک اور شرط ہے کہ وہ تدبیر مباح ہو اور اس میں انہماک نہ ہو۔

(ترجمت السالک حصہ دوم ص ۷۷)



# رَضَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ  
وَرَضُوا عَنْهُ  
اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا، اور وہ  
اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاؤُهُ  
بِمَا قَضَى اللَّهُ  
آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا  
اس پر جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے  
مقرر کر دیا ہو۔ (رواہ الترمذی و احمد)

## رِضَا کی حقیقت

تَرَكَ الْأَعْتِرَاضَ عَلَى الْقَضَاءِ (یعنی) قضائے الہی پر اعتراض  
نہ کرنا (رضاکِ حقیقت ہے) نہ زبان سے نہ دل سے، بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ  
ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی ہے پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضائے طبعی ہے  
اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضائے عقلی ہے۔ اول حال ہے جس کا عہد مکلف نہیں اول  
ثانی مقام ہے جس کا عہد مکلف ہے۔

قضا پر راضی رہنے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہو مگر  
چونکہ عقل نے اس کے بہتر انجام یعنی ملنے والے ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لئے طبیعت اس  
تکلیف کو بلا تکلف گوارا کرتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا  
بتائے یا (آپریشن کرانے) یا قصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ  
اس تلخ دوا کا پینا (یا آپریشن کرانا) قصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے

ساتھ ہی عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مراد کو آگاہی حاصل ہے۔ لہذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی بلکہ اس کا احسان مند و ممنون رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف اجر و رحمت ہوگا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلے میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ ضرور مسرور و شاداں ہوگا۔

جس وقت مولائے حقیقی سے جو عطا ہوتا ہے اس وقت کے لئے وہی مناسب ہوتا ہے اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہئے جب اللہ تعالیٰ بظاہر ہمارے نقصانات ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس میں صدمہ کی کون سی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ گو ہر شخص دو دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے لئے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا تعالیٰ نے مجھ کو رکھا ہے۔ البتہ دعا کرنا خلاف رضا نہیں۔ اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہارِ عہدیت کے لئے دعا کرتے ہیں اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانگا ہے وہی مل جائے۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو (قبول نہ ہونے سے شاک اور تنگدل نہیں ہوتے، یہی رضا کی علامت ہے۔ دعا کی حقیقت دعا کے بیان میں ملاحظہ ہو اور اگر اس جگہ صبر کا بھی بیان دیکھ لیا جائے تو مفید ہوگا۔ (کمالات اشرفیہ)

حق تعالیٰ کو بندے کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق ہو جانا جس کا فائدہ ایک خاص انجذاب ہے جس کے لوازم میں سے سہولت طاعت اور حضور دائم ہے۔ اور یہ شخص جو توبہ ہے کیونکہ کسی عمل صالح میں یہ قابلیت نہیں کہ وہ رضائے الہی کے حصول کے لئے تائب ہو سکے گو عادت اللہ یہ ہے کہ محض اپنے فضل سے اپنی رضا کو اعمال صالحہ پر مرتب فرمادیتے ہیں جیسا حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہ

جائے گا۔ بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے جائے گا، اور یہ نسبت مع اللہ عادتاً پھر کبھی زائل نہیں ہوتی جیسے بالغ ہونے کے بعد صفت بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی (انفاس عسیٰ)۔  
 حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ یہاں رضا کو اکبر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہی (رضا) بڑی چیز ہے۔ اس اکبر کی تحصیل کا ذریعہ بھی اکبر ہوتا چاہئے فرماتے ہیں وَلِذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر اکبر ہے) معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے اور تمام احکام پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔  
 (اشرف المسائل ص ۱۸)

جب بندہ اعمال صالحہ اختیار کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی توجہ اس پر منعطف ہوتی ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں :-  
 اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ  
 رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عِنْدَ اللّٰهِ  
 (شریعت و طریقت)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے  
 اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان سے خوش  
 رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہیں گے

## رضا بالقضار

حالت : نماز کے بعد دعا مانگتے وقت فوراً ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایسا مقدر نہیں کیا ہے اور میں مانگ رہا ہوں تو رضا بالقضار کہاں رہا۔ ایسے مانگنے میں گستاخی نہ سمجھی جائے پھر حال میری تسکین فرما دیجئے۔  
 تحقیق :- اس میں تنافی کیا ہوئی عن مانگنے کے وقت یہ عزم رکھا جاوے کہ اگر مطلوب نہ ملا تو نہ ملتے پر ہی راضی رہوں گا اور رضا دونوں جمع ہو گئیں۔  
 (تربیت السالک جلد دوم ص ۳۰۲)

# حقیقتِ زہد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

لَكِنَّا لَا تَسُوْا عَلٰی مَا فَاَنَّا تَكُوْمُ  
وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اَنَّا تَكُوْمُ

تاکہ فورت شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو  
تم کو دیا ہے اس پر خوشی سے اترا نہ جاؤ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اول صلاح هذه الامة اليقين والزهد

و اول فسادها البخل والامل (رداوا البیہقی فی شعب الایمان)

کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے  
آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ نہ بدنی الدنیا یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جاوے اور نہ یہ ہے  
کہ مال کو اڑا دیا جائے لیکن نہ بدیہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر اپنا  
اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے اور نیز زہد یہ ہے  
کہ جب تم پر کوئی مصیبت آوے تو تم کو اس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو بہ نسبت اس کے  
کہ مصیبت باقی نہ ہے۔ (ترمذی شریف)

اس حدیث میں زہد کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق میں سے ہونے کے سبب

علامات میں سے بھی ہے اور اس میں بڑی غلطی رفع کر دی ہے۔ اکثر عوام اپنے اعتقاد میں

زہد ہی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذاتِ مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے ان کو حرام سمجھتا ہو

اور اس کے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے۔ گو غیر مصروف ہی میں سہمی۔ اور جو

بلا و مصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو۔ بس ان کے نزدیک بزرگی کی شرط یہی ہے۔ اس

حدیث میں بتلادیا گیا ہے کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ اپنے مقبوض سے زیادہ حق تعالیٰ پر اعتماد ہونا اور مصیبت کو خود مرغوب فیہ نہ ہو مگر ثواب مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے پس مصیبت پر خوش اس لئے ہے کہ وہ ثواب کا سبب ہے اور آیت سے استدلال ظاہر ہے۔ (التکشف ص ۳۳۶)

زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر اور آخرت ہی بہتر اور پائیدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلے میں کھٹے پرانے جیپٹر سے کی ہو کرتی ہے۔ اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زاہد اتنی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا گوشہ اپنے پاس اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ (تبلیغ دین ص ۹۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تغلیل لذات زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو نفیس نفس کھانوں اور کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ زہد کے منافی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت سے شکر کرنا چاہئے نفس کو خوب آرام سے رکھئے لیکن اس سے کام بھی لے۔

ع مزدور خوش دل کند کار بیش

(کمالات اشرفیہ)

# حقیقتِ توبہ

خطا (گناہ) کو یاد کر کے دل کا دکھ جانا اور اس کے لئے لازم ہے اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کو نچستہ ارادہ رکھنا کہ اب نہ کریں گے اور ناجائز خواہش کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔

## ضرورتِ توبہ

توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہو گا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ :

” اے ایمان والو! تم سب توبہ کرو تاکہ صلاح پاؤ گے۔“

چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو آخری زندگی کے لئے ستم قاتل اور مہلک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا عزم کر لے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اس لئے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے۔ (تبلیغ دین ص ۸۵)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

یعنی جو شخص (موافق قاعدہ شریعت کے)

اپنی اس زیادتی (یعنی گناہ) کو لے کر بعد

توبہ کر لے اور (آئندہ کے لئے) اعمال کی

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ

وَاصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ

عَلَيْهِ (الآیۃ)

درستی رکھے (یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے، شریعت کے مطابق کام کرے اور

اپنی توبہ پر قائم رہے) تو بیشک اللہ تعالیٰ اس (کے حال) پر رحمت کے ساتھ توجہ

فرمائیں گے (توبہ سے پچھلے گناہ معاف فرمائیں گے اور استقامت علی التوبہ سے

مزید عنایت فرمائیں گے)۔ (بیان القرآن ص ۲۰-۱۳۰)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں سب کو بخش دوں گا اور گناہوں کی کثرت کی پرواہ نہ کروں گا۔

پس عمر گزشتہ کے ضائع ہونے کا بھی علاج موجود ہے لا علاج کوئی مرض نہیں وہ علاج یہ ہے کہ توبہ کرو اور توبہ کے بعد اگر اولیٰ حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے حقوق العباد بھی معاف ہو جاویں گے، یعنی اللہ تعالیٰ مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرمائیں گے حدیث شریف میں ہے:۔ انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲-۱۹۳

”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو“

(المجموعین ص ۳۳)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

”بیشک میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں ،

عصمت انبیاء (یعنی انبیاء کا گناہوں سے پاک ہونا) ایک مسلم مسئلہ ہے، پھر بھی آپ استغفار فرما رہے ہیں۔ یہ انبیاء اور اکابرین مقبولین کی حالت ہے تو ہم کس شمار میں ہیں۔

(دعوات عبودیت ص ۳۲ ج ۱)

اس کی پرواہ نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے تو فوراً دوبارہ پھر توبہ کر لیں مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے اس طرح توبہ کر کے اگر سو مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے کچھ پرواہ نہیں۔ ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں اور اہل طاعت میں سے شمار ہوں گے۔

(وعظ الجمعین ص ۳۳)

## طریقہ توبہ

۱۔ گذشتہ گناہوں سے ندامت، معذرت ظاہر کریں اور جو حقوق العباد واجب الاداء ہیں فی الحال ان کے ادا کرنے کا عزم و اہتمام کریں یا اہل حقوق سے معاف کرائیں جو تازہ روزہ اور فرائض چھوٹ گئے ہوں ان کی قضا کا اہتمام کریں۔

۲۔ اگر گناہ صادر ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں پھر توبہ کریں زبان سے بھی توبہ کریں اور رونے کی شکل بنا کر اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگیں اس طرح توبہ کرنے میں بظاہر متعدد مصلحتیں ہیں:

۱۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ  
( نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں )

۲۔ نماز میں توبہ کرنے سے دل حاضر ہوگا اور قبول توبہ کے لئے حضور قلب ضروری ہے۔

۳۔ چونکہ نفس کو نماز شاق ہے اس لئے نفس گناہوں سے گھبرائے گا کہ کہاں کی علت سرنگی بلکہ شیطان بھی گناہ کرتا چھوڑ دے گا۔ کیونکہ وہ دیکھے گا کہ میں اس سے مثلاً اگر دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعت پڑھے گا۔ گناہ تو توبہ سے معاف ہو جائیں گے اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی۔

۴۔ توبہ کے لئے تو گناہوں کو یاد کرے اس کے بعد حجبی بھر کے توبہ کرنے لیکن ان کو سوچ سوچ کر یاد نہ کرے کیونکہ اس سے بندے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے



مانع ہے جس کا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے بھی عطا میں کمی ہوگی کیونکہ جزا اور ثمرات کا ترتیب ہونا عمل پر ہوتا ہے۔ توبہ نصوح کے بعد اگر خود پرانا گناہ یاد آجائے تو پھر توبہ کر کے کام میں لگے اس سے زیادہ کاوش کرنا غلو (انفاس عینی) ہے

۵۔ استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکرہ استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہئے یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جائے صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کر لے۔ ہر گناہ کا نام لینا ضروری نہیں حدیث شریف میں ہے وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِثِّي (اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور فرمایا وَاَتُوبُ إِلَيْهِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِي أَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِي لَا أَعْلَمُ (اور اس کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو میں جانتا ہوں اور اس گناہ سے بھی جس کو میں نہیں جانتا) اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے، اس میں سب گناہ آگئے اگرچہ یاد نہ آئیں۔ کیونکہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعہ محبوب سے غافل ہونا ہے۔ البتہ جو خود یاد آجائے اس سے بالخصوص توبہ کر لیں۔ خواہ مخواہ کرید کرید کر تلاش کرنا یہ خود ایک مشغلہ مانع حضوری ہے۔ پس سب گناہوں سے اجمالاً مغفرت مانگیں اور توبہ کر کے اپنے کام میں لگیں کیونکہ مقصود بالذات اللہ تعالیٰ کی یادگار گناہوں کی یاد سے توبہ مقصود ہے جب وہ حاصل ہے تو اب قصداً گناہیں کو یاد کر کے اس کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں اور خود بخود یاد آجائے تو پھر توبہ و استغفار کر لیں جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مصیبت خود بخود یاد آجائے۔ تو انا للہ پڑھ لیں کہ اس وقت انا للہ پڑھنے کا وہی ثواب ملے گا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے کا ثواب تھا۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذکر مصیبت کو مقصود بالذات نہ بنائیں کیونکہ اس سے یہ خیال ہوتا ہے

کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں اور یہ خیال خطر ناک ہے۔

۵۔ قرآن مجید و حدیث شریف میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرنا اور سوچنا اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی یہی توبہ ہے۔  
(سیرۃ الصوفی۔ مقالات حکمت۔ السیر بالصبر۔ تعلیم الدین)

## توبہ کی حد

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں ان خاص لوگوں کے لئے فرمایا جو خاص توبہ کر کے ذکر و مشغل میں مشغول ہوں کہ بار بار گناہ کا یاد کرنا ان لوگوں کی حالت کے مناسب نہیں کیونکہ توبہ تو ہو چکی ہے۔ جس کی قبول کی امید غالب ہے اب پھر بار بار گناہ کے یاد کرنے سے ذکر میں ایک قسم کا حجاب عائل ہو جاتا ہے اور ذکر میں نشاط نہیں رہتا ہر چند کہ گناہ کا یاد کرنا فی نفسہ امر محمود ہے مگر اس کی بھی ایک حد ہے، حد سے آگے کیسا ہی امر محمود ہو محمود نہیں رہتا دیکھے طبیب اگر کسی بیمار کے نسخہ میں ۶ ماشہ سنا، لکھے اور مریض یہ خیال کر کے کہ یہ چیز مفید ہے جب ہی تو طبیب نے لکھی ہے تو جتنی مقدار بڑھائی جائے گی فائدہ ہوگا۔ تو لہ بھر یا اس سے زیادہ ڈالی جائے تو ظاہر بات ہے کہ سنا فائدے کی چیز تھی اور طبیب نے مفید سمجھ کر لکھی تھی مگر ایک خاص مقدار ہی تک مفید ہے اور اس سے زائد مریض کے لئے سخت مضر ہوگی یہی حال احوال باطنی کا ہے، نصیص میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے چنانچہ اس بتا پر حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ارشاد ہے کہ قبول توبہ کی علامت گناہ کا بھول جانا ہے یعنی اس کا اس خیال پر غالب نہ رہنا۔ مگر یہ بات بعد توبہ کے ہو، اگر قبل ہے تو وہ غفلت ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ جن دوستوں میں کبھی مخالفت رہ چکی ہو اگر دوستی میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے دل پر میل آ جاتا ہے اور عورتوں میں یہ عادت زیادہ ہے کہ اتفاق و محبت کی حالت

میں دشمنی کے زمانے کے تذکرہوں کو لے بیٹھتی ہیں جس سے محبت مکدر ہو جاتی ہے اور وہ نصوص جن میں غور و فکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، یہ ہیں لِيَعْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اس میں ایک تو یہ بحث ہے کہ ذنب کا اطلاق کیا گیا صاحب نبوت کے حق میں جو کہ معصوم ہے یہ بحث جدا گانہ ہے اس کو مسئلہ مذکور سے کوئی تعلق نہیں یہاں پر مقصود اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پہلے گناہوں کی معافی تو سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن اگلے گناہوں کی معافی جو ابھی تک ہوئے ہی نہیں کیا مہنی تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ خشیت کا غلبہ تھا اگر آپ کو آئندہ گناہوں کی معافی دے کر تسلی نہ دی جاتی تو اندیشہ تھا کہ غلبہ شوق سے اسی فکر میں آپ پریشان رہتے کہ کہیں آئندہ کوئی امر خلاف مرضی نہ ہو جائے اس لئے آپ کو آئندہ کے لئے بھی مطمئن کر دیا گیا۔ اس سے زیادہ خوف ان کے حق میں مضر ہے اس لئے ان کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا وارد ہے :-  
 وَمِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ یعنی اے اللہ اس قدر خشیت چاہتا ہوں کہ مجھ میں تیری نافرمانی میں آٹھ ہو جائے معلوم ہوا کہ خشیت مقصودہ کی بھی ایک حد ہے اس سے نہ زیادہ یا تو مضر بدن ہے کہ آدمی مر جائے یا مضر روح ہے کہ مایوس ہو جائے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی بھی ایک حد بیان فرمائی ہے اس سئلک شوقا الی لقاءک فی غیر ضراء مضرة ولا فتنۃ مضلة چونکہ شوق اور عشق کا غلبہ بھی ہلاکت اور مضر کی نوبت تک پہنچاتا ہے جس سے اعمال میں خلل پڑ جاتا ہے دراصل مقصود اور ذریعہ قرب اعمال اور امتثال ادا مرہی ہے اور کبھی غلبہ شوق میں آدمی

ادب کی حد سے گزر جاتا ہے، اور جس طرح غلبہ حال میں عشاق بے ادب گستاخانہ کلام کہتے ہیں یہ بھی ویسا ہی کلام کرنے لگتا ہے۔ اور بے ادبی موجب ضرر دین ہے گو غلبہ کی حالت میں عفو ہو مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں ادب و اطاعت و محبت کے اس لئے دعا میں فرماتے ہیں کہ اسئلك شوقاً الخ لقاؤك في غير ضراء مضرة اس سے تو ضرر اول کی نفی ہو گئی جو سبب انقطاع اعمال ہو جاوے اور اس کے بعد فرمایا ولا فتنة مضلة اس سے ضرر ثانی کی نفی ہو گئی جو بے ادبی کی طرف مقصدی ہو جاوے اب سب آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر چیز محمود اپنی خاص حد تک ہے حد سے بڑھ جائے تو محمود نہیں رہتی پس شیخ اکبر کی تحقیق کا ماخذ درحقیقت غور اور تعمق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث ہی ہے البتہ سخن شناسی اور فہم صحیح کی ضرورت ہے۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست

سخن شناس نہ دلیرا خطا این جاست

(ایضاً ملفوظ ص ۲۳۔ مقالات حکمت)

ارشاد: حضرت رحمۃ اللہ علیہ ماضی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بس ایک بار اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے بلکہ کام میں لگے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اس کے اور محبوب حقیقی کے درمیان طبعی طور پر حجاب ہو جائے گا۔ حسب ارشاد مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ع ماضی و مستقبل پر وہ خداست

بندہ اپنے محبوب حقیقی کے شاہدہ دائمی کے لئے پیدا ہوا ہے نہ کہ گناہوں کے مراقبہ کے لئے۔ گناہوں کے استحضار کی کیا ضرورت رہی کیونکہ گناہوں کا استحضار مقصود بالذات تھوڑا ہی ہے۔ بلکہ مقصود بالآخر ہے۔ توبہ کے بعد بھی گناہوں کا قصداً استحضار رکھنا ان کو مقصود بالذات بنانا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو

بجائے اس کے کہ اس کے غم کو لیکر بیٹھ جائے اور اس کی کا افسوس ہی کرتا رہے، بس ایک بار خوب اچھی توبہ و استغفار کر کے بات کو ختم کر دے اور اپنے کام میں لگے کام میں لگ جائے ہی سے خود کمی کا بھی تدارک ہو جائے گا۔ کثرت استغفار میں جس کی بہت فضیلت وارد ہے محض یہ جمالی استحضار کافی ہے کہ گنہگار ہوں، اپنے سب گناہوں سے استغفار کرتا ہوں، باقی اللہ تعالیٰ کو ان گناہوں کا علم ہے ہی ان کے تفصیلی استحضار کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا طبعی اثر حجاب ہے کیونکہ گناہوں کا ہمیشہ تفصیلی استحضار رکھنے سے بالوسی پیدا ہو جاتی ہے، کہ حجب ایسے ایسے اور اتنے سارے گناہ ہیں تو کیا بخشش ہوگی اللہ میاں کیسے راضی ہوں گے اور جب کسی کی ناراضی کا بار بار بار تصور کیا جاتا ہے تو اس کا طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی طبیعت میں اس کی طرف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔

جب بندہ توبہ (خالص کرتا ہے) جو مقبول ہو جاتی ہے (اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ملائکہ حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اس کے جو ارجح کو اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے) (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی تھی جو قیامت میں گواہی دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوتا۔ (اشرف السوانح (حصہ دوم) ص ۲۰۱ - ۲۰۰)

توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو اس کے لئے توبہ ہی سے

حقوق العباد معاف ہو جائیں گے

ارشاد : جو شخص توبہ کر کے درجا دے اور اس کو توبہ کے بعد ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے لئے حقوق العباد بھی انشا اللہ تعالیٰ معاف ہو جائیں گے جس قدر ہو سکے اس کے ادا کرنے کا عزم رکھے اگر کچھ باقی رہ گئے اور وہ مر گیا تو اللہ تعالیٰ سے

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی مغفرت فرمادیں گے۔ توبہ نہ کرنے کی حالت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے خواہ اس کو سزا دیں یا بدون سزا ہی بخش دیں اور مظلوم کو جنت کی نعمتوں سے خوش کر دیں۔ (انفاس صیسی)

**اعتقاد عدم قبولیت توبہ کا مذموم ہوتا**

حالت: اب تکلیف اس قدر بڑھ گئی ہے کہ صبر نہیں ہو سکتا ہر وقت استغفار پڑھتا ہوں، توبہ کرتا ہوں روتا ہوں مگر نہ رونا قبول ہو رہا ہے اور نہ توبہ قبول ہو رہی ہے۔

تحقیق: ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے کیا قبول ہونا یہی ہے کہ تکلیف رفع ہو جاتی اگر اس سے اچھی چیز مل جاوے مثلاً اجر و ثواب تو کیا اس کو قبول نہ کہیں گے جیسے کوئی کسی سے پیسہ مانگے اور وہ رو بہ دیدار سے تو کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ درخواست منظور نہیں ہوئی۔ (تربیت السالک ص ۱۸۱)

## بالاسحارہم لیستغفرون

فرمایا کہ چونکہ لذت طاعات بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالغیر ہے عارف کو بغیر دفعہ شبہ ہو جاتا ہے کہ کہیں میں تہجد و ذکر اس لذت ہی کے واسطے نہ کر رہا ہوں اس لئے وہ اس لذت پر التفات کرنے سے بھی استغفار کرتے ہیں اب سمجھیں آگیا ہوگا۔

و بالاسحارہم لیستغفرون کا ربط کا لفظ اقلیل من اللیل ما یجمعون سے۔

ظاہر میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رات کو تہجد پڑھنے سے استغفار بالاسحار کو کیا تعلق ہے بعض مفسرین نے تو یہ کہا کہ وہ معاصی سے استغفار کرتے ہیں اور اسحار کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ وقت اجابت دعا کا ہے اور تہجد سے استغفار کا تعلق یہ ہے کہ وہ جلب منفعت

ہے اور یہ دفع مضرت ہے اور بعض نے کہا کہ وہ تہجد پڑھ کر خود اس طاعت ہی سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاعات بھی کما حقہ ادا نہ ہو سکنے سے معاصی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ زیادہ سہل اور ظاہر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں اور اخیر شب میں لذت طاعات یا اس لذت کے آثار سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ

اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ چہ خوش وقتے و حشرم روزگارے

کہ یارے بر خورد از وصل یارے

اور وصل کی لذت جیسی ہوتی ہے معلوم ہے۔ اس لذت میں کبھی انہماک ہو کر اس کی مقصودیت کا شہرہ ہو جاتا بعد نہیں اور اس دولت وصل سے مشرف ہو کر عجب کا پیدا ہو جاتا بھی جو آثار لذت طاعات میں ایسی لذت ہونے لگتی ہے کہ اس کے مقابلے میں سلطنت بھی بیچ ہو جاتی ہے۔ (اشرف السواخ)

رضائے الہی معلوم کرنے کی صورت

حال۔ رضائے الہی معلوم کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟

تختوں سے۔ ان کا وعدہ اور بشرط وعدہ کا تحقق اور اس پر بھی جو خشیت مومن کیلئے لازم ہے اس کی دو وجہ ہیں ایک تو مال میں یہ احتمال کہ شاید کوئی اختیار ہی کو تا ہی ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیار ہی کو تا ہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی انعامات سے ہو سکتا تھا اور انعامات میں بھی کو تا ہی ہوئی ہو کہ یہ بھی اختیار ہی ہے۔ (بوادر النوار)

اصل طریق تصوف

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُس حدیث میں جس میں حضرت جبریل

علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے ہیں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پوچھا

کہ یہ بتائیے کہ احسان کیا چیز ہے (اس کے لغوی معنی ہیں حسن کردن یعنی عبادت کا اچھی طرح

بجالانا یعنی اس طرح عبادت کرنا کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو یعنی اس طرح کہ وہ زیادہ غفلت

سے منترہ ہو۔ حاصل اس کا حضور اور اخلاص ہے) آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس

طرح عبادت کرنا کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے نظر اتنے تو جس طرح کی عبادت اُس وقت کرتے ایسی کرو اور لامحالہ ایسے وقت میں عبادت اخلاص و حضور کے ساتھ ضرور ہوگی۔ پس اسی طرح کی عبادت کرنا چاہئے اور گو تم اس کو دیکھتے نہیں ہو مگر اس طرح کی عبادت کا داعی پھر بھی موجود ہے) اس لئے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دکھاتا ہے۔ اور یہ بھی داعی کافی ہے (رواہ مسلم مشکوٰۃ)

ف۔ یہ سوال بعد دریاقت حقیقت ایمان و اسلام کے تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عقاید و اعمال ظاہرہ سے زاید کوئی اور امر بھی قابل تحصیل ہے جس کو احسان کہا گیا ہے اور حقیقت اس کی بیان کی گئی۔ یہی خلاصہ ہے اس طریق کا۔ پس حدیث مثبت ہے اس طریق کی صحت کی۔ (التکشف)

### عبدیت کا مقصود

حالیہ: گذارش یہ ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ عبد کو بحیثیت عبد ہونے کے اس کو کوئی مجاز نہیں کہ اپنی خدمات مقوضہ کے سلسلہ میں کسی خاص بات کا منتظر رہے یا ان کو اس نیت سے بجا لادے بلکہ اس کو محض اپنے معبود کا حکم اور اپنے کو عبد سمجھ کر جان و دل سے منقاد رہنا چاہئے حتیٰ کہ رضا اور عدم رضا کا بھی طالب نہ ہونا چاہئے یہ دوسری بات ہے کہ مجرب حقیقی محض اپنے فضل سے اس کے صلہ میں مَا لَاعَيْنُ زَمَاتٌ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَيَّ قَلْبٌ بَشِيرٌ عِنَايَتِ فَرَاوِيں اور دعا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی منجملہ عبادات کے ایک بہت بڑی عبادت ہے، الدُّعَاءُ مَخِ الْعِبَادَةِ اس کو بھی محض یہ سمجھ کرنا چاہئے کہ ہمیں اس کا امر ہے قبولیت اور عدم قبولیت پر بالکل نظر نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کا کام ہے اور ہمیں اپنا کام کرنا چاہئے۔ لے جاؤں گا عمر بھر نام تیرا ہے سُنَّانَهُ سُنَّانَهُمَا كَامِ تِيرَا

حضرت والا یہ بات صحیح ہے یا نہیں حضرت والا دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت و معرفت کامل نصیب فرماویں اور اپنا مطیع و فرمانبردار بندہ بنا لیں اور اپنی معیت و قرب تام و



حضور تام ہر رگ و ریشہ میں اپنے بساویں اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا  
تحقیق سے: مقدمہ میں قدرے فرو گذاشت ہوئی ہے قولہ اپنی خدمات مفوضہ کے صلہ میں

اس میں اتنی قید اور ہے کہ اپنی رائے اور خواہش سے ورنہ عہد کو بحیثیت عہد ہونے کے یہ  
بھی مجاز نہیں کہ ان خدمات پر جس عملہ کے منتظر اور طلب کا اس کو حکم کیا گیا ہے اس کا انتظار نہ  
کرے اور ثواب (وَمِنْهُ الْمَرْضَىٰ) ماوریا بالسؤال ہے نَطَقَتْ بِهٖ نِصْوَصٌ صَرِيحَةٌ  
کِتَابَةٌ تُوَاسِ كَالطَّلِبِ ذَكَرْنَا خِلَافَ عِبَادَتِكَ، وَمِنْ شَرِّ قَلَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسْرُ  
يَسْأَلُ اللهُ يَغْضَبُ عَلَيْهِ اور دعا کے باب میں جو لکھا ہے کہ قبول و عدم قبول پر نظر نہ  
کرے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ عدم قبول کی حالت میں بھی ترک نہ کرے تو ٹھیک ہے اور اگر

یہ مراد ہے کہ قبول کی طلب نہ کرے تو صحیح نہیں کیونکہ قبول کا مطلوب ہونا خود منصوص ہے  
کَمَا قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللهَ وَاَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْاِجَابَةِ وَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا يَقْبَلُ لِحَدِّكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي اِنْ شِئْتَ اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْنِي اِنْ شِئْتَ وَلِيَعِزِّرِ الْمَسْئَلَةَ  
وَالْقَوْلُ عَامٌّ بِاَلِلسَانِ وَبِمَا بِالْجَنَانِ وَبِاللهِ ذُرَّ الْعَارِفِ الرَّوْحِيِّ مِنْ قَوْلِهِ ۵

چول طمع خواہد ز من سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازین

اور راز اس میں یہ ہے کہ طاعات میں طلب ثواب اور دعائیں طلب اجابت بفقار ہے کہ ہم کو کوئی  
درجہ استغناء کا حاصل نہیں حتیٰ کہ جن چیزوں کا آپ نے ہم کو محتاج بنا دیا ہے ہم ان کے محتاج  
ہو کر ان کو بھی طلب کرتے ہیں اور یہ محض عہدیت ہے وَمِنْ شَرِّ قَلَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَمْدِ

بَعْدَ الطَّعَامِ غَيْرُ مَوْدَعٍ عِنْدَهُ وَلَا مُسْتَغْنَىٰ عَنْهُ رَبَّنَا قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ  
بَعْدَ ذِكْرِ عَمْرِ الْجَنَّةِ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ وَمَا لِقِلَّ عَنْ بَعْضِهِمْ  
مِمَّا يُوْهُمُ الْاِسْتِغْنَاءَ فَنَاشَ عَنِ الْحَالِ النَّاقِصِ وَلَيْسَ بِحُجَّةٍ وَاِنْ كَانَ فِيهِ مَعْدُورًا

وَسْتَانِ بَيْنَ مَنْ هُوَ مَلَامٌ وَبَيْنَ مَنْ هُوَ غَيْرُ مَلَامٍ اِنْ اس معنى کر انتظار اجر خلافت  
عہدیت کے کہ ان بات کا وعدہ نہ ہوتا اور اعمال کا امر ہوتا اور طاعات کو کوئی ترک نہ ہوتا (النور)

# اخلاقِ رزیدہ

## رذائلِ فطری چیزیں ہیں

فرمایا کہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے کہ رذائل سے خالی نہ ہو چنانچہ کم و بیش رذائل سب میں موجود ہیں الا ماشاء اللہ۔ لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے عمل میں نہ لائے جائیں اور ان کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں جیسے ریاضت میں سب مادے جل اٹھتے اور بھراک اٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لئے پھرے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑتہ لگنے پائے۔ (الفاس عیسیٰ)

## اخلاقِ ذمیمہ کا امانہ

فرمایا کہ ریاضت سے اخلاقِ ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصولوں کے آثار کا امانہ ہو جاتا ہے یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاقِ رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی خیر نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر میں بخل کرتا تھا اور بندگانِ نیک پر غصہ کرتا تھا اب نامشروع جگہ بخل کرے گا۔ اور مغیوضانِ الہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا تو اسباب بعد اس طرح اسبابِ قرب بن گئے۔ ہکذا قال صوفی، اور اس سے اس اختلاف کا فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیلِ اخلاق ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ تبدیلِ اصول تو نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے اذا سمعتم برجل زال عن جبلۃ فلا تصدقوہ اور تبدیلِ آثار و مصارف ہو سکتی ہے اس لئے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔ (التکشف ص ۸۹۔ اشرف المسائل)

## اخلاق ذمیمہ کا علاج

اخلاق ذمیمہ کے دو علاج ہیں۔ ایک جزئی یعنی خاص وہ یہ ہے کہ ہر ہر خلق کا اُجرا  
جدا علاج کیا جائے۔ جیسا احیاء العلوم وغیرہ میں لکھا ہے اس کو طریق سلوک کہتے  
ہیں۔ دوسرا کلی یعنی عام، وہ یہ کہ ذکر و مشغل سے یا جس طرح شیخ کامل تجویز کرے،  
حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا کی جاوے جب اس کا غلبہ ہوگا اپنی ہستی و  
خودی مضمحل ہونا شروع ہوگی اور سب اخلاق ذمیمہ کہ اس خودی و دعوائے ہستی سے  
پیدا ہوتے ہیں زائل ہو جاویں گے۔ اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور طریق اول گو بجے خطر  
ہے مگر طویل ہے اور طریق ثانی گو خطر ناک ہے مگر قریب ہے اور ہر شیخ کا مذاق مختلف  
ہوتا ہے۔ (تکشف ص ۵۷۔ اشرف المسائل)

## کسی گناہ کو صغیرہ سمجھ کر کرنا جاہل ہے

امراض کے درجات ہیں۔ امراض جسمانی میں بھی جیسے بخار ایک مرض ہے اس کے  
درجات مختلف ہیں کوئی شدید ہے کوئی اشد ہے جیسے دق کا بخار اور کوئی معمولی ہے اس  
طرح امراض نفسانی میں بھی درجات ہوتے ہیں غفلت کے بھی مختلف درجات  
ہیں ایک غفلت شدید اور قوی ہے اور ایک اشد و اقوی ہے جو درجہ شدید و قوی  
ہے وہ اقوی و اشد کے مقابلہ میں تو گو ضعیف ہے مگر فی نفسہ ضعیف نہیں اس کی ایسی  
مثال ہے جیسے گرم پانی دو طرح کا ہو، ایک تو وہ جو بدن پر ڈالنے کے قابل نہیں بہت  
تیز ہے مگر آبلہ بھی نہیں ڈالتا۔ اور دوسرا وہ ہے جو پڑتے ہی بدن پر آبلہ ڈال دیتا ہے۔  
تو جو تیز پانی بدن پر آبلہ نہ ڈالے وہ آبلہ ڈالنے والے کے مقابلے میں گو ضعیف ہے مگر  
اس قدر ہلکا بھی نہیں کہ بے تکلف منہ پر ڈال لیا جائے اب اگر کوئی اس کو دوسرے درجے

کے مقابلے میں ہلکا سمجھ کر کسی کے ہاتھ منہ پر ڈال دے تو وہ دوسرا شخص چلائے گا اور جھلائے گا اور یہ بھی کہے گا کہ تم اندھے ہو تم کو نظر نہیں آتا کہ پانی کتنا نیر ہے اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہے کہ حضور میں تو دوسرے پانی سے ہلکا لایا تھا تو آپ کیا کہیں گے یہی کہ اس کے اعتبار سے یہ ہلکا ہی مگر فی نفسہ تو ہلکا نہیں بلکہ پھر بھی شدید اور قوی ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔ ۵

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود  
لیک بس عالی ست پیش خاک تود

یعنی آسمان عرش ہی کے مقابلے میں چھوٹا اور پست ہے در نہ واقع میں زمین سے تو بہت بڑا اور بلند ہے۔ یہیں سے سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ گناہوں کی جو دو قسمیں ہیں صغیرہ و کبیرہ یہ فرق اصنافی ہے کہ کبیرہ کے مقابلے میں بعض صغیرہ ہیں۔ ورنہ حقیقت میں صغیرہ کوئی نہیں کیونکہ گناہ کی حقیقت ہے خدا کی نافرمانی، پھر یہ فعل چھوٹا اور ہلکا کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کیا افسوس ہے۔ جب بعض لوگ کسی امر کی بابت استفسار کرتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ گناہ ہے تو اس کے بعد وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ صغیرہ ہے یا کبیرہ۔ گویا اگر صغیرہ ہونا معلوم ہو گیا تو اس سے نہ بچیں گے، حالانکہ وہ محض کبیرہ کے مقابلے میں صغیرہ ہے باقی قصر دین کے سوختہ کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ صاحبو اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ تیرے چہرے میں چنگاری لگ گئی ہے تو کیا وہاں بھی یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ چھوٹی چنگاری ہے یا بڑی۔ ہرگز نہیں بلکہ فوراً پریشان ہو جاتے ہیں اور اس کے بچانے کی فکر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ہم لوگ گناہ کو مضر نہیں سمجھتے اور چنگاری کو مضر سمجھتے ہیں۔ اگر ہم گناہ کو مضر سمجھتے تو اس کے ادنیٰ درجہ سے نفرت کرتے اور اس کے ارتکاب سے پریشان ہو جایا کرتے کیونکہ مضر کا کوئی درجہ بھی انسان کو گوارا نہیں ہوتا مگر یہ بے فکری بتلاتی ہے کہ ہم اس کو مضر نہیں سمجھتے۔ گو اعتقاداً مضر سمجھتے ہوں مگر عملاً تو یہی حال ہے اور صوفیا تو

اس اعتقاد کو جس کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو اس کو یقین ہی نہیں کہتے ان کے نزدیک اعتقاد یقینی وہ ہی ہے جس کے موافق عمل بھی ہو اور یہ حکم محض اصطلاحی نہیں کہ صوفیاء نے دوسروں سے الگ ایک اصطلاح گھڑ لی ہے بلکہ صوفیاء نے اس حکم کو نصوص سے سمجھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نجات فی الجملہ کے لئے گو اعتقاد بلا عمل بھی کافی ہو جائے مگر نجات کاملہ کے لئے کافی نہیں۔ اسی کو نصوص سے اس طرح سمجھا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرماتے ہیں

وَلَقَدْ عَلَّمُوا الْبَنِيَّانَ مَا لَمْ يَكُن لَّهُمْ سُلْطَانٌ عَلَيْهِمْ وَتَوَلَّوْا بَاطِلًا كَذِبًا  
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ)

یعنی وہ جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو یعنی سحر کو اختیار کرے اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں کاش وہ جانتے) یہاں لفظ علموا کے بعد جس میں اثبات علم کا لو کا نوا یعلمون کیسا؟ جس میں نفی ہے علم کی اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کا عمل علم کے خلاف تھا اس لئے حق تعالیٰ نے ان کے علم کو جہل شمار کیا تو صوفیاء نے نصوص کو اور احکام کو دیکھ کر یہ اصطلاح مقرر کی ہے عرض یقین مطلوب ہے اور یقین کامل بدون عمل کے حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس کے ثمرات مطلوبہ حاصل ہو سکتے ہیں یقین و اعتقاد کا ثمرہ مطلوبہ نجات مطلقہ بدون تعذیب ہے اور یہ اعتقاد بلا عمل سے حاصل نہیں ہوتا یعنی غالباً وقوع یہی ہے کہ بدون عمل نجات کامل نہیں ہوتی۔ گو کسی فرد میں تخلف ہو جائے۔ نیز محاورات بھی اسی اصطلاح کے موافق ہیں یعنی اس اعتقاد کو جس کے موافق عمل نہ ہو اعتقاد شمار نہیں کیا جاتا مثلاً ایک شخص اپنے باپ کے ساتھ گستاخی کرتا ہو تو کہتے ہیں اسے کم نجات یہ تیرا باپ ہے حالانکہ یہ علم اس کو پہلے سے حاصل ہے کہ یہ میرا باپ ہے، مگر چونکہ اس کا عمل اس علم کے خلاف تھا اس لئے علم کو بہتر لہ عدم علم کے سمجھ کر کہا جاتا ہے یہ تیرا باپ ہے۔ نیز حدیث میں ہے مَنْ شَرِكَ الصَّلَاةَ مَعِيَ لَمْ يَكُنْ مِنِّي۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز کا عمدًا ترک کرنا یہ بتلاتا ہے کہ اس شخص کو اس کی فرضیت کا اعتقاد نہیں یعنی کامل اعتقاد نہیں بلکہ اعتقاد میں نقص ہے۔ یہی نقص کی وجہ سے

اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا جو مقابل ہے ایمان کا جب ایمان اعتقاد کامل کا نام ہوگا تو اس کا ارتفاع کفر سے مسمی ہوگا۔ نیز ایک حدیث میں ہے لا یزنی المزانی حین یزنی وهو صومن (زانی کو زنا کرنے کی حالت میں ایمان کا ہتھنڈا نہیں ہوتا) یہ سب نصوص صوفیاء کی اصطلاح کے مویدات ہیں تو صوفیاء کے نزدیک تو گویا اعتقاد ابھی ہم گناہ کو مضر نہیں سمجھتے کیونکہ عمل اس کے خلاف ہے اور جس اعتقاد کے خلاف عمل ہو وہ ان کے یہاں اعتقاد ہی نہیں البتہ فقہاء کے نزدیک یعنی ان کی اصطلاح کے موافق ہمارا ان کو مضر سمجھنا یہ اعتقاد ہے مگر عملاً و حالاً ان کے نزدیک بھی لوگوں کو مضر ہونے کا اعتقاد نہیں ہے جیسا تو صغیرہ بر جرأت ہے تو غفلت کا ایک درجہ تو یہ ہو جس کو درجہ ضعیفہ کہا جاتا ہے مگر وہ اقویٰ کے مقابلے میں ضعیف ہے در نہ فی نفسہ یہ بھی قوی ہے اور دوسرا درجہ کفر جو دیا عناد ہے یہ اقویٰ و قبیح ہے ہر چند کہ اس درجہ کے بجز خدا تعالیٰ نے ہم کو محفوظ رکھا ہے مگر دوسرا درجہ معصیت کا جس میں ایسی غفلت ہو کہ مطلوب کا استحضار نہ ہو اس میں ہم بھی مبتلا ہیں اور اس سے خالی نہیں ہیں اب جس درجہ کی غفلت ہوگی اسی درجہ کی مذمت ہوگی۔ (البدائع)

### معصیت کو مضر نہ سمجھنا شیطان کی تدبیر ہے

حال : ایک بات قابل عرض یہ ہے کہ احقر کو صد در معاصی سے محبت و تعلق مع اللہ کم نہیں ہوتا بلکہ اگر کبھی نفس میں کسی قدر حجاب آتا بھی ہے تو یہ خیال اس حجاب کو رفع کرتا ہے کہ کیا اس تعلق کو اپنے انفعال حسد کا ثمرہ سمجھتا ہے جو انفعال قبیح سے اس میں کمی ہو جائے نہیں جو کچھ ہے بلاستی کے محض موہوب ہے نہ کسی فعل صالح پر اس کا ترتیب موقوف تھا نہ قلت عمل صالح سے اس میں کمی ہوتی چاہئے؟ اس کی بابت کیا ارشاد ہے کہیں یہ جا  
موجب جرأت علی المعاصی تو نہیں؟

تحقیق : یہ حالت بد ہے نیک نما، کلمہ حق اُرید بہا الباطل ہے بشیطان کا دھوکا ہے، یہ ظاہر ہے کہ محبت عبد مع الحق ظل ہے۔ محبت حق مع العبد کی اور معصیت سے ثانی میں کمی ہوتی ہے للمناقاة بین الرضا والسخط پس اول میں بھی کمی لازم ہے اور جو چیز کم نہیں معلوم ہوتی ہے وہ حقیقت تعلق کی نہیں رہم اور خیال تعلق کا ہے۔ پس یہ حالت سبب جرأت ضرور ہے۔ غرض معصیت کو علت سخط ضرور سمجھے لیکن طاعت کو موثر فی الرضا نہ سمجھے، کیونکہ ہماری طاعت میں ایسا اثر نہیں ہے لیکن معصیت میں ضرور یہ اثر ہے۔ (فلا متزل قدمک) اتر بیت اسلک جلد اول ص ۲۵۵)

## نفس کے مکائد کی تحقیق

حال : اس شرح میں امراض روحانی مثلاً اریاد کبر و فخر و حب جاہ و مال و غیبر سے پاک ہونے کی بھی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے اس بے استحقاق کے ساتھ، کہ خاکسار نے کبھی کسی منصب یا عہدہ کے لئے یا کسی اعزاز کے لئے کبھی جدوجہد نہیں کی بلکہ اکثر اشرافِ نفس بھی نہیں ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے خلق میں ظاہری قومی و علمی نامیہ کے اعزاز بلا طلب و محنت فرمائے، اب تک مجھے اس بار سے میں صرف اسی قدر اہتمام رہا کہ میری طلب اور اشراف نہ ہو اور مل جائے تو قبول کر لیا۔ اب اس باب میں حضرت کی ہدایت کا منتظر ہوں کیونکہ ایسے موقعے پیش آتے رہتے ہیں۔ شرم و حیا کو کچھ دیر نظر انداز کر کے یہ بھی عرض کروں کہ بچوں اللہ تعالیٰ و فضلہ یہ چیزیں نفس میں فخر و کبر کا موجب اب تک نہیں بنیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ بندے کی کیا مجال جو کچھ کہ سکے یا کر سکے۔ حضرت سے اپنے کسی عیب کو چھپانا طیب سے اپنی بیماریوں کا اخفا ہے اس لئے عرض کی ضرورت نہ رہتی۔



تحقیق : مشورے میں تو برکت ہی برکت ہے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے ،  
 اپنی ذات میں تو یہی کافی ہے اور اخیر حالت منتہی اور کامل کی یہی ہوتی ہے ،  
 لیکن چونکہ یہ طریق عامض بہت ہے اور اس کا پورا مصداق ہے ع  
 در راہ عشق و سوسہ اہرمن بے بہت

اس لئے احتیاطاً بلوغ سے اس میں کام لیا گیا ہے اور مصرعہ اولیٰ کے ساتھ دوسرا مصرعہ اس  
 پر ترتیب کے طور پر لگا یا گیا ہے ع

ہشدار گوش را بہ پیام سرکش (وحی) دار

اور وحی بتلاتی ہے کہ فقیہ و احدُ الشد علی الشیطان من الفعابد  
 جس سے دوام پر صاف دلالت ہے ایک یہ کہ اس کے مکائد دقیق ہیں ، دوسرا  
 یہ کہ ان مکائد پر فقیہ کو اللہ تعالیٰ مطلع فرمادیتا ہے اس لئے اس کی ہستی شیطان  
 پر اشق ہے ، پس ان مکائد میں ایک مکیدہ یہ ہے کہ سالک پر تلبیس کر دیتا ہے یعنی  
 کسی مقدمہ معصیت سے جلد ہی کام نہیں لیتا۔ سالک جب اس میں رنگ معصیت نہیں  
 پاتا تو اس کے مقدمہ ہونے سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے ، پھر اس سے ایسے وقت  
 کام لیتا ہے کہ وہ لایدری ولا یحسب کے درجے میں آجاتا ہے اس لئے  
 مصالیح میں مشبہ وضعیفہ میں بھی معالجہ کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس شبہ میں ، نمہ  
 طریق نے یہ تدبیر کی ہے کہ افعال مباحہ جو صورتاً ذلت ہوں اختیار کرتے ہیں مگر  
 اس نادان نے اس میں بھی ایک فتنہ سمجھا ہے یعنی شہرت۔ اس لئے ایک دوسرا  
 علاج تجویز کیا ہے ، یعنی ایسے اعزاز و امتیازات کے اوقات میں استحضار اپنے ذنوب  
 و عیوب و نقائص و رذائل کا اور ساتھ ساتھ تکرار استغفار کا اس مدت طویلہ  
 تک التزام رکھا جاوے ، جب تک مبصر شہادت صحت کے راسخ ہونے کی اور علاج کے  
 ضروری نہ ہونے کی سند نہ دیدے۔ فقط (تربیت سالک حصہ دوم ص ۹۰ و ۹۱)

## ایک ایسا مراقبہ جس سے اپنے عیوب نظر آئیں

ایک شخص نے رقعہ میں یہ مضمون لکھ کر حضرت والا کو دیا کہ مجھ کو کسی تدبیر سے اپنا کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ اس کو زبانی جواب ایک مبسوط تقریر میں دیا جس میں ایک مراقبہ بھی بتایا کہ اپنے افعال و اقوال کے متعلق سوچے کہ آیا یہ حق تعالیٰ کے روبرو پیش کرنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ پھر سب عیب نظر آنے لگیں گے وہ شخص یہاں سے چلے گئے اور حسب ذیل خط بھیجا۔

حالت : گذارش یہ ہے کہ جس روز سے میں تمھانہ بھون سے آیا ہوں اس روز سے برابر غور و فکر کے ساتھ ہر کام میں اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کر رہا ہوں اور جس مراقبہ کو جناب نے مجلس مبارک میں ذکر فرمایا تھا کہ یوں سوچے کہ یہ کام یا یہ بات حق تعالیٰ کے سامنے ہو تو کر سکتا ہوں یا نہیں۔ تو اس مراقبہ سے معلوم ہوا کہ میری جتنی باتیں اور کام ہیں سب بیکار ہیں۔ میری کوئی بات اور میرا کوئی کام اس قابل نہیں کہ باری تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاوے۔ پہلے سے جو اپنی غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں تو اس کی وجہ محض بے پروائی اور بے توجہی تھی۔ حضور کی تہنید سے پہلے میں اپنے قلب کو مثل ایک ایسی صندوقچی کے سمجھتا تھا۔ جس پر وارنش کیا ہوا ہو اور جس کے اندر عجیب و غریب اشیاء رکھی ہوں۔ مگر جناب کی تہنید کے بعد جواب اس صندوقچی کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر تو گودہ درگودہ ہو رہا ہے۔ لہذا حق تعالیٰ نے اپنے خیال سے کہ مجھ کو اپنا کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا تھا، توبہ کی اور حضور کی تہنید کا یہ اثر ہوا کہ اب مجھ کو اپنے عیوب اس قدر صاف نظر آنے لگے ہیں کہ میں اپنے عیوب پیش کر کے ان کے علاج دریافت کروں۔

تحقیق : مبارک ہو، یہ گودہ خاکساری کی خاک سے مل کر کھاد کا کام دے گا۔

اور ایسی اجناس پیدا ہوں گی کہ روحانی غذا ہو جائیں گے۔ دعا کرتا ہوں اور عیب  
پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ مگر ایک خط میں ایک بات سے زیادہ نہ ہو۔  
(النور شعبان ۱۳۵۲ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۸۷)

## حقیقتِ دنیا

جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی ثمرہ مرتب نہ ہو  
وہ دنیا ہے۔

دُنیا لغتاً نزدیک کی چیز کا نام ہے اور عرفاً مطلقاً اس حالت کا نام ہے جو موت  
سے پہلے ہے اور شرعاً خاص اس حالت کا نام ہے جو مانع عن الآخرت ہے، اور مجازاً  
ان احوال و اشیاء پر اطلاق کیا جاتا ہے جو اس کی مانعیت کے سبب بن جائیں۔  
پس جو احوال از قسم اقوال ہوں یا از قبیل افعال و اعمال یا عقاید و علوم ہوں یا  
اسی طرح جو احوال کہ آخرت کے واجب التحصیل سے مانع ہوں گے وہ سب دنیا ہے حرام  
و مذموم میں داخل ہیں اور ان کے مذموم ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا (تعلیم الدین)  
دنیا کے تمام جھگڑوں، بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے  
ساتھ تعلق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے، البتہ علم و معرفتِ الہی اور نیک کام جن کا  
ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے، ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے مگر حقیقت  
میں وہ دنیا سے مستثنیٰ ہے اور ان کی محبت دنیا کی محبت نہیں بلکہ آخرت کی محبت  
ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ  
لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت کو ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر  
کا ترشہ سمجھ کر اپنی آخرت کو ستوارتا ہے۔

(تبلیغ دین ص ۵۶)

## حُبِّ دُنْیَا

یاد رکھیں کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ ہے اور اسی سے اکثر باطنی مراض ہلکے مثلاً غرور و نخوت، کمینہ، حسد، ریا، تفاخر اور بڑھوتری کی حرص پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کو حیاتِ دنیوی کی درستی اور آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے، تو صنت و حرمت اور زراعت و تجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے مبداء و یا معاوی کی اس کو کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔ اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں۔ قلبِ محبتِ دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح و تدبیر میں مصروف۔ حالانکہ دنیا تو شہِ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافرِ انِ آخرت باسانی اپنا سفر ختم کر سکیں۔ مگر بے وقوف لوگوں نے اسی کو مقصودِ اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت کو بالکل بھول گئے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہو اور جنگلوں میں پہنچ کر سواری کے گھاس دانہ اور اس کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ہمارا ہوں سے پیچھے رہ جائے۔ افسوس ہے اس کی حالت پر کہ تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کو ترح کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گذرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے سواری کو بھی چیر بھاڑ ڈالا اور اس کو بھی منہ کاٹا لایا گیا۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم جہیم خاکی پر سوار ہو کر سفرِ آخرت کر رہے ہو اس لئے تم کو چاہئے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدر کفایت اٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان ہیا کر کے وہ بیج بویج کو آخرت میں کاٹو۔ اور پھر دائمی زندگی آرام سے گزار سکو اور اگر اس ماتحت سواری کی پرورش و قرہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کو ترح کر جائے گا اور تم منزل مقصود پر نہ پہنچ سکو گے۔ (تبلیغ دین ص ۵۷ تا ۵۹ ملخصاً)

# حقیقتِ حُبِ جاہ

ارشاد : لوگوں کے دلوں کا سخر ہو جاتا جس سے وہ لوگ اس کی تعظیم کریں، جاہ کہلاتا ہے، حُبِ جاہ ایسا مرض ہے کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے۔ جب کوئی واقعہ پیش آئے اور گرانی ہو تب پتہ چلنا ہے کہ افوہ! ہم میں بھی حُبِ جاہ کا مرض ہے۔ یہ محض وہی انتزاعی کمال ہے اور انتزاعی بھی ایسا کہ جو دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا نام ہے۔ جس کا مدار دوسرے کے خیال پر ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالبِ جاہ خوش ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ جس جاہ سے ضرر ہوتا ہے یہ وہ جاہ ہے جو طلب سے حاصل ہو۔

(کمالاتِ اشرفیہ ص ۱۰۲، ۲۶۰، ۱۷۹، ۱۸۰، ۸۸)

یہ وہ بلا ہے جو کہ دین و دنیا دونوں کو مضر ہے۔ دینی ضرر تو یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا مجھ پر فائدہ ہے تو اس میں عجب دگر پیدا ہو جاتا ہے آخر کار ہی عجب کبر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔ بہت لوگ اس میں آکر ہلاک ہو گئے۔

یہ تو دین کا ضرر ہوا اور دنیا کا ضرر یہ ہے کہ مشہور آدمی کے حامد بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس صاحبِ جاہ کا دین بھی خطرے میں رہتا ہے اور دنیوی خطروں کا اندیشہ رہتا ہے۔ ہاں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بدون طلب کے جاہ حاصل ہو، وہ نعمت ہے۔ (کیونکہ) (تعظیمِ العلم ص ۶۴)

مال کی طرح انسان جاہ کا بھی بقدر ضرورت محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور بے خوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہذا اتنی طلبِ جاہ میں مضائقہ نہیں ہے (تسلیم دین ص ۵۵)

## حُبِّ دُنْیَا اور حُبِّ جَاہِ کا علاج

حَال : مکائدِ نفس اور رذائل سے بچنے کا بھی لحاظ رکھتا ہوں کبھی کبھی اچھے کھانے کپڑے اور عمدہ مکان بنانے کی طمع ہوتی ہے اور حجبی چاہتا ہے کہ زیادہ روپیہ پیسہ پاس ہو اس سے حُبِ دُنْیَا کا شبہ ہوتا ہے جب کسی قدر اس خیال کا غلبہ ہوتا ہے تو کتابِ تبلیغِ دین وغیرہ میں حُبِ دُنْیَا کی مذمت اور تہذیب وغیرہ کا بیان دیکھ لیتا ہوں اس کے استحضار سے طمع مضمحل ہو جاتی ہے نفس یہ بھی چاہتا ہے کہ کوئی شخص بُرا نہ کہے اور اعزہ و احباب کے متعلق اس کا خیال بھی ہوتا ہے کہ وہ جائز تقریبات میں مجھ کو فراموش نہ کریں اس کے خلاف پیش آنے سے طبیعت میں پریشانی محسوس ہوتی ہے ہمیشہ سے اکثر تقریبات میں میں خود نہیں شریک ہوتا ہوں مگر اس سے ضیق ہوتی ہے کہ اہل تعلق میں سے کوئی یاد نہ کرے اس سے بھی حُبِ جَاہِ کا شبہ ہوتا ہے اس کے متعلق بھی جب کتابِ تبلیغِ دین وغیرہ میں کچھ مضمون پڑھ لیتا ہوں تو طبیعت میں سکون ہو جاتا ہے۔ طالبِ حق کے واسطے اس قسم کے خیالات نہایت شرمناک معلوم ہوتے ہیں۔ براہِ شفقت و کرم حضور دعا و تدبیر سے میری دستگیری فرمائیں۔

تحقیق : دعا بھی کرتا ہوں اور تدبیر یہ ہے کہ اقتضائے نفس کی مخالفت کی جائے اور اقارب کی شکایت کی جو بناء ہے یعنی اپنا استحقاق، اس کی ضد کا استحضار اس طرح کیا جاوے کہ اپنے نقائص و نااہلی کا استحضار ہر بار کے ساتھ کیا جاوے۔

(ماخوذ النور، رجب ۱۳۵۶ھ، تربیت السالک جلد دوم ص ۱۶۰)

## حُبِّ مَالِ

سوال : ایک طالب نے حُبِّ مَالِ کے کچھ آثار دیکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مضدہ تو نہیں۔

جواب: تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ سب اثر حیب مال کے تو ہیں مگر یہ حبِ طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حبِ اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح فارس و مشاہدہ تختائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ لے اللہ آپ کا ارشاد ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهِوَاتِ (الآیۃ) حبِ آپ نے یہ حب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اس لئے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے۔ البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حب کو اپنے حب میں معین فرما دیجئے تاکہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جاوے اور موانع طاعت کے لئے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سبب بوجاوے کہ جبلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہو جانا یہی ان کی تعدیل ہے۔ اور یہی مامور یہ ہے اس میں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی اشارہ فرمایا) اور یہی امر صریح ہے دوسری آیت میں قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَنِسَاءُكُمْ آلِي قَوْلِهِمْ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ سُبَّتِ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہو جاتے ہیں بعض غوائل کی طرف ان کا تدارک کر لیا جائے فہنیا لکم العلم والعمل واللہ اعلم (اشرف السوانح)

## حُبِّ مال کا علاج

حالیہ : دوران ملازمت لفضلہ تعالیٰ میں نے نہایت ایمان داری سے کام کیا تھی کہ تحفہ جات کے قبول کرنے سے بھی احتراز کیا اور آمدنی کا بیشتر حصہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا بلکہ دوسروں کی ذات پر صرف کیا۔ میری نہ کوئی اولاد ہے نہ بی بی اور میرا ذاتی خرچ بہت کم رہا اس بنا پر میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ مجھ کو الفت زہ نہیں مگر ایک واقعہ سے یہ محسوس ہوا کہ

فی الواقع بے حد الفت زرمیر سے قلب میں ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایک مکان خرید کیا۔ خریداری کے کچھ عرصے کے بعد ایک شخص جو میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ بائع نے تم کو (یعنی مجھ کو) دھوکا دے کر اور مکان کا کرایہ زیادہ بتلا کر زیادہ قیمت وصول کر لی اس گفتگو سے میرے قلب کو بہت صدمہ پہنچا۔ مجھ کو اس وقت علم ہوا کہ محبت زرمیر سے قلب میں شدت سے موجود ہے ورنہ یہ صدمہ نہ پہنچتا۔ اس حالت کا علاج میں نے اپنے طور پر جو حضور والہ کے مواعظ پڑھنے کی وجہ سے غالباً میرے ذہن میں آیا۔ یہ تجویز کیا اولاً یہ کہ میں نے نماز تہجد شروع کر دی۔ ددم یہ کہ بار بار موت کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ سوّم یہ کہ اپنے نفس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر بائع نے دھوکا دیا ہے تو وہ میرے لئے یوں مفید ہے کہ بروز حسرت اس کی نیکیاں کثیر تعداد میں میرے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور فی الحال یہ نتیجہ ظاہر طور پر مرتب ہو گیا کہ میں نماز تہجد پڑھنے لگا جس کے پڑھنے کی توفیق پہلے نہایت کم ہوتی تھی۔ پنجم یہ کہ میں نے قلب کو یوں مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ میں اور میرا مال کل ملک الہی ہے۔ اگر کچھ روپیہ جو بیٹھا ہر میرے قبضہ میں تھا کسی کو پہنچا دیا تو مجھ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ششم۔ میں نے یہ سوچا کہ مکان کو وقف کر دوں مگر اس صورت میں میرے وہ اعسزہ جن کی میں اپنی زندگی میں مرد کرتا ہوں میری وفات کے بعد بالکل محروم ہو جائیں گے، اب حضور والہ سے استدعا یہ ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرے قلب کی حالت درست ہو جائے اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے جو عمل مناسب ہو تجویز فرمائیں میں معافی چاہتا ہوں کہ خط طویل ہو گیا مگر حالات تحریر کرنا علاج کے لئے ضروری معلوم ہوا

تحقیق: فکر اصلاح سے بچہ مسرت ہوئی اور بے ساختہ دعا نکلی اللہ تعالیٰ نے ہم دینگر میں زیادہ برکت فرمائے۔

اب حقیقت عرض کرتا ہوں جس خسار سے سے رنج ہوا یہ رنج مال کے حبّ طبعی سے ہے جو اگر اس سے بھی زیادہ ہو تا ناموم نہ تھا بلکہ بعض اوقات وہ عدل و حکمت کا اثر



ہوتا ہے۔ مذکورہ جب عقلی ہے۔ سو رنج اس کی دلیل نہیں باقی جو معالجات تجویز کئے گئے ہیں حالت موجودہ میں تو ان کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جب مرض نہ ہو تو دوا کی کیا ضرورت، لیکن نافع پھر بھی ہیں۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ معالجات بجائے خود طاعات مستقلہ ہیں اور موجب ثواب ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ حبِ طبعی کبھی منجر اور مفضی ہو جاتی ہے حب عقلی کی طرف جو کہ مرض ہے سو ان معالجات میں اس کا انداد ہے، جیسے بعض ادویہ بطور حفظ یا تقدم استعمال کرنی جاتی ہیں اور وقف کی ایک شرعی صورت ایسی ہو سکتی ہے کہ اعزہ مستحقین بھی انتفاع سے محروم نہ رہیں وہ یہ کہ وقف نامہ میں ان کے انتفاع کی شرط لکھ دی جاوے لیکن آخری جہت مساکین کو ہر حال میں قرار دینا لازم ہے امید ہے کہ سب شبہات کا جواب ہو گیا ہو گا۔ اگر کوئی بات باقی ہو تو بے تکلف مکرر دریافت فرمایا جاوے باقی دعا کرتا ہوں۔

(ماخوذ انور ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۸۳)

## حقیقت کبر

### کبر کے اقسام اور ان کا علاج

سوال: ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات و جزئیات لکھ کر درخواست کی کہ اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: تحریر فرمایا کہ اس کا نام بھی بمناسبت نام سائل رکھ دیا یعنی شمس الفضائل لطمس الرذائل۔

جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

جواب: یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہو جاتا ہے۔

۱۔ کبر ۲۔ عجب ۳۔ حجاب ۴۔ ریا اور ۵۔ نجلت  
پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں ۱۔ حقیقت و ۲۔ صورت۔ تو یہ دس چیزیں ہیں  
اور ہر ایک میں کلام طویل ہو سکتا ہے۔

مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجے کے سمجھنے میں  
ضروری بصیرت ہو سکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اس پر منطبق کر سکتا ہے وہی لکھتا ہوا  
باقی جس کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لئے نکلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لئے  
تحریر کافی ہے۔ بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ حجب کوئی واقعہ پیش آئے اسے کسی محقق کے  
سامنے پیش کرے اگر تفتیح کی ضرورت ہو اس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے  
اس کو علماً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے  
کو با اختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو  
جزو ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو  
حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے، اس کے کبھی بہت اجزا ہیں۔  
بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آگیا یہاں تک کہ معصیت  
نہیں لیکن اس کے بعد اس خیال کو با اختیار خود اچھا سمجھا یا با وجود اچھا نہ سمجھنے کے با اختیار  
خود اس کو باقی رکھا۔ یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہوگی اور یہ جو قید لگائی گئی  
ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے، یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھوٹائی کا اس طرح  
معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دوسرے  
کے بچے کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے یا ایک ہڈیہ پڑھنے والا طالب علم علم نحو پڑھنے والے  
طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے  
مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہ سمجھتا ہو تو وہ کبر نہیں۔ البتہ اگر یہ تفاوت واقعے کے خلاف ہو تو

ایسا اعتقاد کذب ہوگا۔ مگر کبر و کذب تغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھوٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد اچھا نامنفی کبر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے سدباب کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہئے جو حقیقت کبر کا علاج ہے، اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے، جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید (تکرار) کر لی جاوے، جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو، وہ مراقبہ یہ ہے کہ :-

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے

(ب) اور عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض مودت و رحمت ہے۔ پھر

(ج) عطا کے بعد بھی اس کا بقا و میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں

سلب کر لیں اور

(د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے

کمال سے زیادہ کمال اس کو حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں اور

وہ (ہ) اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری سبب سے اس کا گمان غالب

ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر

ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف

کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعے سے اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب

ذہن میں نہ آوے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الہی میں مقبول ہو

اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو

مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں اور

(و) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل

پر حق ہوتا ہے جیسے مریض کا تندرست پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر، تو مجھ کو

چاہئے کہ اس پر شفقت و رحم کروں، اس کی تکمیل میں کوشش کروں، اور اگر کسی طرح

قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سے سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے، تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائے گا اور طبعی خاصہ یہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔ اور

(۲) یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے، اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر دور ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور ہے، تو تدابیر مذکورہ ہیں سے بغض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا۔ مگر بغض کا پھر بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے، ان بغض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں ایک قید کم ہے، باقی سب اجزاء وہی ہیں۔ یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی حقیقت و صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معاملات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معاملات اس میں بھی ہیں۔

اور ایک چیز اشیائے خمسہ مذکورہ میں حب جاہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے آپ کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں۔ چونکہ اس کا منشاء بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لئے اس کے اقسام و درجات و معاملات وہی ہیں جو کبر میں گذرے ہیں اور اشیائے خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریلہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ اشیائے اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی عجب اور کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے اس میں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام و معاملات ہیں اور سب احکام

گئی ہیں۔ کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معاملات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مرتبی (شیخ) کی رائے پر متعین کئے جاتے ہیں۔ سب سے اخیر کی ایک قسم خجالت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلافت عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیاراً نفس پر وارد ہوتی ہے۔ اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہ ہو جاتا ہے۔ کبر و غیبرہ کا مگر واقعے میں وہ کبر نہیں ہوتا، اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دینی یا خیس (کمینہ و ذلیل) کام کرنے سے شرماتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجالت ہے ورنہ کبر یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ واقعہ میں تو کبر و غیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجالت میں داخل کر کے تسلی حاصل کر لی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے زمانہ مذکورہ سے بھی اشنع (برسی) ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنا لیا ہے، جماعتی درجہ کی تلبیس و تدلیس ہے تو اور افسوس میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الذلیل (ذلیل کا کلمہ) گزر چکا۔ چونکہ واقعات ثانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اس لئے سب احکام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارے میں تحقیق مطلوب تھی) اب اخیر میں ایک معالجہ حمدہ ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ معاملات مذکورہ وقتی تھے، جن سے اثر کاروخ نہیں ہوتا، الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہادت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بہ تکلف اوضاع (وضع) و اطوار و حالات تلبیل الجاہ (کم مرتبہ) لوگوں کے اختیار کرے حتیٰ کہ تواضع راسخ ہو جاوے۔ مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دانائت (کمینہ پن) اور خشیت (ذلت) کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع شری صورت اختیار کر لے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کئے جائیں جن سے اک گونہ نفس کو انقباض ہو  
مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تو وضع کا احتمال ہو۔  
(تربیت السالک جلد دوم ص ۱۰۵۔ انور زینع الاول ۲۱۳۵۲ھ)

## کبر کا علمی اور عملی علاج

۱۔ ارشاد: تکبر کا علمی علاج تو یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے  
کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسرے کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے  
اور جو شخص معیوب یقینی ہو وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کمتر  
سمجھنا چاہئے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو کم اپنے سے چھوڑنا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و  
تکریم سے پیش آؤ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدون اس کے علمی علاج تنہا کافی  
نہیں تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ جب تک عملی علاج نہ کیا جاوے گا تکبر دور نہ ہوگا۔  
(انفاس عیسیٰ)

۲۔ حال: آج کل ایک اور نہایت شرمناک امر لاحق ہوا جس کے اظہار سے  
طبیعت انکار کرتی ہے اور حیا مانع ہوتی ہے مگر اسی خیال سے کہ اس طرح سے شاید  
زیادتی ہوتی چلی جاوے یا اس سے کوئی دوسرا نقصان پیدا ہو جائے کوئی چارہ نہیں دیکھا۔  
اس لئے عرض ہے کہ کچھ عرصہ سے اپنے اندر آثار ترفع کے پاتا ہوں۔ چھپوتی  
عمر کے یا نیچے درجہ کے طالب علموں سے سلام و کلام کرتے ہوئے ان کے پاس  
بیٹھے ہوئے عارسی آتی ہے اور وہ تمام امور جو پہلے باسانی اور بلا تکلف جیسا کہ طلباء کا طرز  
عمل ہونا چاہئے انجام پاتے تھے اب وقت سے پورے ہوتے ہیں اور ان کے کرنے  
میں شرم ہی آتی ہے۔ اکثر باتوں میں اپنی وقعت کا خیال رہتا ہے اور ایسے امور کے ارتقا  
کی طرف رغبت ہوتی ہے جس سے ایک امتیاز پیدا ہو۔

تحقیق : انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ ان اخلاقِ رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے۔ رہا یہ کہ اقتضائات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلف ہے نہ یہ سہولت میسر ہو سکتا ہے۔

ع بسیار سفر باید تا پخت شود خامی

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلف ہیں آپ اس پر کتنا کچھے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں۔ اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہو گا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آدے ان کی خوب نکریم کچھے اور تکلف سے ان سے سلام کچھے۔ گو نفس کو ناگوار ہو، ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے، اس میں خلل موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ اس سے خود فساد کا منشا بھی ضعیف ہو جاوے گا۔ واللہ الموفق (تربیت السالک جلد اول ص ۲۳۳)

## حجاب اور کبر میں فرق

حالیہ : ندوی ایک مرتبہ قرابت مندی میں گیا ہوا تھا (اور وہاں اس کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی) تو گوشت کی دوکان پر جلنے کی ضرورت ہوئی تھی مگر نہیں گیا تھا۔ اک گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔

تحقیق : حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجالت ہے جس کا سبب مخالفت عادت ہے حتیٰ کہ اگر اس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جاوے اس سے بھی شراباوسے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۳)

## انقیاض کبر نہیں

حالیہ : گذارش یہ ہے کہ حضرت والا نے ایک شخص کو کبر کا علاج یہ بتایا تھا کہ مسجد

میں ہر زمانہ کے بعد اعلان کرے کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے سب لوگ دعا کریں کہ مجھ سے یہ مرض جاتا رہے۔ اس پر مجھے خیال ہوا کہ تجھ سے یہ کہا جائے تو کیا کرے گا تو میں اپنے اندر دیکھتا ہوں کہ اس کی ہمت نہیں معلوم ہوتی اور نہ جی اس کو خوشی سے قبول کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میرے اندر تو کبر نہیں۔ پھر دل کبھی کہتا ہے کہ یہ حیا کی وجہ سے ہے اب حضرت اگر یہ کبر ہونے کی وجہ سے ہے تو علاج ارشاد فرمادیں۔

تحقیق: ایسا احتمال دلیل خشیت ہے مبارک ہو۔ کبر کے لئے صرف یہی علامت کافی نہیں کیونکہ کبھی اس انقباض کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ مرض نہ ہونے کے سبب علاج کی ضرورت نہیں اور کبھی کبر بھی سبب ہوتا ہے تو اب معیار اس کا دوا مرہیں ایک بہ کہ دوسری علامات بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ دوسرا مرہ یہ کہ اگر احتمال ہی پر مصلح اس کو تجویز کرے تو اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔ گو عمل کراہت طبیعہ ہی سے ہو جیسے تلخ دوا طبعاً مکروہ ہے مگر مریض اگر طالب صحت اور طبیب کا مطلع ہے تو عمل میں موافقت کرے گا۔

(ترتیب السالک حصہ دوم ص ۱۱۲)

### عجب کا علاج

حالت: مجھ میں کچھ عجب کا مادہ معلوم ہوتا ہے یعنی بعض اوقات دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں حج کر چکے ہیں اور اب راہ طریقت میں آکر پیر بھی بے نظیر شہرہ آفاق اور متبع سنت پایا۔ وکالت اور زمینداری کا کام بھی خوب چلا رہے ہیں بعض اوقات یہ بھی جی چاہتا ہے کہ لوگوں کی زبان سے دنیوی دینوی امور کے بجالانے کی تعریف سنتا رہوں بالخصوص اس بات کو سن کر بڑا مسرور ہوتا ہوں کہ حضورؐ نے سونا چھڑاتے ہیں نہ کھانا نہ وکالت نہ زمینداری تو ایسا کس نے پایا ہو جو وکالت و زمینداری رکھ کر ہر طرح کی اصلاح کا سامان بنا دے اور اس قدر شفقت رکھے میں



ترہ سمجھتا تھا کہ جب تک انسان اپنے کو ان ہر دو پیشہ سے علیحدہ نہ کرے اس وقت تک اصلاح نامکن ہے، وجہ بالا کی بنا پر مجھ کو خود پسندی معلوم ہوتی ہے اور کبھی کبھی دوسروں کی یعنی جو اپنے ہم جنس ہیں ان کی تحقیر معلوم ہوتی ہے اور افسوس معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور کے دربار میں حاضر ہونا نصیب نہ ہوا۔

تحقیق: اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر لیا جاوے کہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ مہربت الہیہ ہیں اگر وہ چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کر لیا جاوے کہ اگر چہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہیں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحقاق کے بعد جو مورد رہ جائے گا وہ عجیب نہ ہو گا یا تو فرحت طبعی ہوگی۔ جو مذموم نہیں اور یا شکر ہو گا جبکہ منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔  
(ماخوذ النور صفر ۱۳۵۴ھ و ترمیت السالک حصہ دوم)

## خود بینی و بد بینی کا علاج

حالہ: جملہ حالات باطنہ قابل شکر ہیں کسی مرض کی شکایت نہیں مگر دو عارضوں کی جرمنوز قلب کے اندر بخوبی باقی ہے جس سے گاہ گاہ جمعیت میں پورا خلل واقع ہو جایا کرتا ہے ایک تو بر خویش خود بینی اور دوسرے بر غیر بد بینی، بس اب صرف دو کدورتوں سے نہایت تنگی رہتی ہے اور میری تدبیر ان میں بخوبی کارگر نہیں ہوتی لہذا اب حضرت والا سے رجوع کرتا ہوں۔ امید کہ اس خلش کی بیخ کنی کے لئے دعا و توجہ فرمائی جاوے گی اللہ تعالیٰ آنحضرت قبلہ کو اس کا اجر عطا فرمادیں آمین۔

تحقیق: انسان نہ اس کا مکلف ہے کہ ذمائم کا مادہ ہی فنا ہو جائے اور نہ اس کا

مکلف ہے کہ ان کا دوسو سو بھی نہ آوے، بلکہ صرف اس کا مکلف ہے کہ اس کا تعدد نہ کرے اور اس کے تقضاً پر عمل نہ کرے، اسی پر مداومت کرنے سے اس کا مادہ بھی اور دوسو سو بھی ضعیف و کالعدم ہو جاتا ہے البتہ ذکر مطلقاً اور مراقبہ اپنے عیوب کا اس ضمن حال میں معین ہوتا ہے۔ عمل کر کے اگر ضرورت سمجھی جائے پھر اطلاع دی جائے۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۲۸۰)

## حقیقتِ شہوت

خلاف شریعت امور کو پسند کرنا شہوت یا خواہش نفسانی ہے اس کا جو اعلیٰ درجہ ہے یعنی کفر اور شرک وہ تو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے اور جو ادنیٰ درجہ وہ کمال اتباع سے ڈگر گا دیتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

اول۔ بدعت، جو علوم اور عقائد سے متعلق ہے۔

دوسری۔ معصیت، جو اعمال کے متعلق ہے اور

تیسری قسم رائے جو احکام تکوینیہ کے متعلق ہے، اور ہر ہوا (یعنی خواہش نفسانی)

میں یہ خاصیت ہے کہ راہِ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ  
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الآیۃ)

یہ تم کو اللہ کے راستہ سے بے راہ کر دے گی

خواہش نفسِ اسی بری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی حد یا معصیتیں

میں جملہ اشرار کی جڑ اگر ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے یہی روکنے کی چیز ہے دیکھئے اگر نفس

کو روکا نہ جائے تو کیا انجام ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سب نے سمجھا ہے۔ حتیٰ کہ حاکم جس کو مذہب

سے علاوہ بھی نہیں بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے جن افعال سے

روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعثِ مفسرت

ہیں۔ دنیاوی مصالحتوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھئے کیا ہو۔ ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے، چوروں کو چوری کرنے دے، زبردستوں کو زیر دستوں پر ظلم کرنے دے۔ غرض ہر شخص کو مخلی بالطبع کر دے کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہوگی۔ قانون کیا ہے مالک کے احکام کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے۔ فرض کر دو کسی کو روپے کی ضرورت ہے کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہو اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اجازت دینے میں کوئی ایسی مضرت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جاتا اسی طرح دنیوی انتظاموں کو دیکھ کر یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے کی چیز ہے۔

دیکھئے نافرمانی ہوتی کیوں ہے۔ اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ منجملہ افراد خواہش نفسانی کے ہوگا۔ فرض کیجئے نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہو کہ غنیمت آ رہی تھی عشاء و کا وقت ہوا مگر آرام میں حلال گوارا نہ ہوا، سو کر صبح کر دی آرام اور تن پڑی خواہش نفسانی ہی ہے۔ تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی کسی دوسرے کام میں لگا ہوا ہے اس کے ادھورا رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور نماز میں تاخیر کر دی یہ جب مال ہے کہ منجملہ خواہشات نفسانی ہے اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جب ہی ہوگی کہ دوسری طرف توجہ ہو۔ توجہ کا ایک طرف نہ رہنے دنیا بھی نفس ہی کی خواہش سے ہوتا ہے غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس کے اندر بھی کچھ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ  
شریعت کا اتباع کیجئے اور ان جاہلوں

الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الجمہور) کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔

اس آیت میں یہ بتلادیا کہ جو شریعت کے مقابلہ میں کام ہوں وہ خواہشیں اور ہوائے نفسانی ہیں لَا يَعْلَمُونَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہاں مطلق علم کی نفی کر دی کہ خواہشات اس لئے مذموم ہیں کہ وہ ایسوں کا فعل ہے جو بالکل جاہل ہیں :  
طریق کار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

لا یومن احدکم حتی  
کوئی شخص ایماندار نہیں ہوتا جب تک  
یکون هواہ تبعالما  
کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ  
جئت بہ (الحديث)  
ہو جائے جس کو حق تعالیٰ کے پاس سے۔

لایا ہوں یعنی شریعت

لہذا ہمہ تن اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع بنائیں عقائد ہوں تو شریعت کے موافق اور اعمال اخلاق معاشرت و معاملات کی اصلاح کریں کہ سب شریعت کے تابع ہوں اور ہر چیز میں خیال رکھیں کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں جب اس پر کوئی محافظت کریگا تو ممکن نہیں کہ معصیت اس سے سرزد ہو سکے۔ تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے۔ ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کریں کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں۔ اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیں کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت ہے۔ پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جائیں اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھیں نفس کو خواہشات سے روکیں۔ مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادے اور سبب کو قطع کیا جائے جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی نہ رہے گا جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ (کی منشا) کے خلاف تو نہیں اور یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر نیز اس کے ترک کے لئے خوف معین ہے اس لئے خوف الہی کی تحصیل ضروری ہے  
(شریعت و طریقت)

## عشق مجازی

بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصداً عشق مجازی پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے مراد اس سے عشق حلال ہے نہ کہ حرام کیونکہ معصیت تو موصل الی اللہ ہو ہی نہیں سکتی اور جو اس مشورے سے غرض ہے وہ عشق حلال مثلاً اولاد، بیوی وغیرہ سے کبھی حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ عشق میں گو وہ مجازی ہو یہ خاصیت ضرور ہے کہ اس سے قلب میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے باقی تعلقات قلب سے دفع ہو جاتے ہیں اور خیال میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اب صرف ایک کام رہ جاتا ہے کہ اس تعلق کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر دیا جائے تو بہت آسانی سے قلب فارغ ہو جاتا ہے، غرض اصل مقصود ترک تعلقات یا قلب میں سوز و گداز پیدا کرنا ہے مگر چونکہ اس زمانے میں اس طریق میں خطرہ شدید ہے کیونکہ نفس میں شہوت پرستی اور لذت جوئی زیادہ ہے اس لئے قصداً ایسے طریق کا ابتلا ناجائز نہیں ہاں اگر کوئی اتفاقاً مبتلا ہو جائے تو تدابیر سے اس کا امانہ عشق حقیقی کی طرف کر دینا چاہئے اور طریقوں کا بدل جانا زمانہ کے بدل جانے سے کوئی تعجب کی بات نہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض لوگ اس کو ذریعہ قرب الہی سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اگر معصیت ذریعہ قرب الہی کا ہو تو سارے اوباش اور رنڈی بھڑوسے کامل ولی ہو کریں۔

(المتکشف)

## عشق مجازی کی مضرت سے بچنے کی ترکیب

اگر ایسا ہو کہ کوئی عشق مجازی میں مبتلا ہو جاوے تو اول عفت و پارسانی اختیار کرے یعنی کوئی امر خلاف شرع اس کے ساتھ نہ کرے حتیٰ کہ اس کو قصداً نہ دیکھے نہ اس سے باتیں کرے نہ اس کی باتیں سنے نہ دل میں قصداً اس کا خیال کرے کیونکہ شرع کی مخالفت

عشق حقیقی کے منافی ہے اور منافی کے رہتے ہوئے کب امید ہے کہ عشق حقیقی حاصل ہو۔ دوسرے اس سے ظاہراً دور ہی اختیار کر لے اس طرح کہ اتفاقاً و مفاجاً وہ بھی اس پر نظر نہ پڑے نہ اس کی آواز کان میں پہنچے تاکہ اس کے قلب میں سوز و گداز پیدا نہ ہو، اور اگر قصداً و اتفاقاً اس سے متمتع رہا تو عمر بھر اسی شغل میں رہے گا کبھی توبت نہ آئے گی کہ ادھر سے مطلوب حقیقی کی طرف توجہ ہو، تیسرے یہ کہ خلوت و جلوت میں یہ سوچا کرے کہ اس شخص کا کمال یا حسن و جمال کہاں سے آیا اور کس نے عطا کیا جب موصوف مجازی کی یہ دلربائی ہے تو موصوف حقیقی کی کیا شان ہوگی ع

پہ یا شد آن نگار خود کہ بندد این نگار یا

اس سے اس کا عشق مخلوق سے غافل کی طرف مائل ہو جائے گا یہی معنی ہیں اس قول کے کہ شیخ کامل عشق مجازی کا ازالہ نہیں کرتا، مالہ کر دیتا ہے (یعنی اس کا معرفت بدل دیتا ہے) (المتکشف)

دوسری تدابیر اس کے دفعیہ کی یہ ہیں :-

۱۔ ایک وقت خلوت کا مقرر کر کے اور غسل تازہ کر کے صاف کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر تنہائی میں رو بہ قبلہ ہو کر اول دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کے روبرو خوب استغفار اور توبہ کرے اور اس بلا سے نجات کی توبہ کرے، اور پانچ سو سے نیچے ایک ہزار مرتبہ تک **لا الہ الا اللہ** کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ لا الہ کے ساتھ تصور کیا جائے کہ میں نے سب غیر اللہ کو قلب سے نکال دیا اور **الا اللہ** کے ساتھ خیال کیا جائے کہ میں نے محبت الہی کو قلب میں جمایا یہ ذکر چہرے کے ساتھ ہو۔

۲۔ کوئی حدیث کی کتاب یا ایسے ہی کوئی کتاب جس میں دوزخ کے عذاب اور غضب الہی جو نافرمانوں پر ہو گا اس کا ذکر ہو کثرت سے مطالعہ کیا جائے۔

۳۔ ایک وقت معین کر کے خلوت میں یہ تصور باندھ جائے کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے

میدان قیامت میں حساب کے لئے کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ فرمادے ہیں کہ اے بے حیا کیا تجھ کو شرم نہیں آتی کہ ہم کو چھوڑ کر ایک مردار کی طرف ماٹل ہوا کیا تجھ پر ہمارا ہی حق تھا کیا ہم نے تجھ کو اسی لئے پیدا کیا تھا اے بے حیا ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو آنکھ کو دل کو ہماری نافرمانی میں تو نے صرت کیا کچھ شرم بھی نہ آئی۔ اسی طرح بہت عرصے تک اسی مراتب میں فرق اور مشغول رہنا چاہئے۔

تنبیہ :-

اگر ان تدبیروں سے کچھ فائدہ نہ ہو یا دیر لگے تو پریشان نہ ہونا چاہئے، اس گوشش میں اجر ملتا ہے جو اصل مقصود ہے جتنی کہ اگر اس میں جان بھی جاتی رہے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔

یعنی جو شخص عاشق ہو اور پاک دامن رہا اور اس کو چھپایا اور صبر کیا پھر وہ مر گیا تو وہ شخص شہید ہے (حدیث)

اور جو یہ مشہور ہے کہ بغیر عشق مجازی کے عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا یہ قاعدہ کلیہ نہیں خطوہ انفساتیہ اور لذات شہوانیہ حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنا رکھا ہے، اور دل کا حال تو اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے اور خود ان سے بھی پوشیدہ نہیں انصاف اور حق پرستی ہو تو سب کچھ امید ہے۔ (بو اور النوادر)

## حسن پرستی

میدان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ اور ایک محبت یعنی توجہ تقاضے کے درجے میں مادل درجہ تو امر طبعی ہے حق تعالیٰ نے مرد کی طبیعت میں میدان رکھا ہے، نہ یہ کسی تدبیر سے جاسکتا ہے اور نہ اس کے کھونے کا انسان مکلف ہے اور دوسرا درجہ اختیاری ہے۔ یعنی اختیار کو جو رد و عدم میں دخل ہے۔ انسان کسی چیز میں اتنا نہماک

کر سکتا ہے کہ اسی کا ہو رہا اور کسی چیز سے اتنا پتہ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نذر ہے جب یہ اختیار ہی ہے تو انسان اس کا مکلف بھی ہے۔ (بوادر النواذر)

شہوات دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال ہیں ٹٹاٹ کا پڑھ اگر زانی نہ ہو تو کیا کمال ہے۔ انہا نظر بد نہ کرے تو کیا کمال ہے۔ بلکہ کمال تو یہ ہے کہ حسن کا ادراک ہو اور اس کی طرف طبیعت کا بھی میلان ہو۔ پھر بھی تا محرم کو نظر اٹھا کر نہ دیکھے کشش و میلان کا بالکل زائل ہو جانا تو عادتاً غیر ممکن ہے البتہ تدابیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت میں تکلیف نہیں ہوتی اور وہ تدبیر صرف اس میں منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے تقاضے کی مخالفت کی جلتے خواہ کتنی ہی کلفت ہو۔ اس کو برداشت کیا جاتے۔ اسی تدبیر سے کسی کو جلدی اور کسی کو دیر میں طبیعت کے اختلاف کے موافق کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور رکنے کے لئے ہمیشہ قصد و ہمت کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں آسانی کے ساتھ کامیابی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ توقع رکھنا محض آرزوئے خام ہے۔ مگر یہ خارق ہو تو اور بات ہے۔ اس اصل سے تمام قطریات میں کام لینے سے پریشانی بالکل کافور ہو جاتی ہے (کمالات اشرفیہ)

شہوت رانی میں جب اس پر عمل کیا جائے لذت آتی ہے اور بعد میں بھی لذت رہتی ہے۔ اس تقاضے کو پورا کرنے کے بعد کچھ کوفت نہیں ہوتی۔ اگر کسی کو روحانی کوفت ہو تو ہو سکتی ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں۔ عام حالت یہی ہے کہ شہوت رانی کے بعد چسکا پڑ جاتا ہے۔ پہلے سے زیادہ آگ بھڑک جاتی ہے، گوتھوڑی دیر کے لئے سکون مل جاتا ہے اور شہوت بالنسب سے بھی زیادہ شدید شہوت بالانار دہ ہے۔ آج کل اُردوں سے ابتلا بہت عام ہو رہا ہے۔ یہ نعل



حرام ہونے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ شہوت سے پاک صفات ہیں مگر ان میں اکثر نظر بد کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حالانکہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے۔ اس میں بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں۔ حالانکہ نظر فعل کا مقدمہ ہے اور فقہ کا مسلہ ہے کہ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہے۔ اس لئے نظر کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے۔ (وعظ الاکمال فی الدین)

### معالجہ

یہ بد نظری کا گناہ ایسا ہے کہ اپنے اثر سے تمام طاعات کے نور کو تاریک کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج اہتمام سے کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ مادہ خلقی ہے پس وہ شر نہیں بلکہ اس میں بہت سے مصالح ہیں۔ البتہ اس مادے کے نقصان پر عمل کرنا ضروری ہے اور وہ اختیاری ہے، اور اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہے پس فعل سے رکنا اختیاری ہوا۔ اس میں کوئی معذوری نہیں۔ یہ خیال کرو کہ اگر اس عورت کے شوہر کو اس خیال کی اطلاع کر دوں تو کتنی رسوائی ہو تو حق تعالیٰ تو بے کھے مطلع ہیں۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ اس ارادہ کو دیکھ رہے ہیں اور اسی سلسلہ میں جہنم کے عذاب کا بھی تصور کرے یا نفس سے یہ کہے کہ جس طرح تو مجھے دوسری عورتوں سے مزا حاصل کرنے کو کہتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص میری بیوی سے مزا حاصل کرنا چاہے اور مجھے اس کا علم ہو جائے تو میں اس حالت میں کیا کروں گا۔ ظاہر ہے کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاؤں گا۔ اسی طرح کیا دوسروں کو غیرت نہ آئے گی، کہ اگر ان کو خیر ہو جائے تو وہ بھی مجھے مار ڈالیں۔ ہر طرح کا نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جائیں اور کسی رسوائی ہو۔ پھر جہنم کا نقشہ پیش نظر کر لے۔

بغیر بہت کے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل علاج نظر بد کا یہی ہے کہ جس وقت ایسا

موقع ہوا کرے یہ خیال کر لیا جائے کہ حق تعالیٰ اس وقت اس کو دیکھ رہے ہیں اور قیامت میں بھی باز پرس کریں گے۔ اگر سزا کا حکم فرمادیا تو پھر کیا گزرے گی۔ بار بار اس خیال کو مستحضر کرنے سے انشاء اللہ تعلقے کا میاں بی ہوگی۔ پس ہمت کرو۔ یہی اس کا علاج ہے۔ کچھ روز تو ضرور تکلیف ہوگی۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ عادت ہو جائے گی اور پھر اس میں جو لذت و فرحت ہوگی اس کا اندازہ کیا کیا جاسکتا ہے (انفاس غسیلی)

### رغبت اضطراریہ الی الاجنبیہ کا علاج

حالت: ایک صاحب نے غیر محرم کی طرف شدید رغبت کا ہونا تحریر کیا جس پر ارشاد فرمایا:

تحقیق: رغبت اضطراریہ الی الاجنبیہ پر مواخذہ نہیں بلکہ مواخذہ قصد پر ہے اگر عدا کسی امر دیا عورت کی طرف توجہ کرے گا تو گناہ ہوگا۔ اس کا علاج بے لطفانی برتنا اور توجہ الی اللہ کرنا ہے۔ اگر یہ تدبیر ظاہراً کافی نہ معلوم ہو تب بھی چاہئے کہ غم نہ کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح رفتہ رفتہ ایک دن دفع ہو جاوے گا، اور اگر عمر بھر بھی دفع نہ ہو تو اس تدبیر کرنے کے بعد سبکدوش ہو گئے۔ اب تم کو ہر خیال سے کچھ ضرر نہیں بلکہ نافع ہوگا کیونکہ تم مجاہد سے میں مشغول ہو چنانچہ حدیث میں: من عشق نعت و کتم نجات فهو شهید یعنی جو کسی پر عاشق ہو گیا پھر اس نے عنیت اختیار کی اور اپنے عشق کو چھپایا وہ شہید ہے عفت کی قید میں عفت جو ارج و عفت قلب سب داخل ہیں اور عفت قلب سے مراد وہی ہے کہ بالاضتیاً اور بالقصد خیال نہ لائے اور شہید ہونا بھی عقلاً ظاہر ہے کہ جب تپ دق کاغلا ہوا شہید ہے تو تپ عشق کا بار تو ضرور رہی شہید ہوگا کیونکہ حرارت جنی (بخار کی حدت ہتے حرارت عشق اشد ہے۔ ۱ اثر الف سوانح)

## بد نظری کی شکایت پر دعا کی درخواست

حال : (فلاصہ سوال) ایک طالب علم نے جو زیر تربیت ہیں کچھ حوادث سے پریشانیاں اور کچھ بد نظری کی شکایت لکھ کر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی، اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شے حسین کو دیکھنے کو طبیعت میں اس قدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود سچی نظر کر لینے کے پھر نظر اٹھ جاتی ہے، حالانکہ حضرت والا کے فرمان کے بموجب عذاب دوزخ وغیرہ کو سوجھا ہوں مگر طبیعت کچھ ایسی مجبور ہوتی ہے جس کا رکنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی دل کو پکڑ کر ابھارتا ہے۔ حضرت والا کیا کروں نہایت ہی اس فعل بد سے مجبور ہو گیا ہوں جس پر خط کھینچ دیا گیا ہے اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا۔

تحقیق سے : خط حرقاً حرقاً پڑھا پڑھا غیر اختیاری مصائب پر تو اجرتا ہے ان کے ازالہ کی بھی دعا کرتا ہوں لیکن مصائب اختیاریہ یعنی معاصی پر نہ اجرتا ہے اور نہ اس کے ازالہ کی دعا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ازالہ تو خود عیب کا فعل ہے۔ اس دعا کی تو یہ مثال ہے کہ اے اللہ فلاں شخص فلاں کھانا کھانے لگے۔ فلاں کھانا نہ کھا دے۔ اس دعا کے کیا معنی البتہ توفیق کی دعا ہو سکتی ہے وہ بھی جبکہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصہ ہمت ہے اور اس کے متعلق جو غلط شیدہ و خبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے۔ سو چونکہ اگر ایسے موقعے پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اس وقت تم ایسی بے حیائی کر سکتے ہو؟ اگر کر سکتے ہو تو تم علاج ہو اور اگر نہیں کر سکتے تو مطلقاً ہو کہ نظر از خود نہیں اٹھتی نہ مجبوری ہوتی ہے نہ رکنا شاق ہوتا ہے نہ کوئی ابھارتا ہے۔ سب کچھ تم ہی کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ہی بیہودہ ہے۔

(ماخوذ از نور رمضان ۱۳۵۲ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۴۲)

## حُسن کا دیکھنا اختیاری ہے

حَال : حضرت نے دریافت فرمایا ہے کہ حُسن کا دیکھنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری جو اباً عرض ہے کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر استعمال اختیار و شوار معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق : کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہو جاتی ہے یا سانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

## بد نظری کا علاج

حَال : چلتے پھرتے کسی لڑکے یا کسی عورت کی طرف نظر پڑ جاتی ہے تو بندہ اس وقت نظر کو فوراً ہٹا لیتا ہے اب حضرت والا سے یہ دریافت کرنا ہے کہ نظر اول معصیت کا سبب ہے یا نہیں۔

تحقیق : اس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر حد و ث میں قصد نہ ہو تو اس کے بقا میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر البقاء میں بھی قصد نہ ہو تو اس نظر سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اس کے بقا یا اس کے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔  
(ماخوذ النور جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ - تربیت السالک جلد دوم ص ۱۴۸)

## گانے بجانے کی طرف میلان ہونے کا علاج

حَال : ایک مرض لکھتا ہوں وہ یہ کہ اگرچہ گانے بجانے کو عقیدتاً بُرا جانتا ہوں مگر گانے اور باجے کی طرف میری طبیعت کو بہت کشش ہوتی ہے چلتا رہتا ہوں تو سن کر رک جاتا ہوں پھر کچھ خیال آتا ہے تو آگے بڑھ جاتا ہوں۔ یہاں مسجد خانقاہ میں بھی شب کو

جب کوئی اچھے کھن سے ذکر کرتا ہے تو میں خود اپنا بھول جاتا ہوں۔ کبھی کبھی کسی بالنسری بجانے والے کو بلوا کر بالنسری بھی سنی ہے۔ ہدایت فرمائیے۔

تحقیق: کشش و میلان کا بالکل زائل ہو جاتا تو عادتاً ممنوع ہے البتہ تدبیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت ضعیف نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف اس میں منحصر ہے کہ عملاً اس مقتضی کی مخالفت کی جاوے۔ گو کلفت ہو اس کو برداشت کیا جاوے۔ اسی سے کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علی اختلاف الطبائع اس کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور کف کے لئے قصد و ہمت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں سہولت کامیابی ہو جاتی ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۳۷)

## حقیقتِ ریاء

ارشاد: اللہ تعالیٰ کی طاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو جائے (ریاء کہلاتی ہے) اس کی حقیقت ارأءة الخلق للغرض الدنیوی ہے یعنی عبادت کا اظہار کسی دنیوی غرض سے کیا جاوے، یا کسی فعل مباح کا اظہار کسی معصیت کی غرض سے کیا جاوے۔ اگر عمل میں دنیا ئے فاسد یعنی معصیت کی نیت ہو تو وہ یقیناً ریاء ہے اور اگر دنیا ئے مباح کی نیت ہو تو اگر عمل دنیوی ہے تو وہ ریاء نہیں اور اگر عمل دینی میں ہے تو وہ بھی ریاء ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

ریاء کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت و منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہو گیا کہ رضائے خلق اور حصول منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے۔ (تبلیغ

## طاعات میں رضائے خلق کا مقصود ہونا چاہیے

حالت: حضرت کے مواعظ میں سے کبھی اگر اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کوئی بات کرتا ہوں تو دل میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ زیاد ہے چونکہ اپنے نفس میں ریا کا احساس ہے ہر وقت یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ جو کچھ کہتا ہے وہ میرے افعال کے خلاف ہے دل ہی دل میں طے کر لیتا ہوں کہ آئندہ نہ کروں گا۔ لیکن ریا کا اس درجہ غلبہ ہے کہ پھر شروع کر دیتا ہوں اور یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ گویا خلاف منصب و عظم گونی ہے جو کہ میرے لئے مضر ہے اس کا جو مناسب علاج ہو تجویز فرمایا جاوے۔

حقیقت: ریا ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضائے خلق بذریعہ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے۔ جب اس کا قصد نہ ہو وہ ریا ہی نہیں۔ اگرچہ وہ ہم ریا ہو وہ ہم ریا ہو سو ریا ہے جس پر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جاوے (ماخوذ النور جہادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۶۱)

## ریا کے خیال سے نیت کا بدلنا معتبر نہیں

سوال: ایک طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں منہروف ہوتا ہوں، اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر و بیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کریں مجھے اتنا یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریا ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ انسان کیا چیز ہے جو اس کو دکھلا کر کام کریں۔ فوراً اپنی نیت کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریا ریا نہ رہے گی۔

جواب: تحریر فرمایا کہ مسیر امتداع اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح نیت اس شخص کے نزدیک مقصود بالذات نہیں مقصود

بالذات تحسین عمل للخلق ہے اور یہ صحیح نیت اس تحسین کا آلہ، تاکہ غائلہ ریاسے بھی بچا رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جاوے، تو جس اخلاص سے تحسین ریاسے مقصود ہو وہ مقدمہ ریاسے ہونے کے سبب ریاسے ہی ہے۔ اس صورت میں ریاسے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اس خطرے کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے، اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے مجھے معلوم نہیں کہ دوسرے اطبائے باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنی رائے پر قائم ہوں۔ ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں۔ (اشرف السوانح)

### ریاسے میں قصد کو بدل لینا کافی نہیں بلکہ اس کا استحضار ضروری ہے

حال: ریاسے اختیاری ہے لہذا اس کا علاج بھی اختیاری ہوگا مثلاً کسی کام میں ریاسے کا قصد ہو تو اس میں اس قصد کو بدل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا قصد کر لوں گا۔ اگر ریاسے خارج ہونے اور خلوص حاصل کرنے کے لئے یہ کافی ہو تو اور علاج کی ضرورت نہیں یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

تحقیق :- یہ طریقہ صحیح اور کافی ہے مگر محض اس کا جانتا اور اس پر قدرت ہو جانا کافی نہیں۔ اکثر اہل طہریٰ کو یہ دھوکا ہو جاتا ہے، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ مدت دراز تک اس کا استحضار اور اس کا استعمال رہے تاکہ اس میں رسوخ اور تکین ہو جائے۔ اور ریاسے حدیث النفس میں بھی نہ رہے واصلہ قولہ تعالیٰ فی الانفاق۔ و مثل الذین ینفقون اموالہم ابتغاء مرضات اللہ و تثبتا من انفسہم۔ فعلم ان التثبیت مطلوب مع تحقق الاخلاص فی النیۃ۔

# آفات سانی

## گالی دینا

حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے جو شخص کسی شخص کو عیب لگانے کے لئے ایسی بات کہے جو اس میں نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں اس وقت تک روکے رکھیں گے جب تک وہ اپنے کہے کی سزا نہ بھگت لے۔

## لعنت کرنا

لعنت کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور یا غضب و قہر میں مبتلا یا دوزخ میں کہنا۔ یا بطور بددعا کے یہ کہنا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے یا اس پر غضب الہی نازل ہو۔ یا دوزخ میں جائے وغیرہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص پر لعنت کی جاتی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو یہ لعنت اس کہنے والے پر لٹتی ہے، اور فرمایا مومن پر لعنت کرنا ایسا ہے جیسے اس کو قتل کر دیا۔ (بخاری مسلم۔ ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ۔ شریعت و حلالیت ص ۱۸۳-۱۸۴)

## دل لگی و تمسخر کرنا

قرآن کریم میں حکم ہے۔

لَا يَسْخَرُونَ مِنْ دِينِ قَوْمٍ  
عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ  
وَلَا يَسَاءُ قَوْلُنَا لِجُنُودِ  
عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مِنْهُمْ

کوئی جماعت کسی جماعت کے ساتھ تمسخر نہ کرے  
شاید وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔  
اور عورتیں عورتوں سے تمسخر نہ کریں شاید وہ  
ان سے بہتر ہوں۔



تمسخر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی اہانت و تحقیر اور اس کے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے جس سے لوگ ہنسیں یا دل لگی کرنا جس سے دوسرے کو ایذا پہنچے اس میں بہت سی صورتیں داخل ہیں مثلاً۔

۱۔ کسی کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، بولنے ہنسنے وغیرہ کی نقل اتارنا یا قدامت یا شکل و صورت کی نقل اتارنا۔

۲۔ اس کے کسی قول و فعل پر ہنستا۔

۳۔ آنکھ یا ہاتھ پیر کے اشارے سے اس کے عیب کا اظہار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں آخرت میں ان کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس کی طرف بلایا جائیگا جب وہ سرکتا سکتا وہاں تک پہنچے گا تو بند کر دیا جائے گا اسی طرح برابر جنت کے دروازے کھولے اور بند کئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائے گا اور بلا پر دروازہ جنت کی طرف نہ جائے گا۔

## چغلی خوری

کسی کا عیب یا ایسا قول و فعل جس کو وہ چھپاتا چاہتا ہو، دوسروں پر ظاہر کرنا چغلی ہے۔ چغلی کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر اگر وہ عیب واقعی اور صحیح بات ہے تو صرف چغلی کا گناہ ہوگا اور اگر واقعے کے خلاف ہے یا اپنی طرف سے اس میں کمی یا زیادتی کی یا بڑے عنوان یا بڑے طرز سے نقل کیا تو افتراء اور بہتان بھی ہے جو مستقل کبیرہ گناہ ہے اور جس کی طرف سے چغلی کی گئی ہے اگر اس کے کسی عیب کا اظہار بھی ہے تو غیبت بھی ہے جو تیسرا گناہ کبیرہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چغلی لے کر ادھر سے ادھر جلتے ہیں

جو دوستوں میں باہم فساد ڈلاتے ہیں اور جو بے قصوروں کے عیب ڈھونڈتے ہیں،  
بدترین انسان ہیں اور شرمایا کہ چنانچہ رحمت میں نہیں جائے گا اور جہلی عذاب قبر ہے  
(شرعیات و طہارت ص ۱۸۶)

## مدح سرائی

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول  
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی۔ مطلب یہ  
ہے کہ اس کے نفس میں خود پسندی اور بڑائی پیدا کر کے اس کو ہلاک کر دیا (دوسرے)  
نفس اپنی تعریف سن کر بھولتا ہے اور اعمال خیر میں سُست پڑ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا  
ہے کہ مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف  
کی جائے اس لئے کہ مدوح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے،  
حالانکہ یہ اس کی ہلاکت و تباہی کی جڑ ہے۔

اکثر دنیا دار مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ مالدار اور صاحب جاہ لوگوں کی تعریف  
کرتے ہیں (اس میں) اکثر باتیں ایسی بیان کی جاتی ہیں جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں یہ  
صریح جھوٹ اور کبیرہ گناہ ہے۔ (شرعیات و طہارت ص ۱۸۶)

## کذب (جھوٹ)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الدُّوَسِ اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ ہمیشہ سچ بولو اور جھوٹ مت بولو۔  
(متفق علیہ)

خلاف واقعہ بات کہنا کذب ہے بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور سنی سنائی  
 بات کو بدوں تحقیق کے فوراً زبان سے نکال دینا بھی گناہ ہے۔ (انفاس عیسیٰ)  
 کفی بالمرء کذباً ان یحدث  
 بکل ما سمع  
 آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے  
 کہ جو بات سُنے بیان کر دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنے سے بچو کہ جھوٹ اور مجبور  
 ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں جہنم میں ہیں اور شرمایا جھوٹی شہادت تین مرتبہ بشرک  
 کے برابر ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے  
 خواب دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا زبور  
 ہے (چٹے کے مانند ایک آلہ جس کے اگلے سرے مڑے ہوئے ہوتے ہیں) اور اس بیٹھے ہوئے  
 کے گلے کو چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے۔ پھر وہ کلا درست ہو جاتا ہے  
 پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی (حضرت جبریل علیہ السلام)  
 سے پوچھا تو کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے  
 (یعنی قبر میں عذاب ہوتا رہے گا۔ (نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ بہشتی زیور جلد اول)

## جھوٹ کا علاج

سوال: ایک طالب علم نے حضرت والا کے اس استفسار پر کہ جھوٹ اختیار سے  
 بولتے ہو یا بالاضطرار، یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیار ہی لیکن کثرت نہماک  
 سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے۔ حضرت اس کا علاج فرمادیں۔

جواب: حضرت والا نے پھر جواب تحریر فرمایا کہ حیب ہمت و اختیار سے  
 چھوڑ دو گے اور یہ تکلف اس کی عادت کر لو گے تو اسی طرح عدم صدور اضطراری جیسا  
 ہو جائے گا۔ یہی علاج ہے۔ (اشرف السوانح)

## روکھی یا کرخت بات کرنا

حالت: ایک یہ ہے کہ گفتگو نرم اور شیریں نہیں ہوتی۔ روکھی سمخت اور کرخت ہو جاتی ہے جس سے دوسروں کو اذیت یقیناً پہنچتی ہوگی خواہ کسی معاملے میں یا ویسے۔ جی یوں چاہتا ہے کہ گفتگو ایسی ہو جائے جس سے سنتے والے کو دلچسپی اگر نہ ہو تو کم سے کم اذیت بھی نہ ہو۔ طبیعت حاضر جواب نہیں، اس لئے فوراً جواب نہ سوجھنے کی وجہ سے لہجہ یا آواز سمخت ہو جاتی ہے، ورنہ روکھے تو ہو ہی جاتے ہیں۔ اس کا احساس اور ندامت ہے مگر تہمید یا شاد ہو تو یہ رفع ہو۔

تحقیق: ایسے امور میں اکثر عادت اور فطرت کا خلط ہو جاتا ہے اور اس لئے ایک پر دوسرے کا اشتباہ ہو جاتا ہے۔ تدبیر سے عادت کی اصلاح ہو جاتی مگر فطرت باقی رہتی ہے۔ اچیاناً اس کو عادت سمجھ کر علاج کو ناکام سمجھا جاتا ہے یا اچیاناً عادت کو فطرت سمجھ کر اس کا علاج بھی نہیں کیا جاتا ہذا ضرورت ہے کہ معالجہ سب کا جاری رکھا جائے جو جزو مضمحل ہو جائے شکر کرے اور اس میں استقامت کی سعی رکھے اور جس میں اضمحلال نہ ہو اس میں فطری ہونے کا احتمال سمجھ کر مایوس نہ ہو اور اس میں بلا انتظار اضمحلال کے اس کے مقتضایاً پر عمل نہ کرنے پر اکتفا کرے یہ سب تہمید تھی۔ اب تدبیر لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس خصالت کے مضار کا وقت پر استحضار رکھے اور بہ تکلف عمل میں اس کی مقاومت کرے اور اس پر استمرار رکھے اس سے کسی جزو میں اضمحلال ہو جاوے گا اور کسی میں تکلف کی ضرورت رہے گی جس پر قدرت یقینی ہے اور اس تکلف کی سہولت کے لئے دعا بالخاصہ موثر ہوگی۔

(ماخوذ النور ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۷۷)

## فضول گوئی کا علاج

سوال : ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اس کا سبب یہ لکھا کہ جب کوئی مجھ کو خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اس میں بہت باتیں کرتا ہوں یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک زہت پہنچ جاتی ہے اور جب تک یہ زہت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا۔

جواب : علاج تخریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا۔ اس کا علاج اس جوش کا کم کرنا اور اس خوشی کو اس کی ضد یعنی فکر و غم سے مغلوب کرنا ہے۔ اور سب سے زیادہ فکر و غم کی چیز موت ہے اہوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ و محشر و صراط و عقوبات معاصی (گناہوں پر عذاب) پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کر لیا جاوے۔ اگر ویسے استحضار ضعیف نہ ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لیکر مطالعہ شروع کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ فوراً اقلوت میں جا کر مراقبہ یا مطالعہ کر لیا جائے اس کا علاج تو فوراً ہو جائے گا۔

پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبے سے تکلیف ہوتے لگے تو رحمت و رجا کی حدیثوں کو مستحضر کر لیا جائے۔

پس اعتدال ہو جائے گا اور اصل خوشی رہ جائے گی جو مامور بہ ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمۃ اللہ فبذلک فلیفرحوا۔

اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے۔

لَا تَفْرَحُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ۔

(امثرت السواخ)

## زبان پر قابو نہ ہونے کا علاج

حالت : مجھ میں ایک زمانے سے یہ مرض ہے کہ حق بات بولتے یا صاف کہتے میں سختی ہو جاتی ہے اور اس سے لوگوں کے قلب کو تکلیف ہو جاتی ہے کوئی تو بالکل رنجیدہ ہو جاتا ہے اور کوئی وقتی طور پر رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو بڑی کلفت ہوتی ہے کہ بیکار ایک شخص کے دل کو تکلیف پہنچی۔ بسا اوقات تو اس شخص سے معافی چاہتا ہوں مگر اپنے قلب کو ایک رنج رہتا ہے کہ ایک شخص کو تکلیف دی۔ بسا اوقات نماز کے بعد دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو زبان پر قابو دے دیں تاکہ زبان سے فضولیات نہ نکلیں۔ حضرت والا کہ بہت زمانے سے اس مرض کا حال لکھتے کو تھا مگر کل مجلس میں بعد ظہر جو حدیث حضرت والا نے مَنْ تَسَلَّمَ الْمُسْلِمُونَ كِيَرِيَانٍ فَرَمَانِي تَوَاطَا مَرَضٌ يَأْتِي بِأَدْمِغِيَا جَسُورٍ سَيِّدِ بَسْتِ الْجَابِ بِهٖ كِهٖ اس مرض کا جو مناسب علاج حضور تجویز فرما دیں اس پر عمل کروں۔

تحقیق : چند روز اس کا التزام کر لیا جائے کہ کسی کو بالکل ہی نصیحت نہ کی جائے اور یاد رکھ کر ہمت سے اس پر عمل کیا جائے۔ چند روز ایسا کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ اعتدال پیدا ہو جائے گا اور اگر کوئی موقع نصیحت کا ایسا ہو کہ آپ کے علم میں فوراً ہی کہنا واجب ہو تو کسی دوسرے شخص کے واسطے سے کہہ دیا جاوے تاکہ واجب فوت نہ ہو۔ (ماخوذ از انوار ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۶۸)

## لغو عمل کی بے برکتی

فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور اختصار کے گناہ تک قریب ہو گیا ہے۔ مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آکر بلا ضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں

جگہ کب جائیں گے۔ اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے قلب پر گرانی ڈالنا خود معصیت ہے۔ اگر سوال کرنے والا مخلص ہو جب بھی مجھ پر گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی نفی کا کیا حق ہے غرضیکہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں جس کی سرحد معصیت سے زہلی ہو۔ بس لغو اور فضول ابتداءً تو مباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے۔  
(اشرف السوانح)

## ذکر اللہ سے لغو مجالس کا تدارک

فرمایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے، یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر رسول بھی کر لیا کریں اس کی قربت حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

قَالَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمَّ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لِيَذْكُرُوا اللَّهَ فِيهِ  
وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَيَّ نَبِيَّهُمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةٌ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبْتُ بِهِمْ فَإِنْ شَاءَ  
عَفَرْتُ لَهُمْ (ترمذی)

یعنی جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کرو۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ  
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یہ جملہ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر رسول دونوں کو علمائے لکھا بھی ہے کہ یہ  
کفارہ مجلس ہے۔ (کالات اشرقیہ)

## غیبت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

وَلَا يَغْتَبُ بَعْضُكُم بَعْضًا الْآيَةُ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منسرایا :-

الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا غیبت زنا سے سخت تر ہے۔

(وعن التسدي للغير ص ۹)

کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو اگرچہ وہ بات اس کے اندر ہی موجود ہو، اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے تو وہ غیبت سے بڑھ کر بہتان ہے۔ اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے، مثلاً آنکھ دبا کر دیکھنا۔ لنگڑا کر چلنا بھی (غیبت ہے) بلکہ یہ زیادہ بُرا ہے۔

غیبت کا مذموم ہونا (قرآن اور حدیث سے) ظاہر ہے، اس کی مضرت دین و دنیا میں ہے۔ دنیا کی مضرت تو یہ ہے کہ اس سے باہمی تشویش و نا اتفاق ہوتی ہے آپس میں فساد ہو جاتا ہے اور دین کی مضرت یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو مل جائیں گی جس کی غیبت کی تھی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت حق العبد ہے جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا۔ (تعلیم الدین ص ۱۰۲)

## غیبت کا علاج

حالت: حضرت والا کے فیض اور توجہ سے غیبت وغیرہ سے بڑی حد تک بچتا ہوں لیکن بے تکلف دوستوں میں بیٹھنے کی نوبت جب کبھی بھی آتی ہے تو ضرور کسی نہ کسی کی غیبت دشکایت ہو جاتی ہے بعد میں افسوس ہوتا ہے لیکن دوسری مجلس



میں پھر یہی حرکت سرزد ہوتی ہے، اس کا علاج چاہتا ہوں۔

تحقیق: استحضار و بہت اور بعد صدور صاحب حق سے معاف کرا کر

تدارک اور یہ جزو اخیر سب اجزاء سے زیادہ ضروری اور موثر ہے۔

(ماخوذ النور ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ و تربیت السالک جلد دوم ص ۱۸۲)

حالت: نیز اگر کسی کی غیبت سنی ہو تو اس کا تدارک اس کے حق میں دعا کرنے سے

ہو جائے گا یا نہیں۔ نیز خود جن جن حضرات کی غیبت کی ہے اب ان کی بھلائیاں بیان

کر دیتا ہوں کہ ہر شخص میں کچھ نہ کچھ بھلائی تو ہوتی ہی ہے اور ان کے اولیائے حق میں عافیت

بھی کرتا ہوں کیا یہ معالجہ کافی ہے یا نہیں۔ اگر کافی نہ ہو تو تدارک کی سبیل ارشاد فرمائی جائے

انشاء اللہ عمل کروں گا۔

تحقیق: معتاب کے محاسن بیان کرنا مستقبل میں مستقل معالجہ ہے۔ ماضی کا تدارک

نہیں۔ اس کے لئے دعا کرنا بروئے حدیث ایک درجہ میں تدارک ہے لیکن کلیات سے

ذوقاً اس کا تدارک ہو جانا عجز من التحلل کے ساتھ مفید معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ عجز کی

بنامعتدیہ ہو اور احوط و ازجر للنفس اس حال میں یہی ہے کہ اس سے معاف کرالے

اس سے آئندہ کے لئے ایک رادع قوی ہو جائے گا۔ (ماخوذ النور۔ صفر ۱۳۶۲ھ

و تربیت السالک جلد دوم ص ۲۰۰)

## غیبت کا ایک عجیب عملی علاج

تہذیب۔ غیبت کا ایک عجیب و غریب عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے

اس کو اپنی اس حرکت کی اطلاع کر دیا کرے۔ تھوڑے دن اس پر مداومت سے

انشاء اللہ مرض دفع ہو جائے گا۔ (انفاس عینی)

## غیبت اور بسیار خوری کا علاج

حالت : دو بڑے مرض یہ ہیں، ایک زبان کا غیبت اور جھوٹ میں مبتلا رہنا دوسرے کھانا انداز سے زیادہ کھایا جانا جو بے تعداد امراض ظاہری و باطنی کا سبب ہے اس سے پہلے اپنی طرف سے کوشش کر چکا ہوں لیکن رہائی نصیب نہیں ہوئی مگر اب امید ہو گئی ہے کہ جناب کے تجویز فرمودہ علاج و دعا سے اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں گے۔ ان دو مضمونوں کے ہاتھ سے سخت مصیبت اور ہلاکت میں ہوں۔

تحقیق : اول مرض کا علاج یہ ہے کہ بے سوچے ہرگز کوئی کلام نہ کیا جاوے اگرچہ بعض اوقات یہ بھی یاد نہ رہے گا کہ سوچ کر یوں مگر خیال رکھنے سے اکثر اوقات یاد رہے گا اور رفتہ رفتہ پھر انشاء اللہ تعالیٰ ذہول نہ ہوگا پس جب سوچ کر بولا جاوے گا تو ہر کلام سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ اس کلام سے گناہ تو نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی اور دوسرا مرض اس وقت مرض ہے جب شبع یعنی میری سے بھی زیادہ کھایا جاوے اور سیری تک کھانا مباح ہے کچھ مرض نہیں، سو اگر سیری سے زیادہ کھایا جاوے تو اس کا علاج بھی وہی سوچنا ہے کہ زیادہ سے ضرر ہوگا پس اس سوچنے سے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ (تربیت السالک جلد اول ص ۱۱۴)

## غیبت کے وقت کلام سے رکنا مستحسن ہے

حالت : اس خط کے بعد (اس سے پہلے ایک خط آیا تھا) یہ حال ہے کہ اب کسی مجلس میں کسی کی نسبت کوئی ایسی بات کہنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے جو غیبت میں داخل ہو سکتی ہے تو فوراً یہ تصور ہوتا ہے کہ اس سے معاف کرنا بڑے گا۔ یہ تصور آتے ہی زبان رک جاتی ہے بسا اوقات بولنا شروع کر دیتا ہوں۔ ساتھ ہی وہ تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے اور

بجائے اس بات کے کوئی دوسری بات کہہ دیتا ہوں۔

تحقیق: عملِ احسن ہے اور اس سے احسن یہ ہے کہ دوسری بات بھی نہ کہی جاوے بلکہ خاموش ہو جائیں۔ اس میں نفس کا زجر بھی زیادہ ہے، نیز دوسروں کے لئے تمبیہ ہے، کہ جب کلام کا نامناسب ہونا مستحضر ہو جائے، اس طرح سے رک جانا چاہئے دوسری بات کی طرف منتقل ہونے میں یہ تمبیہ نہیں جو کہ نفع متعدی ہے (ترتیب السالک حصہ دوم ص ۱۸۵)

## حقیقتِ غضب و غصہ

مضمون: خونِ قلب کا بدل لیتے کے لئے جوش مارنا غضب ہے اس کے درجہ شریعت اور اخلاق کے بیان میں ملاحظہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑا پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ ایک روایت میں ہے کہ قوی وہ ہے جو غصہ کا مالک ہو یعنی غصہ پر غالب ہو یہ نہ ہو کہ غصہ کے منشا کے مطابق فوراً عمل کرے بلکہ اس کو شریعت کی تعلیم کے موافق استعمال کرے اس لئے غصہ میں جوش پیدا ہوتا طبعی امر ہے، اس میں ملامت نہیں۔ مگر انسان کو خدا تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اس کو روکنا چاہئے۔ اس اختیار کو صرف نہ کرنا انسانیت کے خلاف ہے۔ غصہ کو بھی حق تعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے انسانیت کی تربیت میں داخل کیا ہے، اس سے بہت سے کام نکلتے ہیں لیکن اختیار کو بھی ساتھ ساتھ رکھنا ہے کہ جس جگہ غصہ کا کام (شرعاً مامور) ہو وہاں کام لے اور جو جگہ غصہ کے کام کی نہیں وہاں کام نہ لے۔ (وعظ غوائل الغضب)

غصہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اقتضائے عمل کرنا اختیاری ہے اس لئے اس کا ترک بھی اختیاری ہے، اور اختیاری کا علاج بجز استعمال اختیار کے کچھ نہیں۔

گو اس میں کچھ تکلف و مشقت بھی ہو اس استعمال کی تکرار و مرادمت سے وہ اقتصاً  
ضعیف ہو جاتا ہے اور اس ترک میں زیادہ تکلف نہیں ہوتا البتہ اس اختیار کے استعمال  
میں کبھی قدرے تکلف ہوتا ہے۔

### طریق کار :-

حدیث شریف میں ہے لَا يَقْضِيَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانُ  
یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کبھی نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ ملتوی کرے  
اور تازہ تر بڑھادے یہاں حاکم سے مراد وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں  
معلم، استاد اور گھر کا مالک بھی شامل ہے۔ لہذا غصہ میں بچوں یا دیگر ماتحتوں اور کمزوروں  
کو کسی جرم پر کبھی سزا دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ غصہ فروم ہونے کے بعد سوج سمجھ کر سزا دی  
جائے اور یاد رکھیں کہ جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف  
سے ہو گا۔ یہاں تک کہ اگر کافر ذمی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں گے لہذا مزادینے کے  
وقت احتیاط لازمی ہے۔ (انفاس عسی۔ کمالات اشرفیہ)

اگر طبعی طور پر غصہ زیادہ ہو اور ذرا سی بات پر حد سے زیادہ غصہ آجاتا ہو۔  
کہ اس وقت عقل نہ رہتی ہو، تو جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فروم ہو جانے کے مجمع میں  
اس کے سامنے ہاتھ جوڑیں پاؤں پکڑیں بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھ لیں، ایک دو  
بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ قول اور فعل میں ہرگز تعمیل نہ کریں۔ یہ تکلف  
اس تقاضے کی مخالفت کریں۔ جب کہنی کوتاہی ہو جائے استغفار کریں اور اگر کسی شخص کے  
حق میں زیادتی و تجاوز حدود شرعی سے ہو گیا ہو تو اس سے معاف کرائیں۔ زبان سے  
اعوذ باللہ پڑھیں اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اگر بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور ٹھنڈے  
پانی سے وضو کر ڈالیں اور ٹھنڈا پانی پی لیں۔ فوراً کسی کام میں لگ جائیں۔ بالخصوص مطالعہ

کتاب میں۔ اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو اس شخص سے علیحدہ ہو جائیں یا اس کو علیحدہ کر دیں جیسا موقع ہو۔

### طریق علاج

یہ یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر زیادہ قدرت ہے اور میں اس کی نافرمانی بھی کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہو اور یہ سوچیں کہ بدون ارادہ خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا۔ سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیت الہی سے مزاحمت کروں۔  
(تعلیم الدین ص ۸۱)

### غصہ کا علاج

حال: احقر اپنا ایک مرض کہ وہ غصہ ہے اس کا مقتضاد پر گاہے عمل بھی ہو جاتا ہے عرض کرتا ہے یہ غصہ گاہے گھر والوں پر ہوتا ہے جبکہ وہ کسی امر میں احقر کے خلاف کرتے ہیں۔ بالخصوص جب اپنی زوجہ پر غصہ آتا ہے تو اکثر اس کے منقضی پر عمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی محکوم اور تابع ہے اور گاہے ایسے مخاطب پر بھی آتا ہے جو ظاہر اور حق بات کو تسلیم نہ کرے اور کبھی طلباً پر بھی آتا ہے جبکہ وہ سبق یاد کرنے اور مطالعہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

تحتی: غصہ کے منقضی پر عمل کرنے کا ہر درجہ مذموم نہیں مگر چونکہ اکثر درجہ مباح سے تجاوز ہو جاتا ہے اس لئے بطور علاج کے بعض درجات مباح سے بھی رد کا جانا ہے اس بنا پر ان سب صورتوں میں مشترک علاج یہ ہے کہ غصہ کے وقت کلام بالکل نہ کیا جائے۔ جب ہجیان بالکل ضعیف ہو جائے اس وقت ضروری خطاب کا مضائقہ نہیں اور اگر اس خطاب کے پھر ہجیان عود کر آئے پھر ایسا ہی کیا جائے۔ (ماخوذ از النور ذی القعدہ ۱۳۵۵ھ)

و تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۳۱

## حقیقتِ بغض و کینہ

ارشاد : جب غصہ میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہو جاتی ہے۔ اس کو حقد یعنی کینہ (اور بغض کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

اس کا منشاء غصہ ہے اور میٹھے غصہ میں ہوتا ہے اور میٹھے غصہ میں دو عیب ہیں۔ ایک عیب تو خود وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ ہے تو کینہ صرف ایک عیب نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ (عوامل الغضب)

کینہ وہ ہے جو اختیار اور قصد سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر بھی کرے۔ اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آدے اور طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباض طبعی ہے جو گناہ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کینہ پر درجہ بختا نہیں جاتا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ پیر اور جمعرات کو جب بندوں کے نامہ اعمال اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو ہر استغفار کرنے والے کی مغفرت کر دیتا ہے لیکن اہل کینہ کی بختا نہیں ہوتی۔ تیر فرمایا، ان دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی جن کے درمیان عداوت اور کینہ ہو بشرطیکہ عداوت کا منبع دنیادی امور ہوں لیکن اگر کسی مسلمان کو کسی سے دین کے متعلق خدا تعالیٰ کے واسطے دشمنی ہو تو یہ عداوت مستحسن اور قابل اجر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں الْحُبُّ لِلَّهِ وَالْبُغْضُ لِلَّهِ کا امر ہے (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۱) ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہئے جن کو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے

نا فرمان بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور ان سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ان کی صورت نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے کہ "خداوند! کسی ناسق شخص کا مجھ پر احسان نہ کرائیو۔ کہ اس کے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اس کی محبت آجائے" حُبِّ قِيِّ اللّٰهِ اور لِعِزِّ قِيِّ اللّٰهِ اس کا نام ہے اور جس مسلمان میں یہ نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ اس کے ایمان میں ضعف ہے۔ (تبلیغ دین ص ۲۶)

### طریق کامر

اپنے مخالف کو کوئی نقصان کسی سے پہنچ جائے اور قلب میں فرحت محسوس ہو تو عقلاً اور اعتقاداً اس کا استحضار کیا جاوے کہ یہ فرحت قابل دفع ہے، اور دعا بھی کی جائے کہ اس فرحت کو اللہ تعالیٰ دفع فرمائیں (اس لئے کہ) سے

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن (الفاس عینی ص ۱۱۱)

بعض اوقات کسی سے اتنا انتقام لینا جیسا کہ کسی سے کوئی رنج پہنچا ہو تو اتنا ہی کہہ دینا کہ ہاں تمہاری اس حرکت سے مجھے رنج ضرور ہے اچھا ہے۔ اس سے دل صاف ہو جاتا ہے البتہ زیادہ پیچھے پڑنا نہ چاہئے۔ (کمالات اشرقیہ ص ۴۷)

جس شخص سے کینہ ہو اس کا تصور معاف کر کے اس سے میل جول شروع کریں گو بہ تکلف بھی چند روزیں کینہ دل سے نکل جائے گا۔ (تعلیم الدین ص ۸۱)

### حقیقتِ حسد

ارشاد: کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرتا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ

اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے (یہ حسد ہے) اس کے تین درجے ہیں۔ ایک تو

کیفیت انسانیہ ہے جس میں انسان معذور ہے۔ ایک اس کے مقتضا پر عمل ہے۔ اس میں انسان ما زور (یعنی گنہگار) ہے ایک اس کے مقتضا کی مخالفت ہے، اس میں انسان ماجور (یعنی ثواب پلنے والا) ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۹)

حسد کے باعث یا تو تکبر و غرور ہوتا ہے یا عداوت و جہالت نفس، کہ بلا وجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخسل بھی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہو جائے غبطہ اور رشک کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے۔ (تبلیغ دین ص ۴۷)

### طریق کار اور علاج

حسد کا مقصود تو یہ ہے کہ محسود (یعنی جس پر حسد کیا جائے) کی عیب جوئی کریں اور بچ و غم کے گھونٹ رات دن پیئیں لہذا نفس پر جبر کریں اور قصد اس کے منشا کی مخالفت کر کے اس کی ضد پر عمل کریں یعنی محسود کی تعریفیں بیان کریں، گو نفس کو ناگوار ہو، مگر زبان پر تو اختیار ہے اس کے ساتھ نیاز مندی کے ساتھ ملاقات و کلام کریں اور اس کے ضرر پر زبان سے رنج ظاہر کیا کریں۔ اس کے سامنے بھی اور دوسروں کے سامنے بھی، اور کبھی کبھی اس کو ہدیہ دیا کریں اس سے اعراض کو دل چاہے تو اس سے ملیں اگر وہ سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کریں اس کو ابتداءً باسلام کریں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۹ - ۱۷۰)

اس کے ساتھ احسان، سلوک اور تواضع سے پیش آئیں۔ ان معاملات سے اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت پیدا ہوگی۔ پھر وہ تم سے اسی طور سے پیش آئے گا۔ اس سے تمہارے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگی اور حسد جاتا رہے گا۔ (تعلیم الدین ص ۱۷)



## کبر اور حسد کا علاج

حال : احقر قبل مغرب مصلے کے قریب بیٹھا تھا کہ ایک صاحب جو کہ یہاں سب رحمتی ہیں مسجد میں تشریف لاتے، ان سے احقر کا کچھ تعارف نہیں ہے، انہوں نے ایک اور مولوی صاحب سے مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اس پر احقر کو یہ خیال ہوا کہ مجھ سے نہیں ملے اور ان صاحب سے ملے۔ فوراً ہی اس کے معنی سمجھ میں آئے کہ یہ حسد ہے، اس پر احقر نے نفس کو ملامت بھی کی مگر عرضیہ ہذا کا مضمون لکھتے وقت یہ بھی خیال ہوا کہ شاید یہ کبر ہو، چونکہ خود کو بڑا سمجھ کر یہ خیال ہوا کہ مجھ سے کیوں نہیں ملے جو واقعہ نفس پر گذر اٹھا عرض کر دیا۔ اس پر حضرت والا ارشاد فرمائیں۔

تحقیق : احتیاطاً دونوں مرضوں کا علاج ضروری ہے۔ حسد کا اس طرح کہ محسوس کے لئے ہر نماز کے بعد دعا کی جائے اور معاملات میں اس کی تعظیم کی جائے اور مجمع میں اس کی مدح کی جائے اور کبر کا علاج بھی اس میں شامل ہو گیا۔ (یا خود النور۔ سوال ۵۹)

در تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۲۱)

## حقیقت اسراف

بے ضرورت کوئی چیز خریدنا یا خرچ کرنا اسراف ہے (دعوات عجدیت ص ۱۲۳)

اور اس کی حقیقت تجاوز عن الحد (یعنی حد ضرورت سے بڑھ جانا) ہے (مکالمات اشرفیہ ص ۴۴)

اور ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک واقعی اور ایک فرضی۔ واقعی ضرورت وہ ہے جس کے بغیر ذہنی یا دنیوی کام رک جاتے۔ یا اس میں سخت وقت یا پریشانی ہو یہ تو اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق مباح ہے اور بعض صورتوں میں ضروری بھی ہے، مگر اس کی تو انتہا ہو سکتی ہے اور فرضی ضرورت (جس کا دوسرا نام حرص ہے) ہے

کی کوئی انتہا نہیں (اس کو پورا کرنے کے لئے) دنیا میں جو بھی رقم ملی جائے گی متناہی ہوگی پھر متناہی لا متناہی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے (مطلب یہ کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی تو یہ) امرات معصیت ہے اور وبالِ آخری تو آخرت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہو گئے۔ (وعظ میرٹھ ص ۱۸)

## حقیقتِ نخل

### نخل کا علاج

حال : احقر میں عرصہ سے ایک بات یہ ہے کہ کوئی چیز کھاتا ہوتا ہوں اس وقت اگر کوئی شخص آگیا تو اس خیال سے کہ اس کو بھی کھلانا پڑے گا بہت گرانی ہوتی ہے چنانچہ بلانا بھی کم ہوں بعد میں بسا اوقات ایسے فعل سے بڑی ندامت ہوتی ہے معلوم نہیں کہ اس کا منشا کیا ہے امید ہے کہ علاج سے مطلع فرمائیں گے۔

تحقیق : جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مرداناً ضروری ہو اس میں تنگدلی کرنا نخل ہے اس کے دو درجے ہیں ایک خلافِ عقائدِ شرعیہ اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا خلافِ عقائدِ مروت اور یہ معصیت نہیں (لیکن خلافِ اولیٰ ہے) فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس مقصد کی مخالفت کی جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بات نہیں (اور اگر باوجود استطاعت کے اس پر عمل کیا تو بعض کے نزدیک یہ بھی نخل ہے اس لئے کہ) (کلماتِ شریفہ)

جو ضرورتیں انفاقاً پیش آجائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے حدیث میں آیا ہے

کہ جس مال کے ذریعہ آدمی اپنی آبرو کو بچائے وہ صدقہ ہے مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ

یہ شاعر (یا ڈوم وغیرہ) میری آبرو کرے گا اور اگر میں اس کو کچھ دیدوں تو اس کا منہ بند

ہو جائے گا، اور باوجود اس علم کے اگر اس کو کچھ نہ دیا تو وہ شخص نخل سمجھا جائے گا کیونکہ

اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔ (تبلیغ دین ص ۲۵)

## حقیقتِ حرص

توجہ اور میدانِ الی الدنیا (یعنی) قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہونا حرص ہے، اگر اس توجہ کو کسی دوسری طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی الدنیا نہ رہے گی۔ پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جاوے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی اور اس سے توجہ الی الدنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا۔ پس اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو، اور چونکہ حق تعالیٰ سے طبعی تعلق ہے، اس لئے یہ توجہ اشد و اکمل ہوگی تو عینی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوگی اتنی ہی توجہ دُنیا سے ہٹے گی۔ (کمالاتِ اشرفیہ ص ۹۳)

حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو ام الامراض کہنا چاہئے کیونکہ اسی کی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرص مال نہ ہو تو کوئی کسی کا مال نہ دباتے۔ بدکاری کا منشا بھی لذت کی حرص ہے، اخلاقِ رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے۔ کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر ہوس جاہ ہی کا نام ہے۔ پس کبر کا منشا بھی یہی حرص ہوا۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جگہ بھی ہوں جس میں سونا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں پھر بھی وہ تیسرے کا طالب ہوگا۔ جتنا ہوس کو پورا کر دو گے اتنا ہی بڑھے گی۔ جیسے خارش والا جتنا کھلاتا ہے خارش بڑھتی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **أَهْلُ لِلْإِنْسَانِ مَا أَمْتَنِي** کھلا انسان کی ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے (یعنی کبھی پوری نہیں ہو سکتی) یہی وجہ ہے کہ حرص کو کبھی راحت نہیں مل سکتی۔ اس کے ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

گفت چشم تنگ دنیا دار را

یا قناعت پر کند یا خاک گور

(کمالاتِ اشرفیہ ص ۹۵، ۸۰)

(کیونکہ) ایک آرزو ختم نہیں ہوتی دوسری شروع ہو جاتی ہے اور تقدیر پر راضی ہے نہیں تو

ہر کام میں یوں دل چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے اور سب امیدوں کا پورا ہونا دشوار ہے، اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی ہے، گو ظاہر میں اولاد اور مال سب کچھ ہے مگر اندرونی حالت سب کی پریشان ہے۔ (نجات کا طریقہ ص ۱۶)

### طریق کار اور علاج

خرچ کو گھٹائیں تاکہ زیادہ آمدنی کی شکر نہ ہو اور آئندہ کی فکر نہ کریں کہ کیا ہوگا اور یہ سوچیں کہ حریص دطامع ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے (یہاں حُیٰبِ دنیا کا بیان بھی مطالعہ میں رکھیں انشا اللہ تعالیٰ مفید ہوگا) (تعلیم الدین ص ۸۲)

### کسی کے پاس اچھی چیز دیکھ کر دل چاہنے کا علاج

حال : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گذارش ہے کہ احترب بھی کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اگر میرے پاس ہو تو اچھا ہوا اور اس سے یہ کام یوں پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے اس شخص سے زائل کرنے کو نہیں چاہتا ہوں بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حریص دنیا ہے اگر یہ خیال صحیح ہو تو علاج ارشاد فرمایا جاوے تو عین عنایت ہوگی اور حضرت والا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین ثم آمین

تحقیق : مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا احتمال ہے، علاج اس کا یہ ہے کہ بہ مجرد اس تمنا کے یہ عزم کیا جاوے کہ اگر یہ چیز مجھ کو مل بھی گئی تو فوراً کسی کو ہبہ کر دینگا خصوصاً اس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اس سے بے تکلفی نہ ہوتی تو کسی دوسرے کو دیدل گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوتی تو اس کے دام مساکین کو دے دوں گا جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہوگی اس وقت تک ایسا ہی کروں گا۔ یہ تدبیر نافع ہوگی دعا بھی کرتا ہوں۔ (ماخوذ النور شعبان ۱۳۵۳ھ و تربیت اسالک جلد دوم ص ۱۴۰)

## اشراف النفس

حالت: ایک بات دریافت طلب ہے کہ میں نے ایک درزی کی آنکھ کا علاج کیا اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا لیکن ابھی اس نے نہیں دی تھی کہ میں نے بوجہ ضرورت ایک پرانی چھتری پر غلاف چڑھالیا جس سے وہ مثل نئی کی ہو گئی اور ایک دوسری پرانی چھتری پر پرانے غلاف کی مرمت کر لی۔ اس کے بعد وہ مریض نئی چھتری نہایت خوبصورت لایا مجھے اس کے دیکھتے ہی بہت خوشی ہوئی اور وہ چھتری لے لی یہ اشراف النفس ہے یا نہیں میں نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ کسی کو دسے دوں۔

تحقیق: اشراف النفس انتظار معنی احتمال کو نہیں کہتے بلکہ خاص میں انتظار کو جس کے یہ آثار ہوں کہ اگر تیلے تو قلب میں کدورت ہو اس پر غصہ آئے اور اس درجہ کا اشرف بھی اہل توکل کے لئے مذموم ہے اور اہل حرفہ (پیشہ ور) کے لئے مذموم نہیں مثلاً طبیب کے لئے یہ نقص نہیں ہے۔ (بوادر النواور)

## بدگمانی کا علاج

حالت: احقر کی یہ حالت ہے کہ بدگمانی کا مرض ایک مدت دراز سے قلب میں پیوستہ، زراہر اسی باتوں میں دد مہرے بھائی بہنوں سے بدگمان ہوتا ہے۔ اپنی نہم ناقص کے موافق تدابیر بھی کیں مگر یہ مرض وعدہ نہیں ہوا لہذا علاج تجویز فرمائیے کہ یہ بدگمانی کا مرض خبیث دور ہو۔

تحقیق: جب ایسی بدگمانی قلب میں آجائے۔ اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا، اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اسے نفس توح تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا کرے اگر پھر بھی اثر ہے

دوسرے تیسرے دن بھی ایسا ہی کرے، اگر کھپ کر بھی اٹھ رہے۔ اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلاوجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو، اور میرے لئے دعا کرو کہ یہ دور ہو جائے۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۱۔ النور زیع الادل ۱۳۵۲ھ)

## تصفیہ نفس و قلب

اخلاقِ رذیلہ مثل ریاء، عجب، شہوت و غضب کے دفع کرنے کے دو درجے ہیں۔

۱۔ یہ کہ اپنے اختیار سے ان کا قصد کرے اور جو پیش آئے اس کو برا سمجھے اور اس کے مقصد کے موافق عمل نہ کرے گو خطرات و وساوس کا ہجوم رہے یہ مراضیاری اور فرض ہے اور خطرات کا ہجوم غیر اختیاری کچھ مقرر نہیں۔  
۲۔ یہ کہ ان اخلاقِ ذمیہ کی بیخ و بن ہی کا استیصال ہو جائے یعنی نفس میں ان کا تقاضا اور میلان بھی نہ رہے اور یہ ایسے ہی مغفوض ہو جائیں جیسے گندگی مغفوض اور مکروہ ہوتی ہے سو اس کی تحصیل مستحب، اور موجب کمال ہے اور عادتاً مجاہدہ، ریاضت اور خلوت طویلہ پر موقوف ہے اور یہی دو مرتبے ہیں نماز میں حضور قلب کے، اول یہ کہ نماز یا کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کے کوئی غیر اللہ قلب میں حاضر نہ ہو یعنی عبادت سے مقصود کسی مخلوق کی رضایا اس سے مال و جاہ کا حاصل کرنا نہ ہو، یہ حضور قلب فرض ہے اور بغیر اس کے نماز قبول نہیں ہوتی اور عذابِ ریا کا مستحق ہوتا ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ کہ نماز میں بجز اللہ تعالیٰ کے قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہو۔ پھر اس میں بھی دو مرتبے ہیں، ایک یہ کہ باختیار خود کسی غیر کا خیال قلب میں نہ لائے اس کو خشوع کہتے ہیں اور آیات و احادیث سے یہ امر بھی موکد معلوم ہوتا ہے کہ درجہ فرض میں نہ ہو دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ بلا قصد بھی کسی کا خیال نہ لائے یہ بغیر فناء نفس و قلب کے نصیب نہیں ہوتا اور اس کی تحصیل مستحب ہے (التکشف)

## حق تعالیٰ سے غافل کر نیوالی چیز سے نفرت ہو جانا محمود ہے

حدیث: عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک فلیسی (ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر) اڑا اور چاروں طرف پھرنے لگا نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور راستہ نہ ملتا تھا۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ امر خوشنامعلوم ہوا (کہ میرا باغ ایسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے) اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی۔ اپنے دل میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو مجھ کو بڑا فتنہ پہنچا (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا تھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ باغ فی سبیل اللہ جہاں چاہئے صرف فرمائیے۔ (رواہ مالک)

ف: مراقبہ قلب کی عادت ہو فیائے کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلافی کرتے ہیں۔ ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے کیونکہ ان کا یہ انتباہ اسی مراقبہ کا اثر ہے کمالاً بخفی۔

ف: حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے جس کو غیرت کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: اکثر بزرگوں کی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کے جدا کرنے کا حکم فرمایا۔ اس معالجہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے کہ ان صحابی نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریب کہتے ہیں۔

(التکشف)

إِنِّي خَابٌ

أَزْ

تَرْبِيَّتِ السَّالِكِ



## نافعیت تربیت السالک

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کتاب  
تربیت السالک کے مقدمہ میں بطور خطاب حسب ذیل مضمون ارقام فرمایا ہے

اِذَا بَعْدَ - الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَكِنْ كُونُوا  
رَبَّانِيَيْنِ الْآيَةُ وَهُوَ الَّذِي يَرَى النَّاسَ بِصِفَارِ  
الْعُلُومِ قَبْلَ كِبَارِهَا كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

آیت بنا بر تفسیر مذکور تربیت دینیہ کو بلحاظ استعداد ماور بہ بتلا رہی ہے جس کے مختلف  
ومتعدد شعبوں میں ایک خاص قسم تربیت کی علما و علماء قریب قریب مفقود ہو رہی ہے اول  
وہ تربیت باطن کی ہے باعتبار مقامات و احوال و افعال و آثار و روایات و خطرات  
کے اور تجربہ ہے کہ بدون اس تربیت خاص کے اصلاح باطن کی نہیں ہوتی اور جس کو  
بدون اس کے اصلاح سمجھا جاتا ہے وہ خود حالت غیر مقصود ہے اور اس غلطی میں بکثرت  
مستفیدین و مفیدین مبتلا ہیں۔

الحمد لله والمنته کہ شیخین جلیلین حضرت مولانا و مرشدنا الحافظ الحاج الشاہ  
محمد ابرار اللہ صاحب تھانوی ثم الملکی اور ان کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا و ہادینا  
الحافظ الحاج رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہا و عم برہما کی خدمات  
بابرکات کی حاضری و کثرت لزوم کی بدولت اس تربیت کے اصول صحیح جو کون  
ہوش تک پہنچے وہ اپنے لئے بھی اور دوسرے طالبین کے لئے بھی غلطیوں سے  
نکلنے والے اور تشویش و کلفت سے بچانے والے اور امر حق تک پہنچانے والے  
اندر شفا و جمعیت کے بخشنے والے ثابت ہوئے اس لئے اپنا بھی دل چاہا اور بعض

اکارم اجاب نے بھی تحریک فرمائی کہ اس قسم کے جو خطوط آیا کریں اور ان کے جواب جایا کریں اگر وہ نقل کر لئے جایا کریں اور جب کچھ معتد بہ حصہ ہو جایا کرے وقتاً فوقتاً شائع کر دیئے جایا کریں تو مستثنیٰ بہ کے لئے ایک نہایت بکار آمد دستور العمل تیار ہو جاوے، چنانچہ سوال ۳۲۹ سے اس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعائے تمام کرتا ہوں اور اس کا نام تربیت السالک رکھتا ہوں۔ اور ان مضامین میں بعضے سوال و جواب کی شکل میں ہیں۔ اس کی علامت سن اور ج ہے، اور بعضے جو اپنے حال کی اطلاع دیتے ہیں اور اس پر رائے ظاہر کی جاتی ہے اس کو بلفظ حال و تحقیق لکھا گیا ہے اور گویہ مضامین دقیق اور لذیذ نہیں ہیں مگر نسخہ طلبیہ میں نہ غموض ہوتا ہے اور نہ کسی کو اس پر وجہ ہوتا ہے۔ ایسے مضامین عامضہ علمیہ کی امداد الفت اومی میں نقل ہونے کا التزام کیا گیا ہے

## تربیت السالک کے جوابات کا اہامی ہونا

ایکبار جب تربیت السالک کے منتخب مضامین بخرض اصلاح حضرت کے سامنے پیش کئے جا رہے تھے تو نہ صرف حاضرین مجلس بلکہ خود حضرت والا بھی متاثر ہو جاتے اور بے اختیار فرماتے کہ بھلا یہ مضامین میں اپنی معلومات سے لکھ سکتا تھا ہرگز نہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ طالبین کی اصلاح کے لئے میرے قلم سے بوقت ضرورت ایسے مضامین نافعہ لکھوادیئے چنانچہ اس وقت جب میں سوالات کو سنتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ان کا جواب کیا ہوتا چاہئے تو بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور ہر سوال کو سن کر تھیر ہوتا ہے کہ ایسے مشکل سوال کا کیا جواب دیا ہوگا اور جب جواب سنتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ میرا ہی لکھا ہوا جواب ہے کیونکہ ایسے جوابات واقعی میری معلومات سے کہیں زیادہ بالاتر ہیں۔ اگر یہ جوابات میری معلومات کا نتیجہ ہوتے تو میری معلومات تو اس وقت بھی وہی ہیں اس وقت

کیوں جو ابات ذہن میں نہیں آتے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید تھی ورنہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں ایسے جوابات لکھ سکوں۔

یہ بھی تھکا تباہ نعمتہ (نہ کہ فخر آ) ارشاد فرمایا کہ اگر انہیں سوالات کو دوسرے اہل طریق کی خدمت میں پیش کر کے جوابات حاصل کئے جائیں تب ان جوابات کی قدر پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فن کے تمام ضروری مسائل کی تحقیق و تدوین کئی صدی تک کے لئے ہو گئی ہے اور ایسی تعمیر کے ساتھ کئی صدی سے نہ ہوئی تھی یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور بڑے میاں (یعنی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی برکت ہے (مرتبہ اساتذہ جلالہ)

### منتخب مضامین

## طریق الوصول الی اللہ بعد انفاس الخلائق

سوال : حضور مولانا و مرشدنا مولوی محمد امیرت علی صاحب قبلہ دام برکاتہم۔ السلام علیکم۔ بچہ شہبیریت ہوں اور صحتوری ذات والامام درگاہ خدایے مستدعی۔ حضور والادرجیرتم کہ سہرا انجام ماچہ خواہر بود۔ اس مرتبہ بعد علالت کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ جب دو تین روز حج کرناز تہجد و روزانہ تسبیح کا شغل کرتا ہوں طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر شغل مذکور چھوٹ جاتا ہے، رمضان شریف میں ہر چند چاہا کہ حسب معمول ورد و وظائف کو شروع کروں لیکن وہی حالت پیش آئی جو عرض کر چکا ہوں۔ اخیر عشرہ رمضان میں نہایت مستعدی سے چاہا کہ ۲۱ ماہ مذکور سے عتکاف کروں اور تلافی مافات کروں لیکن ۲۰ ماہ مذکور سے طبیعت خراب ہوئی اور ۸ شوال تک اس علالت کا سلسلہ رہا۔ ۹ شوال سے پھر نماز تہجد کو اٹھا۔ تین روز تک صحت کی تھی کہ کل ۱۱ شوال کو پھر حرارت پیدا ہو گئی معلوم نہیں کہ کیا منظور خدایے، تعلقات دنیوی سے قطع کر کے چاہا تھا کہ اللہ اللہ کروں لیکن میری بد قسمتی

یہ بھی کہنے نہیں دیتی۔ ان واقعات سے طبیعت ایسی متوحش اور پریشان ہے کہ کیا عرض کروں وہی مثل ہوئی کہ زیادہ صر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے، آج طبیعت کو بے حد قلق اور افسوس ہوا لہذا خدمتِ بابرکت میں عرض کیا گیا۔ اگرچہ شکایت تنفس تا ابداً کو عرصہ سے ہے لیکن باوجود اس شکایت کے اور ادو وظائف کو انجام دیتا تھا۔ دوسرے آواز اس قدر پست ہو گئی ہے کہ ذکرِ جہر نہیں کر سکتا۔ البتہ ایسی آواز سے کہ خود سن سکوں، جب افادہ ہوتا ہے کرتا ہوں، اور بحالتِ نادرستی طبیعت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ باقی خیریت ہے اور حالت بدستور ہے۔

جواب : مخدومی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بزرگانِ دین کا ارشاد ہے طریق الوصول اللہ بعدد انفاس الخلائق یعنی جس قدر مخلوقات کے سانس ہیں خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے ہی رستے ہیں اور اصل مقصود وصول الی اللہ ہے یعنی ضعف نسبت مع الخلق و قوت نسبت مع الخالق خواہ کسی طریق سے ہو پس جس طرح اور ادو نوافل کی کثرت اس کا ایک رستہ ہے اسی طرح مرض اور حزن و انقباض اور ضیق قلب و تاسف و ندامت و خجالت و انکسار بھی ایک رستہ بلکہ اقرب رستہ ہے پس حالت مرقومہ خطِ سامی میں گو نفسانی اور جسمانی کلفت و صعوبت ہے لیکن روحانی ترقی و نفع ہے بالکل مطمئن رہئے اور جس قدر ہو سکے اور جس طرح ہو سکے کر لیا کیجئے اور نہ ہو سکے نہ کیا کیجئے۔

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست

بر صراطِ مستقیم اسے دل کے گمراہ نیست

البتہ نفس یوں چاہتا ہے کہ مجھ کو ذکر و شغل کا ثمرہ عاجل دنیا میں مل جاوے، سو یہ خطا عظیم ہے۔ اصل موقع شاہدہ ثمرہ کا آخرت ہے جس نے یہ نکتہ پختہ کر لیا اس کو رضا و تقویٰ کی جلالت نصیب ہوئی اور جو اس نکتہ سے غافل ہے عمر بھر مشوش رہے گا۔ مخدوم صاحب کچھ میں نے لکھا ہے گو مختصر ہے مگر نہایت جامع اور تجربہ کی بات ہے آپ شک نہ لائیے والسلام

## قَوْل مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ كَيْ شَرَحَ

حالی: براہ کرم آگاہ فرمایا جاوے کہ حدیث شریف مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ میں کس طرح پہچانتا اپنے نفس کا وارو ہے کہ جس سے پہچان رب کی حاصل ہو جاتی ہو۔ اس شناخت نفس کا کیا طریقہ ہے اور حصول شناخت و معرفت خدا تعالیٰ سے کیا مراد ہے؟

تحقیق: اول تو اس کے حدیث ہونے میں کلام ہے ثانیاً اس میں معرفت رب کے طرق میں سے ایک طریق کی تعلیم ہے اور اس کے علاوہ اور طرق بھی ہیں غرض معرفت مقصود اس طریق پر موقوف نہیں پس اس حدیث کی تحقیق حصول مقصود کی شرط نہیں بلکہ محض حل مراد مقصود ہوگا جو مشابہہ مقالات کی تحقیق کے جس کے متعلق میں پہلے مشورہ دے چکا ہوں کہ غیر ضروری ہے مقصود تربیت میں محض حالات کی اطلاع اور معالجہ کا <sup>استفسار</sup> ہے۔ معلم جس طریق سے چاہے معالجہ کرے سو معرفت مقصود وہی ہے جس کا شارع نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا عقیدہ رکھو اور ان کے تصرفات کا استحضار نہ ٹھوہ نہ صرفاً تمام مخلوقات میں ہیں جن میں انسان کے اندر تصرفات زیادہ عجیب ہیں بہر حال میں بھی اپنے نفس کے اندر تصرفات زیادہ مستحضر و مشاہد ہو سکتے ہیں اس بناء پر نفس کی تخصیص کر دی گئی ورنہ نفس مقصود نہیں سب تصرفات کا استحضار برابر ہے اسی لئے تنذیر کا محل قرآن مجید میں اَلنَّفْسُ اَوْ رَافِقٌ دُونِ كُفْرٍ مَا يَلِيهِ۔ فی قوله تعالیٰ سَتَرْتَهُمْ اٰیَاتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۲۵)

تصور حق خود مقصود نہیں ذریعہ مقصود ہے

حال: تصور ذات حق کے بعد خشیت اور اہتمام طاعات کا نہ ہونا جو عرض کیا تھا اس پر

حضرت والا کا ارشاد کہ تصور خود مقاصد سے ہے اور خوف و خشیت اس کے مقدمات ہیں۔ مقصود کے بعد اس کے مقدمات سے مستغنی ہونا چاہئے۔ قلت فہم کے باعث سمجھ میں نہیں آیا صحیح یہی ہے جو حضرت کا ارشاد ہے مگر فہم ناقص اب تک یہ سمجھا تھا کہ رضا ہی مقصود ہے جو منحصر ہے طاعات اور اس کے اہتمام میں اور تصور مقدمہ ہے، خوف و خشیت کا جس کے بعد تمام طاعات میسر ہوتا ہے اور اسی پر نتیجہ رضامت ہو جاتا ہے۔ بار خاطر والانا ہو تو کچھ توضیح فرمادیں اگر ضرورت بھی خیال فرمادیں در نہ بہتر۔

تحقیق: معلوم ہوتا ہے میری پوری عبارت پر غور نہیں کیا گیا۔ میں نے یہ نہیں لکھا کہ تصور خود مقاصد سے ہے میری عبارت یہ ہے کہ خوف و خشیت و اہتمام بدرجہ خاص خود مقدمات انہیں مقاصد کے ہیں جن کو میں نے دولت سے تعبیر کیا ہے اور اوپر گزشتہ عبارت میں جس کو دولت کہا ہے وہ مجموعہ ہے ان چیزوں کا فرض و واجبات و موکدات کا التزام قیام مسجد، درود شریف، تصور ذات حق جس کا حاصل مامورات کا ذکر وہ اعمال و طاعت و ذکر و فکر کا مجموعہ ہے (التزام ہے اور ان کا مقصود ہونا ظاہر ہے۔ اور خوف و خشیت اور رضیات کے اہتمام کو جو ان کا مقدمہ کہا گیا ان کا مطلق درجہ نہیں بلکہ وہ درجہ جو آپ کے ذہن میں ہے یعنی درجہ غلبہ طبعی، اسی لئے میں نے اس میں خاص کی قید لگانا ہے اور یہ ثابت ہے کہ خوف و خشیت طبعی یا اہتمام طبعی یعنی داعیہ طبعیہ یہ مامور بہا نہیں ہیں گو محمود ہیں اور اگر حاصل ہو جائیں تو ان سے اعانتہ ہوتی ہے مامورات ہیں۔ باقی خوف و خشیت عقلی و اہتمام ارادی یہ خود مامور بہ ہیں اور آپ کو حاصل ہے، اس کے فقدان کے آپ بھی شاکل نہیں ان کو مقدمہ نہیں کہا گیا۔ باقی ان کا مقصود ہونا مقصودیت رضا کے منافی نہیں۔ رضا مقصود المقصود ہے اور یہ چیزیں اپنے مقدمات کے اعتبار سے مقصود ہیں۔ اگر اب بھی خلجان ہوئے تکلف لکھو یا جلئے۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۱۶ تا

## حضور کی شدتِ سکرات کا راز

حال: ایک روز شبہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکرات موت کی زیادہ تکلیف کیوں ہوئی اور آپ کو بخار کی شدت دو گونہ کیوں ہو کر تھی۔ حضرت والا کے مواعظ سے ایک دو وجہ معلوم ہو کر تسلی ہوئی پھر خود بخود دل میں یہ بات آگئی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل و خاتم الانبیاء ہیں اس لئے آپ کے مقامات بھی خاتم المقامات ہیں شدت بخار اور شدت سکرات موت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام صبر کی اعلیٰ اور ترقی جن تعالیٰ کو منظور ہوگی اس بات کے سمجھ میں آنے سے دل میں سرور و مسخوس ہو رہا ہے معلوم نہیں کہ یہ مفہوم کیسا ہے۔

تحقیق: شدت و عک کی حکمت تضاعف اجریہ تو خود حدیث میں مخصوص ہے اس پر شدت سکرات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی توجیہ اور یہ حکمت منسوبہ یا مقیاس علی مخصوص متقارب ہیں اور اس مقیاس میں ایک اور احتمال بھی ہے مگر وہ حکمت نہیں علت ہے، اور وہ علت شدت و عک کی بھی ہو سکتی ہے اور حکمت و علت میں کچھ تنائی نہیں دونوں صدق ہیں اور مجتمع ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ علت وجود میں متقدم ہوتی ہے اور حکمت متاخر پس اپنے اپنے زمانے میں دونوں موجود ہو سکتی ہیں وہ علت قوت مزاج و شدت تعلق بالامتہ ہے قوت مزاج میں حرارت تیز ہوگی اور شدت تعلق بالامتہ سے روح کے تعلق کا انفکاک شدید ہو گیا۔ واللہ اعلم (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۸۳)

## عدم ایمان کی حقیقت

حال: میں تو حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب بالکل ہی ڈوب رہا ہوں، اور

دستگیری کا سخت محتاج ہوں کبھی کبھی اپنے ایمان میں شک تو ہوتا ہی رہتا تھا لیکن اب تو بار بار  
عدم ایمان کا یقین ہونے لگتا ہے اور کوئی ناویل بن نہیں آتی خصوصاً ایمان بالآخرت  
کے عذاب و ثواب کی فکر نہیں معلوم ہوتی نہ جنت و جہنم کی ترغیبات و ترہیبات کا دل پر  
مطلق کوئی اثر محسوس ہوتا ہے۔ پھر آخر یہ کس قسم کا ایمان ہے البتہ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی  
تھی کہ پھر احکام یا اوامر و نواہی کا آخر کیوں خیال رہتا ہے۔

دوسرے نقطوں میں ایمان و یقین سے خالی ایک مناقحانہ دیتداری ہے اور اکثر  
اپنے نفاق کا وہم نہیں بلکہ یقین ہوتا رہتا ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ  
آخرت کا خیال ایک احتمال عقلی کے درجہ میں ہے اور جو کچھ کرتا ہوں وہ احتمال ضرر کی  
بنا پر نہ کہ یقین آخرت کی بنا پر البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہیں کرتا ہوں۔  
اور دل یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح کامل ایمان و اخلاص حاصل ہوتا اور روزانہ اس کی  
دعا بھی کرتا رہتا ہوں لیکن خواہش و دعا واقعہ تو بہر حال نہیں۔۔۔ حضرت اپنے  
ظاہر و باطن دین و دنیا سب کی ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے۔

جواب: خط ہی میں جواب موجود ہے مگر غور نہیں فرمایا گیا کہ جو اب خط کشیدہ  
عبارت میں مصرح ہے (یعنی البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی اس حالت کو پسند نہیں کرتا  
ہوں) کیونکہ کوئی شخص جو واقفاً (خالی عن الایمان ہو اس خلوعین الایمان کو ناپسند نہیں  
کرتا بلکہ اوصاف بالایمان کو ناپسند کرتا ہے اور متبعین بالایمان سے عداوت رکھتا  
ہے پس یہ ہی کافی دلیل ہے۔ (تجدید تصوف و سلوک)

## فرق دعویٰ و محدث بالنعمة

سوال: زید کہتا ہے کہ انا خیر منہ مطلقاً تکبر نہیں نمازی کو اس نیت سے  
اپنے کو بہتر سمجھتا اور بے نمازی پر ترجیح دینا کہ یہ نمازی کی توفیق نعمت خداوندی ہے جو مجھے



دی گئی ہے اور اس شخص سے روکی گئی ہے۔ بیغوض تو کیا ہو محمود بلکہ مقصود و نامور ہے،  
 غرض کسی نعمت کو من اللہ سمجھ کر اپنے کو اس شخص سے بہتر سمجھنا جو اس نعمت سے محروم ہے بلکہ نہیں  
 البتہ اس سے قطع نظر کہ کے یا نماز کو اپنا فعل ذاتی اور کار گزار ہی سمجھ کر دوسرے سے بہتر سمجھنا  
 تکبر ہے بلکہ دوسرے کی جانب نسبت نہ بھی ہو مذموم و نہی عنہ ہے جس کا نام عجب و خود ستانی  
 ہے یہ صحیح ہے یا غلط۔

جواب۔ زید نے جو تفصیل کی ہے صحیح ہے بلکہ جبکہ صرف مرتبہ عثمان میں نہ ہو بلکہ  
 معنوں کا مرتبہ بھی اس کو حاصل ہو جس میں اکثر دھوکا ہو جاتا ہے یا مخصوص بتدیوں کو اس  
 کی باطنی پہچان جو وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے یہ ہے کہ اگر قلب میں اپنے دوسرے  
 عیوب سے ذہول اور خود اس کمال کے زوال سے بے فکر ہے اور دوسرے کے کمالات  
 سے بھی ذہول اور اس میں اس کمال کے پیدا ہو جانے سے بے انتہائی اور اپنے اس طاعت  
 کے عدم قبول کے احتمال سے اور اس کی معصیت کے خوف احتمال سے بے فکری ہو تو مرتبہ  
 معنوں کا حاصل نہیں ہے اور اگر سب امور پیش نظر ہوں اور لڑاں تو رساں ہو تو معنوں  
 حاصل ہے فقط والسلام۔ (ماخوذ التکشف ص ۳۲-۳۳)

### ایمان کے معنی پر شبہ کا ازالہ

حال : حضرت ایمان کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ جو شے خود اپنے علم و مشاہدے  
 میں براہ راست نہیں آتی اس میں دوسرے کے علم کی تصدیق یا اس کے بیان پر اعتبار کر کے  
 مان لینا۔ اللہ تعالیٰ۔ ملائکہ۔ کتاب (کلام اللہ) رسالت۔ قیامت سب اسی قبیل کی غیبی باتیں  
 ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی بنا پر مانا جاسکتا ہے بلکہ اَنَّ الرَّسُولَ  
 بِمَا نُزِّلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو کبھی جبریل علیہ السلام یا (کوہ) طور کی طرح کسی کسی آواز وغیرہ کا اعتبار کر کے ایمان

ہی لانا پڑتا ہے۔ بظاہر ایسے ایمانی علم سے صدق و کذب کا عقلی احتمال تو مرفوع ہوتا نہیں اب اگر کسی مومن کے دل میں اس قسم کا احتمال بطور وسوسہ کبھی کبھی خطور کرے تو کیا یہ اس کے ایمان کے منافی ہوگا یا مذہبِ بدبین والافتاق ہوگا یا محض ضعفِ ایمان؟

تجربہ: نہ ایمان کے منافی ہے نہ تذبذب ہے نہ افتاق ہے نہ ضعفِ ایمان جبکہ تذبذب و جزوِ باطل سمجھا جاوے بلکہ بروئے حدیث صریح الایمان ہے اور قواعدِ طریق سے من و جب ایسے اعتقاد سے اجر میں زیادہ ہے جو ایسے خطرات سے خالی ہے کیونکہ اس میں مجاہدہ نہیں گو دوسری وجہ سے وہ افضل ہے کہ اقرب الی المقصود ہے کیونکہ مجاہدہ سے خود مقصود شاہدہ ہے اور زیادتِ اجر اور زیادتِ فضیلت میں کسی جانب سے لزوم نہیں

كَمَا فِي جَمْعِ الْفَوَائِدِ عَنْ اَبِي دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ قَوْلَهُ عَلَيْهِ

السَّلَامُ لِلْعَامِلِ فِيهَا مِنَ الْفِتَنِ، مِثْلُ

اَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اَجْرُ خَمْسِينَ مِمَّا اَوْمِنْتَهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ الْحَدِيثُ

قُلْتُ نَالِقَحَابَةَ اَفْضَلُ وَالْعَامِلُ فِي الْفِتْنَةِ اَكْثَرُ اَجْرًا

بہر حال جس کو جو عطا ہو جائے اس کے لئے وہی اصلح ہے اس کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر کیا جائے۔ (ماخوذ انور جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ، تربیت السالک جلد دوم ص ۲۶۶)

## نجاتِ اعمال پر ہے ایمان پر نہیں اس کا جواب

حالیہ: احقر کچھ عرصے سے ایک خلیجان میں پڑ گیا ہے اس کا دفعیہ کسی طرح نہیں

ہوتا۔ لاچار بندگانِ والا کے حضور میں پیش کر کے دفعیہ چاہتا ہے اور اس خیال سے

کہ حضرت والا کا وقت خراب نہ ہو بہت انحصار کے ساتھ عرض کیا جائے گا۔ وہ خلیجان

یہ ہے کہ میں نے بار بار بروقت تلاوتِ قرآن پاک غور کیا کہ نجاتِ آخری یا وہ فضائل

جو مسلمانوں کے لئے موعود ہیں یا رضائے باری تعالیٰ، ایک ہی مضمون کو جس عنوان سے بھی تعبیر کیا جائے اس کے لئے قرآن میں ہر جگہ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کی قید ضرور لگی ہوئی ہے کہیں اس کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں دیگر عنوانات سے مگر صرف ایمان پر وعدہ کچھ بھی نہیں۔ جیسے

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (پس) اور ذَالِكَ لِمَنْ  
 خَشِيَ رَبَّهُ اور وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ  
 (اس کو طول دینا حضرت والا کا وقت ضائع کرنا ہے۔)  
 اس سے آگے اپنا خُلُوعِ الْعَمَالِ الصَّالِحَةِ تحریر کر کے  
 قلق شدید ظاہر کیا ہے۔ اسی لئے یہ مضمون تربیت السالک میں درج

کیا گیا اور جواب ذیل علی تقدیر تسلیم الخط ہے۔

تَحْقِيقٌ : اللَّهُ وَرَبِّي الَّذِينَ آمَنُوا فِي كَوْنِ سَيِّئَةٍ قِيدَ هِيَ ، اور  
 وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا  
 وَآخِرًا سَيِّئًا عَمِيَ اللَّهُ أَنَّ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ هُ فِي بَعْضِ أَعْمَالِ  
 كِي كِي پَرِ بِي كِي ا و ع د ه ه ه اور ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ  
 اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (الذین کفروا  
 لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ (میں) الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا كِي خ ص و ت

کس اعتبار سے ہے اور جنات کا وعدہ کس لئے ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا كَس لے  
 ہے اور وان زنی دان سرق کی کس عموم پر دلالت ہے۔ اس وقت نتیجہ کی  
 فرصت نہیں اس لئے فی الحال اس پر اکتفا کیا گیا۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم)

## غیر مومن ہونے کا شبہ

حالت: اب تک حضور والا غفلت و انہماک فی الدنیا بہت تھا اب روز بروز نشہ غفلت کم ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت نہ میں مومن ہوں نہ مسلم ہوں نہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے نہ واسطہ میرا ایمان اور اسلام محض ایک رسم اور اتفاسق ہے۔ قیل و قال اور ایک فرضی خیال اور دھوکہ ہے بلکہ حالاً دیکھا جائے تو نجد میں اور ایک رہبر یہ میں کچھ فرق نہیں۔

تحقیق:۔۔ درپیش کو اپنی صحت و مرض کی کیا تشخیص۔ یہ کام طیب کا ہے اور مرعیض کا کام صرف اعتماد علی الطیب ہے اگر میں طیب ہوں تو تشخیص کر کے کہتا ہوں کہ یہ سب علامات ہیں ایمان کامل کی۔ مگر مع الہیتہ جو ایک رفیع حالت ہے اور صحابہ میں بعض کی یہی حالت تھی ان کی مشابہت مبارک ہو اور ایسے شخص کا خاتمہ بفضلہ تعالیٰ مع الایمان ہو کر تا ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ان کیفیات پر جو کہ مصائب کی اعظم افراد ہیں اتملے گا کہ آپ تمنا کریں گے کہ کاش ان کیفیات میں اور اشتداد ہوتا۔ (ترتیب السالک جلد دوم

ص ۳۹۹)

## اتباع سنتِ نعمتِ عظمیٰ ہے

حالت: یہ ہے کہ احوال و کیفیات و اشارات و نکات و لطائف مشہورہ تصوف میرے نزدیک اس سے بہت ہی کم مرتبہ میں معلوم ہوتے ہیں کہ ایک قدم جناب رسالت آفتاب رسالت و معدن نبوت کی متابعت میں چلا جاوے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انوار و کیفیات اور تمام علوم کا وجود آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی ہے۔ اگر آفتاب رسالت کی شعاعیں نہ ہوتیں تو یہ تمام انوار و علوم تبدیل بظلمت ہوتے مشکوٰۃ نبوت

کے فیضان کو چھوڑ کر دوسرے علوم وغیرہ کی طرف متوجہ ہوتا عین ضحیٰ (روشنی) میں آفتاب  
کو چھوڑ کر سہا کو تلاش کرتا ہے۔ وانعم ما قال

مصطفیٰ اندر جہاں انگہہ کسے گوید ز عقل

آفتاب اندر جہاں انگہہ کسے گوید سہا

یہ معلوم ہوتا ہے کہ طریق سنت کبریت احمد ہے لیکن زمانے میں طریق غیر سنت اس قسم  
کا غالب ہو گیا ہے کہ متبع سنت نینہ بہ غلبہ حال پکاراٹھتا ہے :

روئے زمیں ز تار یکی مستکران عشق

محتاج شست و شوی دگر شد کی است نوح

عجب العجائب یہ ہے کہ متبع سنت کو کافر کہا جاتا ہے لیکن وہ بزبان حال کہتا ہے۔

کافران رہ عشقیم اگر انصاف است

صد مسلمان تو اے خواجہ دیک کافر ما

لیکن باوجود اس حالت کے میں اپنے آپ میں اعمال سنت کی بہت کمی پاتا ہوں

ظلمت منہ من احیاء الظلام الی

ان اشکت قد ماہ العز من ورم

یبیت یجافی جنبہ عن فراسہ

اذا اتشقلت بالمشرکین المضاجع

البتہ اس بات کی تسلی ہے کہ حضور روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ضعفائے امت پر

ترحم ہے

دلا خوش باش کان محبوب جاں زا

بدر ویشان و سکیناں مرے بہت

تحقیق: ماشا اللہ نعمت عظمیٰ و غنیمت کبریٰ ہے اللہم احینا علیہ

وامتنا علیہ واحشرنا علیہ (ترہیت السالک حصہ دوم ص ۴۰۶)

## اتباع سنت سب مصلح پر غالب ہے

حال: خادم پیشتر بوقت تہجد آٹھ رکعت پڑھتا تھا اور ہر رکعت میں مختلف سورتیں پڑھتا تھا عرصہ ہوا کہ ایک روز خادم کتاب مبارک ضیاء القلوب مصنفہ جناب حضرت دادا صاحب قدس سرہ کا مطالعہ کر رہا تھا کتاب موصوف میں لکھا دیکھا کہ تہجد کے وقت بارہ رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ اخلاص تین تین بار پڑھے اس روز سے بہ تقاضائے قلب اس پر عمل ہے اگر یہ عمل میرے مخدوم حضور قدس کی رائے عالی و طریقہ تعلیم کے خلاف ہر توارشاد فرمائیں۔

تحقیق: مشائخ نے یہ طریقہ ان پڑھ لوگوں کیلئے تجویز فرمایا ہے ورنہ افضل بودہ موافقت سنت کے یہی ہے کہ کوئی سورت معین نہ کریں اور ظاہر ہے کہ اتباع سنت کو سب مصلحتوں پر ترجیح ہے۔  
(ترہیت السالک حصہ ششم رابع اول ص ۵۷)

## صدر اعمال کے وقت ایک قسم کی نورانیت محسوس ہونا نعمت عظمیٰ ہے

حال: چار روز سے یہ حالت نئی پیدا ہوئی کہ گاہ گاہ بلا قصد رحمت حق کا استحضار قلب پر ہوتا ہے اس استحضار رحمت حق سے قلب کے اندر بوقت صدر اعمال ایک نمانس قسم کی نورانیت محسوس ہوتی ہے جو کبھی اس سے قبل محسوس نہ ہوئی تھی مگر اعمال کی ادائیگی کے وقت کسی وقت کسل یا کم ہمتی ہوتی ہے تو جیسے پہلے حضرت حق کی عظمت و ہیبت کا استحضار ہو کر عمل میں سہولت پیدا ہو جاتی تھی اب اس حالت میں بہت ہی کمی پیدا ہو چلی ہے اور اس حالت میں یہی کمی پاتا ہوں کہ نفس اس عمل کو عطاے حق سمجھ کر ادا کرنے کو غنیمت سمجھتا تھا اب احقر حضرت والا کی دعا کی برکت سے قوت میں ہمت سے کام لیتا ہے اور اس قوت و ہمت کو بھی عطاے حق ہی

سمجھتا ہے۔ یہ میرا سمجھنا کیسا ہے اور یہ میری کیا حالت ہے اگر یہ میری حالت قابل اصلاح ہے تو لہذا حضرت والا میری دستگیری فرماتے ہوئے جو تدبیر یا علاج ہو مشرف فرمائیں۔

تحقیق: حق تعالیٰ کی نعمتوں سے جو مجھ پر ہیں جتنا مسرور ہوتا ہوں اتنا ہی دوستوں پر جو نعمتیں ہیں ان پر بھی۔ الحمد للہ الحمد للہ۔ یہ حالات سب نعمتیں ہیں اور عظیم نعمتیں اللہم زد وسزد۔ اخیر میں جس تغیر کا بیان کیا ہے تو جیسے موسم کے تغیرات ایک تندرست آدمی کے لئے بھی لازم ہیں اسی طرح یہ تغیرات بھی۔ یہ ایسے ہی تغیرات ہیں امر اضی نہیں ہیں۔ موسم کے بدلنے سے یہ خود معتدل ہو جاتے ہیں کسی تدبیر مستقل کی ضرورت نہیں نہ کچھ فکر کرنا چاہئے البتہ جو تغیر اسباب اختیاری سے ہو وہ قابل اعتنا ہے (النور ۱۳۵۲) تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۷ و ۲۰۸

حدیث لَا خَيْرَ مَنْ لَا يَأْلِفُ وَلَا يُؤْلَفُ

پیر شہ اور اس کا جواب

حال: ایک خاص عرض ہے کہ احقر اپنے کو اس کا مصداق پاتا ہے:

لا خیر من لا یألف ولا یؤلف۔ اور یہ مرض پاتا ہوں اور بہت روز سے ہے کہ میری طبیعت کسی سے مانوس نہیں اور غالب شہ ہے اور لوگ بھی احقر سے مانوس نہیں۔ بہر حال حضرت مجھے تو اپنا فکر ہے۔

تحقیق:۔ الفت کے اصل معنی اجتماع کے ہیں جو مقابل ہے تفرق کا۔ آیت

سَرَّانِي وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْرَقُونَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ اَلْحَبْلَ الَّذِىْ رَفَعْتَ بِهٖ سَمٰوٰتِکَ وَارْتَضٰتِکَ لِحَبْلِکَ اَلْحَبْلَ الَّذِىْ رَفَعْتَ بِهٖ سَمٰوٰتِکَ وَارْتَضٰتِکَ لِحَبْلِکَ

ہیں اس کے لئے انس ہوتا لازم نہیں کبھی مع الانس بھی ہوتا ہے چنانچہ بعض اوقات تالیف بمعنی ایساں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ پھر اجتماع کبھی محمود ہوتا ہے۔ جب دنیا کے مباح یا دین کے لئے نافع ہو، کبھی مذموم، اور کلیات شرع کا مذموم کے مراد لینے سے

مانع ہونا ظاہر ہے پس اجتماع محمود کا مراد ہونا تسعین ہو گیا۔ اب حدیث کا حاصل یہ  
 کھڑا کہ مومن اجتماع محمود سے نفور نہیں ہوتا۔ ورنہ صحبتِ ضارہ سے تعذیر خود وارد  
 ہے اور اکابر طریقت نے توحش عن الخلق کو انس باللہ کے لوازم سے فرمایا ہے۔ اس حالت  
 میں افادہ و استفادہ ضروریہ سے جو آبی نہ ہو وہ اس حدیث کی وعید کا مصداق نہیں ہو سکتا  
 (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۷۶)

## تخیلات کے ہجوم کا علاج

حالت: احقر کی حالت اس قدر الجھن ہوئی اور مشتبه ہے کہ میں اکثر پریشان ہی  
 رہتا ہوں اور حضرت والا سے عرض کرنے کے متعلق حیران ہی رہتا ہوں۔ اس حالت کا  
 خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اندر جملہ ردائل پاتا ہوں اور ایسی بڑی قسم کے کچھ کو قریب بہ یقین ہے  
 کہ کسی انسان کے اندر نہ ہوں گے مسلمان کا تو کیا ذکر ہے لیکن ساتھ ہی ملکاتِ محمود و ناکا  
 احساس بھی الحمد للہ اپنے اندر پاتا ہوں۔ غیر اختیاری کے مسئلہ نے میری کسی قدر ڈھارس  
 بندھا رکھی ہے لیکن اس میں بھی سخت اشتباہ رہتا ہے کہ اس قسم کے تخیلات اختیاری  
 ہیں یا غیر اختیاری۔ مجھ میں قوتِ تخیل بلکہ فسادِ تخیل بہت ہی زیادہ ہے، جو منشاء بہت  
 سے خیالی گناہوں کا ہوتا ہے گو حضرت اقدس کے طفیل میں اس وقت جبکہ ردائل ابھر  
 ہیں۔ فوراً احساس ہونے لگتا ہے اور عمل نہیں ہونے دیتا۔ لیکن خیال کے درجہ میں تو گناہ  
 ہو ہی جاتا ہوگا۔ بلکہ ہو جاتا ہے۔ ایسے خیالی گناہوں سے بچنا نہایت مستبعد نظر آ رہا ہے  
 جیسے کبر، عجب، سو وطن شہوانی خیالات وغیرہ۔ کیونکہ ان میں یہی پتہ نہیں چلتا کہ یہ  
 حد گناہ تک کب پہنچتے ہیں اور کس حد تک گناہ ہی میں داخل نہیں ہوتے جب خیالات  
 ناسدہ کا ہجوم ہوتا ہے تو بالکل مردودیت کا گمان ہونے لگتا ہے، ایسی خراب حالت  
 میرے باطن کی ہے کہ ہر امر میں منافقت ہی نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی آخرت میں شرم



رکھے اکثر حزن ہی طاری رہتا ہے اور یاس کا غلبہ رہتا ہے، باوجود ان سب رومی حالتوں کے حضرت والا کی توجہ کا بھی بدیہی اثر محسوس کرتا ہوں۔ ذکر میں الحمد للہ غایت درجہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے مگر اس میں یہ شبہ رہتا ہے کہ یہ کیفیات تو مقصود ہی نہیں ہیں غیر مقبولین بلکہ کفار کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ غرض غالب حزن و یاس ہی رہتی ہے۔ لیکن اس لکھنے میں بھی متروک ہوں۔ کیونکہ اکثر توجہ استحضار حتیٰ و دلچسپی ذکر مسرور رہتا ہوں پس گہ جنس بنماید و گہ صدائیں، کامضمون ہو رہے ہیں۔ پس حضرت والا سے علاج کا خواستگار ہوں شد دستگیری فرمائیں اور ہلاکت سے بچائیں۔

تحقیق: اس کا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا، هجوم ہو اپنے قصد اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف متوجہ ہونا اور متوجہ رہنا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں بلئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اشتباہ رفع ہو گیا، اور اگر بالا اختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے تو جب تہنیہ ہو ذہول کا تدارک تو استفقار سے اور پھر اس تدبیر پر استحضار سے کام لیا جاوے۔ (زیت الساک حصہ دوم ص ۳۹۷-۳۹۸)

## درود شریف چھوٹا یا بڑا پڑھنا بہتر ہے جس میں دلچسپی ہو

حالت: درود شریف بہت سے ہیں کوئی چھوٹا کوئی بڑا کسی درود شریف کی بڑی بڑی فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں۔ چھوٹا درود شریف تعداد میں زیادہ پڑھا جاتا ہے بڑا درود شریف تعداد میں کم پڑھا جاتا ہے معلوم کرتا ہے تعداد میں زیادہ پڑھنا بہتر ہے یا بڑا درود شریف پڑھنا بہتر ہے چاہے تعداد میں کم ہو۔

تحقیق: درود شریف چھوٹا ہو یا بڑا جس سے دلچسپی ہو وہ پڑھنا بہتر ہے۔

لَهَذَا اجَابَ الْمَوْلَى الْأَعْظَمُ وَالشَّيْخُ الْأَفْحَمُ  
 اسْتَاذِي مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ يَعْقُوبٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى  
 لَمَّا سُئِلَ عَنِ طُولِ الْقِيَامِ وَكَثْرَةِ السُّجُودِ أَيُّهُمَا  
 أَفْضَلُ وَجَمَعَ الْخَاطِرَ أَتَدَّ مَطْلُوبٌ فِي الطَّرِيقِ  
 كَمَا هُوَ كَالْجَمْعِ عَلَيْهِ عِنْدَ الشُّيُوخِ وَقَدْ أَعْتَنِي بِهِ الشَّارِعُ  
 كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي النَّصِّ حِينَ خَفَّفَ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامُ  
 لَمَّا سَمِعَ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فِي تَوَلِيهِ خَفَّتْ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ  
 وَحِينَ تَدِيرُ الْعِشَاءَ عَلَى الْعِشَاءِ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ عَلَى مَا عَلَّمَنِي  
 فِي الْمَسْئَلَةِ وَفَهَّمَنِي وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (النور صفحہ ۱۳۵۹)

(زیر بیت السائل حصہ دوم ص ۳۶۹)

## زیادت انجذاب الی شیخ بہ نسبت انجذاب الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حال : یہ امر قابل گزارش ہے کہ قدوسی کو بغضہم تعلی اللہ تعالیٰ کا خیال لگا رہتا ہے اور ادھر کشش بھی رہتی ہے۔ اسی طرح جناب والا کا خیال لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اکثر اوقات خیال نہیں رہتا اور نہ ادھر کشش رہتی ہے اور کبھی زیارت سے مشرف بھی نہیں ہوا، اور نہ چنندراں اس کی جستجو ہے۔ زیارت کے نہ ہونے پر چنداں حسرت نہیں، لیکن اس کی تلاش و جستجو نہ ہونے پر البتہ بے غم اور حسرت ہے جیسے اور لوگوں کو اس کا بالطبع خیال ہے۔ احقر کو نہیں۔

تحقیق :۔ بالکل غلط وہم ہے اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عالم ظاہر میں تشریف رکھتے تو کیا اس دوسرے سے اشتیاق زیادہ نہ ہوتا اور اگر یہ دوسرا اشتیاق والا

عالم ظاہر میں نہ ہوتا تو کیا اس کی قبر کا اشتیاق قبر نبوی سے زیادہ ہوتا۔ موازنتہ کا طریقہ ہے۔ (بواد النوا در ص ۶۶)

## عافیت طلب کرنا تفویض و رضا کے خلاف نہیں

حالت: حضرت والا میرا اس طرح دعا کرنا کہ ابھی عافیت عطا فرمائیے مجھ میں بہا نہیں یہ تفویض و رضا کے خلاف تو نہیں مگر دل میں حق سبحانہ تعلق سے کوئی شکایت نہیں تھی، بلکہ جب کبھی دورے (مرض) ہوئے یہ خیال کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں، اپنے بندوں پر مہربان ہیں جو کچھ فرماتے ہیں اس میں بندے کی مصالحت ہے۔ اگر یہ میری حیات تک بھی رہے تو میں راضی ہوں۔

تحقیق: اس حالت کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ابھی عافیت عطا فرمائیے تفویض و

رضاکے خلاف نہیں۔ ورد فی حدیث الا تسقاء اللہم استقنا غیثاً معیثاً  
مریثاً مریعاً نافعاً غیر ضاراً عاجلاً غیر آجل (رواہ ابو داؤد)  
وفی روایتہ عاجلاً غیر دانت (جمع الفوائد عن الکبیر والبنار)  
ما خود النور ربیع الاول ۱۳۶۲ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۹۴)

حالت: اس موقع پر اپنے ایک اور دوست کا جو بہت دنوں سے دل میں ہے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ رات کو سوتے وقت دعائیں جب فوضت اموی الیک پڑھا ہوں تو سہم جاتا ہوں کہ تفویض کا لفظ زبان سے ادا کرتا ہوں۔

تحقیق: اخبار ایان شاء کوئی غیر مسلم جب اسلام قبول کرتا ہے اور امنت یا انسلمت کہتا ہے اس کا نہ سہنا مرضی ہے یا نامرضی پس جو معنی امنت کے ہیں وہی فوضت کے، هذا اذا كانت الهیبة من صورۃ الدعوی اذا کلام کما یشریحہ قولکم کہ اللہ تعالیٰ کی شان الخ فجوایہ ما سیاق

فی قولی جیسے بحکم مایشاء

حال : مگر دل میں یہ خطرہ موجود پاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بحکم مایشاء و یفعل مایرید ہے۔ وہ میری ذاتی خواہشوں اور مصلحتوں کی رعایت کیوں نہ نہیں گے۔

تحقیق : جیسے بحکم مایشاء و یفعل مایرید دلائل سے ثابت ہے۔ اسی طرح رؤف بالعباد اور ان ربی رحیم و ودود بھی ایسے ہی دلائل سے ثابت ہے تو دونوں میں تضاد کیا ہوا۔ اور جہاں بندہ کی مصلحت کے خلاف کسی امر کا وقوع ہوا ہے۔ اس کا سبب اولین خود بندہ ہوا ہے کہ قصداً اپنی مصلحت کے خلاف کوئی اختیار یعنی کفر و معصیت و ایتناء عروج پھر اگر اس پر اضلال اور منافع کا اخلال مرتب فرمادیا گیا تو سوال کا محل کون ہوا۔ وہو معنی قولہ تعالیٰ مایفعل اللہ بعد ایکم ان شکرتم و امنتم انسان و قولہ تعالیٰ و ما کان اللہ لیضل قوماً بعد اذ ہداهم حتی یسئلن لهم ما یتقون (التوبہ) تولا تنک و ما ظلمنا ہد و لکن کانوا انفسہم یظلمون (وغیر ہا من الایات) پس ثابت ہو گیا کہ جو شخص اپنی مصلحتوں کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کا ارادہ نہیں کرتے اگرچہ اس پر قادر ہیں۔ و ہذا حاصل یفعل مایشاء ( ماخوذ انور ربیع الاول ۱۳۶۲ھ و تربیت السالک حصہ دوم ص ۹۵)

تحقیق توحید و تعدد نسبت باطنہ

سوال : اکثر بزرگوں کو متعدد سلاسل سے اجازت حاصل ہوتی ہے تو کیا ان حضرات کو متعدد نسبتیں، مثلاً نسبت چشتیہ و نقشبندیہ مجیزین سے حاصل ہوئی تھیں یا محض

اجازت ہی ہوتی تھی اور کیا متعدد نسبتوں کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح ایسا شخص جس کو متعدد سلاسل سے اجازت ہے جس شخص کو اجازت دے تو اس شخص کو بھی متعدد نسبتیں حاصل ہونا چاہئے۔ لیکن حضرات چشتیہ میں آثار دیگر سلاسل کے معلوم نہیں ہوتے اور اگر ہیں تو کس طرح تعدد نسبت کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

جواب: نسبت ایک حقیقت واحدہ ہے اختلاف استعداد سے اس کے الوان مختلف ہوتے ہیں جس میں چشتیت و عنبرہ کی خصوصیت نہیں ممکن ہے کہ ایک چشتی اور ایک نقشبندی کی نسبت ایک لون کی ہو اور ممکن ہے کہ دو چشتیوں کی نسبت کا لون مختلف ہو۔ اسی طرح اختلاف اوقات سے اس لون میں اختلاف ہو سکتا ہے پس صاحب اجازت کے لئے نسبت کا حصول شرط ہے خواہ اس کا لون کچھ ہی ہو اور خواہ مجیز اور مجاز کے الوان بھی مختلف ہوں۔ اس تحقیق کے بعد کوئی اور سوال متوجہ نہیں ہوتا۔ (بوادر التوادر ص ۶۱)

عذر کی وجہ سے نافع کا بدل مجاہدہ اضطرار یعنی تشویشات وغیرہ ہیں

حالت: اس مرتبہ سفر میں کچھ ایسی صعوبتیں پیش آئیں کہ اکثر معمولات نافع ہو گئے تھانہ بھون واپس آنے پر بھی پریشانیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ دو بچے بیمار ہیں جو وقت بسر سے بچتا ہے ان کی تیمارداری میں صرف ہو جاتا ہے۔ ابھی تک پورے معمولات جاری نہیں ہو سکے۔

تحقیق: جس طرح دضوء کا بدل تمیم ہے اور اجر میں اس سے کم نہیں۔ اسی طرح مجاہدہ اختیار یہ یعنی اعمال و اورد کا بدل مجاہدہ اضطرار یعنی تشویشات و بلیات ہیں اور اجر میں ان کے برابر بلکہ بعض منافع میں ان سے اتنی ہی ہیں۔ ان کو نعمت سمجھ کر اطمینان سے کام میں بقدر وسع مشغول رہنا چاہئے۔ البتہ دعا کرتے رہیں کہ وہ بدل پر راحت و جمعیت ہوں کہ دعا مسنون ہے۔ غرض جب تک وہ باقی رہیں تغویض

توفرض ہے اور دعاسنون ہے — اور جب وہ زائل ہو جاویں  
شکر واجب ہے اور دونوں حالتوں میں بقدر وسع کام میں مشغول رہنا ادب طریق  
ہے۔ (النور جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۶)

### نماز و جماعت پر آمادہ کرنے میں سختی کا علاج

حال: لوگوں کو نماز و جماعت پر آمادہ کرنے کے لئے میرے گذشتہ عریضہ کے  
جواب میں حضرت نے صرف وعظ کو پسند فرمایا۔ اپنی سختیاں چھوڑ کر عمل تو حضرت ہی کے  
پسندیدہ طریقہ کے مطابق شروع کر دیا ہے، لیکن یہ خود میرے لئے بہت جمید مجاہدہ  
ہو گیا ہے میری طبیعت میں ذرا سختی ہے۔

تحقیق: صحیح ہے مگر حجتی کو سمجھانے سے اس کا ثوران (تیسری) بہت کم  
ہو سکتا ہے۔

حال: پہلے تو کافی نرمی سے کام لیتا ہوں لیکن جب بار بار کی تفہیم یا دیگر  
تدابیر کار آمد نہیں ہوتیں تو بس سخت مزاجی کا ظہور ہوتا ہے۔

تحقیق: تو بار بار کہنا ہی ضروری نہیں حق تبلیغ ایک بار کہنے سے ادا ہوتا ہے  
بہت ہی زیادہ شفقت ہو دو بار، حد تین بار۔ اس سے زیادہ درپے ہونا تصدی ہے  
جس پر وَمَا عَلَيْكَ أَنْ لَا يَسْرُكَ نَرِيَا كَيْفَا ہے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۶۸)

### آرام کی چیزوں میں بے رغبت نہ ہونا چاہئے

حال: حضرت میں تو اکثر دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ ہمارے اعمال حال و حال کی  
حفاظت فرما۔ بظاہر کھانا پینا اور آرام کی چیزوں سے رغبت نہیں۔ یوں خیال آتا ہے کہ  
احباب پھٹے پرانے کپڑوں میں کفن کر پرائی قبر میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں اگر وہ اپنے

فصل سے کچھ دیں تو بجائے اپنی مرغوبات کے بس ان ہی کے لئے خرچ ہو۔

تحقیق سے سب حالات و خیالات محمود و مطلوب ہیں البتہ رغبت کی نفی اس میں بعض اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔ صورتہ یا حقیقتہ جب نعمت موجود ہوتی ہے بالقوہ یا بالفعل رغبت محسوس نہیں ہوتی۔ فقدان کے بعد اس کا احساس ہوتا ہے لہذا رغبت کی نفی کے معنی سے بچنا چاہئے۔ اور اگر ایسا احساس بھی ہو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ دعا کرنا چاہئے کہ اے اللہ عتقی رغبت ہے وہ دین میں معین ہو مانع نہ ہو۔ سکا رو می عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۲۶)

## موت سے خوف دراصل حق تعالیٰ کا خوف ہے

حالت: ایک امر ناگزیر جس سے بالکل مفر نہیں یعنی موت اس کے ہول سے دل لرزتا ہے جب خیال کرتا ہوں کیا کروں؟۔

تحقیق: مومن کا موت سے خوف کرنا درحقیقت حق تعالیٰ سے خوف کرنا ہے کیونکہ مومن کو اگر یہ اطمینان ہو جاتا کہ موت کے بعد نجات ہو جاوے گی تو یقیناً موت سے ذرا تو وحش نہ ہوتا پس یہ خوف احتمال عقوبت سے ہے اس لئے محمود و مطلوب ہے البتہ اگر وہی طور پر اس خوف پر شوق طبعی غالب ہو جاوے خواہ حالت حیات میں خواہ قریباً موت تو پھر خوف نہیں رہتا مگر یہ حالت نہ نامور بہ ہے نہ لازم ہے لہذا اس کا فقدان موجب قلق نہ ہونا چاہئے (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۳۰)

## بوقت موت عذاب کا ڈر اس میں شان عظمت باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلانا ہے

حالت: عرض یہ ہے کہ وعظ سنت ابراہیم (رسالہ المبلغ شرح ۷ بابت ماد جمادی الاول ۱۳۵۵ھ صفحہ ۱۴ سطر ۱۳ تا ۱۱ میں یہ مضمون دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قسم ہے اللہ کی اگر تم ان امور کو دیکھو جن کو میں دیکھتا ہوں اور تم کو ان باتوں کی خبر ہو جاوے جن کی مجھ کو خبر ہے تو عمر بھر روتے پھر دو اور ہنستا بھول جاؤ میں ہسرافیل کو دیکھ رہا ہوں جو صور کو منہ میں لئے کھڑے ہیں اور حکم کے منتظر ہیں کہ اب حکم ہو اور اس میں پھونک ماروں کہ سارا عالم درہم برہم ہو جائے، ایسی حالت میں مجھ کو کیسے چین آئے اور میں کیسے بے فکر ہو بیٹھوں، سخت ہیبت قلب پر طاری ہے۔ موت ہر وقت سامنے ہے، اس مضمون کو دیکھنے سے قبل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے، اگر ذرا ہم اس کے ادا امر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کریں تو پھر ہمارے لئے موت اور برزخ و آخرت میں چین ہی چین ہے انشا اللہ تعالیٰ ما یفعل اللہ بعد ابکم انم اور اس مضمون کے دیکھنے کے بعد قریب مہینہ بھر سے یہ خیال دامنگیر ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھا کر صحابہ کو ڈرائیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ناقابل برداشت اور زبردست عذاب الیم سے بوقت موت اور برزخ و آخرت میں باوجود شرط شکر و ایمان پورا کرنے کے بھی کلفت و الم سے بچ جانے کا یقین نہیں بلکہ قوی خطرہ ہے۔

اللہم احفظنا من کل بلاء الدنیا و عذاب الآخرة

تحقیق: یہ معنی ہی سمجھنا غلط اور محض غلط ہیں۔ اس میں عذاب کا ذکر ہی نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا بعید بلکہ البعد بھی احتمال نہیں۔ اس حدیث کے امثال سے تو حق تعالیٰ کی شان عظمت کی طرف توجہ دلانا ہے جو کہ مطلوب ہے اور وہ اس توجہ کے ساتھ کہ ان اللہ لا یضیع اجرا المحسنین ای العاملین المخلصین جمع ہو سکتا ہے اب کیا اشکال رہا۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم)



## رضائے حق کو مقصود سمجھنا بڑی دولت ہے،

خطیکے از اجازت یافتگان احوال بندہ یہ ہے کہ جو ارشادات حضور نے بندہ کے عریفہ کے جواب میں متعلق احوال و کیفیات کے فرمائے ہیں از حد تسلی ہوئی سو حضور کے ارشادات کے متنہ ہو کر اپنے دل میں سوچا اور مطالعہ کیا اور ارشادات کو بغور دیکھا ہے۔ آخر اپنے ناقص فہم میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برابر حالات و کیفیات مقصود اور ضروری سلوک نہیں اور نہ اس کا امر ہے۔ کیونکہ اختیاری نہیں ہیں مہربوب ہیں۔ بمطواری حق ہر ایک کو اپنی استعداد کے موافق وارد ہوتے ہیں اور یہ مثال ذہن میں آئی۔ جیسا کہ انسان پیدا ہوا اس کو روح اور حیات تو سب کو ایک جیسی ہے اور اپنا اختیاری کام خورد و نوش ہر ایک کرتا ہے مگر حسن خوبی، قدر و قامت شجاعت وغیرہ اپنی استعداد فطری کے موافق جو رب العالمین رکھی ہے وہی ہوتی ہے۔ اسی طرح علم، ہنر، حرفت وغیرہ انسان کو اپنے اختیاری ہونے پر سیکھنا ضروری ہے اور استاد بھی ایک ہوتا ہے۔ محنت بھی یکساں کرتا ہے مگر اسنہ علم، ہنر وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ اسی استعداد فطری کے موافق ہوتا ہے۔ اسی طرح سلوک میں بھی اختیار کے موافق شیخ کا دامن پکڑنا اور کام کرنا ضروری ہے اور شیخ کے حضور سے خالی ہرگز کوئی نہ رہے گا۔ مگر استعداد کے موافق کمالات میں فرق ضرور ہوگا اور چونکہ انسان کا اصل مقصود اس دنیا جہان میں عبادت حاصل کرنا ہے حسن و خوبی قدر و قامت مقصود نہیں مگر دنیا میں یہ چیزیں اچھی ضرور ہیں اگر حاصل ہو جائیں تو انعام ہے ورنہ عتاب نہیں، کیونکہ غیر اختیاری مہربوب من اللہ ہیں۔ اسی طرح سلوک میں مقصود رضائے حق ہے جس کا مدار اطاعت پر ہے۔ دنیا میں جو بندہ اس پر کار بند ہے اس کو رضا حاصل ہے۔ اور حالات و کیفیات مثل حسن و خوبی کے لذت ہیں مگر وہ اس جہان میں فنا ہو جائیں گے۔ آگے ساتھ نہ دیں گے یہاں ہی حسن خوبی کی طرح ختم ہو جائیں گے اور طاعت کا ثمرہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں بھی حاصل ہوگا۔ اب حضور کے متنہ فرمانے سے دل مطمئن ہو گیا

اور سب خواہشات کو دل سے نکال دیا ہے بجز رضائے حق کوئی مقصود نہیں رکھا جس کے حصول کا طریقہ یہ سمجھا ہے کہ اطاعت اور اعتمادِ شیخِ لازمی ہے اور شیخ کو اپنا خیر خواہ سمجھا جائے اور شیخ کے سامنے مُردہ بدست زندہ رہنا چاہئے۔ پس اسی پر دل کو جمایا ہے دعا فرمادیں کہ اس پر میرا خاتمہ ہو۔

حقیقت : بچہ دل خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ علم و فہم میں فرید برکت فرمادے۔ علم و فہم پُری دولت ہے اور اول مشعلِ راہ ہے۔ دعائے عمل و استقامت و حسنِ خاتمہ کرتا ہوں۔ (تربیۃ السالک حصہ دوم ص ۵۸)

## اعمال میں بے توجہی کا علاج

حالت :- میں حضور کی ہدایت کے موافق بعد نماز تہجد چھ تسبیح ذکر نفی و اثبات اور چھ تسبیح ذکر اسم ذات دو ضربی اور بعد نماز مغرب تین ہزار ذکر اسم ذات یک ضربی کرتا ہوں اور صبح کو قرآن شریف کی تلاوت بھی ایک گھنٹہ کم و بیش کر لیتا ہوں مگر ان سب اعمال میں نہایت بے توجہی رہتی ہے۔ اکثر جی گھبراتا ہے اور طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ چھوڑیہ سب کچھ نہ کر۔ بالکل بے سود ہے، مگر خدا کا شکر ہے کہ مغلوب نہیں ہوتا بلکہ کام سب پورا کرتا ہوں گو بے توجہی ہوتی ہے۔

حقیقت : اس کا سبب مشخص ہونا چاہئے اگر ضعفِ دماغ ہے تو اس کی تدریج ضروری ہے اور اگر جھوم مشاغل و تعلقات، معاملات خانگی ہے تو اس کی تقلیل بقدر ممکن ضروری ہے اور جو ممکن نہ ہو تو بجز بانی مشورہ ضروری ہے اور اگر طبیعت میں کیفیت شوقیہ کم ہے تو کتب سیر بزرگان کا خاص اہتمام سے مطالعہ کیا جائے مثل تذکرۃ الاولیاء و مقاصد الصالحین وغیرہ اور اگر ان میں سے کوئی سبب نہیں تو زبانی گفتگو کی ضرورت ہے۔ (تربیۃ حصہ پنجم ص ۲۱۳)

## غیر واجب کا ترک شیطانی نہیں

حالت: بعد نماز عشا نام کو معدودے چند رکعت تہجد بھی پڑھ لیتا ہوں اگرچہ پہلی شب میں اٹھتا ہوں مگر نماز و ذکر کی توفیق نہیں ہوتی دن کو اپنے نفس کو ملامت وغیرہ سب کچھ کرتا ہوں مگر کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ شیطان و نفس غالب ہو رہے ہیں۔

تحقیق: غیر واجب کا ترک کرنا نفس و شیطان کا غلبہ نہیں ہے۔ یہ علامت و ندامت انشا اللہ تعالیٰ ایک روز کام کر سکی۔ اگر اس وقت زیادہ نہ ہو تو چار پالی پر بیٹھ کر ایک دو سبح پڑھ لیا کیجئے۔ (تربیتہ حصہ اول ص ۷۱)

## بوقت گرانی طبع عبادت میں جبر زیادہ ملتا ہے

حالت: مجھ کو اس سفر کا شوق و ولولہ طبعاً کبھی نہیں ہوا اور اب بھی نہیں معلوم ہوتا ہے عقلاً و ایماناً طبیعت کو مجبور کر کے انشا اللہ تہیہ کیا ہے اور ہے، اللہ تعالیٰ قوت و ہمت عطا فرماوے طبیعت اب بھی بچکچاتی ہے، حضور سے ایسی دعا و توجہ کی التجا ہے کہ جو حضور بکترین کے واسطے مناسب سمجھیں۔

تحقیق: شوق بمعنی ولولہ نہ بالذات مطلوب ہے نہ شرائط قبول سے ہے، اخلاص کے ساتھ عمل ہونا کافی ہے گو ولولہ نہ ہو بلکہ گو طبعاً گرانی ہی ہو۔ حدیث سبلغہ الرضوء علی المکارہ اس کی نقلی دلیل ہے جس سے مراد مذکور سے زاید یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مکارہ سے اور اجر و فضل بڑھ جاتا ہے اور عقلی حقیقت اس کی یہ ہے کہ طاعات بعض کے لئے مثل غذا کے ہیں اور بعض کے لئے مثل دوا کے اور ظاہر ہے کہ دوا کا نافع ہونا اس کی رغبت پر موقوف نہیں نیز ایسی حالت میں اس کا استعمال اور زیادہ ہمت اور مجاہدہ ہے اور اس میں حکمتیں بھی ہوتی ہیں جیسے عجب سے حفاظت اور اپنے نقص کا مشاہدہ و نحو ہا پس عید کا مذہب یہ ہونا چاہئے۔

بدر و صاف ترا حکم نیست دم در کش  
کہ آنچه ساقی مارِ نخت عین الطاف است

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۸۱)

میلان طبع میں تغیر پیدا ہونا موجب غم نہیں

حال: یکے از منتہیان سے مولائی اور کنی و نانی غارق

فی کجۃ الشهوات والعصیان

حالت یہ ہے کہ پہلے تو غیر اللہ کی طرف میلان قلیل سے بھی نفرت اور غیرت آتی تھی کہ محبوب حقیقی کے ہوتے ہوئے غیر ہرگز قابل التفات نہیں اور اب ذرا سی چیز بھی اپنی طرف مائل کر لیتی ہے حتیٰ کہ نظرِ شہوت وغیرہ سے بھی باک نہیں بجز اللہ تنہا جلد ہو جاتا ہے اور توبہ و استغفار مٹا کر لیتا ہوں مگر نہ معلوم قلب اب غیر اللہ کی طرف اس قدر جلد کیوں مائل ہو جاتا ہے۔

تحقیق: ابتدا میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں انس کا شوق میں مانعیت طبعیہ ہے اور انس میں مانعیت عقلیہ مگر امتحان کا موقع یہی ہے پس میلان موجب غم نہیں اس پر عمل البتہ موجب غم ہے اس میں تساہل موجب غیرت ہے حدیث میں ہے وَاللَّهُ يُعَادِرُ أَنْ يَزِنِي عَيْدُهُ أَوْ أَهْمَتُهُ أَوْ رَهْمَتُهُ فِي هَيْبَتِي أَوْ رَهْمَتُهُ فِي هَيْبَتِي وَالْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ لَيْسَ هَيْبَتٌ سِوَاكَ لَيْسَ لَيْسَ هَيْبَتٌ سِوَاكَ (تربیت السالک حصہ پنجم ص ۱۲۱)

رفع تعارض در تکمیر بر انتقام و وعائے انتقام

سوال: امثال الاقوال ص ۸۴ حصہ دوم میں یہ عمارت ہے (فِي كَوْنِ ارَادَةِ

الْاِنْتِقَامِ مِخْلَافِ الطَّرِيقِ) كَانَ يَقُولُ مِنَ الشُّهُوَةِ

الْخَفِيَّةِ لِلْوَلِيِّ ارَادَةُ النَّصْرَةِ عَلٰی مَنْ ظَلَمَ تَرْجُمَةً اِمْتِقَامِ كَارَادَةِ

کرنا طریق کے خلاف ہے) فرمایا کہ دلی میں یہ بھی ایک مخفی شہوت نفسانی ہے کہ وہ اس کا ارادہ کرے کہ مجھے ظالم پر نصرت حاصل ہو اور مناجات مقبول منزل دوم **وَاجْعَلْ تَارَةً عَلَيَّ مَن ظَلَمْنَا وَانصُرْنَا عَلَى مَن عَادَنَا** الخ (ترجمہ اور ہمارا انتقام لے اس سے جو ہم پر ظلم کرے اور بددوسے ہیں اس پر جو ہم سے دشمنی کرے) اس دعا کی ابتداء ص ۵۶ **اللَّهُمَّ اقْسِمْنَا مِنْ نَحْتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ** الخ سے ہے۔ بحوالہ حاکم و احمد عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ عبارت مناجات مقبول کے حاشیہ میں ہے اب عرض یہ ہے کہ بظاہر اس ملفوظ اور حدیث میں تعرض معلوم ہوتا ہے کیونکہ دعا بھی تو نصرت ہی کے ارادے سے کی جاتی ہے۔ حضرت والا براہ کرم تشریح فرما کر ممنون و شرمائیں۔

**تحقیق:** جو ارادہ انتقام خلاف طریق ہے وہ عید کا ارادہ ہے جو منافی ہے حلم و کرم کے خصوص جبکہ اس انتقام میں حدود سے تجاوز ہونے کا بھی مشبہ ہو جیسا کہ اکثر بوجہ ضعف قوت علمیہ و علمیہ کے واقع ہو جاتا ہے اور جس انتقام کی دعا ہے اس میں حق تعالیٰ کا ارادہ ہوگا جو احتمالات مذکورہ سے مستر ہے **فَكَيْفَ يُقَاسُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخِرَةِ لِيَلْزِمَ التَّعَارُضَ**

نیز اپنے انتقام کا محل شخص معین ہوگا جس میں نفسیات کا بھی احتمال ہے، اور انتقام الہی کی طلب میں محل متعین نہیں اور غیر متعین میں یہ احتمال نہیں۔ **فَأَيْنَ هُمَا مِنَ الْآخِرَةِ** خلاصہ جو اب یہ ہے کہ خود انتقام لینے میں غلامت حکمت ہونے کا احتمال ہے اور حق تعالیٰ کے انتقام میں یہ احتمال نہیں۔ لہذا پہلے انتقام کا ارادہ بھی ایک درجہ میں منکر ہے اور دوسرے انتقام کے ارادے کی طلب بالکل منکر نہیں۔ (بوادر و نوادر)

## اپنی حالت کا نقص سمجھنا اور تاویل کو منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے

حال: حضرت کچھ ایسی حالت ہے کہ باوجود تامل و تفکر کے اکثر و بیشتر اپنی مزعمومہ خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی ہیں عیوب نہیں دکھائی دیتے صد حسرت و تاسف کہ میرے عیوب مجھ پر منکشف نہیں حالات یوم دلیل میں اپنی خوبی بھی نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے اور عیب کا گویا کوئی پہلو بھی واضح نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو اضطراب و اختیار تصد بے قصد کے لغو حیل سے نفس جلد سے جلد تاویل کر لیتا،

تختہ: اس حالت کا نفس سمجھنا اور تاویل کو منکر جاننا یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ سیات کا ایک درجہ میں کفارہ ہو جاتا ہے اور اس کفارہ ہونے میں جو کئی رہ جاتی ہے اس کے لئے اجازت و ابہاماً اعتقاد اپنے عیوب کا گوان کی تعیین نہ ہو اور اس کے ساتھ استغفار خصوص اس صیغے کے سَا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا عَمِلْتُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ اور اس اعتقاد کا استحصار و استغفار کا تکرار انشاء اللہ تعالیٰ امتثال مامور بہ کیلئے کافی ہوگا اور اس سے بصیرت کا فتح باب ہو جاوے گا و عدم ہے من عمل بما علم علمد اللہ ما لم يعلم اور کہا قال صلی اللہ علیہ وسلم (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۲، النور محرم، ۱۳۵)

## خفیف فکر پر کھنی وعدہ اجر ہے

حال: یہ ناکارہ مشاغل و افکار کے ہجوم میں حیران و پریشان الحال و بال ہوں دن بھر دنیا کے دھندوں میں اور رات کو تھک کر خواب غفلت میں گرفتار کوئی غلص نظر نہیں آتا کہ ہجوم مشاغل میں تخفیف ہو تو کچھ آخرت کے لئے بھی کر سکوں۔ مخدومی یہ ناکارہ بہت ہی محتاج دعا و توجہ ہے۔

تختہ: دعا سے کیا انداز ہے مگر طلب عمل کے علاوہ یہ بھی وظیفہ عبودیت ہی ہے کہ

چونکہ ہر منجنت بریند دبتہ باشس چوں کشاید چابک و برجستہ باشس

کیا احادیث میں خفیف خفیف فکر و تشویش پر وعدہ اجر نہیں ایسی تشویش منقص لطف تو بیشک ہے

مگر نقص (کم کرنے والی) اجر تو نہیں ہے اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ مقصود اعظم اجر ہے بالطف۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۳۳)

## دوام عمل کی حقیقت

حالت : اول تو میں کرتا ہی کیا تھا مگر جو کچھ بھی ہوتا تھا آج کل بعض عوارض کی وجہ سے سب درہم برہم ہو گیا ابھی تک التزاماً پڑھنا نہیں ہوتا جب التزام کرتا ہوں عوارض و حوادث پیش آجاتے ہیں جس کی وجہ سے التزام کیا بالکل پڑھنا موقوف ہو جاتا ہے۔

تحقیق : یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہو کبھی نہ ہو بالخصوص جب سبب اس کا عذر ہے دوسرے یہ کہ کامیابی اس پر موقوف نہیں کہ کبھی ناغہ ہی نہ ہو بس نصن میں لگا رہے گو ناغہ بھی ہو مگر اس نصن کے درپے رہتے سے ایک روز مقصود حاصل ہوگا۔  
(تربیت السالک جلد اول ص ۳۶۵)

نماز و ذکر کو یکسوئی سے محروم رکھنا، اس رحمت میں بھی حکمت ہے

حالت : (بعض واقعات کے ذکر کے بعد) ان حالات و افکار نے ذہن کو منتشر کر رکھا ہے معمولات میں بجد اللہ فرق نہیں آیا۔ مگر خطرات و خیالات کی یورش نے ذکر و نماز کی یکسوئی اور طمانیت میں فرق ڈال دیا ہے، الّا تہجد کہ وہ ہجوم افکار سے بجد اللہ پاک سے تحقیق : ایسے واقعات و تشویشات میں بھی رحمت و حکمت ہے کہ ان سے انکسار و افتقار پیدا ہوتا ہے۔ (النور صفحہ ۱۳۶۲ ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۸)

نماز و ذکر میں ہجوم خیالات غیر اختیاری ہیں

حالت : (کچھ حالات لکھنے کے بعد) البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں بھی تک مہولی کامیابی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ نماز اور ذکر کے وقت خیالات کا بہت ہجوم رہتا ہے اس کے لئے دعا فرمائیں میں بہت تنگ ہوں۔

تحقیق : قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْعَارِفُ

الشَّيْرَازِيُّ فِي تَرْجُمَتِهِ : ۵

گفت آساں گیر بر خود کار ہا کز روئے طبع

سخت می گیر دجہاں بر مرد ماں سخت کوشش

عبد مکلف ہے اور کس دلیل سے قرآن مجید سے زیادہ کس کا فیصلہ ہو گا مقبولین کے کمال اور فضیلت میں یہ ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اَتَقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طُغْيَانٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا (الاعراف) یہ نہیں فرمایا لَّا يَمَسُّهُمْ طُغْيَانٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ پھر اِذَا کے ساتھ فرمایا ہے جس سے اس مس کا یقین وقوع معلوم ہوتا ہے۔ جب متقی اس سے عالی نہیں چہ جائے غیر متقین کا کیا ذکر۔ البتہ ایسے حالات میں تذکرے کا محور یہ ہے، جس کا مفہوم بہت عام ہے اور اختیار میں ہے اب کیا سوال رہا فقط (تر بیت السالک جلد دوم ص ۲۳۸)

بے تدبیری بھی تدبیر ہے

حالیہ : میں تو حضرت بس مجموعی طور سے اپنے آپ کو ایسے حال میں پارہا ہوں کہ دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے ڈوب رہا ہوں اور خود ہاتھ پاؤں مار کر نکل جانے کی بھی کوئی تدبیر نظر نہیں آرہی ہے۔ دماغ بالکل معطل ہے۔

تحقیق :- بعد تفویض محض کے یہ بھی ایک نعمت اور ایک علم عظیم کا مقدمہ ہے کیونکہ اس سے مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ جب تدبیر موثر نہ ہو تو بے تدبیری ہی تدبیر ہے۔

(تر بیت السالک جلد دوم ص ۲۴۴)

معمولات میں فرق پڑنے سے فلاح طبعی مضر نہیں

حالیہ : ایک عرصہ سے بعض اسفار اور بعض رسائل و مضامین لکھنے کی وجہ سے

معمولات کا نظام بگڑ رہا ہے۔ بہت ہمت یا تدبیر پوری مقدار اور پابندی کرنا چاہتا ہوں



مگر سستی یا تساہل کا غلبہ ہو کر غللی ہو جاتا ہے اسی کشمکش میں ایک عرصہ سے عریضہ پیش نہیں کیا کہ نسخہ ہی استعمال نہ ہو تو حال کیا کہا جائے نماز، تلاوت ذکر و دعا، استغفار کسی کا بھی شوق پہلا سا نہیں رہا اسی وجہ سے معمولات میں کمی پڑی ہے۔

تحقیق: ایسے تغیرات و اسباب تغیرات سب کو پیش آتے ہیں اکابر بھی اس سے خالی نہیں جس کا تدارک اعادہ توجہ و عمل ہے اسی طرح قوت ضبط بڑھ جاتی ہے اور تمکین نصیب ہو جاتی ہے اس لئے بدل نہ ہونا چاہئے۔ قلق طبعی مضر نہیں ہے بلکہ معین ہے تخرید عمل کا۔ لیکن اختیاری قلق اور اس میں انہماک کے ساتھ اشتغال یہ مضر ہے۔ اس سے اعراض کر کے مستقبل کا انتظام درست کر لیا جاوے اگرچہ تکلف سے ہو، اور اگرچہ نشاط سے خالی ہو، چند روز میں پھر اکثر تو حالت دلتخواہ ہو جاتی ہے اور تہ بھی ہوتی ہے مقصود حاصل ہے یعنی طاعت عاجلاً و اجراً جلاً (تربیت السالک علیہ و م ص ۳۶۸)

## شکایت الی اللہ مذموم نہیں

حالیہ میں نے ایک رات تو اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ جنگ ہی شروع کر دی اور زور زور سے کہنے لگا بیشک ان بیماریوں میں بھی میرا ہی نفع ہے لیکن یہ نفع آپ بیماری کے بغیر بھی تو پہنچا سکتے ہیں آپ کی قدرت میں سب کچھ ہے آپ عاۓ اللہ کے خلافت بھی کر سکتے ہیں وہ آپ پر حاکم نہیں آپ اس پر حاکم ہیں عرض اسی طرح بلکہ اس کمی منت تک کرتا رہا۔ پھر کچھ استغفار کیا مگر اس طرح کہ گویا جنگ میں کچھ حق بجانب ہوں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

تحقیق: وہ بے حجابانہ معروضات ادلال تھا جو ایک حال ہے اور مقام سے ادنیٰ اس اعتبار سے اس کو اضافی نقص کہا جاوے گا جس کا تدارک استغفار سے مقام عبودیت میں ضروری ہے جو بوقیہ تعالیٰ واقع بھی ہوا (تنبیہ) اس تخریب کے وقت معلوم نہیں حال سے یا خیال سے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام و حضرت یونس علیہ السلام کے بعض

واقعات اور بعض مقالات نے ذہن میں خطور کیا ہے جیسے :

قَوْلَ تَعَالَى لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمُ (الی) فَأَعْفَرْنَا (الاعراف)

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ (یوسف)

إِذْ ذُهِبَ مُغَاضِبًا - الی - إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء)

لیکن ایسے یاس و تطبیق کو خطر ناک سمجھ کر سکوت میں سلامتی سمجھیں اور اس معروض میں جو عطاء بلا واسطہ سبب خاص تجویز کیا گیا اس کا نشاد ہر بل بے حکمت مختصہ بالسبب الخاص سے گو وہ حکمت ہم سے مخفی ہو اور اگر اس حکمت میں بھی یہی دوسرہ ہو تو اس کا مرجع تقدیر کا راز ہے جس کی کہنہ ہماری استعداد علمی سے فوق ہے کہ وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتی اس لئے اس کے ادراک سے طمع قطع کر دی گئی اور یہی عدم تحمل منشا ہے نہی عن الخوض فی المسئلہ کا جیسے کوئی حکیم شفیق قرص شمس میں نظر جانے سے منع کرے لَا لِنَقْصِ فِي الشَّمْسِ بَلْ لِنَقْصِ فِي بَصَرِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ (تربیت السالک جلد دوم ص ۳۷۰)

### امراض روحانی کا علاج

حالت : یہ تو امراض جسمانی کی حالت ہے، رہے امراض روحانی، ان کی حالت

امراض جسمانی سے بدتر ہے امراض جسمانی کا اہتمام تو ہے امراض روحانی کے متعلق یہ کبھی نہیں اگر اسی حالت میں خاتمہ ہو گیا تو خیر الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مجھے آپ کی دعا اور توجہ کی سخت ضرورت ہے، جس وقت یاد آجائے میرے لئے دعا فرما دیا کیجئے جب میں اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو خوب روتا ہوں مگر کیا نتیجہ، ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھ لیتا ہوں اور بارہ سو مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دو مختلف مجلسوں میں عامیۃ طور پر پورا کر لیتا ہوں۔ ہر نماز کے ساتھ ایک قصا نماز پڑھ لیتا ہوں مغرب کے بعد چار نفلیں زائد پڑھ لیتا ہوں۔ عشاء کے بعد چار نفلیں بہ نیت تہجد پڑھ لیتا ہوں۔ اس وقت کل یہ معمول کے اطلاقاً معروض ہے۔

حقیقت : امراض روحانی کا ایک علاج اختیاری ہے اور اس میں اہتمام کی

ضرورت ہے، دوسرا علاج غیر اختیاری بھی ہے یعنی مستقیم یا عزم یا غم اگرچہ طاعات و اجبہ میں کٹا یا طاعات و اجبہ میں کیفیتاً کچھ نقص یا خلل ہی واقع ہو جاوے تب بھی نفع اس پر مرتب ہوتا ہے اگرچہ کلفت کے غلبہ سے یا ادراک کی کمی سے اس وقت محسوس نہ ہو مگر ترتیب تو اسی وقت اور احساس بعد میں ہوتا ہے اب اس کا غم نہ کیجئے اور اگر ازالہ غم پر قدرت نہ ہو تو پھر یہ غم بھی خود علاج ہے باقی دعائیں اس جزو کو شامل کر دیں۔ (ترتیب السالک جلد دوم باب دوم) <sup>۳۶</sup>

باوجود اپنے کو حقیر جاننے کے جب کسی میں عیب نظر

آتا ہے تو اپنے کو اچھا خیال کرنا۔ اس کا علاج

حال: حضرت میں اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھنا چاہتا ہوں لیکن جب کسی کے عیب کو دیکھتا ہوں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے اندر یہ عیب نہیں ہے تو میں اس سے اچھا ہوں۔ تحقیق:۔ ایسے وقت میں دو امر کو ذہن میں حاضر کیا جاوے ایک یہ کہ شاید اس شخص کا یہ عیب ظاہری عیب واقعی نہ ہو کوئی تاویل یا کوئی عذر اس کے پاس ہو دوسرا یہ کہ اگر واقعی بھی عیب ہو مگر ممکن ہے کہ اس میں عند اللہ کوئی خوبی حالاً یا مالاً ایسی ہو جس سے وہ میرے سب کمالات اور محاسن پر غالب ہو جاوے۔ (ترتیب السالک جلد دوم ص ۱۷۳)

نفس کے کسی مشتبہ رذیلہ کا خود علاج تجویز کرنا ابتدائی کیلئے مفید ہوگا

حال: تبلیغ دین اور حضرت کے مواعظ زیر مطالعہ ہیں میں سمجھتا تھا کہ کبر پر بفضلہ تعالیٰ غالب آچکا ہوں لیکن اس ہفتہ میں اپنے ہر فعل پر غور کے ساتھ رکھنے کے نتیجے میں مجھ کو اپنے اندر کبر و عجب کا احساس ہوا گو نفس نے ہر اس فعل کی جس پر مجھ کو عجب و کبر کا گمان ہوا تاویل پیش کرنے کی کوشش کی مثلاً

۱۔ ایک صاحب نے میرے دماغ و ذہانت کی مدح کی جس کو سن کر مجھ کو نہایت مسرت ہوئی اور مدح کو سچ سمجھا عقلی طور پر خوب ذہن نشین ہے کہ میرا کوئی کمال میرا ذاتی

نہیں ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا استحقاق عطا فرمایا اور جب چاہے واپس لے لے۔ مدح کو پرج سمجھنے کی بابت نفس نے یہ تاویل کی جب تم اس کو اپنا کمال نہیں سمجھتے اور اللہ پاک کا انعام سمجھتے ہو تو اس خوبی کو خوبی نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہوگی۔

۲۔ ایک بار بازار سے آٹھ آنے کا گھی لانے میں عار محسوس ہوئی فوراً خیال ہوا کہ شرم کی وجہ تکبر ہے نفس نے تاویل کی تمہارے ملازم موجود ہیں میں معزز سرکار ہی عہدیدار ہوں اگر کوئی دیکھے گا کہ آٹھ آنے کا گھی خرید رہا ہوں تو ذلت کی نگاہ سے دیکھے گا مگر میں نے اس کو نفس کی تاویل سمجھا اور نفس کی تادیب کے لئے اس پر آمادہ ہو گیا کہ اب چار آنے کا گھی خرید کر لادوں گا تو پھر اس بات پر شرم آنے لگی کہ چار آنے کے گھی کے لئے اتنا برابر تن لیاؤں گا تو دکاندار حتمی سمجھے گا۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم آگیا جس کے اس وقت نہ ہونے سے مجھے بازار جانا پڑ رہا تھا اس کے آنے پر جانا ملتوی کر دیا۔

۳۔ ایک بار میں نے اپنے ایک ماتحت کو اشارہ سے بلایا اس نے دیکھا مگر وہ اپنے کام میں مشغول رہا۔ مجھے طبعی طور پر ناگوار ہوا لیکن میں نے اس کے تعصبا پر عمل نہیں کیا بعد میں خیال آیا کہ ایسے مواقع پر تواضع کا برتاؤ کرنا سیاست اور انتظام میں محل ہوگا لہذا میں نے مصنوعی غصہ طاری کیا اور اس کے پاس جا کر تنبیہ کی۔ میری اس تنبیہ میں ظاہراً تکبر کی شان تھی لیکن قلب تکبر سے پاک تھا۔ حضور والا مطلع فرمادیں کہ ایسے مواقع پر جہاں تواضع کا برتاؤ سیاست اور انتظام میں محل ہوتا معلوم ہو۔ ظاہراً متکبروں کا سایہ تاؤ کرنے کی شرعاً رخصت ہے یا نہیں۔

تحقیق سے: خط حرفاً حرفاً پڑھا طلب اور اہتمام اور فکر سے دل خوش ہوا۔ دل سے دعا نکلی سب کا جواب یہ ہے کہ بستہ می کو ایسی کاوش نافع تو اس لئے ہے کہ اس سے نظر بڑھتی ہے مگر تحقیق کی شکر یا اس تحقیق پر اصلاح کو اس طرح بینی کرنا کہ اگر نفس میں ذلیلہ ثابت ہو جائے

تو اس کا تدارک کریں ورنہ مطمئن ہو جائیں یہ مضر ہے اس لئے کہ ایسی تحقیقات اکثر وجدانی ہوتی ہے کہ ان میں دونوں جانب دلائل و کلام کی بہت گنجائش ہوتی ہے اگر ردیہ کو ثابت کیا جائے بعض اوقات علو و تعمق ہو جاتا ہے۔ پھر ہر چیز میں ایسے ایسے سوالات پیدا ہونے لگتے ہیں جو ایک مستقل مشغلہ ہو جاتا ہے جو ضروری مقاصد سے مانع ہو جاتا ہے اور اگر مطمئن کر دیا جائے تو نفس کو یہی عادت ہو جاتی ہے اور فکر کی چیزوں سے بھی بے فکر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات خود مصلح کی رائے بھی مشتبہ ہو جاتی ہے اس وقت طالب کو زیادہ شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں لہذا یہ طریق بچائے مانع ہونے کے مضر ہو جاتا ہے اس لئے صحیح طریق یہ ہے کہ جس امر میں ذرا بھی مشتبہ ہو جائے اس شبہ کو حقیقت سمجھ کر اس کا تدارک عملی یعنی نفس کی مخالفت کی جاوے اور اگر ہمت نہ ہو یا کسی امر صریح و بین طور سے خلاف مصلحت مشاہد ہو تو بچائے تدارک عملی کے استغفا اور جناب باری تعالیٰ سے دعا والہجائے اصلاح کی بکثرت کریں پس یہی معمول رکھا جاوے اور جس امر کے قبیح ہونے میں کوئی اشتباہ نہ ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ اس میں ہمت کر کے نفس کی مقاومت و مخالفت کی جاوے اور رسمی و وہ بھی مصلح کی پرواہ نہ کی جائے والسلام۔ (ماخوذ بواد النوا اور ص ۹۵۱ - ۹۵۰)

### اپنے کو کسی مقام خاص کا مستحق سمجھنا

حالیہ سال سے کوشش تکمیل اعمال اختیاری و تقویٰ میں مصروف ہوں لیکن کامیابی مفقود نامرادی پر قلق کرتا ہوں تو یہ اور تو یہ شکنجی پر قلق و تکر تخیلیہ قلب و حصول یکسوئی اور اس میں ناکامیابی ان ادھیڑ بن میں زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے لیکن کوئی حالت ایسی پیدا نہیں ہوتی ہے جس سے صاف اندازہ ہو کہ یہ حالت حاصل ہوگئی۔  
حقیقت: یہ تمام ادبام ہیں گناہ (جیسا کہ اکثر ہوا ہے) بلکہ ایک گونہ اپنے کو ایک عالی درجہ کا مستحق سمجھنا ہے جیسے کوئی بہت ادنیٰ درجہ کا شخص کہے کہ اتنے روز

ہو گئے شاہی خدمت کرتے ہوئے مگر اب تک بادشاہ نے داماد نہیں بنایا کیا یہ گستاخی نہیں  
 خوب کہا گیا ہے سے آرزو میں خواہ لیک اندازہ خواہ  
 برتا یہ کہہ را یک برگ کاہ

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۵۱)

## تفاوت نماز فرض و نفل

حالت: نماز میں بمقابلہ فرض کے سنت میں اور بمقابلہ سنت کے نفل میں اطمینان  
 دل بستگی زیادہ ہوتی ہے اور یہ امر اختیاری نہیں یہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے اس طرف  
 توجہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

تحقیق: نمازوں کے انواع میں جو تفاوت لکھا ہے میرے نزدیک یہ امر طبعی ہے  
 طبیعت کی خصوصیت اس کا سبب ہے منشاء اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض نفوس کی خاصیت  
 ہے کہ لزوم ان پر گراں ہوتا ہے اور عدم لزوم کی صورت میں بوجہ بٹاشنت کے ان کا کام  
 بہل ہوتا ہے اور بعض طبیعتوں کی طبعی خاصیت ہے کہ لزوم میں ان کو آسانی ہوتی  
 ہے اور اختیار دینے میں تساہل ہوتا ہے اور دونوں بوجہ طبعی ہونے کے غیر مذموم  
 ہیں اگرچہ باعث بار اثر کے دوسرا مذاق اچھا معلوم ہوتا ہے بہر حال اس کی فکر میں پڑنے  
 حال: دوسری عرض یہ ہے کہ بہر رات عشا کے بعد جب سوتے لگتا ہوں بلکہ شام  
 ہوتے دل میں بہت شدت کے ساتھ یہ خواہش ہوتی ہے کہ یا اللہ تہجد کا وقت کب آئیگا  
 اور جب آخرب شب کو حضرت کی برکت سے اور اللہ پاک کی مدد سے اٹھ کر وضو و مسواک کرنے  
 لگتا ہوں تو دل میں بہت خوشی پیدا ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ بہت جلدی نماز شروع کروں  
 اور جب نماز میں کچھ چہرے سے قراءت شروع کرتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ ساری رات نماز پڑھوں  
 لیکن اس کے ساتھ ہی ذکر کے لئے دل میں ایک کشش ہوتی ہے تو گو یا دل کو سمجھا بھجا کر نماز کو  
 ختم کر کے ذکر شروع کرتا ہوں۔ دن میں بھی یہ خیال رہتا ہے کہ تہجد کا وقت کب آدے۔

اس خوشی کے ہونے پر میرے اندر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تہجد اور ذکر میں جتنی خوشی ہوتی ہے فرضیات میں اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ ہاں پہلے کی حالت کی نسبت آج کل فرضیات میں بھی کچھ لذت محسوس ہوتی ہے لیکن تہجد کی نسبت کم۔

حقیقت: فرض میں تو دوسری شق یعنی ترک کا اختیار ہی نہیں اور تہجد میں اس شق کا بھی اختیار ہے۔ باوجود اس کے فعل کی توفیق ہونا اس میں انعام حق کا زیادہ مشاہدہ ہے اس لئے اس میں زیادہ فرحت ہوتی ہے اور ایسی حالت مطلوب ہے گو دوسرے اعتبار سے توفیق فرض میں زیادہ انعام ہے تو کبھی ایک اعتبار کا اثر طبیعت پر غالب ہوتا ہے کبھی دوسرے کا اور یہ غمیر اختیار ہی امر ہے۔ (البدائع)

### عمل میں زیادہ کاوش کرنا غلطی ہے

سوال: ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض اوقات قلب بالکل خالی معلوم ہوتا ہے، بہت کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔

جواب: فرمایا کہ کوشش میں مبالغہ کرنا غلطی ہے۔ سرسری توجہ کافی ہے ورنہ کاوش کا انجام اچھا نہیں ہے۔ طبیعت پر تعب ڈالنے سے پریشانی بڑھتی ہے اور کبھی مایوسی تک نوبت پہنچتی ہے کیونکہ ایسے امور (یعنی کیفیات وغیرہ) اختیار میں نہیں اور جو امور اختیار میں نہ ہوں ان کے پیچھے پڑنے کا انجام آخر میں تعطل ہوتا ہے، کیونکہ اگر بالفرض کامیابی نہ ہوئی تو شیطان راہ مارتا ہے، اغوا کرتا ہے کہ اتنا سمر مارتے ہیں پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، پھر کیا فائدہ بیگانہ محنت کرنے سے۔ سخت می گیرد جہاں بر مردمان سخت کوش

اور یہ قلب کا خالی رہ جانا قبض کہلاتا ہے اور قبض بسط سے بھی ارفع ہے اس واسطے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے، اگر بسط دائم رہے تو بہت سے اخلاق ذلیلہ پیدا ہو جائیں چنانچہ حق تعالیٰ رزق ظاہری کی بابت فرماتے ہیں کہ ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض یعنی اگر اللہ تعالیٰ رزق کو فراغ فرمادیتے اپنے بندوں کے لئے تو وہ شرارت کرتے، یہی حال رزق باطنی کا ہے کہ اگر احوال و کیفیات دائم رہیں تو بہت

سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جائیں مثلاً کبر و عجب و طغیان وغیرہ پس قبض میں بھی صد ہا نصلحتیں ہیں۔ جو قلب خالی معلوم ہوتا ہے تو واقعی میں خالی نہیں ہوتا بلکہ بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن جو چیز اس میں بھری ہوئی ہے وہ ایسی ہے کہ بظاہر محسوس نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات وہی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ مشک (چمڑے کا تھیلہ) میں کبھی پانی بھرتے ہیں کبھی پھونک مار کر ہوا بھرتے ہیں اور اس کے ذریعہ تیرتے ہیں۔ اس وقت ہوا کا بھرننا ہی ضروری ہوتا ہے اس وقت اگر اس میں کوئی سوتی چھوڑے تو اس کے ڈوبنے کا مقدمہ ہے اور یہ جاننا مرنی حقیقی کا کام ہے کہ کس وقت ہوا بھرنا مفید ہوگا اور کس وقت پانی بھرنا بہر حال خواہ بسط ہو خواہ قبض مرنی کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئے، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خالی ہیں، کام میں لگا رہے اور حالات سے مصلح کو اطلاع دیتا رہے انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے اس راہ میں حرمان ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ (کمالات اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۱۰۱۲)

دل کے خیال سے عمل ترک کرنا شیطانِ خیال سے

سوال: ایک مریض نے لکھا کہ بعض وقت ایہ خیال آکر کہ لوگ ریاکار کہیں گے یا اچھا کہیں گے تو نفس خوش ہوگا، نفل وغیرہ پڑھنے سے باز رہتا ہوں کیا یہ ناکارہ بہ طرح سے محروم ہی رہے گا۔

جواب: تحریر فرمایا کہ ریاکار خیال تو شیطانِ خیال ہے باوجود اس خیال کے بھی کام کرنا چاہئے اور مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ محروم رہوں گے، یا کیا مجھ کو اپنا ہی حال معلوم نہیں، پھر یہ کہ اپنی کوتاہی جب سبب محرومی کا ہو تو دوسرا کیا علاج کرے معلوم کا کام اتنا ہے کہ طالب کام کرے اور اطلاع حالات کی دیکر جو کچھ پوچھنا ہو تو اس سے پوچھے بدون اس کے یہ کوئی کھیر تو ہے نہیں کہ چٹا دی جلے۔

معمولات میں پابندی نہ ہو سکتا

(کمالات اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۱۰۹۶)

حال: ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ سے وظائف اور ادائیگی پابندی باوجود اہتمام کے نہیں ہوتی جس کی وجہ سے قلب از حد متاسف ہوتا ہے۔

جواب: میں ارشاد فرمایا آپ اس کے زیادہ درپے نہ جیے کیونکہ یہ خود ایک مستقل شغل ہو جاوے گا جو حجاب سے باقی رہی کوتاہی تو ہستفاز اس کے تدارک کے لئے کافی ہے اور بعض مرتبہ اس کوتاہی اور عدم پابندی میں یہ مختلف نصلحتیں ہوتی ہیں طبیعتیں مختلف ہیں اور اللہ عزوجل ہر شخص کی طبیعت کو خوب پہچانتے ہیں بعض طبیعتیں فطری طور پر ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں پابندی ہونے سے تین خرابیاں ہو جاتی ہیں اول تو عیب ہیں کہ ہرگز نہیں



کام کرتے ہیں کبھی ناغہ نہیں ہوتا۔ قدم اگر ثمرات مرتب ہوں تو اپنے آپ کو ان کا مستحق سمجھنا یعنی یہ کہنا کہ کیوں نہ بنتے ہم تو اس کے مستحق ہی ہیں ہمیشہ امداد و وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں۔ سو ہم عدم ثمرات پر اللہ تعالیٰ کا شاک ہونا کہ ہم اتنی مشقت و محنت و ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں اور ہم کو ثمرے نہیں ملتے تو اگر ایسی طبیعتوں میں پابندی نہ ہو تو بوجہ عجب کے تواضع ہوتی ہے کہ ہم کس لائق ہیں کام تو پورا ہو ہی نہیں سکتا، اور عجز و نکسا آجاتا ہے۔ اور ثمرات کے مرتب ہونے پر اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور عدم ثمرات پر خدا تعالیٰ سے شاک نہیں ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے کیا ہی کیا ہے جو ثمرات ملیں پس یہ مصلحتیں ہیں کوتاہی میں۔ (اشرف المسائل)

خیالات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہیے  
 نسر مایا کہ سالک کو خطرات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہیے نہ ان کی بنا پر اپنے کو مردود سمجھنا چاہیے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے جیسے کوئی بری بری باتیں کسی کے کان میں کہے اور سننے والے کو اس کے رد کرنے پر قدرت نہ ہو، تو باوجود ناگوار ہونے کے اس کو مجبوراً بلا قصد و بلا اختیار ستنا ہی پڑے گا یعنی وہ سامع ہوگا مستمع (سنانے والا) نہ ہوگا نہ متکلم ہوگا۔ لہذا اس کا کیا تصور بلکہ اس کو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اسے اجر ملے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اپنے محبوب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے نہایت شوق کے ساتھ چھپٹا ہوا چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں اس کا دشمن ملا اور اس کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے اس کو ستا سنا کر بادشاہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات بکنے لگا تو گو ناگوار تو بہت ہوگا لیکن عقل و طلب کا مقتضا یہی ہے کہ اس لائق اور نیک حرام کی بیہودہ بکو اس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے ورنہ اگر رد و کد شروع کر دیا تو حاضری دربار کا وقت گزر جانے کا اندیشہ ہے پس اس کو چاہئے کہ صبر کرے ہوئے خاموشی کے ساتھ چلتا چلا جائے پھر جب دربار میں رسائی ہو جائے گی تو اول تو وہ کم سجت آپ ہی پیچھا چھوڑ دے گا ورنہ کان پیکر نکلو ادا یا جائے گا چنانچہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ بعد وصول تام خطرات فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر مقتضائے اسباب و مصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات غیر اختیار پر مطلق مواخذہ نہیں، نہ وہ

معصیت ہیں البتہ اذیت و کلفت ضرور ہوتی ہے مگر اس پر بھی اجر ملتا ہے اور درجے بڑھتے ہیں۔ (ماخوذ از شرف السوانح حصہ اول)

ارادہ اور نیت کا بھی اجر ملتا ہے

حال: ایک صاحب نے لکھا کہ ارادوں کی بے بسی سے بعض وقت جی چاہتا ہے کہ بس کیا ہی نہ کروں لیکن اس پر بھی قدرت نہیں۔

تحقیق: ارادہ اور نیت پر بھی اجر ملتا ہے گو عمل سے خالی ہو، اس کو مفت کیوں ضائع کیا جائے عمل کی کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ لیکن استغفار کے بعد پھر کام میں لگ جانا چاہئے۔ ہر وقت کوتاہیوں کا مرفعہ مضر ہے، مایوسی و پست ہمتی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ توبہ و استغفار کے بعد معاصی کا ذہول قبول توبہ کی علامت ہے۔ اس زمانہ میں خاص کر رجا کا غلبہ ہی مفید ہے۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

## اولاد کے لئے فکرِ معاش

حال: حضرت کل بعد مغرب بہت رقت ہوئی بہت دل گھیرا یا حالانکہ بہت ٹھنڈی ہو چل رہی تھی لیکن ایک دم تمام جسم پسینہ میں نہا گیا اور یہ خیال آیا کہ مجھے اپنی اولاد کے معاملات سے اس قدر وابستگی ہو گئی ہے کہ دن رات اسی خیال میں مستغرق رہتا ہوں۔ نہ یہ خیال ہے کہ تیرا وقت قریب آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اپنے اعمال و افعال جو کچھ ہیں وہ نظر آ رہے ہیں۔ اول ان بچوں کے پاس ہونے کا قصہ درپیش تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی ملازمت کا معاملہ شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ایک مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھے غرضیکہ ہر وقت بچوں کا خیال دامنگیر رہتا ہے۔ رات کو جب کبھی آنکھ کھلی تو بچوں کے امتحان میں کامیابی کے لئے، یا ان کی نوکری کے لئے دعا کی۔ پلنگ پر جب لیٹا تو بچوں کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ پلنگ سے جب صبح کو اٹھا تو پہلا کام بچوں کی کامیابی کے لئے

دعا کرنا۔ نماز کے بعد بچوں کی فلاح و بہبود کے علاوہ اور سب دعائیں کرنا چھوڑ دینا۔ اس خیال سے بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے، کہ خدا نخواستہ اگر مرتے وقت بھی بچوں کا خیال رہا تو میں دین کا رہوں گا نہ دنیا کا۔ بالکل تباہ ہو جاؤں گا۔ سرکار توکل میرے اندر نہیں رہا۔ قلب میرا تاریک ہو گیا حالت میری بد سے بدتر ہو گئی، مجھے اپنی حالت دیکھ کر بہت غم اور رنج ہوتا ہے۔ حضور میری دست گیری فرماویں۔ خدا جانے میں کہاں جا رہا ہوں۔ میرے حق میں حضور دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے راہ راست پر لاوے مجھے کچھ پڑھنے کے لئے تعلیم فرمادیں جس سے میرے قلب کی حالت درست ہو۔ مجھے اس وقت اپنی ذات سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ بُرا ہوں۔ بہت بُرا ہوں لیکن حضور کا غلام ہوں۔ حضور اپنے اس خوار و ذلیل غلام کی طرف خاص توجہ فرمادیں۔

جواب ہے: یہ احساس اور فکر خود علامت ہے ایمان کامل کی اللہ تعالیٰ مزید تکمیل اور سوخ عطا فرمادیں اور توکل کے نقص کے شبہ میں بھی محض وہم ہے۔ توکل کامل کے درجات ہیں۔ کاملین کا سنا نہ ہی مگر جو درجہ مامور بہ ہے (اور کوئی مامور بہ ناقص نہیں ہوتا) وہ بھی بفضلہ تعالیٰ حاصل ہے جس کی کھلی علامت ہر حالت میں دعا کرتا ہے، اگر کارساز پر نظر نہ ہوتی تو دعا ہی کیوں کی جاتی اور یہی نظر توکل مامور بہ ہے، اور اس کے آگے کے درجات زیادہ کمال کے ہیں۔ مگر یہ بھی ناقص نہیں۔ بالکل اطمینان رکھا جاوے رہا یہ شبہ کہ اولاد سے شدید تعلق ہے اور یہ کہ اگر آخر وقت میں اس کا استحضار ہا تو محض تباہی ہے یہ خوف علامت ایمان کی ہے اور اس خوف پر بشارت ہے حفاظت ایمان کی، کما فی قولہ تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ اور ظاہر ہے کہ مغفرت موقوف ہے ایمان کے محفوظ رہنے پر تو خوف پر اس طرح بشارت ہے حفاظت ایمان کی۔ پھر تباہی کا وہم کیوں کیا جائے اور راز اس میں یہ ہے کہ اولاد کے مصلح و فلاح کا اہتمام طاعت ہے اور ان کا حق مامور بہ

تو ماوریہ کا استحضار سوائے خاتمہ کا سبب کیسے ہو سکتا ہے، البتہ ان کی ایسی محبت کہ جس میں دین کی بھی پر دانہ رہے اور اس محبت میں معصیت کا کبھی بے تکلف ارتکاب کر لیا جائے یا احکام ضروریہ میں خلل ہونے لگے تو یہ ہے غیر اللہ کی محبت مذمومہ یہ تو ضابطہ کا جواب ہے اور بالکل صحیح اور حقیقت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ عادت اللہ یہ ہے کہ مومن کے آخر وقت میں یہ جانز محبت بھی فنا کر دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کے غلبہ میں دم نکلتا ہے۔ (النور رمضان ۱۳۵۹ھ)

### خلاف طبع امر کیلئے یہ سمجھنا کہ اپنے معاصی کا نتیجہ ہے

حالت: (بچے از مجازین) عرصہ چھ سال کا ہوا احقر نے اپنی اصلاح کے متعلق ایک عریضہ میں ضمناً یہ بھی عرض کیا تھا کہ احقر کی یہ آرزو ہے کہ اگر کوئی میرا مخالف اور دشمن میری مخالفت کرے تو میں اس سے کوئی رنج نہ رکھوں بلکہ اس کی مخالفت کو اپنے ہی افعال و حرکات کا نتیجہ سمجھوں تو احقر کے ان الفاظ کے (کہ مخالف کی مخالفت کو اپنے ہی کئے کا نتیجہ سمجھوں) جواب میں حضور والا نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ "اس کا استحضار اختیار ہی ہے تکرار استحضار سے اس میں رسوخ ہو جائے گا۔ سو عرض ہے کہ احقر برابر اس ارشاد پر عمل کر رہا ہے کہ جب کوئی واقعہ طبیعت کے خلاف پیش آتا ہے تو اس کو احقر اپنے ہی افعال و حرکات کا نتیجہ سمجھتا، مگر اب ایک عرصہ تک تو یہ سوچ لیا کرتا تھا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی، اس سے تسلی ہو جاتی تھی مگر اب اس مراقبہ کی (کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی) بالکل ہمت نہیں بڑی کیونکہ فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ میرے افعال و حرکات کا نتیجہ ہے تو گویا تو نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا تو پھر اس موقع پر یہ مراقبہ کرنا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہیں بے ادبی نہ ہو چنانچہ احقر اب یہ نہیں سوچتا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر پریشانی بہت بڑھ جاتی ہے اور پھر کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جو مزہ تسلی ہو تو اب دریاقت طلب یہ امر ہے کہ کیا جب احقر یہ سمجھ رہا ہو کہ یہ ناگوار واقعہ

خود میرے ہی غلط افعال و حرکات کا نتیجہ ہے تو اس وقت یہ مراقبہ کرنا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کیا یہ کچھ بے ادبی ہے تاکہ احترا سے موقع پر اس سوچنے سے کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی تھی آئندہ بھی باز رہے۔ باقی عقیدہ تو یہی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے باقی مشبہ جو بے ادبی کا ہول ہے وہ ہر بار اس کے مستحضر کرنے میں ہوا، تحقیق :- اعتقاد میں دونوں کا جمع ہونا تو محل اشکال ہی نہیں جیسا خود سوال کے اخیر میں مذکور ہے البتہ ذوقاً جمع ہونا باعث بار بعض آثار محل اشکال ہے جس میں اس اشکال کے علاوہ بعض اوقات ایک دوسرے محذور کا لزوم بھی محتمل ہے یعنی محبوب حقیقی سے تعلیل محبت پس جہاں اس جمع کی ضرورت نہ ہو وہاں تو اسلم جمع اول ہی پر قناعت کرنا ہے لیکن جہاں ضرورت ہو جیسا یہاں بدون اس استحضار کے تسلی کا فقدان سوال میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں ضعفاء کے لئے اس جمع کی صورت یہ ہے کہ تسبیب عن المعاصی کا استحضار تو بلا واسطہ کیا جاوے اور تسبیب عن مشیتہ الحق کا استحضار بلا واسطہ تسبیب اول کے کرے یعنی یوں سمجھے کہ یہ نتیجہ میرے معاصی کا ہے اور اس نتیجہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس لئے مرتب فرمایا ہے کہ میرے معاصی کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور مستقبل میں مجھ کو ہدایت ہو جائے پس اس طرح سے دونوں استحضار بلا کسی محذور کے جمع ہو جائیں گے۔ (ماخوذ تریب السالک حصہ دوم ص ۳۶۲ تا ۳۶۳ - النور رمضان ۱۳۵۶ھ)

### حفاظت مال کا عبادت ہونا

سوال :- ہر کے بعد بلا ناغہ و رد جو حضور نے تعلیم فرمادیا پڑھ لیتا تھا،

رات کو بھی مطالعہ سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ کام کی کثرت سے کسی سے بات کرنی دشوار

ہوتی تھی رمضان شریف میں بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ اگرچہ کسی قسم کی لیاقت اس ناکارہ

کو اتنی عمر میں حاصل نہ ہوئی لیکن اتنی عمر اس مشغلہ میں حق تعالیٰ نے صرف کرائی جیسی  
فارغ البالی قدوسی کو حاصل تھی کہ اب زمانے میں کم لوگوں کو میسر ہے۔ اب بھائی  
مرحوم کے انتقال کے بعد سارا بار جائیداد وغیرہ کا میرے ذمہ پڑ گیا کہ جس سے سخت  
پریشانی ہے جو قدوسی بیان نہیں کر سکتا میں اس کام سے بالکل ناواقف ہوں کبھی کیا ہی  
نہیں حساب سے محض ناواقفیت ہے اس وجہ سے سخت پریشانی کا سامنا ہے۔ دن رات  
فکر سے خالی نہیں گزرتا۔ قدوسی کے یہاں ان پانچ ماہ میں چار موتیں ہو چکیں ان کے صدمہ  
سے دل اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا اور پھر اس کام کا فکر کہ تمام مشاغل چھوڑ  
گئے۔ اس وقت جو قدوسی کی حالت ہے بس حق تعالیٰ ہی مدد فرمائیں۔ اگر کسی وقت فرصت ملی  
تو اسم ذات غیر معین مقدار میں پڑھ لیتا ہوں۔ ابھی تک اوقات مضبوط نہیں ہوئے اور کوئی  
چارہ کار سمجھ میں نہیں آیا۔ جو کچھ حضور کا حکم ہے قدوسی حاضر ہے۔ موت ہر وقت پیش نظر  
رہتی ہے ان کے یتیم بچے ہیں ان کی تربیت کا بار بھی میرے ہی ذمہ ہے جس سے بہت  
خوف ہے کہ کہیں ان کے حقوق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ آج کل جائیداد کے کام میں سخت  
دشواریاں ہیں خصوصاً مجھ بے وقوف و ناواقف کے واسطے حضور دعا فرما دیں کہ  
حق تعالیٰ میری مدد فرمائیں اب جیسے میرے واسطے حکم ہوا اس سے مطلع فرمایا جائے۔

جواب : اپنے مال کی حفاظت بھی عبادت ہے خصوصاً جبکہ وہ مراطر لیسہ معاش نہ ہو  
اور بدون انتظام معاش کے دل جمعی نہ ہو اور بدون دل جمعی کے طاعت نہ ہو جب اس  
وقت عام طبائع ضعیفہ کی یہی حالت ہے نیز تیمانی کی نگرانی بھی عبادت ہے جبکہ ان کا کوئی  
نگران نہ ہو جب عبادت ہے تو عبادت سے کیا گھبرانا۔ رہی پریشانی، سو اس کا سبب  
ناواقفی ہے اور یہ عارضی ہے، اور عارضی بھی مزلح الزوال نہیں ایسی مزلح الزوال پریشانی  
جو سبب ہو جاوے جمعیت دائمہ کی قابل تحمل ہے اور اس عارض کے سبب جو ناغہ وغیرہ  
ہو جاوے قابل گوارائی ہے۔ بس جب تک کام قابو میں نہ آوے ضرور اس میں دخل دیں۔

اور توجہ رکھیں اور تا وقتی کا تدارک کسی واقف خیر خواہ کو شریک کام کر لیں۔ جب کام قابو میں آجائے پھر مناسب انتظام کر کے تفرغ للعبادت کی صورت نکال لیں کہ اس وقت یہ آسان ہوگا اور ایسے تفرغ کے میسر ہونے تک اُوراد میں اختصار کو گوارا کر لیں مگر مداومت کی کوشش کریں اور اہل اللہ کے ملفوظات اور حالات کا مطالعہ کبھی ناغہ نہ کریا خواہ روزانہ پانچ ہی منٹ کے لئے ہو۔ (تربیۃ النور ص ۳۴۲۔ تربیت السالک ص ۱۲۴۶)

## نماز میں ذکر قلبی کے موجود ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں

حال: عرض ہے کہ بعض مرتبہ سہری نماز میں امام کے پیچھے جب ہاتھ باندھ کر قاریغ ہوتا ہوں تو قلب خود بخود ذکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب سے ذکر لا اِلهَ اِلَّا اللهُ جاری ہے۔

تحقیق: محمود حالت ہے، اس میں تغیر کی ضرورت نہیں۔ البتہ زبان کو حرکت نہ ہو اور اگر بجائے دوسرے افکار کے سورۃ فاتحہ کے الفاظ کا تخیل ہو تو زیادہ بہتر ہے اور اگر اس میں تکلف ہو تو پھر اس حالت موجودہ کا بھی مضائقہ نہیں۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۴۶ و النور۔ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ)

## غیر اختیاری امور کا تدارک

حال: خادم کی یہ حالت ہے کہ سوائے نماز پنجگانہ کے اور کچھ کام نہیں ہوتا۔ نماز تہجد کو بھی آنکھ نہیں کھلتی اور اگر کھلتی ہے تو وہ سستی ہے کہ اٹھا نہیں جاتا مجھے اپنی حالت پر افسوس ہوتا ہے۔

تحقیق: افسوس علامت ہے محبت کی جو مطلوب ہے مگر افسوس کے بھی حدود ہیں جو چیز اختیاری ہو وہاں افسوس کے ساتھ اختیار سے بھی کام لینا چاہئے۔ مثلاً تہجد

اگر اخیر شب میں نہیں ہوتا تو بعد عشا پڑھ لیا جاوے اور جو چیز اختیار ہی نہ ہو وہاں صبر و استغفار و دعا کرنا چاہئے۔ (ماخوذ تربیت السالک جلد دوم ص ۲۶۸)

## آثارِ فنا

حال: آج کل کچھ دلوں سے اپنے تمام عیوب ہر وقت مستحضر رہنے لگے ہیں اپنے تمام ظاہری اطوار و عادات و اعمال میں اور باطنی اعمال میں ہزاروں طرح کی برائیاں نظر آتی ہیں۔ سوچتا ہوں تو جی گھبرا جاتا ہے کہ آخر کس طرح ان کی اصلاح ہوگی مجھ پر تو بڑی بے حسی طاری ہے۔ امور اختیار یہ میں حتی الامکان اہتمام رکھتا ہوں۔ مگر کچھ بتائے نہیں بنتا۔ بڑا خوف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میری تو یہ حالت ہے اور لوگ مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں اکثر اوقات اپنی تعریف بھی لوگوں کی زبان سے سنتا ہوں جس سے بڑی وحشت ہوتی ہے کہ یا اللہ میرا انجام کیا ہوگا۔ یہ بڑا دھوکا ہے اور خالص ریا کاری ہے۔ لوگ میری طرف سے کس قدر دھوکے میں ہیں۔ حضرت والا مجھے اپنی اس حالت پر طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی آمیزش سے بالکل تباہ ہو جاؤں۔ میں لوگوں سے حتی الامکان بہت ہی کم ملتا ہوں اور نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ مجھے کسی بات میں کوئی دلچسپی ہی معلوم نہیں ہوتی زندگی بالکل بے کیف ہی معلوم ہوتی ہے۔ جب کسی تردد و خاطر و غمیرہ سے معمولات ترک ہو جاتے ہیں تو بہت دل گھبراتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں خسر الدنیا والا آخرہ کا مصداق ہو جاؤں حالانکہ عقلاً یہ سب امور قابل توجہ معلوم نہیں ہوتے مگر چونکہ آج کل طبیعت پران کے اثرات کا قلب بے اس لئے حضور والا سے عرض کر کے ٹوہانہ اتنا س ہے کہ میری تسکین قلب و اصلاح حال کے لئے دعا فرمائیں۔

تحقیق: دعا بھی کرتا ہوں اور بشارت بھی دیتا ہوں کہ یہ سب آثارِ فنا کے ہیں۔



## تنگی رزق کیلئے عوام کو وظیفہ جانتے ہیں

مال : چونکہ امداد المشتاق کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مالی حالت کی تنگی کے لئے فاتحہ شریف صبح کے فرض اور سنتوں کے درمیان اپنے اکابر اس مہول گواہی کو گول کر ارشاد فرماتے ہیں اور بعض مواعظ سے معلوم ہوتا ہے دنیا کے حصول کے لئے وظائف پڑھنا پسند نہیں فرماتے ہیں کیا یہ پڑھنا خلوص اور رضا کے خلاف تو نہیں ہے۔

حقیقت : رضا ہر شخص کی جُدا جُدا ہے۔ عوام کی رضا کا جو درجہ ہے یہ اس کے خلاف نہیں۔ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ) تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۱۴

## لوگوں سے تکلیف پہنچنے پر چین نہ آنا معصیت نہیں

حالت : خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف و نقصان پہنچا دے تو چین نہیں آتا ہے جب تک کہ اس سے استقام نہ لوں۔

حقیقت : چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا۔ باقی کلفت کا علاج، یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تیرا وہ لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہو جائے گی۔ پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی۔ (النور - صفر ۱۳۵۲ھ) تربیت السالک حصہ دوم ص ۴۱۵

## حالات و کیفیات کا انتظار بیکار ہے

حالت : حالات و کیفیات اگرچہ مقصود نہیں مگر دل میں ایک شوق ہے کہ دیکھوں وہ کیا چیزیں ہیں اور وہ کسی خاص مراقبہ یا شغل سے حاصل ہو سکتے ہیں یا موہوب ہیں اگر میرے حال کے مناسب ہو تو کچھ ارشاد فرمایا جاوے۔

تحقیق: جب مقصود نہیں تو شاہی دیکھنے سے کیا فائدہ۔ باقی یہ کہ کیا چیز ہیں سو کم و بیش سب کو پیش آتے ہیں اور سب ہی کو ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ کسی بستی و ضعف و قوت کا فرق ہے مثلاً کسی وقت قلب میں رقت ہوتی ہے کسی وقت بیقراری ہوتی ہے کسی وقت ایسی محبت اٹھتی ہے کہ غیر محبوب سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے یہی ہیں وہ کیفیات، اور اکثر خلوت و اشغال پر مرتب ہو جاتی ہیں مگر لازم نہیں اور بکثرت صرف ذکر و تذکرہ اولیاء سے بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ (ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۳۵)

النور جہادی الثانی ۱۳۵۲ھ)

### عوارض نفسانی کا علاج

حال: ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ خادم کی دوکان کے سامنے ایک شخص ہم پیشہ تجار نے دوکان کھولی اور ہم سے حسد رکھنے لگا۔ نرخ میں کمی کر کے گاہکوں کو ٹوڑنا چاہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے میرے قلب میں تشویش اور فکر ہو گیا ہے اور جب بیمارا گا ہک ان کے پاس جاتا ہے تو قلب دکھتا ہے اور مردہ دلی پیدا ہوتی ہے، طبیعت بے چین ہو گئی ہے۔ دل کو سمجھاتا ہوں کہ جو قسمت کا ہے وہی ملے گا، مگر دل ہے کہ بکھرا جاتا ہے طبیعت نکر مند اور منعقب رہتی ہے یہاں تک کہ کھانے اور آرام میں کمی ہونے لگی اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہوں کہ یہ بات نہ رہے اور حضرت والا کی دعا کا محتاج ہوں اور اس کا علاج فرما۔

تحقیق: علاج معصیت کا ہوتا ہے، یہ عوارض نفسانیہ غیر اختیاری ہونے کے سبب معصیت نہیں لہذا بجائے علاج دعا کرتا ہوں (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۵۱۔ النور جہادی الثانی)

اتباع شریعت کی نیت سے ہونا چاہئے نہ کہ وارد کی نیت سے

تحقیق: وارد اگر شریعت کے موافق ہو تو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جائے کہ اتباع وارد کی نیت سے۔ ناقصین کے لئے یہ سخت خطر سے کی چیز ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۲۔ النور جہادی الاول ۱۳۵۳ھ)

## صبر کی دعا، بلا کی دعا ہے

حال ۱۔ حضرت عالی دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔  
 تحقیق :- راحت و عافیت کی دعا کرتا ہوں اور کرنا چاہیے پھر خواہ وہ بصورت صبر ہی عطا ہو  
 اور خود صبر کی دعا بلا کی دعا ہے، چنانچہ یہ مضمون ایک حدیث میں آیا ہے رواہ الترمذی  
 من حدیث معاذ تولى صلى الله عليه وسلم لمن سمعه يقول اللهم انى  
 اسئلك الصبر فقال سئلت الله البلاء فسئله العافية كذا فى  
 تخریج العراقى لا حدیث الاحیاء۔ اور نصوص میں جو دعائے صبر آئی  
 ہے اس کا ایک محل تو یہ ہے کہ وہاں یا صبر علی البلاء مراد نہیں ہے۔ صبر علی الطاعة  
 یا عن المعاصی ہے اور یا اگر صبر علی البلاء ہے تو مستقلاً مقصوداً نہیں ہے بلکہ یا  
 تو عافیت کی دعا کے ساتھ اس کو جمع کیا گیا ہے پھر جو صورت اس کے لئے علم الہی میں  
 مصاحت ہوگی اس کا وقوع ہو جاوے گا اور یا وہ مقدم ہے کسی مقصود کا جو حاصل  
 مقصود نہیں جیسے عسکر طائوت کی دعا۔ رَبَّنَا اَنْفِرْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَبَّتْ  
 اُقْدَامُنَا وَالنُّصْرَتَا عَلَي الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (البقرہ) یا سحرہ فرعون کی دعا  
 رَبَّنَا اَنْفِرْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (الاعراف) کہ ایک جگہ ثبات فی الجہاد  
 وعلیہ علی الکفار اور ایک جگہ ثبات علی الایمان ورضا، تفویض مقصوداً بالدعاء ہے۔  
 اس کی تاکید حدیث لا تمنوا لقاء العدو و فاذا القیتوهم فاصبروا  
 سے ہوتی ہے کہ جہاد جو کہ اعظم الطاعات ہے مگر اس کا وقوع اجیاناً مستلزم ہے  
 تضرع عن العدو کو اس لئے مقصوداً اس کی تمنائے نہیں ہوگئی کہ اس میں من و جہاد  
 ہے تضرع کی اور وقوع کے وقت صبر کا امر فرمایا گیا۔ اسی طرح صبر کی طلب بلا کی  
 طلب ہے لیکن وقوع بلا کے وقت صبر کا امر ہے البتہ جو بلا وقوع کے بعد عادتاً مرتفع

نہ ہوتی، ہو جیسے کسی محبوب کی موت وہاں خود صبرِ شہا بہ مقصود مستقل کے ہو سکتا ہے۔ گو اصلی مقصود وہاں بھی رضا، بالقضاء ہے مگر یہ سب تقارب ہیں اس لئے ایک کی مقصودیت کو دوسرے کی مقصودیت کہہ سکتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہاں عافیت بمعنی رفع بلا مقصود نہیں اس لئے صبر کو اس مقصود کا مقدمہ نہیں کہہ سکتے۔ (ماخوذ از اورجادی الاخری ۱۳۵۸ھ در بیت السالک حصہ دوم ص ۲۵۹ - ۲۶۰)

## امورِ دنیویہ کے فنا کا استحضار ان کی تمنا کا علان ہے

حال :۔ مجھ میں ایک مرض بہت پرانا ہے جس کو کئی بار ارادہ کیا کہ اپنے عریضہ میں لکھوں مگر ابھی تک اس کی نوبت نہ آئی وہ مرض یہ ہے کہ میری طبیعت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو جس کو نہ کوئی کم ہی کہہ سکے اور نہ جس میں کوئی عیب نکال سکے کہ کم از کم اس زمانے کا سب سے زیادہ بہادر میں ہی ہوتا۔ بیعت کا خیال ہوا تو ہر وقت یہ دھن تھی کہ ایسا پیر ملے جس کا کوئی ثانی نہ ہو اور جس میں کوئی عیب نکال نہ سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا شیخ عطا فرمایا اور بفضلہ تعالیٰ میری طبیعت کو ایک طینانِ حال ہے۔ شاعری کا خیال آتا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ کم از کم اتنا ہوتا کہ ہندوستان میں اول گنا جاتا، غرض یہ خیط لڑکپن سے بے کھیل میں بھی یہی کیفیت رہتی تھی جب کسی لڑکے کو اپنے سے اچھا کہیلتے پاتا تو رشک ہوتا۔ جس طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے، ہوتے ہی چلا جاتا، حالانکہ بفضلہ تعالیٰ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ نہ اتنا علم ہی ہے کہ شاعر بن سکوں اور اتنا کیا علم تو بالکل ہی نہیں ہے۔ دل اتنا کمزور کہ اندھیرے میں طور لگتا ہے بہادری تو ایک طرف غرض میں اپنے خیالات پر بہت ملامت کرتا ہوں شرمندہ ہوتا ہوں تو بہ کرتا ہوں مگر پھر بھی یہ خیالات ہر وقت دماغ میں گھومتے رہتے ہیں اور طبیعت اس سے لطف لیتی ہے کہ اس جنگ میں شریک ہوا ہوتا۔ میں ہی سب سے زیادہ بہادری دکھاتا۔ سب کا

سرمد میں ہی ہوتا لیکن فوج کو لڑانا یا بجائے قانون گوہر نے کے کلکٹر ہوتا تو یہ انتظام کرتا۔ اس طرح لوگوں سے برتاؤ کرتا۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ اپنے میں قانون گوہر کی بھی لیاقت نہیں پاتا۔ اب اس کا علاج جو حضور تجویز فرمادیں اس پر عمل کروں۔

**تحقیق:** جس ذمیوی چیز کی تمنا ہو اس کے فنا کا استحضار تاکہ اس کا ایسچ اور بے نتیجہ ہونا مستحضر ہو اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اس کے نتیجہ بد کا بھی استحضار۔ اس مراقبہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اس کی تمنا محمود ہے اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوئی ہے اس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو۔ ورنہ وہ حسد اور حرام ہے۔ اگر خدا ناکردہ ایسا ہوتا ہو اس کے متعلق مستقل سوال کیا جاوے۔ باقی اعمت دال کی دعا بھی کرتا ہوں۔ (ماخوذ از ہندو رجب المرجب ۱۳۵۳ھ و تربیت اس الگ حصہ دوم ص ۲۱۲-۲۱۵)

## موجودہ نعمتوں پر شکر نہ کرنا بھی موجب سلب ہو سکتا ہے

**حال:** چند معمولی معمولات کے سوا کچھ بھی نہیں پڑھتا، اور وہ بھی نہایت بے کیفی کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ جو لوگ حضور والہ سے وابستہ ہیں اور کام میں لگے ہونے میں وہی کچھ حاصل کر رہے ہیں اور میں تو بالکل محروم ہوں۔ باوجود اس علم کے کہ عمل اختیار ہی ہے پھر بھی کچھ نہ کرنا بڑی شقاوتِ ظلی اور محرومیِ قسمت ہے۔ ساری زندگی ریاکارانہ معلوم ہوتی ہے۔ تقریباً دو سال سے شرفِ قدم بڑھی سے بھی محرومی ہے اور اس کو بہت بڑا خسران سمجھتا ہوں۔ زندگی میں کسی قسم کی دلچسپی اور مسرت محسوس نہیں ہوتی۔ صحت بھی بہت کمزور ہے، اس کی وجہ سے جو کام کرنا چاہتا ہوں وہ بھی نہیں ہو سکتے۔ حضور والہ سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مجبوریاں رفع فرمادیں، اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ اپنے مرضیات پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمادیں

اور صبر و شکر کی توفیق نصیب فرمادیں اور خسارہٴ آخرت سے محفوظ فرمادیں۔  
 جواب: کیا اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ظاہری و باطنی عطا ہوئی ہیں وہ استحقاق سے  
 زیادہ نہیں ہیں کیا ان کا شکر واجب نہیں ہے جس کے متعلق خط میں ایک حرف بھی نہیں ہے  
 کیا وہ ان کے سلب پر قادر نہیں اور کیا وہ سلب مصیبت نہیں اور کیا اس مصیبت کے  
 صرف اللہ تعالیٰ ہی بچانے ہوئے نہیں۔ (تربیت السالک)

## والدہ کیلئے طولِ حیا کی دعا کرنا اجلِ مسمیٰ کے علا ہے

حالیہ: یہ کہ آج کل والدہ مدظلہا کی صحت اور اس کے ساتھ طولِ حیات کی دعا ہر نماز کے بعد  
 مانگتا ہوں مگر کل برسوں سے اس خیال کا غلبہ ہو رہا ہے کہ خواہ مخواہ اجلِ مسمیٰ کا قانون توڑنے پر  
 اتنا اصرار کیوں۔

تحقیق: یہ علت تو تمام حوائج کی دعائیں مشترک ہو سکتی ہے ہر حادث کے حدوث اور ان  
 کی بقا کے رد نصِ قطعی سے اجلِ مسمیٰ ہے تو کیا کوئی دعا بھی نہ کی جائے یا اسی طرح اکل و شرب تمام  
 تدابیر توام بدن و نفس میں اجلِ مسمیٰ کی مزاحمت کا شبہ ہو سکتا ہے ولہذا یُنقل عن احد  
 العمل بمقتضاہ۔ بغرض سب دعائیں متساوی الاقدام ہیں جن کی حقیقت یہ ہے کہ ہم کو قدر  
 و علم نہیں اس لئے اپنے زعم میں جو مصلحت ہو اس کے مانگنے کی اجازت ہے اگر تدراس  
 کے خلاف ہوگی اس پر راضی رہنے کا حکم ہے۔ رہا اصرار تو اس کا تو حکم ہے ان اللہ یحب  
 المسکین فی الدعاء اور اس کا راز یہ ہے کہ اس سے اپنا ضعف و عجز و احتیاج و انکسار  
 ظاہر ہوتا ہے جو عبادت کا مقتضا ہے اور اسی لئے مطلوب ہے۔

حالیہ: اسی طرح اور بہت سی چیزوں کے لئے دعا مانگتا رہتا ہوں۔ خیال ہوتا ہے  
 کہ سب چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ رَبَّنَا اِنِّیْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةٌ  
 پر قناعت کیا کروں۔

تحقیق: قرآن مجید میں جو دعا وارد ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اس اجمال پر اکتفا کیا جائے

در کتاب الدعوات میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل و عریض ادعیہ وارد ہیں کیا بیگانہ میں بلکہ ایک صیغہ  
دعا کا یہ بھی ہے اور اس پر کفہا کرنا موہم ہے ہتھننا کو۔

حالت: ہاں قبول دعا کا خیال ترک کر کے اگر ان کو صرف عبادت جان کر کر لیں تو اس میں نہ مستعدی کی امید  
ہوتی ہے نہ اہم کی تحقیق: یہ نہ اہدوں کا رنگ ہے اور عارفین کا وہ طریق ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے اگر یہ رنگ  
مطلوب نہ ہوتا تو دعاؤں میں حاجات جزئیہ کا نام کیوں ہوتا۔ (ترجمت السالک حصہ دوم ص ۲۴۳)

## طبیعت میں تعطل حالت قبض ہے

حالت: طبیعت میں تعطل کی کیفیت پھر پیدا ہو گئی کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ یہ خط  
بھی بے مشکل لکھ رہا ہوں ہر وقت دل چاہتا ہے کہ کچھ نہ کروں۔ اعمال میں دل نہیں لگتا۔  
جو عمل کرتا ہوں دل کو اس کے اثرات سے خالی پاتا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر اوپر  
ہو رہا ہے۔ ابھی تک معمولات میں فرق نہیں آیا دل لگے نہ لگے کئے جاتا ہوں۔ نفسانی  
خواہشات بھی گاہے گاہے غلبہ کرنا چاہتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف ایک قسم کا دھیان پیدا  
ہو گیا تھا اب وہ بھی نہیں۔ تسلیخ دین۔ دیوان حافظ تربیت السالک دیکھتا ہوں۔  
نہیں دل ہے کہ اڑا جاتا ہے، دعا فرماتیں کہ یہ بد وقتی دور ہو۔ سب اعمال رہا معلوم  
ہوتے ہیں۔

تحقیق: معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک طریق کی حقیقت کے استحضار سے ذہول ہونا  
ہے اس کی حقیقت ہے اہتمام اعمال اختیار یہ وعدم مبالاۃ احوال غیر اختیار یہ اب نقص و  
تنزل کی شرح کیجئے۔ اس کا حاصل اب دوسرے عنوان سے لکھتا ہوں۔ یہ حالت قبض  
کہلاتی ہے جو طریق کے لوازم عادیہ سے ہے، اور اس میں مصالح و حکم ہوتے ہیں جن کا  
مشاہدہ کسی وقت میں خود ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق حکماء کا ارشاد ہے

چوں کہ قبضے آیدت اے راہرو  
چوں کہ قبض آمد تو در دے بسطیں

آن صلاح تست آئس دل مشو  
تازہ باش و چین مہنگن بر حبیں

(ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۱۹ و النور رجب ۱۳۵۸)

## اصلاح حال انکشاف پر موقوف نہیں

حال : (یکے از مجازین) حضرت والا کیا عرض کروں کہ میں کس پریشانی میں ہوں۔  
 حیا بھی آتی ہے۔ حضرت سلمہ کہ بھی کیوں پریشان کروں۔ نہ میری یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مجھے  
 ہو کیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ پہلے اپنا حال گرم سرد و رطب و یابس دل کھول کر عرض کر دیتا  
 تھا۔ اب اس سے بھی مجبور ہوں۔ اب تو بس یہی دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، اپنے رحم و کرم  
 سے حضرت سلمہ پر میری اس پریشانی کو انکشاف فرمادیں ورنہ میں بالکل اس کو نہیں سمجھا  
 نہ یہ حال قابل تحریر ہے اگر یہی حال رہا تو آئندہ بھی مجھے امید نہیں کہ حضرت سلمہ کو کچھ  
 اطلاع کر سکوں۔

تحقیق : انکشاف کی ضرورت ہی نہیں، نہ آپ پر نہ مجھ پر کیونکہ جو مقصود ہے  
 انکشاف سے یعنی اصلاح حال۔ وہ اس انکشاف پر موقوف نہیں۔ اس بستگی زبان کی حالت  
 میں بھی مصلح کے قلب پر وجداناً حالت واقعہ کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ اس حالت میں دعا اجمالی  
 مشورہ اصلاح حال کے لئے کافی ہو جاتا ہے چنانچہ دعا کے بعد اجمالی مشورہ بھی پیش کرتا ہوں  
 ۵ تا نگویہ او بگو خا موشش باش

بس اعمال کو مقصود سمجھا جاوے قیل و قال کو مقصود نہ سمجھا جاوے، ونعم ما قیل ۵

گر چہ تفسیر زبان روشن گراست

لیک عشق بے زبان روشن تراست

(ماخوذ تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۲۰ و النور رجب ۱۳۵۸ ۵)

## نماز میں غیر نماز کا خیال ضرور تا مضر نہیں

حال : حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ البتہ نماز میں بلا ضرورت غیر نماز کا خیال نہ



لانا چاہئے تو عرض یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے مشروع یا مباح امر کا خیال تصدراً لائے اور اس کو تصدراً باقی بھی رکھے تو کیا اس میں مواخذہ نہیں۔

تحقیق: نہیں۔

حالت: اگر نہیں تو کیوں؟۔ آخر اس سے صلوة میں تو خلل آئے ہی گا اس لئے کہ غیر صلوة ہے اس سے حضرت والا مطلع فرمائیں۔

تحقیق: خلل کا ہر درجہ موجب مواخذہ نہیں۔ یہ خلل بمعنی نقص ثواب ہے جیسے تین بار تسبیح کہنے میں پانچ بار کہنے سے ثواب کم ہے بمعنی فساد یا کراہت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خیالات منکرہ و معاصی سے نماز میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور معروفہ طاعات سے اگر وہ نماز ہی کے متعلق ہیں تو لوزر بڑھتا ہے اور اگر وہ غیر نماز ہے تو لوزر نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور جو نہ منکر ہو نہ معروف ہو بلکہ مباح تو ہو۔ اگر بضرورت ہو جس کی تفسیر عنقریب قول آئندہ میں آتی ہے تو اس کا بھی یہی اثر ہے اور اگر غیر ضروری ہے تو لوزر گھٹتا ہے مگر ظلمت پیدا نہیں ہوتی۔

حالت: ایک اور گزارش ہے کہ ایسی وہ کونسی ضرورت ہے کہ جس کی وجہ سے

نماز میں یہ خیال مشروع یا مباح لایا جاسکتا ہے۔

تحقیق: وہ ضرورت یہ ہے کہ اگر اس وقت اس کو موخر کیا جاوے تو کوئی

ضرر یا حرج لاحق ہو جاوے گا یا کوئی ضروری منفعت فوت ہو جاوے گی (ماخوذ از

تربیت السالک حصہ دوم ص ۳۳۴ و النور محرم ۱۳۵۲ھ)

## صرف مجملاً دعلتے عافیت دارین کرنا خلاف سنت ہے

حالیہ حضور والا کچھ عرصے سے یہ خیال غالب ہے کہ مختلف قسم کے بہت سے مقاصد کیلئے خود دعا کرنا یا دوسرے سے اپنے حق میں دعا کرنا نافع نہیں ہے جتنا نافع مجملاً خود اپنے لئے صرف عافیت دارین کی دعا کرنا یا دوسرے سے دعا کرنا ہے جبکہ ہر بات سے اصل مقصود عافیت ہی ہے اور بلا عافیت ہر حال میں مقصود قوت ہوتا ہے دریافت طلب یہ ہے کہ یہ خیال یا مذاق طبیعت غلط اور برتر تو نہیں ہے۔

تحقیق سے یہ مذاق خلاف سنت ہے کیونکہ احادیث میں کثرت سے ایسی جزئیات کا سوال وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ہرم اور منزم اور فقر اور ذلت اور صمم و کلم و جنون و جذام اور سی اسقام اور خزن اور شامت الاعدام اور فاقہ اور ہدم اور تردی و لدغ الحیثہ و جاد سوء و جمع و برص و سل و بعر مشول و ہم و غم و سب و حرق و غرق و ضرر سے استعاذہ آیا ہے اور تمتع باسمع و بصیر و صحت و وسعت رزق و غنا و نصر علی الاعداء و نظائر ہا کا سوال آیا ہے نیز صلح و شمس نعل کے سوال کا امر وارد ہے اگر اس مذاق کو صحیح مانا جاوے تو لازم آتا ہے کہ نصوص میں غیر افضل کی تعلیم دی گئی ہے و بذاکما ترمی السبتہ لبعض حکمتین حوامع ادعیہ میں بھی ہیں جن کی نفی کی حاجت نہیں ماثور کا اتباع کافی ہے بطور احتمال کے ایک حکمت یہی ہے کہ جزئیات میں اگر کوئی ضروری سوال متروک ہو جاوے کلیات سے اس کا تدارک ہو جاوے اور بلانہ جزئیات کے سوال میں یہ ہے کہ دعا سے صرف مستول کا حصول ہی مقصود نہیں جس میں اس مذاق کی گنجائش ہو سکے بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسرا مقصود بھی ہے اور وہ انہما ہے اپنے ضعف و عجز و موافقت و انکسار کا اور یہی وجہ ہے دعا کے فضائل عظیم کی در نہ محض اس کا ذریعہ عطائے مستول ہوتا خصوصاً جب وہ مشول حصول دنیا ہو، اگرچہ مباح ہو۔ ایسی فضیلت عظیمہ کا سبب نہیں ہو سکتا اور یہ دوسرا مقصود جزئیات کے سوال میں اوضح و اتوی ہے، چنانچہ نسبت اس جمال کے کہ میرا پیٹ بھر دو وہ اس تفصیل سے

سوال کرتا کہ مجھ کو چار روٹی دو اور ایک پیالہ سالن کا دو اور ایک آبخورہ پانی کا دیدو۔  
 عرفاً سائل کی زیادہ ذلت و خستیت و دنائیت پر دال ہے اور جس قدر سائل اپنی ذلت  
 زیادہ کرتا ہے اسی قدر وہ ذلتِ جالبِ ترحم ہوتی ہے اور بعض حکمتوں سے جوامع اذعیہ  
 کی مجبوریت اس تحقیق کے منافی نہیں۔ و لکل مقال مقام۔ واللہ اعلم (تربیت نیک حصہ سوم) ۲۵۴

# انتخابات

## صد پند اشرف

۱۔ ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف و اُوراد ترک کر دوں۔ تحریر فرمایا یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اس سے طبیعت اکتا جاتی ہے۔ ع

گر نیست غیبی نہ دید لذتے حضور

اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔

۲۔ ایک طالب علم نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں بفضلہ تعالیٰ اعمال میں تو مشرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے جو اب تحریر فرمایا کہ کونسی محبت سے دل خالی ہے؟ اعتقادی و عقلی سے، یا انفعالی اور طبعی سے، اگر شوق ثانی ہے تو مضر نہیں اور اگر شوق اول ہے تو اس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہو کر تا۔ آپ کو افسوس کیوں ہے، یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اس سے خالی نہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہئے ویسی بالکل نہیں ہے۔

جواب فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہو گا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی حالت چاہئے تھی ویسی ہو گئی کیونکہ اس درگاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فرمایا کرتے ہیں کہ جیسی چاہتے ہیں ویسی نہیں ہے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ کا حال ہوتا ہے، ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت

بیکار ہے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ رہے احکام اس کی پابندی کی جاوے تو اس کے لئے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے الخ  
جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں ہوتے بلکہ مالک کا حق ہے ملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع و عنایت ہے۔

۳۔ ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا مگر باوجود اس کے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بیشک نہ کرے بڑا قطعاً نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ذلت ہو بیٹے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ شریعت میں یہ حکم ہے لَا يَتَّبِعِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَدِلَّ نَفْسَهُ جِبْ تَكْ غالب حالت نہ ہو یہی طسرتی ہے۔ مگر جب حال غالب ہو جاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے۔ اگر نہ ہو تو تمنا نہ کرے، اور اگر ہو جائے تو ازالہ نہ کرے۔

۴۔ ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت، تحریر فرمایا کہ رغبت و نفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے۔ رغبت و نفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے۔ اس کے مقتضاً پر بار بار غل کرنے سے طبعی رغبت و نفرت بھی ہو جاتی ہے، اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔

۵۔ ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھتا ہوں اس پر مداومت نہیں ہوتی۔ جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو آئندہ کے لئے احتیاط کا عزم کر لیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مشغلہ میں ہوتا ہوں اس کو نور اچھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت ہوتی ہے۔ جانتا ہوں کہ تصور اختیاری ہے اور استعمال اختیاری کی

کوشش بھی کچھ کرتا ہوں مگر غفلت سب پر غالب آجاتی ہے۔

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعف جسمانی ہے جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے جس میں ایک گوشہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس کا احساس ہے اور اس کا قلق ہے۔ اس میں لگا رہنا چاہئے انشاء اللہ اسی کی برکت سے درجہ مطلوبہ بھی میسر ہو جاوے گا حقیقتاً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی اجسراً و اثرأً، یہ حالت ضعفاً کو بکثرت پیش آتی ہے۔

## مکتوب مملقب بہ الیم فی الستم

۶۔ ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں امور اختیار یہ ہیں، جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں، رہا طریقہ، سو طریقہ امور اختیار کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں ہاں سہولت اختیار کے لئے ضرورت ہے مجاہد سے کی۔ جس کی حقیقت ہے مخالفت (یعنی مقاومت) نفس اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بہت درج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام فن لکھ دیا۔ آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں، ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طریق مجاہدہ کی تجویز جو کہ ان امراض کا علاج ہے۔

۷۔ ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع رہیں ان کو بھی بُرا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے ان کی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ کبیر کا ہوتا ہے۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔

نفرت میں تفاوت ہوتا کبیر نہیں۔ نفرت اسعاد ہی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور

عبداسی کا مامور ہے اور یہ تفادات نفرت طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پائخانے سے نفرت کم ہوتی ہے، اور دوسرے کے پائخانے سے زیادہ ہوتی ہے اور راز اس تفادات کاتفادات فی المحبت ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچے کے پائخانے سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پائخانے سے سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں۔ (ترتیب السالک ص ۱۵۲)

۸۔ ایک تنگ دست طالب نے اپنے بہت سے دساوس واہمیہ لکھکر علاج پوچھا جن میں یہ دسوسہ بھی لکھا کہ راحت دنیا کا مدار اعمال صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے، پھر اعمال صالحہ ذکر و تہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکان اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ دعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہوگئی کوئی قبول بھی ہوئی ہو بس جو اللہ تعالیٰ چاہیں وہی ہوگا۔ لیکن میں صرف مناجات مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں۔ اس طرح ایک ہفتہ سے ذکر میں بھی طبیعت نہیں لگتی۔ محض تعداد پوری کر لیتا ہوں۔ روزگار کا وظیفہ بھی پوچھا تھا۔ ان سب باتوں کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان دساوس کو اعتقاداً بُرا سمجھا جاوے اور ان کے مقتضار پر عمل نہ کیا جاوے، یہ از خود رفع ہو جائیں گے اور اگر رفع بھی نہ ہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہد ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان دساوس کی وجہ فساد ہی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجھلاً اتنا سمجھ لیں کہ کافی ہے کہ مقصود اعمال صالحہ سے راحت دنیا نہیں ہے بلکہ راحت آخرت ہے اور اس کا مدار جو فضل و رحمت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں، بلکہ معنی یہ ہیں کہ طے گا تو عمل ہی سے لیکن جتنا طے گا اتنا اثر اعمال میں نہیں وہ فضل و رحمت کا اثر ہے لیکن عمل ہی نہ کرے گا وہ قانداً اس فضل و رحمت سے بھی محروم رہے گا۔ باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط مقبول

نہیں ہے، اگر دو اپنے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اس کی خاصیت یعنی صحت مرتب ہوگی رہی دعا وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس کے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض کی اس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج شروع کر دیجئے اور وہ سہل سے علاج شروع کر دے مگر سہل اس کی حالت کے مناسب نہ تھا۔ اس لئے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا۔ اس کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جب سہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ اس طرح اصل مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے، جیسے اس مقصود کے اور بھی طرق ہیں پس ہذا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرمادیں۔ وہ اجابت دعا ہی ہے خواہ وہ عبد کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق۔ یہ تو طاعات و حاجات میں کلام ہے باقی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی النار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بد پر میزی سے لذت ملتی ہے اور اس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص یہ جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے صبر کرے گا۔ اسی طرح جس شخص کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحت دنیا کو مقصود نہ سمجھے گا۔ وہی سزاگناہ کی کسی کو یہاں ملتی ہے، کسی کو وہاں اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات میں حتی الامکان مشغول ہوں۔ معاصی سے بچتا ہوں اور مقصود صرف فضلے حق کو سمجھیں، خواہ اس کا ظہور یہاں ہو یا وہاں، اور ایسی حالت میں روزگار کا وظیفہ پڑھنا و سادس میں اضافہ کرنا ہے۔



## غلبہ ہدیت کے وقت کا مراقبہ

۹۔ ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ اگر آپ کو آثار ہدیت اور سوہن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہو کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش بریں نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کا ملین کی نجات ہوگی اسی طرح تائبین کی بھی ہوگی۔ اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صفِ فعل ہی میں جگہ مل رہے گی۔ اگر اولیت نہ ہوگی تو جو تیاں لگنے کے بعد ہی سہی بس یہ سمجھ کر **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي** کی کثرت کرنی چاہئے۔ (اشرف المسائل)

۱۰۔ ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضحمل رہنے کے بعد اب پھر اسی شدت، جوش اور ہيجان کے ساتھ ہونے لگا، جس سے سخت حیران ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ اکثر اہل طریق کو یہی حالت پیش آتی ہے۔ کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اس وقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدہ ثانیہ کہلاتا ہے اور اس مجاہدے کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا اور شاذ و نادر کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا یہ متافی رسوخ کا نہیں۔ اس تغیر و تبدل کی مثال حیات میں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کا ذب کہتے ہیں نادان غف خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعتاً وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکنے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اس پر تحریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ عود الی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہو جاتی جیسے پہلے تھی۔

انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرتا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے یہ کیا مخفی چال ہے اور اس کی حقارت کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر بدستور عمل کرتا ہے، تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے انشاء اللہ تداویٰ سب شکایتیں دور ہو جائیں گی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جاوے، بخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اس کا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جائے اس کی سعی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آوے۔ (امثرف السوانح حصہ دوم)

۱۱۔ ایک طالب نے حضرت امام ربانی محب دالوف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوب کے حوالے سے لکھا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں: "کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر فراموش کر دے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی ہشیاء کو یاد کرے تو اس کو یا نہ آئیں یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر نامکن ہو جائے" میں جب اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذر قلب میں تو ماسواہ کا گذر نہیں مگر حوالی قلب میں غیب کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے۔

اس کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا:-

اکثر اہل مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر مفہون وہی ہے۔ جو نصوص سے استفاد ہوتا ہے۔ میں اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت محب د صاحب کے کلام کی قریب تفسیر ہے، اور مشہور تعبیر سے قدسے واضح ہے۔ وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیونکہ تعلق مغلوب مذموم نہیں

بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بعد یا فوت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا پہچین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جاوے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت و ضعف آجاوے اور اگر یہ نوبت نہ پہنچے تو محض حزن کا اثر مانع نہیں ہے۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے۔

انہی صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکر حق قلب میں ایسا پیوستہ ہو کہ ٹھونسنے کی کوشش بھی کر دے تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطوہ قلب میں نامکن ہو جائے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجھ کو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں مختار نہ رہوں گا، مضطر ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ بالا عرضیہ لکھا جس کا جواب اوپر نقل کیا گیا۔

۱۲۔ ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حبت جاہ ہے، جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کریں، تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سے خاموش رہے تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گذرتا ہے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہد سے کی ضرورت ہے یعنی داعیہ نفس کے ذم کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت۔ اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزو سے۔ اول اس رذیلہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں ان کا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی ان کا تکرار کرنا، بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا، کہ تجھ کو ایسا عقاب ہونے کا اندیشہ ہے، اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جاوے تو کتنا ذلیل و حقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت و تحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم و مدح کی رکھی جاوے اور

عملی جزویہ ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دیا جاوے اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جاوے۔ ہر سری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جاوے گو نفس کو گراں ہو اس پر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے۔

۱۳۔ اسی طرح ایک طالب علم نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار پاتا ہوں جو اب تحریر فرمایا کہ انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ ان اخلاق ردیہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے، رہا یہ کہ اقتضیات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلف ہے، نہ یہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے۔

ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اس کا یہ وقت ہے پس آپ جس قدر مکلف ہیں، آپ اس پر اکتفا کیجئے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں، اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہو گا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آوے ان کی خوب تکریم کیجئے اور تکلف سے ان سے سلام کیجئے، گو نفس کو ناگوار ہو، ناگواری غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے، اس میں اخلاق موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منٹائے فساد بھی ضعیف ہو جاوے گا۔ واللہ الموفق۔

۱۴۔ ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لئے کوئی علاج تحریر فرمایا جاوے اور اس کا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلف ہے، جو اب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے، اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عہد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عہد مکلف ہے تدبیر

اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الہیہ کا واقعات خلاف طبع ہیں۔ ۱۵۷  
(اشرف السوانح حصہ دوم ص ۱۵۷)

۱۵۔ ایک طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندے کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق، یعنی اطاعت و تمکین و ذکرِ غالب، اور حق تعالیٰ کا بندے سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرت و نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم، مگر یہ پہچان خصوص اس کا جزو اول عوام مجبورین کو کم ہوتی ہے۔ اہل طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں، یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدے کا سمجھتے ہیں یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

۱۶۔ ایک ذمی علم طالب نے صدق و اخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان کے حصول کے لئے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ موقوف ہے ما بہ الکمال کے جاننے پر اسی طرح غیر طاعت کے جاننے پر اس کے بعد صرف نیت اور عمل جزو اخیر رہ جاتا ہے، یہ دونوں اختیاری ہیں۔ طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ و وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔

مثال صدق کی نماز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوات کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا، علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے مثال اخلاص کی نماز میں زیادہ کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے، رضاد غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اور اس کے تعلقات ظاہر ہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

# مقالايتِ حكمتِ

إقالاتِ حضرتِ حكيمِ الأُمّةِ

قدس سرّه العزير

## مسائل السلوك

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز نے تقریباً ڈیڑھ ہزار آیات قرآنیہ سے مسائل سلوک مستنبط کئے ہیں اور اسی طرح تقریباً دو ہزار احادیث سے بھی استنباط کیا ہے ان میں سے بعض مضامین اس جگہ درج کئے جاتے ہیں تفصیل کیلئے کتاب مسائل السلوک، کتاب التکشف اور التشریح ملاحظہ کی جائیں۔ مؤلف

### توحیدِ کامل

قوله تعالى قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ (سورۃ الانعام)  
یہ توحیدِ کامل کی تعلیم پر دال ہے یعنی جمیع احوال شرعیہ و تکوینیہ میں استسلام اور تفریق نہ کرنا عمل اور اطاعت سے بھی اور رضا بالقضا سے بھی۔

### معرفت و حجاب

قوله تعالى: وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كَسَالٰى (سورۃ توبہ)  
ترجمہ: اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے

اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ لذتِ عبودیت سے محروم اور شاہدہ جمالِ عبودیت سے محجوب ہیں۔ محمد بن فضل کا قول ہے کہ جس شخص کو امر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل کے ساتھ اٹھتا ہے اور جس شخص کو امر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف اس کو غنیمت اور راحت سمجھ کر اٹھے گا۔

## توحید و صفات و ذات

قوله تعالى: **وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوْفٍ بِعَهْدِكُمْ**

ترجمہ: پورا کرو تم میرے عہد کو، پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو۔ (سورۃ البقرہ)

مراتب و فہم نہایت وسعت ہے، پس ہماری جانب سے اول مرتبہ ادا کے کلمہ شہادت ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے جان و مال کی حفاظت، اور اخیر مرتبہ ہماری طرف سے نسیب، یہاں تک کہ فنا کی طرف سے بھی فنا ہو جائے اور حق تعالیٰ کی طرف سے صفات و اسماء کے انوار سے آراستہ کر دینا ہے۔ پس فنا کی تفسیر میں جو آثار مختلفہ آنے ہیں وہ باعتبار مراتب متوسطہ کے ہیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اول مرتبہ ہماری طرف سے توحید و صفات اور اوسط توحید و صفات اور آخر توحید ذات اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ معارف و اخلاق ہیں جو ہر مرتبہ میں مناسب اس مرتبہ کے سالک پر فائز کئے جاتے ہیں

(ملاحظہ ہو ص ۵۳۳)

## باطنی احوال کے حصول میں عجلت کی مذمت

قوله تعالى: **كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَاقِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا** (البقرہ)

ترجمہ: جہاں ان کو ذرا بجلی کی چمک ہوتی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جہاں ان پر تاریکی ہوتی پھر کھڑے کھڑے رہ گئے۔

بہی حال اس شخص کا ہے جو بسط میں طاعات بجالاتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھتا ہے

منہی کو بھی مگر شیطان سے عاقل نہ رہنا چاہئے

قوله تعالى: **فَاَزَلَهُمَا الشَّيْطَانُ**

ترجمہ: پس لغزش دے دی آدم و حوا کو اس درخت کی وجہ سے شیطان نے۔

اس میں دلیل ہے کہ منہی بھی مگر شیطان سے مامون نہیں چنانچہ آدم علیہ السلام



کے اس وقت کامل ہونے میں کوئی شک نہیں مگر باوجود اس کے ان میں اور دوسروں میں  
دو فرق ہیں ایک یہ کہ وہ کفر سے محفوظ تھے، دوسرے یہ کہ ان کی غلطی دوسروں کی معصیت  
کے مثل نہیں کیونکہ ان کو توبہ کے ایسے درجہ کی توفیق ہوئی کہ دوسروں کو نہیں پہنچی (سورہ التوبہ)

### صدور لغزش پر اللہ تعالیٰ کا اپنے مجتہدین سے معاملہ

قولہ تعالیٰ: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ (ترجمہ: پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی)  
حق تعالیٰ کی عادت اپنے مجتہدین کے ساتھ جاری ہے کہ جب ان سے کوئی امر ان کے  
مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے  
اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکے ہیں تو ان پر کرم کی بارش فرمائی جاتی ہے۔ (کذا فی الصحیح  
ملخصاً) (سورہ توبہ)

### ذات و صفات میں اتباع ظن کی مذمت

قولہ تعالیٰ: وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا (سورہ توبہ)  
ترجمہ:۔ اور ان میں اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔  
اس سے علمائے رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر اہل ظاہر متکلمین کے  
دلائل (ذات و صفات کے متعلق) متعارض پائے جاتے ہیں (جو شان ہوتی ہے  
ظنیات کی) پس جو شخص اس سے بچنا چاہے وہ سلف صالح کا اتباع کرے اور فلسفیا  
میں مشغول نہ ہو جس سے بجز شک بڑھنے کے کوئی حاصل نہیں۔

### خشوع حاصل کرنے کا سہل طریقہ

قولہ تعالیٰ: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ

يُظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْتَمِسُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُم بِالْيَدِ رَاغِبُونَ (البقرہ)

ترجمہ: اور بے شک وہ نازد مشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ و مشوار نہیں وہ خاشعین، وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملنے والے ہیں، اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اس کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ (سورۃ البقرہ)

یہ آیت دال ہے اس پر کہ خشوع سبب ہے سہولت صلوات کا اور اس پر بھی کہ لقاء و رجوع کا استحضار سبب ہے حصول خشوع کا۔ سو دیکھئے حق تعالیٰ نے کس طرح سے سہولت عبادت و حصول خشوع کا خوشگوار طریقہ بتا دیا۔

### ذکر سے قلب کا اطمینان

قوله تعالى: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ. (الرعد)

ترجمہ: خوب سمجھو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

الروح میں ہے کہ اس اطمینان کا سبب ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ مومنین کے قلب پر نازل فرماتا ہے جس سے پریشانی اور وحشت جاتی رہتی ہے۔

شرعی احکامات کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے

قوله تعالى: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ. (سورۃ الحج)

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

یقین کی تفسیر موت ہے۔ تو اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرتبہ سلوک

میں ایسا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

## عزالت کا شرط وصول ہوتا

قوله تعالى: فَأَوْأَىٰ إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ (سورة الكهف)

ترجمہ: تو تم چل کر غار میں پناہ لو۔ تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

یعنی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی رحمت و منفعت یعنی

معرفت و تجلیات کو ظاہر اور رہیا فرمادے گا بعض عارفین نے کہا ہے کہ غیر اللہ سے عزالت اور

خلوت وصل حق کا موجب ہے بلکہ بغیر عزالت کے وصل نہیں ہوتا ہے۔

## ترغیب صحبت فقراء و اہل اللہ

قوله تعالى: وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجے جو صبح و شام اپنے رب

کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔ (سورة الكهف)

اس آیت میں حکم ہے ان فقراء کی صحبت کا جو اپنے مولا کی خدمت کے لئے انقطاع اختیار

کر چکے ہیں، اور گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سے صحبت رکھتے تھے، اس صحبت کا فائدہ ان

فقراء کو پہنچاتا تھا۔ مگر دوسرے اس صحبت سے خود مستفید ہوں گے کیونکہ فقراء کی ایسی قوم ہے

کہ ان کا جلیس محروم نہیں رہتا۔ صحبہم فہو القوم لا یشتقی جلیسہم (حدیث)

## مال و جاہ کی کثرت مقبولیت کی علامت نہیں

قوله تعالى: وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ إِلَىٰ قَوْلِهِ كَانُوا أَنفُسِهِمْ تَظَلُّونَ (البقرہ)

ترجمہ: اور سایہ نگیں کیا ہم نے تم پر ابر کو اور پہنچایا ہم نے تمہارے پاس تریجہیں اور

بیڑیں کھاؤ نفسیں چیزیں کو جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا

لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ (سورۃ البقرہ)

اس میں دلیل ہے کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا یہ استدرراج اور خطر ہے اور بہت سے جاہل صوفی اس بارے میں دھوکے میں ہیں، میں کہ وہ کثرت جاہ و مال کو مقبولیت کی علامت سمجھتے ہیں۔

### سالک کو اپنے مقام کا دھوکا

قوله تعالى: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِن اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (التوبہ)

ترجمہ: اور ان میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمادے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں۔ (سورۃ توبہ)

یہ اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جن میں ذوق محبت تو ہے نہیں اور اپنے نفس کے لئے بعض مقامات کو حاصل سمجھ جاتے ہیں پھر امتحان کے موقع پر پورے نہیں اترتے۔

### سالک کے عذر کے قبول و رد کا راز

قوله تعالى: وَاٰخِرُوْنَ مُرْحُوْنٌ يَّاۤهٰرَ اللّٰهِ - (التوبہ)

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک ملتوی ہے (سورۃ توبہ) اس میں اس کی اصل ہے کہ بعض اوقات سالک کے معاملہ کو خوف ورجا کے درمیان معلق چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول کیا جاتا ہے کہ اس میں نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے اول تو حش ہوتا ہے پھر مایوسی پھر بُدبہ اور یہ سب اس کے لئے مضر ہیں اور اس معلق رکھنے میں اس کی بہت سی مصلحتیں ہیں۔

## الہام کا ثبوت

قوله تعالى: وَ عَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ لَدُنَّا عِلْمًا (سورہ الکہف)

ترجمہ: اور ہم نے اپنے پاس سے ان کو ایک خاص طور کا علم سکھایا تھا۔

یہ تعلیم ممکن ہے کہ بواسطہ وحی ہو یا بواسطہ الہام، اور یہ الہام انبیاء و غیر انبیاء سب کو ہوتا ہے اور یہ آیت اصل ہے اثبات علم لدنی میں اور اس علم لدنی کو علم حقیقت و علم باطن بھی کہتے ہیں۔ گو ان واقعات جزئیہ مذکورہ فی القصہ کا علم اس نوع میں داخل نہیں لیکن حضرت علیہ السلام کو علم لدنی بھی عطا کیا گیا ہے۔ نیز یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم دیا تھا وہ ایسی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے جو عقل و شریعت اور حواس سے معلوم نہ ہو سکتا (بلکہ الہام سے معلوم ہوتا ہے)

## اہل اللہ کے قلوب کو مضبوط کیا جانا

قوله تعالى: وَ رَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمُ النِّجْمَ (سورہ الکہف)

ترجمہ: اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور یہی حالت ہے سالک صادق الارادہ کی کہ اس کے قلب اور ہمز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے پھر وہ بلا کی پرواہ نہیں کرتا اور مصیبتوں سے متحیر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کا خبر گیر اور کفایت کرنے والا ہو جاتا ہے اور سلوک کی دادیوں میں اس کو گزارنا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے پاس اس کو قرار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی وعدہ فرمایا ہے اپنے رستہ میں چلنے والوں سے بقولہ تعالیٰ اور جو لوگ ہمارے لئے کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے رستے بتلا دیں گے۔

## حقوق واسطہ نعمت کی دلیل

قوله تعالى: **أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ**

ترجمہ: یعنی تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر۔ (سورہ لقمن)  
 اس میں تصریح ہے کہ واسطہ فی نعمت کا شکر بھی مثل شکر منعم کے مطلوب ہے  
 اور اس واسطہ میں والدین استاد اور پیر سب آگئے۔ البتہ معارضہ شریعت کے وقت اتباع  
 ان لوگوں کا جائز نہیں۔ بعد و اتبع سبیل من اناب الیٰ لیکن لا یجوز  
 اتباع مثل ذالک لقوله تعالى۔ و اتبع سبیل من اناب الی۔

## اہل دنیا کا توحید خالص سے انقباض

قوله تعالى: **وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ**

ترجمہ: اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے  
 ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ اور جب اس کے سوا اوروں کا  
 ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ (سورہ زمر)  
 اسی کے مشابہ بعض جہلامی طریق کی حالت ہے کہ توحید خالص کے ذکر سے منقبض ہوتے  
 ہیں اور اولیاء کے ساتھ استغناء کرنے والوں کی حکایات سے خوش ہوتے ہیں

# احادیث سے استنباط

## علوم وہابی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے علم کے چشمے اس قلب سے (جو شہ زہن ہو کر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں (روایت کیا اس کو درذین نے)

## عادت چلہ

اکثر بزرگوں سے چلہ نشینی کا اہتمام منقول ہے یہ حدیث اس کی اصل ہے۔ ف مسئلہ اثبات علم امرا و بزرگوں کے کلام میں منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو بعض علوم وہ عطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتب ہیں کبھی اس کو علم وہابی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی علم امرا کہتے ہیں اور خود ان سے اس قسم کے وقائع و حقائق منقول بھی ہیں جو ان سے پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلے، یہ حدیث ایسے علوم کی تحقیق اور اعتبار کی اصل ہے۔

(الستکشف ص ۳۴۴)

## نماز میں وساوس کا علاج

قاسم بن محمد سے ایک شخص نے پوچھا کہ مجھ کو نماز میں وہم اور شبہ بہت ہو جاتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ (کچھ پرواہ نہیں) اپنی نماز (اسی حالت سے) ختم کر لیا کرو کیونکہ یہ (کوشش کرنے سے)

ہرگز دفع نہ ہو گا یہاں تک کہ نماز سے فارغ بھی ہو جاؤ گے اور یوں ہی کہتے رہو گے کہ میں نے نماز پوری نہیں پڑھی (ضرورت کچھ رہ گیا ہے، اس لئے پھر پڑھو گے مگر پھر بھی فارغ ہو کر یہی دوسرے رہے گا تو کہاں تک اعادہ کرو گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ کچھ پرواہ نہ کرو) (روایت کیا اس کو مالک نے مشکوٰۃ)

### علاج دفع وسوسہ

اس روایت میں یہ اور علاج ہے کہ اس کی پرواہ نہ کی جائے اور اس پر عمل اور اس کی طرف التفات نہ کرے یہ علاج تجربے سے اکیسرا عظم ثابت ہو ہے اور حاشیہ میں لمعات و مرقات سے فائدہ لیس بیذہب الخ کی طرح تقریر کی ہے یعنی یہ وسوسہ اس وقت تک دفع نہ ہو گا جب تک کہ تم ایسا نہ کرو گے کہ نماز ختم کر لو اور (شیطان سے) یوں کہہ دو کہ مانا ہم نے نماز پوری نہیں پڑھی نہ سہی اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے وہ اسی کو قبول کر لے گا یا معاف کر دیگا ہم آپ کی خیر خواہی سے باز آئے ہم جائیں ہمارا خدا جلنے۔ (التکشف ص ۴۴۰)

### نماز میں حضور قلب

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر کھڑے ہو کر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ اپنے دل اور چہرے سے اس کی طرف متوجہ رہے مگر اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے مشکوٰۃ)

حدیث: مقبلاً علیہما بقلبہ میں غور کرنے سے یہ طریق معلوم ہوتا ہے کہ شرح اس کی یہ ہے کہ علیہما کی ضمیر بے رکعتیں کی طرف اور رکعت مرکب ہے اقوال و افعال متعددہ سے تو اقبال علی الرکعتہ اقبال علی ہذہ الاجزاء ہے پس حاصل طریق کا یہ ہوا کہ جو قول و فعل نماز میں صادر ہو وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہئے محض مشق اور بادل سے نہ ہو



مثلاً زبان سے سبحانك اللهم کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے یہ کہہ رہا ہوں پھر سبحانك کہا تو اسی طرح اس کی طرف بھی مستقل توجہ اور قصد ہو اسی طرح آخر نماز تک پس اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعة رہی اور ایک طرف جب توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی پس لامحالہ اس سے غیر صلوة کی طرف متوجہ نہ ہوگی پس حضور کامل میسر ہوگا اور وجہ میں اشارہ اس طرح ہے کہ جو ارح کے مشغول کر دینے کو بھی اشتغال قلب میں داخل ہوتا ہے پس تکمیل حضور کے لئے کف جواری بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھیرنے سے بواسطہ نگاہ کے خیالات منتشر ہونگے (التکشف ص ۱۱۱)

## ایشارہ در فضائل

روایت : عمر بن مہمون الادوی سے منقول ہے کہ حالت مرض میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ عمر بن الخطاب اس امر کی اجازت چاہتے ہیں کہ (بعد وفات آپ کے حجر سے میں) اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کئے جائیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ مقام میں نے تجویز تو اپنے لئے کر رکھا تھا مگر میں حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنے نفس پر ترجیح دیتی ہوں (اور دفن کی اجازت دیتی ہوں)

اکثر اہل ادب کی یہ بھی عادت مشاہدہ کی جاتی ہے کہ فضائل کے مواقع پر تاداباً اپنے سے بڑوں کو مقدم رکھتے مثلاً کوئی بزرگ دوسری صف میں آکر کھڑے ہو گئے اور پہلی صف میں کوئی ان کا معتقد و مخلص کھڑا ہے تو وہ پیچھے ہٹ کر ان کو مقدم کر دیتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایثار سے اس کا استحسان معلوم ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ قربات میں ایثار نہ چاہئے کیونکہ یہ قربات سے بے رغبتی کا ملزم ہے لیکن حصول برکات کے

لئے ایثار میں مضائقہ نہیں اور فعل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایثار برکات میں ثابت ہے نہ کہ قربات میں۔ علمائے محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اپنے سے بزرگ کا احترام کرنا یہ اس قربت سے بھی بڑھ کر قربت ہے۔ پس اعلیٰ درجہ کی قربت کو ادنیٰ درجہ کی قربت پر ترجیح دینا یہ بے رغبتی قربت سے نہیں۔ البتہ جہاں یہ دوسری قربت پہلی قربت سے افضل نہ ہو وہاں نہ چاہئے۔ (التکشف)

### نجات کے لئے عمل شرط ہے، بزرگوں کی نسبت کافی نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیتہ وانذر الخ نازل ہوئی، یعنی اپنے قریب والے خاندان کو (عذاب الہی سے) ڈراؤ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو پکارا (اور جمع کیا) اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو) فرمایا اے فاطمہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ کیونکہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے بچانے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا (روایت کیا اس کو مسلم نے مشکوٰۃ)

ف۔ بعضوں کو یہ تازہ ہوتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں یا فلاں خاندان میں بیعت ہیں اور اس بنا پر اصلاح عقائد و اعمال سے بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اس دعوے اور ناذ کی اس حدیث سے جرگہ کشتی ہے۔ (التکشف ص ۴۲۸)

### اہل طریق سے توسل کرنا

امیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے توسل فقیر مہاجرین کے (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں مشکوٰۃ)

ف۔ مقبولان الہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے، حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی یہی حقیقت اور

فرض ہے۔ (التکشف ص ۴۴۶)

## بزرگوں کو خوش کرنے کے لئے خدمت کرنا یا نہیں

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم مجھ کو گذشتہ شب میں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا۔ واقعی میں تم کو راؤد علیہ السلام کی خوش احوالی کا حصہ عطا ہوا ہے روایت کیا اس کو بخاری و مسلم و ترمذی نے اور برقانی کی روایت میں مسلم سے اتنا اور زیادہ ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! واللہ مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب ہی بناتا سنوارتا۔

ف: بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ محسوس یا بطبع ہو کر اس طرح نہ کرے تا تو ظاہر میں اس میں شبہ یا کا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ تطیب قلب اہل اللہ بلکہ قلب مسلم خود عبادت ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے واسطے اچھی طرح کرتا ہے اس لئے ہرگز یہ ریا نہیں ہے۔ حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے اس نادان کو مدتوں یہ شبہ رہا کہ اکثر کسی کی فرمائش سے جو قرآن عمدہ طرح پڑھنے کی عادت ہے شاید یہ اچھا نہ ہو الحمد للہ کہ اس حدیث کا تہر وقت جس کی ابھی تقریر کی گئی ہے قلب میں فائز ہوا اور یہ شبہ بالکل دفع ہو گیا۔ پھر اس حدیث پر نظر پڑنے سے اس کی اور تائید ہو گئی اور حدیث میں دوبارہ غور کرنے سے مقبولان الہی کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کی طلب رضا مثل رضائے حق تعالیٰ کے ہے، جبکہ دونوں میں تعارض نہ ہو اور راز اس میں یہی ہے کہ ان کی رضا کو رضائے حق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے پس مطلوب بالذات طلب رضائے حق ہی ہے۔ (التکشف ص ۴۵۷)

## اکابر کو بھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہئے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیز گرمی کے دن بیسح کی طرف چلے اور لوگ آپ کے پیچھے چلتے تھے۔ جب آپ نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ کے قلب پر یہ امر گراں گزرا پس آپ بیٹھ گئے یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ کوئی اثر بڑائی کا آپ کے قلب میں نہ واقع ہو جائے (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کا ملین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعم کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکابر کو فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہئے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے اور یہی خیریت ہے قال اللہ تعالیٰ فلا یا من مکر اللہ الا القوم الخسرون ونعم

ما قیل ۷ غافل مرو کہ مرکب مروان زہد را  
در سنگلاخ باد یہ پے ہا بریدہ اند  
نومید ہم مباشش کہ زندان بادہ نوش  
ناگہ بیک خروش بہ منزل رسیدہ اند

اللہم اعنا علی الاستقامۃ مع القبول والکرامۃ فی الدنیا ویوم القیمۃ  
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(التکشف ص ۴۶۵)

# معارف مشنوی

خفتہ از احوال دنیا روز و شب  
چون قلم در نیچہ قلب رب

آنکہ او نیچہ نہ بیند در رقم  
فعل پندار و بہ جنبش از قلم

فت: ان اشعار میں توحید افعال کی طرف اشارہ ہے جس کا عنوان اس طرح مشہور ہے  
" لا فاعل الا اللہ " اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف کوئی فعل منسوب

نہیں۔ اول تو یہ عقاید حقہ کے خلاف ہے پھر صدور قبائح کا جناب باری تعالیٰ سے

اس میں لازم آتا ہے پھر شاہدہ اور وجدان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے پھر یہ کہ تمام

شرائع کا اس میں ابطال لازم آتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ منتہا سبب اسباب کا یا یوں

کہیے کہ خالق افعال کا بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ گو وسائط و ظاہری اسباب اور

بھی ہیں۔ چونکہ عارف کو دوسرے فاعلین کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ان کی

تغی کر دیتا ہے۔ سو واقع میں یہ تغیی باعتبار قابل التفات ہونے کے یا التفات کرنے کے ہے

یعنی کوئی فاعل قابل التفات کے یا ملتفت الیہ نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اسی طرح توحید صفاتی

و توحید ذاتی کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بجز ذات و صفات خداوندی کے کوئی صفت

یا ذات موجود نہیں بلکہ عارف کو کسی اور کی ذات و صفات کی طرف التفات نہیں ہوتا۔

اس مرتبہ میں وحدۃ کا حکم ہوتا ہے۔ سو یہ تینوں مراتب توحید و جود کی فروع ہیں۔ فقط۔

ظہر ابیتی بیسان پاکی ست  
گنج نور ست از طلسمش خاکی ست

جاننا چاہئے کہ اکثر صوفیائے کرام کے کلام میں بعض آیتوں کا خلاف ظاہر معانی پر

محمول ہونا پایا جاتا ہے، ایسے مواقع پر ناظرین کو دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ

تویوں اعتقاد کر لیتے ہیں کہ قرآن شریف کی تفسیر یہی ہے اور علمائے ظاہر نے جو تفسیر کی ہے وہ غلط ہے، حالانکہ یہ اعتقاد بالکل باطل اور شعائر زنا دقہ کا ہے اور اس سے تمام شریعت ناقابل اعتبار اور منہدم ہو جاتی ہے، اور بعض لوگ ان حضرات پر طعن کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید میں تحریف کر دی اور تفسیر بالرائے کرتے ہیں اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر تو وہی ہے جو علمائے مفسرین نے لکھی ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مضمون مدلول و مقصود بالقرآن ہے اس کے مشابہ کوئی دوسرا مضمون ہوتا ہے تو مدلول قرآنی سے ذہن اس مشابہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جیسا زید اور عمر میں مناسبت ہو اور زید کا حال بیان کرتے ہوں اور عمر یا آجلئے، اور اس انتقال ذہنی کی وجہ سے اس مضمون مدلول قرآنی پر اس مضمون مشابہ کو قیاس کر کے اس کے لئے بھی وہی حکم جو مدلول قرآنی کے متعلق ہے ثابت کرنے لگتے ہیں تو مقصود ان کا اس نص میں اس مضمون کا داخل کرنا نہیں ہوتا بلکہ محض قیاس و تمثیل کا قصد ہوتا ہے مثلاً اسی آیت "ظہر بیتی" کی تفسیر سے کہ تطہیر کعبہ ہے ذہن منتقل ہوا کہ انسان میں بھی ایک چیز مشابہ کعبہ کے ہے اور وہ قلب ہے، کیونکہ جس طرح کعبہ پر انوار الہی نازل ہوتے ہیں قلب پر بھی فائز ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا کہ جس طرح تطہیر کعبہ ضروری ہے کیونکہ وہ مورد تجلیات ہے اسی طرح چونکہ قلب بھی مورد تجلیات ہے اس لئے اس کی تطہیر بھی ضروری ہے اور وہ مورد تجلیات علت مشترکہ ہے، اس کو علم اعتبار کہتے ہیں جس کی اجازت نا اعتبار و یا اولی الابصار میں موجود ہے اور جمیع فقہاء و مجتہدین احکام میں اس کا استعمال کرتے ہیں پس اگر اس معنی مقیس کو کوئی شخص مجازاً مدلول نص کہہ دے یا اس معنی کہ قیاس منظر ہے مثبت تو اس میں کوئی بات قابل مواخذہ نہیں۔ امر محقق اس باب میں یہ ہے کہ امام غزالی نے بعض تصانیف میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور بعض نے جو ان توجیہات کی تصحیح کے لئے یہ تکلف کیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظہر اور ایک بطن ہوتا ہے پس علمائے ظاہر نے جو کہا ہے وہ ظہر ہے۔

اور صوفیاء نے جو فرمایا ہے وہ لظن ہے۔ یہ تکلیف نہایت بعید ہے، کیونکہ ظہر و لظن دونوں کا اس آیت کے وجوہ محتملہ سے تو ہونا ضرور ہے اور ایسے نکات و اعتبارات یقیناً آیت میں محتمل نہیں ہوتے جیسا کہ ماہرین قواعد شرعیہ و عربیہ پر مخفی نہیں۔ اس لئے ان کو لظن و ستر آن کہنا نہایت امر مستنکر ہے بلکہ لظن سے مراد، وہ معانی دقیقہ و مسقطات غامضہ ہیں جن کو حضرات مجتہدین سمجھتے ہیں جس کی تفصیل اہل اصول نے وجوہ دلالات میں لکھی ہے اور ان لظنون میں مراتب مختلف ہیں بعض وہ ہیں جن کو عوام نہیں سمجھتے۔ علمائے متوسطین سمجھ جاتے ہیں بعض وہ ہیں جن کو علمائے راسخین و مجتہدین سمجھتے ہیں بعض ایسے ہیں جن کو صرف انبیاء علیہم السلام سمجھتے ہیں و لکن فوق کل ذی علم علیہم۔ فقط

ماچونا تیم و نوادر ما ز تست

ماچو کوہیم و صدادر ما ز تست

ن : مقصود مراقبہ توحید کی تعلیم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اور تمام مخلوقات کے جمیع افعال و حرکات و سکناات و تغیرات میں حق جل شانہ کے موثرہ خالق ہونے کا ہر وقت استحضار رکھے اور ہر چند یہ امر داخل عقائد ہے مگر اعتقاد میں تصدیق اجمالی کافی ہے اور ہر مراقبہ میں استحضار اور ہر ہر جزو پر تفصیلی توجہ زائد ہے کیفیت اضمحلال خلق کی اس کی بدولت پیدا ہوتی ہے اور شعب توحید سے یہ ایک شعبہ ہے مگر محققان حال نے مطلقاً اہل تائما کو مراقبہ توحید سے منع کیا ہے کیونکہ مسئلہ نازک ہے اور فہم ناقص ہے اس لئے لغزش کا اندیشہ ہے۔

لذا قال مرشدی اور یہ احقر عرض کرتا ہے کہ علاوہ نقصان فہم و قلت علم کے عشق و محبت الہی میں بھی کمی ہے ایسی حالت میں جب ہر شے کو مستنالیٰ الحق سمجھے گا اور وسائط و اسباب کے مطلق نظر اٹھ جائیگی اور قلت محبت الہی سے بعض اوقات میں رضائے تسلیم میں کمی ہوگی تو وہ تنگی اور کدورت نعوذ باللہ حق جل شانہ کی طرف سے ہوگی اس وجہ سے جب تک علم و فہم و عشق سب کابل نہ ہوں یہ مراقبہ ممنوع

ہوگا۔ فقہی قاعدہ بھی ہے کہ جس شعب میں مفسد کا اندیشہ ہو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ فقط  
(مزید استفادہ کے لئے ملاحظہ ہو کلید مشنوی۔ التکشف)

## عرفانِ حافظ

الایا ایہا ساقی ادر کاسا و نا و لها  
کہ عشق آسان نمود اول دے اقاد مشکلہا

ساقی، شراب پلانے والا، مراد محبوب حقیقی، کاس، پیالہ، شراب، مراد جذبِ عشقی،  
کو دور دیکھئے، اور (اس دور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دیکھئے (یعنی مجھ کو اپنی طرف منجذب  
کر لیجئے) کیونکہ (راہ) عشق (کا سلوک) اول اول آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اس کے  
عقبات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوتیں (جن سے  
راد قطع ہوتا دشوار ہو گیا۔ سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔)

فہ: اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود  
میں کافی نہیں ہوتا اور سلوک و جذب کے معنی، کوئی شخص ہوش و سہوش نہ سمجھ جائے بلکہ سلوک  
کہتے ہیں بمقارنات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندی اعمال ظاہرہ کے، اس سے  
نسبت باطنی کے حاصل ہوجانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہوجاتی ہے لیکن نسبت باطنی  
کا بالفعل حاصل ہوجانا یہ با اختیار سائلک نہیں ہے۔ محض فضل الہی پر موقوف ہے، پس  
وہ فیض غیبی و عنایت حق جس سے یہ نسبت حاصل ہوجائے جذب کہلاتا ہے، اور  
اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر  
اختیاری خوب سمجھ لو۔ اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے۔

نگرد قطع ہرگز جا دہ عشق از دید نہا

کہ می بالذخوداں راہ چوں تاک از یرید نہا



بُوئے ناذہ کا خرصیا ز اں طُرہ بکشاند

ز تاب جعد مشکینش چہ خوں افتادہ در دہا

(بوئے۔ امید۔ طرہ کھلے ہوئے بال۔ جعد، گندھے ہوئے بال)

معنی :- با امید اس ناذہ (یعنی خوشبو) کے جس کو آخر (کبھی نہ کبھی تو) باد صبا اس طرہ سے کھولے (اور پھیلائے) گی (اس امید پر) محبوب کے جعد مشکیں کے پیچ و تاب کی وجہ سے کیسے کیسے خونِ قلوب میں پڑ رہے ہیں۔ (اور عشاق ان کی اسی خوشبو کی امید پر کہ وہ بھی اک گونہ قرب ووصال ہے جھیل رہے ہیں)

ف: بلسان اشارہ جعد سے مراد واردات سالک کا بند ہونا جس کو قبض کہتے ہیں اور ناذہ سے مراد ان واردات کا نازل ہونا جس کو بسط کہتے ہیں اور ان واردات کو مرتبہ قبض جعد سے اور مرتبہ بسط سے طرہ سے تعبیر کرنا نہایت لطافت و رعایت شاعرانہ بھی ہے اور صبا سے مراد فیضِ مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات و برکات الہیہ کا۔ پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک کو نا امید و دل شکستہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے یہ ہے کہ قبض سے سالک کو ایک خاص انگسار اور شکستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل و احمق سمجھنا اور عجیب و پندار کمال قطعاً نظر اور التفات سے اٹھ جانا۔ یہ امور بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اس لئے قبض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے، یعنی اس وجہ خاص سے، پس اس حالت میں نا امید اور پریشان نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے اور راضی رہے اور امید رکھے کہ جب میرے لئے مصلحت ہوگی بسط ہو جائیگا کہ وہ بھی قرب کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ قبض بھی من وجہ قرب ہے اور نسبت الصبا میں اشارہ ہے کہ قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے کیونکہ قبض کے علل و آثار و مصالح و طرق بسط یا اس قبض کا عین بسط یعنی حکمت میں مثل بسط ہوتا ہے سب مراتب

مرشد سے حل ہوتے ہیں نیز اس سے لازم آگیا کہ سالک قبض میں اپنی رانے پر ہرگز عمل نہ کرے  
 ورنہ بہت سے اس میں صورت ہلاک ہو چکے ہیں قبض کے باب میں یہ مضمون مولانا روم کے کلام  
 میں زیادہ مصرح ہے ۔

چونکہ قبضے آیدت اسے راہرو  
 آں صلاح تست آیس ن مشو  
 چونکہ قبض آیدتو درو سے بسط ہیں  
 تازہ باش و چیں مہنگن بر حبیب

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید  
 کہ سالک بیخبر نہ بود ز رسم و راہ منزہا

(مٹے شراب، مراد وہ امر مباح جو طریقت کے خلاف معلوم ہوا اور قابل احترام ہو،  
 باوجود مباح شرعی ہونے کے طریقہ محترمانہ ہونے کے وصف کے سبب شراب سے  
 تشبیہ دیدی) مطلب یہ ہے کہ مٹے میں سجادہ رنگین کرنا (گو بہت امر منکر ہے لیکن) اگر تھک  
 پیر مغاں (یعنی مرشد) بتلا دے تو عمل کر لینا، کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا ہے اور راہ دیکھے ہوئے ہے  
 وہ منازل کے طرق اور آثار سے بیخبر نہیں ہوتا (طریق۔ رستہ اور رسم جو راہ پر نشان بنے ہوتے ہیں  
 جن کو دیکھ کر راستہ چلتے ہیں)

نہ :- اسی طرح اگر مرشد مرشد کو کوئی ایسا امر بتا دے جو مشرعاً ناجائز تھا لیکن بظاہر طریقت  
 کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے تو سالک کو چاہئے کہ اس کو مضر سلوک نہ سمجھے بلکہ اس پر  
 عمل کرے کہ وہ واقعی میں مضر نہ ہوگا بلکہ مفید ہوگا کیونکہ شیخ کو اس کے تشبیب و فراز کا زیادہ  
 تجربہ ہے تفہیم کے لئے ایک مثال فرض کرتا ہوں۔ مثلاً کسی سالک کو قبض ہوا اور شیخ نے اپنی  
 بصیرت و تجربہ سے پہچان لیا کہ تکثیر اشغال اور ضعف و ملال طبیعت کا اس کا سبب ہوا ہے۔  
 شیخ نے امر فرمایا کہ برائے چندے اشغال بالکل چھوڑ دو اور طبیعت کو راحت پہنچاؤ اور اجباب میں  
 بیٹھ کر مزاج اور خوشگوار باطن سے فرحت حاصل کرو اور اکثر حصہ شب کا سوؤ اور خوب لذیذ  
 کھانے کھاؤ تو بظاہر یہ امور خلاف طریقت معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں عین طریقت ہیں۔

کیونکہ علت قبض کا اس میں علاج بالصدق ہے کہ مال وضعف کا علاج تشاؤ و تقویت ہے اس  
علاج سے بسط ہو جائیگا اور ذکر و شغل اطمینان سے ہوگا تو درحقیقت شیخ نے شغل ترک نہیں  
کرایا بلکہ شغل کے دوام کا سامان کیا ہے۔

تنبیہ:۔ یاد رکھو کہ بے سجادہ رنگیں کن میں تشبیہ المفرد بالمرکب ہے اجزائے مرکب کے جدا  
جدا مشبہ بہ نہیں، اور معان لغت میں آتش پرستوں کو کہتے ہیں چونکہ اہل فارس اہل میں آتش پرست  
تھے، اس لئے فارسی زبان میں وہی محاورے آئیں گے، لیکن مراد محض معنی مجازی ہوں گے، اور  
سالک جو شیخ کو کہتا ہے اس کے معنی، آنکہ سلوک میکند، نہیں بلکہ، آنکہ سلوک کردہ و فارغ شدہ  
باشد، ہیں اور احقر نے جو تفسیر سجادہ رنگیں کن کی کی ہے قرینہ اس کا ظاہر ہے کہ جس فن کا یہ  
مضمون ہے اسی فن کے اعتبار سے جو منکر ہو وہ متعین الارادہ ہے، لغوی معنی لینا بالکل فن  
سے خارج ہو جاتا ہے۔

مراد منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم

جرس فریادی وارد کہ بر بندید مملہا

(منزل جاناں مقام و حال باطن جرس۔ اثر ارشاد عرفاء اور شوق قلب، مراد یہ کہ  
مجھ کو کسی مقام یا حال باطنی میں امن و عیش (یعنی استقرار و سکون) کیونکہ حاصل ہو جبکہ ہر وقت  
قلب میں جو عارفین کے (اس ارشاد کا اثر ہے) کہ سالک کو کہیں تو وقت نہ کرنا چاہئے اور شوق  
قلب بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہاں محل لاؤ اور سفر کرو۔

فہ:۔ اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر دم طالب فرید  
ہو عمل و سعی سے بھی توجہ اور ارادے سے بھی اور دعا و التجا سے بھی رومی نے بھی اسی مضمون  
کو ارشاد فرمایا ہے

اے برادر بے نہایت درگئے ست

ہرچ بروئے میرسی بروئے مایست

شب تاریک و بیم موج، گرد آئے جنیں ہائل  
کجا داند حالِ ما شبک سارانِ ساحلہا

(اس میں بیان ہے حیرت کا، اور شکایت ہے مع اک گورنر معترضین اور ملامت گروں کے) یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ورطہ ہوناک میں کشتی آگئی ہو تو ہمارے (اس) حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں (جنہوں نے دریا میں قدم بھی نہیں کھا) ف: مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی عقیبہ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اس کے افعال و اقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں، مگر یہ اعتراض دلیل خود اس کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گذری پس ان کے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کو بتلانا مقصود ہے اور جو لوگ واقف اور عارف ہیں وہ اس پر رحم کرتے ہیں اور اس کی دست گیری کرتے ہیں۔ تنبیہ: اس میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔

ہمہ کارم ز خود کامی یہ بد نامی کشید آخر  
نہاں کے ماند آل رانے کزوں زند محفلہا

(خود کامی استعجال وصل) یعنی جلد کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت مرے کام کا انجام یہ ہوا کہ سب میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہارِ راز محبت کرنا پڑا۔ سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جائے جیسے میں نے مجمع کر کے راز فاش کر دیا)

ف: اس میں یہ بتلایا گیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر تناعت و طمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں کھتا ہر کس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مٹنی حال معلوم ہو جاتا ہے، اور

مخفی حال کا اظہار بجز اپنے مرشد کے کسی سے کرنا مذموم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر جانی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و مشقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت و لطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس لئے پریشانی اور بڑھتی ہے۔ غرض ظاہراً و باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ کرے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔

حضور می گرہمی خواہی از و غائب مشو حافظ

مشی مالمق من تہوی وع الدنیا و امہلہا

(اگر تم محبوب حقیقی کے دربار میں) حضور می (اور قرب و قبول) چاہتے ہو تو اس کے غائب (یعنی دل سے غائب) مت ہو، (بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو) اور جب ملاقات کرو اپنے محبوب سے (یعنی اس کے طرق لقاء میں کہ عبارت ہے عبادت سے مشغول ہو) تو دنیا چھوڑ دیا کرو (یعنی قصداً دنیا دہانیا کی طرف اس وقت التفات نہ کیا کرو)

نوٹ :- اس میں تعلیم ہے ذکر و عبادت پر دوام کرنے کی اور اس ذکر و عبادت کے نفع کی شرط کی کہ اس وقت قصداً غیر اللہ کو مستحضر نہ کرے کہ نفع اس سے فوت ہو جاتا ہے اور بلا قصد اگر آدے تو اصلاً مقرر نہیں اور مکرر ذکر کی طرف متوجہ ہو جانے سے وہ آیا ہوا خیال از خود دفع ہو جاتا ہے۔ قصداً دفع کرنے کی ضرورت نہیں اور دفع بھی نہیں ہوتا اور اگر توجہ ذکر سے بھی دفع نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہ کرے کیونکہ امر غیر مضر قابل اہتمام نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کے درپے ہو جانے سے پھر وہ پورا وبال جان ہو جاتا ہے۔ فقط

نوٹ :- (مزید استفادہ کے لئے ملاحظہ ہوا تکشف)

# بعض مسائلِ طریقت

## لطائفِ ستہ کی تحقیق

فرمایا قلب صنوبری تو خاص قطعہ لحم کا نام ہے، اور اس کے مقابلے میں قلبِ حقیقی ہے وہ ایک لطیفہ ہے، اس کے انوار یہ قلبِ صنوبری منور ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے لطائف کو خاص خاص مقامات سے ایک خصوصیت ہوتی ہے، جیسے سر کو سینہ سے اور حنفی کو مابین الحاجبین سے اور احنفی کو دماغ سے، اور وہ تعلق یہی ہے کہ مذکورہ اعضا پر ان کے انوار و برکات ظاہر ہوتے ہیں، اور لطائف کی تعلیم کا نقش بندوں کے یہاں خاص اہتمام ہے اور حیشتی اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب حجاب ہیں، ذکر کے وقت ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے بلکہ توجہ ادلاً بجانب مذکور مصروف کرنا چاہئے۔ اگر اس میں تکلف ہو تو نائیاً ذکر کی جانب ملتفت ہوں، اگر وہ بھی نہ جھے تو ثالثاً صرف قلب کی طرف توجہ کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وہی القلب

اس میں صاف مضغۃ قلب کی تصریح ہے، گو اس کے ضمن میں طبعاً لطیفۃ قلب کی طرف بھی توجہ آگئی پھر دوسرے لطائف کی کیا حاجت رہی کہ پہلے یہ کرو اور پھر یہ کرو، پھر مجموعے کو ملاؤ اور مسلم ہے کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد پس نہ اسی لطیفہ میں کمال توجہ ہوتی ہے، نہ دوسرے لطیفہ میں ہوتی ہے، اور مشق شدہ لطیفہ میں جب کم توجہی محسوس کرتے ہیں پھر نئے لطیفہ کو چھوڑ کر اس پہلے میں لگتے ہیں۔ غرض یہی شغل قصاری المقصود ہو جاتا ہے اس لئے ان کو حجاب کہا گیا، اور ایک اصطلاح دوائر ہے۔ مقامات کا نام دوائر رکھا ہے۔ کیفیات

باطنہ کے نام کو دو اثر سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً دائرہ محبت وغیرہ اور ان دو اثر کے مراقبہ کی تعلیم کرتے ہیں، اور ایک اصطلاح حقائق ہے جیسے حقیقت صلوٰۃ اور حقیقت کعبہ وغیرہ اس کا تصور کرایا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت رحمہ اللہ ان سب کو حجابات فرماتے تھے۔

ہمارا مذہب لطائف کے بارے میں یہ ہے کہ نہ انکار میکنم و نہ این کار میکنم خلاصہ یہ کہ طرق ذکر کے مختلف ہیں۔ ایک بالکجاب ایک بغیر الحجاب اور لطائف سے طریقہ وصول الی اللہ بالکجاب ہے۔ پس جب بے حجاب کام نکلے تو حجاب کی کیا ضرورت، اسی وجہ سے لطائف کا طریق ہمارے یہاں معمول نہیں۔ ان حجابات و وسائط کی کیا حاجت، میں تو سب کو ہم ذات بتاتا ہوں۔ آج تک کسی کو تصور شیخ یا شغل لطائف و دیگر اقسام کے اذکار و اشغال باستثناء بعض فی بعض الحوال نہیں بتائے اور الحمد للہ اسی سے سب کو مقصود حاصل ہوا۔ گو کبھی تغیر احوال سے کئی زیادتی یا ترک کرنا پڑا لیکن اور حجابات سے کام نہیں لیا۔ ۶

اول ما آخر ہر منہی است

حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کا بہت ہی مختصر سلوک ہے، آپ اس فن کے مجتہد تھے، اور فقہاء کا اجتہاد تو ختم ہو گیا مگر صوفیاء اور اطباء کا اجتہاد باقی ہے ہر زمانے میں اس فن کا ایک مجتہد ہوتا ہے، ہمارے حضرتؒ اپنے زمانے کے مجتہد تھے۔ اسی طرح حضرت مجدد صاحبؒ اپنے زمانے میں اس زمانے کے لوگوں کی خصوصیات کبھی طرق کو مقتضی ہوں گی۔ اسی واسطے حضرت مجدد صاحبؒ نے ان کا اثبات فرمایا اور اس وقت وہ مقتضیات بدل گئے۔ احکام و طرق بھی بدل گئے۔ اس لئے نہ ان حضرات پر انکار نہ حضرت حاجی صاحبؒ پر۔ جیسے طریق معالجہ میں متقدمین و متاخرین کا مسلک مختلف ہے۔ شیخ کو کبھی مثل طبیب کے مجتہد ہونا چاہئے۔ اس میں تعلیم سے کام لینا ناواقفی پر دلالت کرتا ہے۔ طبیب جیسا مریض کے لئے مناسب سمجھے ویسا علاج کرے، خواہ مریض روحانی ہو یا جسمانی۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلوک کا مدار جمعیت قلب اطمینان خاطر پر تھا۔ تشدد و تفرق سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ ۶

ماضی و مستقبل پر وہ خداست

اس لئے مشغل لطائف کے تشدد سے بھی بچاتے تھے کہ شیخ کامل سلوک کو بغیر حجابات کے قطع کرتا ہے۔ باقی جلدی اور دیر کا مدار مناسبت و خصوصیت استعداد پر ہے، اسی لئے جس مرید کو شیخ سے مناسبت نہ ہو وہ اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ کسی اور مناسب شخص کو تلاش کرے۔ (ملفوظات ہفت اختر ملفوظات مکتوبات، شرف المسائل)

## مشاہدے کی حقیقت

فرمایا مشاہدے کے یہ معنی ہیں کہ توجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف مرتبہ صفات میں یعنی بواسطہ صفات کے مع استحضار توجہ کے دائماً، اور ایک درجہ حضور کا اس سے آگے ہے۔ اس کو معائنہ کہا جاتا ہے وہ توجہ کرنا ہے ذات حق کی طرف بلا واسطہ صفات کے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو صفات کا علم نہیں ہوتا۔ صفات کا علم تو ہوتا ہے اور پہلے وہ بھی صفات کے واسطہ سے متوجہ بحق ہوتا تھا لیکن اب اس کی توجہ کے لئے واسطہ صفات کی ضرورت نہیں رہی، بلکہ بلا واسطہ ذات حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ گو یہ توجہ اجہالی ہی ہو، مبہم ہی ہو، من وجہ ہی ہو لیکن ملتفت الیہ بالذات اس وقت عین ذات ہوتی ہے۔ صفات ملتفت الیہ نہیں ہوتیں اور درجہ مشاہدہ میں ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں اور ذات ملتفت الیہ بواسطہ تھی گو مقصود اس وقت بھی توجہ فی الذات ہی ہوتی ہے، مگر چونکہ اس شخص کو بلا واسطہ صفات کے ذات کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اس لئے التفات اولیٰ صفات ہی کی طرف ہوتا ہے۔ پس قصد کے لحاظ سے تو مشاہدے میں بھی ذات مقصود بالذات ہے، اور صفات مقصود بالعرض مگر التفات کے لحاظ سے صفات ملتفت الیہ بالذات ہیں اور ذات ملتفت الیہ بالعرض تو ضیح کے لئے



ایک مثال میں اس فرق کو سمجھئے۔ مثلاً ایک شخص محبوب کے پاس حاضر ہے لیکن محبوب کے اور اس کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس وقت مقصود تو اس کو بھی ذات محبوب کی طرف توجہ ہے لیکن حجاب کی وجہ سے یہ عین ذات کی طرف بلا واسطہ توجہ نہیں کر سکتا، بلکہ محبوب کی صفات حسن و جمال کو ذہن میں حاضر کر کے لذت لیتا اور ان کو توجہ الی المحبوب کا واسطہ بناتا ہے۔ اور ایک شخص محبوب کے پاس اس طرح حاضر ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب نہیں۔ اس کی توجہ اولاً ذات کی طرف ہوگی۔ گو طبعاً صفات کی طرف بھی التفات ہوگا تو پہلے شخص کا ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں۔ اور ذات ملتفت الیہ بالعرض وہ تو صاحب مشاہدہ ہے، اور دوسرے شخص کا ملتفت الیہ بالذات عین ذات ہے اور صفات ملتفت الیہ بالعرض۔ یہ صاحب معائنہ ہے۔ باقی قرب دونوں کو حاصل ہے۔ صاحب معائنہ کو بھی اور صاحب مشاہدہ کو بھی۔ گو کیفیت قرب میں تفاوت ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ صاحب معائنہ کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ سب حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں، یہ بات نہیں حجاب اس کے لئے بھی باقی ہے۔ لیکن یہ حجاب التفات اولیٰ الی الذات سے مانع نہیں۔ گو یہ التفات اجمالی ہی ہو، مبہم ہی ہو۔ مگر اولاً بالذات ذات ہی کی طرف ہے، اور صاحب مشاہدہ کے درمیان جو حجابات ہیں وہ ذات کی طرف التفات اولیٰ ہی سے مانع ہیں۔ یہ فرق ہے دونوں میں۔ اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ معائنہ میں صفات کی نفی نہیں بلکہ ان کی طرف التفات کی نفی ہے۔ (و غلط تحصیل المرام ص ۱۵)

### لذتِ روحانیہ و لذتِ نفسانیہ میں فرق

میں لذتِ روحانیہ اور لذتِ نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں تاکہ ذکرین دھوکے سے بچتے رہیں اور حظوظِ نفس کے طالب نہ ہوں۔ یاد رکھو، ذکر و شغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں کہ لطافت کی وجہ سے ان کو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے۔ وہ غلبہ کے ساتھ وارد نہیں ہوتیں اور ان کی علامت یہ ہے کہ یوماً فیوماً ان میں ترقی ہوتی رہتی ہے، اور کیفیاتِ نفسانیہ کا

ورود غلبہ سے ہوتا ہے۔ جن میں بعض دفعہ حدود شرعیہ سے بھی انسان نکل جاتا ہے  
 گو یہ اس میں مجبور و معذور ہو مگر یہ کیفیات مطلوب و مقصود نہیں اور نہ ان کے لئے  
 بقا ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا ہے۔ کیفیت روحانیہ اور لذت  
 روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جس کو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 بیان فرمایا ہے جعلت فترة عینی فی الصلوة (کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک  
 نماز میں رکھی گئی ہے) اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے جس کو یہ ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ مگر  
 اس کی علامت یہ ہے کہ نماز سکون اور اطمینان سے ادا کرے، جلدی نہ کرے، اور کوئی چیز  
 اس کو نماز سے مشغول نہ کرے، یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو۔ اور بدون نماز کے  
 قلب کو چین نہ ملے۔ وقت آتے ہی نماز کے لئے دل بے چین ہو جاتے۔ اسی کو خلوص  
 اور احسان کہتے ہیں۔ یہ ہیں کیفیات روحانیہ بخلاف ان کیفیات کے جو سالکین کو  
 وسط میں پیش آتی ہیں۔ جیسے محویت اور استغراق وغیرہ، ان کا بعض اوقات ایسا غلبہ  
 ہوتا ہے کہ حدود سے بھی نکل جاتا ہے۔ سو یہ کیفیات مقصود نہیں اور جس کو خلوص حاصل  
 ہو جو کہ کیفیت روحانیہ ہے گو اس کو کتنے ہی وساوس آتے ہوں۔ اس حالت میں بھی۔  
 اس کا طالب لذت و محویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ  
 پائے بوسی اندراں دم شد گناہ  
 (اشرف المسائل)

### اخلاق رذیلیہ کا امالہ

وجود اخلاق رذیلیہ مذموم نہیں ہے۔ ہاں غن تقضی الاخلاق الرذیلیہ مذموم و منہی عنہ  
 ہے۔ مثلاً وجود غصہ کا مذموم نہیں لیکن اس کو بے محل صرف کرنا ناجائز ہے۔  
 مجاہد سے پہلے بے موقع غصہ میں چلاتا تھا اب موقع پر چلاتا ہے، نہ یہ کہ بے موقع  
 کبھی غصہ آتا بھی نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :  
 لا یكلف الله نفساً الا وسعها تو اخلاق رذیلیہ کے ازالہ پر قدرت نہیں۔

ہاں ان کو بے محل صرف نہ کرنے پر قدرت ہے۔ اس لئے صرف اسی کی تکلیف دی گئی ہے۔ جب یہ بات ہے تو ان اخلاقِ رذیلیہ کے ابھرنے اور ان سے متاثر ہو جانے سے غمگین اور ناامید ہو جانا محض بے وجہ ہے (اطاعت الاحکام ص ۵۲) اکثر لوگ اخلاقِ رذیلیہ کو زائل کرنے میں اور پھر اخلاقِ محمودہ پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ ازالہ بالکلیہ نہیں چاہئے۔ کیونکہ جب اس خلق کی ضرورت ہوگی تو کیا کرے گا (مثلاً شہوت) بلکہ تبدیل چاہئے (مقالات حکمت حصہ ہفتم ملفوظ ص ۱۲۲) صفاتِ ذمیمہ اپنے محل و مصرف پر ہوں تو بری نہیں۔ اور اگر بے محل ہوں تو بری ہیں۔ مثلاً بخل اگر کسی اچھی جگہ کیا جاوے تو بُرا ہے اور اگر کسی بُری جگہ کیا جاوے تو بُرا نہیں مثلاً فواحشا میں چند روپے سے بخل کیا (مقالات حکمت حصہ ششم ملفوظ ص ۱۲۲) رذائل کا ازالہ نہ کرو، صرف ازالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضرور نہیں اضمحلال بھی کافی ہے مگر اضمحلال کے لئے اس کی مشق ضروری ہے۔ سادہ مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہوا الحائک اذا صلی یوما انتظر الوحی کہ دو دن مخالفت نفس کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار میں جو خاصیت ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن انشاء اللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائے گا۔ بعض حکماء اس نکتہ کو نہیں سمجھے وہ کہتے ہیں کہ عادات نہیں بدلا کر میں اس مجاہدہ فضول ہے مگر وہ یہ نہیں سمجھے کہ عادت کے خلاف عادت ہو جانے سے پہلی عادات ایسی کمزور ہو جاتی ہیں کہ گویا کھٹی سی نہیں اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مشائخ طریقی کے یہاں رات دن ایسی نظائر مشاہد سے میں آتی ہیں کہ مجاہدات و کثرت مخالفت سے اخلاقِ رذیلیہ کو معدوم نہیں مگر کالعدم ضرور ہو جاتے ہیں اور یہ طریقہ ایسا آسان ہے جو ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ اپنے قصد اختیار سے رذائل کی مخالفت نفس کیا کرے (وعظا لارضاء الحق)

فرمایا کہ اخلاقِ ذمیمہ کے علاج میں صرف ذکرِ شغل کافی ہونے کے لئے میرے دل میں ایک نئی بات آئی ہے جو اس سے پہلے ذہن میں نہ آئی تھی۔ وہ یہ کہ چونکہ ذکر اللہ سے قلب میں ایک قسم کا نور و انشراح و انبساط پیدا ہوتا ہے اور مصیبت

سوزد ہوتی ہے تو وہ تو رجوع ذکر سے حاصل ہوا تھا مبدل بہ ظلمت و کدورت ہو جاتا ہے اور جو حظ اس کو پہلے حاصل تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو فوراً اس معصیت پر تنبیہ ہو جاتا ہے اور اس سے متنفر ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ تمام معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے اور اسی طرح صرف ذکر و شغل ہی اخلاق ذمیمہ کے علاج کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنبیہ کی طرف بھی توجہ ہو اور تنبیہ کے بعد اصلاح کی طرف بھی (مجادلت معدلت حصہ ہشتم ملفوظ نمبر ۱۵)

فرمایا محققین نے تصریح کی ہے کہ اخلاق ذمیمہ میں سے ریاسب کے بعد جاتا ہے، اور اخلاص سب اخلاق حمیدہ کے بعد میسر ہوتا ہے۔ ریاسب ایک ایسا مرض ہے کہ مرانی (ریا کار) مخلوق سے تو کیا خالق سے بھی نہیں چوکتا۔ مثلاً جلوت میں اتفاقاً اس سے نماز کی تطویل میں ریاسب ہوتی۔ پھر جلوت میں اس عیب پر تنبیہ ہوا، تو اب آپ نے کیا کیا کہ جلوت میں بھی خالق کے سامنے اس لئے تطویل کی کہ اگر پھر جلوت میں تطویل کروں تو اللہ تعالیٰ اس وقت کی تطویل صلوة پر الزام نہ دیں۔ (نعوذ باللہ من الریاء الخفی والجلی۔ جامع) (اشرف المسائل)

## کبر کی علامات اور ان کا علاج

حالیہ: اور بموجب اصل (یعنی قاعدہ) حضرت والا کے میں اپنا ایک مرض پیش خدمت کرتا ہوں جو بندہ نے اوپر بھی عرض کیا یعنی کبر اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب نظر آوے اور بندہ اس کا مرتکب نہ ہو تو دل میں اپنے آپ کو اچھا سمجھنے کا خطرہ گذرتا ہے۔

تحقیق: اس خطرے کو محبوب سمجھتے ہو یا اس خطرے سے نفرت و کراہت کرتے ہو۔

حالیہ: ۲۱ اور اگر اس شخص کو اس گناہ سے منع کرتا ہوں تو تیز زبان سے منع کرتا ہوں تاکہ یہ شخص یہ سمجھے کہ یہ تو بڑا گناہ سے پاک ہے جمعی تو تیزی سے منع کرتا ہے۔  
تحقیق: یہ تیزی فعل اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔

حالیہ (۳) اور بعض وقت ان کو دیکھنے سے نفرت معلوم ہوتی ہے خصوصاً بدین اور دنیا کا زیادہ شوق رکھنے والا افسول باتیں بنانے والا مکار شخص۔  
تحقیق: نفرت بلبی یا اعتقادی اور مع احتمال و استحضار اپنے عیوب کے یا بدون اس احتمال و استحضار کے۔

حالیہ (۴) اور ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ عام لوگ جو ناز و غیرہ شریعت کے احکام کے پابند ہیں اور عام طور پر گناہوں میں مبتلا ہیں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں  
تحقیق: اس میں بھی وہی سوال ہے جو نمبر بالا میں ہے۔  
حالیہ (۵) اور ان کے ساتھ اپنے سے بڑا اور اچھا سمجھ کر نرمی اور تعظیم کا برتاؤ نہیں کرتا ہوں۔

تحقیق: یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔

حالیہ (۶) اور ایک علامت اپنے کو اچھا سمجھنے کی یہ پاتا ہوں کہ اگر کوئی میری تعریف کرے اور کہے کہ تم مجھ سے اچھے ہو تو اس وقت اس کی بات رد کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ نہیں صاحب آپ کو کیا پتہ میرے اندر بڑے بڑے عیب ہیں، آپ مجھ سے بہت اچھے ہیں۔ میں بہت خراب ہوں، آپ کے میری خاک کے برابر ہوں۔ لیکن دل کی حالت اس قول کے مطابق نہیں پاتا بلکہ بعض وقت معلوم ہوتا ہے کہ فقط زبان ہی سے کہہ رہا ہوں اور اس شخص کو محض دھوکا دے رہا ہوں۔

تحقیق: اس احتمال کے ہوتے ہوئے سلم یہ ہے کہ بالکل خاموش رہو اور اگر ممکن ہو تو اور کسی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دو تاکہ وہ تذکرہ منقطع ہو جاوے۔

حالیہ (۷) بندہ نے ان امراض سے بچنے کی بہت کوشش کی مگر افسوس یہ ہے کہ کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت والا کی خدمت اقدس میں عرض ہے کہ ان امراض کا علاج ارشاد فرمادیں  
تحقیق: ایک ایک چیز کا فیصلہ کرتے جاؤ علماء بھی علماء بھی یعنی اول ایک چیز کو پیش کر کے اس کے متعلق تعلیم حاصل کر کے اور اس پر عمل کر کے جب رسوخ ہو جائے دوسری چیز کے ساتھ یہی برتاؤ کرے۔

حالت<sup>(۸)</sup>: اور دعا بھی فرمادیں کہ بندہ کو تمام رذائل سے نجات ہو جائے۔  
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حالت<sup>(۹)</sup>: اور دیگر بندہ نے یہ طے کر لیا ہے کہ جہاں سے اپنے امراض نفس واضح ہوتے ان کا علاج بھی وہیں سے حاصل ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنے آپ کو حضرت والا کے بالکل سپرد کرتا ہوں اور جو کچھ حضرت والا طریقہ اصلاح اور علاج تجویز فرماویں گے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر بخوشی عمل کروں گا۔  
تحقیق: اللہ تعالیٰ مدد فرماوے۔

نوٹ تمہیدی: انہوں نے ایک خط میں لکھا تھا کہ جو شخص میرا وعظ سن کر بشارت ظاہر نہ کرے اس سے ناگواری ہوتی ہے یہ مذموم تو نہیں اس پر پوچھا گیا کہ اگر ایسا شخص وعظ کی درخواست کرے تو وعظ کہہ دو گے یا انکار کر دو گے اس کے جواب میں یہ خط آیا۔

حالت<sup>(۱۰)</sup>: درخواست وعظ کے بعد طبعاً تو گرانی رہے گی لیکن عقلاً موجب اجر سمجھ کر اس کی خواہش پوری کر دوں گا۔  
تحقیق: بس تو ملامت نہیں۔

حالت<sup>(۱۱)</sup>: دوسری بات میں مشہور یہ ہے کہ یہ ایسی حالت تو نہیں جیسے عمدہ لباہا پہن کر انسان اپنے آپے کو دیکھنے لگے۔

تحقیق: دونوں میں فرق ہے ایسا لباس ضروری نہیں اور ایسا وعظ ضروری ہے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۱۱۹)

## دیگر

حالت: اس وقت ایک اور مرض پیش کرتا ہوں۔ تکبر۔ حضرت کے مواعظ اور مضامین کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس مرض میں بھی بہت کمی آچکی ہے عقلی طور پر اپنے آپ کو کسی سے بڑا نہیں سمجھتا اور نہ کسی دوسرے کو ذلیل سمجھتا ہوں حتیٰ کہ جن لوگوں کے کبار کا غلبہ

اور فسق و فجور عیاں نظر آتا ہے ان کے متعلق بھی نفس کو یہ کہہ کر سمجھاتا ہوں کہ اگر ایک در  
عیب کسی شخص کے معلوم ہو گئے تو تو اس کو کیونکر ذلیل سمجھتا ہے جبکہ تجھ میں ہزاروں عیب  
موجود ہیں اور آج تک ہزار ہا گناہ کر چکا ہے اتنا ہی تو فرق ہے کہ تیرا پر وہ ڈھسکا ہوا ہے  
اور اس کا کھل گیا اس نصیحت سے قلب سے تکبر دور ہو جاتا ہے۔

تحقیق: لیہنک العلم والعمل (یہ علم و عمل مبارک ہو۔)

حال: اب تہ ایک جزو بیان کے قابل یہ ہے کہ جب مکان پر ہوتا ہوں اور کوئی  
کاشتکار یا چار کھنگی وغیرہ کوئی آتا ہے بشرطیکہ غیر مسلم ہو (مسلمان کو تو ہر ایک کو اپنے سے افضل  
سمجھتا ہوں) تو اس کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہوں اور اگر وہ برابر بیٹھے تو ناگوار ہوتا ہے اس  
کے علاوہ کبھی کسی کافر کا احترام دل میں پیدا نہیں ہوتا اگرچہ یہ بغض فی اللہ میں شاید داخل  
ہو مگر حب اپنے نفس کی بڑائی ہوتی ہو اور دوسرے کو اپنے نفس کے مقابلہ میں کمتر سمجھا  
جاتا ہو تو شاید تکبر کے حدود میں داخل شمار کیا جائے اس لئے عرض ہے کہ اگر یہ مرض ہو  
تو اس کا علاج تجویز فرماویں۔

تحقیق: احتمال مرض یہ بھی مقدمہ ہے شفاء کا۔ کما قیل ۷

عاشق کہ شد کہ یارب جالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست و گرتہ طیبست

اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلم غیر متقی اور کافر کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں کیا جاتا سو یہ مساوات نبی  
میں مطلوب بھی نہیں۔ قال تعلقہ افسن کان موہنا کمین کان فاسقا (مے کافرا  
کما هو مصطلح القرآن و ایضاً یدل علیہ جزاء المذکور فیما  
بعد والذین فسقوا فعماؤہم النار کما ارادوا ان ینخرجوا منها  
اعیدوا فیہا وقیل لہم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم بہ تکذبون  
لا یستون الایۃ اور حاصل اس عدم مساوات کا یہ ہے کہ حالاً و عملاً بدون ضرورت  
شدیدہ و منہ خوف الضرر۔ اس کا اکرام نہ کیا جاوے اور مالاً و احتمالاً اس کے بعد و طرد

کا جزم نہ کیا جائے۔ کما قال الرومی

یہ صبح کافر را بخوار می منگرید کہ مسلمان بودنش باشد امید

رہا تفاوت عملی یہ مبنی ہے مصالح پر و باختلافہا مختلف اور راز اس تفاوت کا یہ ہے کہ کافر کے حسنات سب ضبط ہیں لہذا فی الحال شرعاً اس کا کوئی اثر معتد بہ نہیں اور مسلم غیر متقی کا حسنہ فی الحال بھی موثر ہے۔ اس بناء پر عمل میں تفاوت لازم ہے اور عمل میں شرعاً اس تفاوت کے موثر ہونے کی دلیل قطعی مسئلہ جہاد ہے کما ہونظائر امید ہے کہ اس سے سب اشکالات رفع ہو گئے ہوں گے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۰۲)

## نفس کے میلان معصیت کی وجہ

نفس جو تقویٰ کی طرف مائل اور معصیت سے نفور نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کی لذت اور معصیت کی کدورت سے واقف نہیں، اس کو یہ خبر ہی نہیں کہ تقویٰ کے اندر کیا لذت اور نور ہے اور معصیت کے اندر کیا کدورت اور ظلمت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ ہمیشہ معصیت ہی میں رہا ہے اس لئے نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں اور جبکہ نور تقویٰ سے آگاہ ہی نہیں تو بقتا عدہ الامشیاء تنبہین بصدھا۔ معصیت کی ظلمت کا بھی احساس نہیں پس ضرورت اس کی ہے کہ اس کو اس نور اور ظلمت یا یوں کہوں کہ اس لذت اور کدورت سے واقف بنا یا جائے۔ جب اس کو تقویٰ کی لذت حاصل ہوگی تو معصیت میں کدورت محسوس ہوگی۔ پس لامحالہ تقویٰ کی حرص اور معصیت سے نفرت پیدا ہوگی۔ (وعظ الصیام ص ۱۸۴)

## ہر وقت نفس کا جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے

یہ شیخ کی تصدیق کے بعد بھی اس کی ضرورت رہتی ہے کہ نفس کا امتحان کرتا رہے بے فکر و مطمئن نہ رہے کیونکہ مجاہدہ وغیرہ سے نفس شائستہ تو ہو جاتا ہے مگر شائستہ ہو جانے



کے یہ معنی نہیں کہ کبھی شرارت ہی نہ کرے۔ آخر شائستہ گھوڑا بھی تو شوخی و شرارت کیا کرتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ زیادہ شرارت نہیں کرتا اور کبھی کرتا ہے تو ذرا سے اشارے سے سیدھا ہو جاتا ہے مگر اشارہ بھی توجیب ہی کر دے گا جب اس کی نگہداشت سے غافل نہ ہو اور اگر بے فکر ہو کر بیٹھ گئے تو ممکن ہے کہ کبھی نفس شرارت کرے اور تم اس کو دبانے کی کوشش نہ کرو تو اس وقت یقیناً وہ تم کو پٹک دے گا جیسے سوار غافل اور بے فکر ہو کر شائستہ گھوڑے پر سوار ہو تو اس حالت میں اگر کبھی اس نے شوخی کی تو سوار ضرور زمین پر گرے گا۔ اس مثال سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مجاہد بھی بیکار نہیں، کیونکہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ نفس کی شرارت پہلے سے کم ہو جاتی ہے اور اگر کبھی شرارت کرتا ہے تو ذرا سے اشارے میں سیدھا ہو جاتا ہے، اور پہلے اشارہ تو کیا سخت مقاومت سے بھی قابو میں نہ آتا تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجاہدہ کے بعد بھی نگہداشت کی ضرورت ہے۔ بے فکری جائز نہیں۔ (وعظاً رضاً الحق حصہ اول ص ۱۰)

### طریقہ اصلاح نفس

حال: پچھلے خط میں میں نے عرض کیا تھا کہ خصائلِ رذیلہ کا مادہ دل میں موجود ہے

لیکن اس کے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا جنہوں نے استفسار فرمایا ہے کہ پھر اور کیا چاہئے؟ جواب میں عرض ہے کہ میں جانتا ہوں کہ رذائل کا ازالہ کلیتاً محال ہے اور ان کے مقتضیات پر عمل نہ کرنا کافی ہے۔ بفضلہ اس کی توفیق اپنے میں پاتا ہوں گو قوی نہیں، اللہ پاک توفیق میں زبلیتی فرماوے۔ باقی میرا یہ کہنا کہ رذائل کے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا، میرے اپنے محسوسات کی بنا پر ہے، ایک عامی کی محسوسات ہی کیا غالباً بہت سے اخلاقِ ذمہ میں مبتلا ہوں گا لیکن مجھ کو ان کا احساس نہیں۔

تحقیق :- احساس ہونا چاہئے ورنہ اس کا علاج کیسے پوچھا جاوے گا خصوصاً جبکہ مصلح کے مشاہدے سے بھی دور ہو۔ ایسی حالت میں مصلح کے احساس کی بھی کوئی صورت نہیں۔ اور ایسا

کم ہوتا ہے کہ مصلح کو کسی واقعہ سے اطلاع دی اور اس نے اس واقعہ سے کسی خصلت کا استنباط صحیح کر لیا سو یہ کافی علاج کے لئے کافی نہیں لہذا غور و طالب کو احساس کرنا چاہئے جس کی تدبیر یہ ہے کہ ایسے رسائل کا مطالعہ کیا جاوے جسے تبلیغ دین یا میرے مواعظ۔

حالت: دوسرا استفسار حضور والا کا یہ ہے کہ تزکیہ نفس کی تفسیر کیا ہے جو اب میں عرض ہے کہ تزکیہ نفس کی تفسیر یہ ہے کہ قلب کو ان اخلاق ذمیرہ مثلاً احمہ۔ کینہ۔ تکبر۔ غصہ۔ خود پسندی۔ ریا۔ کذب۔ حُبِ جاہ۔ حُبِ مال وغیرہ سے پاک کرے جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان اخلاق حمیدہ مثلاً محبت، خشیت، رجا، صبر، شکر، اخلاص، صدق، توکل، رضا، بر قضا وغیرہ سے قلب کو آراستہ کرے جو حق تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں۔

تحقیق: ٹھیک ہے۔

حالت: تیسرا استفسار حضور والا کا یہ ہے کہ "حصول اخلاص میں مصلح کو کیا دخل ہے" جواب میں عرض ہے کہ اخلاص امر اختیاری ہے، اور امر اختیاری کے حصول کا طریقہ استعمال اختیار اور مجاہدہ ہے لیکن ممکن ہے کہ مرض ریا جو اخلاص کی ضد ہے اس صورت سے ظہور کرے کہ طالب اصلاح خود احساس نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں وہ مصلح کا محتاج ہو گا جو بعض وقتاً ایسے امراض کی تشخیص اور طریق مجاہدہ تجویز کرتا ہے جو ان امراض کا علاج ہے۔ نیز مجھ کو بزرگوں کی دعا کے برکات اور توجہ کے فیض کا انکار نہیں ہے لیکن یہ دونوں امور غیر اختیاریہ ہیں۔ میں نے حضور والا سے اصلاح کی درخواست کرتے وقت اپنی اصلاح کے لئے ان ذرائع سے امید وابستہ نہیں کی ہے تاکہ بعد کو توحش اور مایوسی کا سامنا نہ ہو۔

تحقیق: سب اجزاء مضمون کے بالکل صحیح تبتلی بخش اور امید افزا ہیں۔

حالت: آخر میں حضور والا نے منہیات سے بیزاری کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ بیزاری علمی یا اعتقادی یا حالی کونسی مراد ہے جو اب میں عرض ہے کہ صرف اعتقادی اور علمی درجہ مراد ہے حال امر غیر اختیاری ہے اور امور غیر اختیاریہ حصول رضا کے طرق نہیں ہو سکتے۔

تحقیق: بالکل صحیح۔ اب وقت آ گیا ہے کہ کیفیاتفق مجھ سے ایک ایک چیز کے

متعلق پوچھا جائے اور میں جو عرض کروں اس پر عمل کر کے پھر مجھ کو اطلاع کی جاوے۔ اسی طرح جب ایک چیز کے متعلق علمی تحقیق اور علمی رسوخ کا فیصلہ ہو جاوے، پھر دوسری چیز کا اسی طرح سلسلہ شروع کیا جاوے اور ہر خط کے ساتھ اس سے پہلا خط بالالتزام رکھا جائے (تربیت السائلک حصہ دوم)

## مجاہدہ دائمی کی ضرورت

بعض سالکین جو اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ چند روز مجاہدہ حسب قاعدہ طریقی کر کے پھر اپنے کو فارغ سمجھ لیتے ہیں اور آئندہ کے مجاہدے سے بے فکر ہو جاتے ہیں جس کی ابتدا انہماک فی المباحات سے ہوتی ہے کہ اول وہ مباحات میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ مکروہات میں انہماک ہونے لگتا ہے۔ پھر محرکات کا بھی ارتکاب ہونے لگتا ہے، اور چونکہ اس شخص کو ایک وقت تک حق تعالیٰ سے تعلق خاص رہ چکا ہے جو پہلے مجاہدے کا اثر تھا، تو اب اس کی حالت زیادہ بری ہوتی ہے، اس میں نکس (مردودیت) کا اندیشہ ہے اور اس کی ایسی مثال ہو جاتی ہے جیسے کوئی عاشق مزاج شناس ہو کر محبوب کو ستانے لگے، جو شخص مزاج شناس ہی نہیں ہو اس کی حرکات اس درجہ موجب عتاب نہیں ہوتیں، جیسے مزاج شناس کی حرکات موجب عتاب ہوتی ہیں۔ پس عارف جب مکروہات و محرکات کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس پر غیر عارف سے زیادہ قہر و عتاب ہوتا ہے، اور یہی نکس ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ) اس لئے سالکین کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مجاہدے کی ضرورت دائمی ہے۔ یہ چند روز کا کام نہیں، بلکہ عمر بھر کا کام ہے۔ دیکھئے جس طرح بیماری میں دوا اور پیرمیزکس ضرورت ہے، بیماری سے صحت کے بعد بھی تو پیرمیزکس کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ صحت کے بعد پیرمیزکس کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ بیماری میں تو معدہ خراب ہوتا ہے، نئے کامز پیدا ہوا ہوتا ہے، اس لئے مریض کو انواع و اقسام غذا کی خواہش خود بھی بہت کم ہوتی ہے، اور اگر اس نے بد پیرمیزکس کی بھی تو بہت جلد ضرر کا احساس ہو جاتا ہے اور صحت کے بعد اک گونہ قوت آجاتی

ہے۔ بد پرہیزی سے معاصر کا احساس نہیں ہوتا۔ نیز اشتہا بھی ہر چیز کی ہوتی ہے۔ تو اس وقت سنبھال کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ بعض دفعہ صحت کے بعد بھی پھر مرض کا عود ہوتا ہے اور اطباء نے لکھا ہے کہ عود مرض ابتداء مرض سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اسی طرح عارفین نے فرمایا ہے کہ ابتدائی مجاہد سے کے بعد جب نفس اصلاح پذیر ہو جائے تو اس وقت مجاہد سے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ابتداء مجاہد سے میں تو بد پرہیزی کے ضرر کا احساس جلد ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ اس وقت تو اسے نفسانیہ میں قوت ہوتی ہے اس لئے نفسانی خواہش کا تقاضا شدت کے ساتھ ہوتا ہے، تو نفسانی خواہش پر تنبہ بھی جلد ہو جاتا ہے اور مجاہد سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ تقاضائے نفس کمزور ہو جاتا ہے اس لئے ہوائے نفس کا احساس دیر میں ہوتا ہے۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا کہ فرغ من المجاہدہ کے بعد مجاہد سے کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے کیونکہ اس وقت ہوائے نفس کا احساس دیر میں ہوتا ہے، تو بعض دفعہ اس لئے استرسال (ٹھیل) ہوتا رہتا ہے اور استرسال کے بعد جب ہوائے نفس کا احساس ہوتا ہے تو بعض دفعہ نفس کو روکنے پر قدرت نہیں پاتا کیونکہ اس شخص کی قوت کھنکمزور ہو چکی ہے۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شہوتِ شیخ (بوڑھے) شہوتِ شباب (جوان) اشدد، کیونکہ جوان کا نفس زندہ ہے، اس کو شہوت کا احساس بھی جلد ہو جاتا ہے اور احساس کے بعد اس میں قوت کھنکمزور بھی زیادہ ہے، وہ اپنے کو جلد ہوائے نفسانی سے روک سکتا ہے اور شیخ کا نفس چونکہ مرچکا ہے اس لئے اس کو ہوائے نفس کا احساس جلد نہیں ہوتا، بلکہ بہت دیر میں ہوتا ہے، تو اس حالت میں استرسال نفس زیادہ ہوتا ہے، پھر اس ٹھیل کے بعد شیخ کو ہوائے نفس کا جس وقت احساس ہوتا ہے تو اب وہ ضبط پر قادر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جس طرح اس کی قوت شہوت کمزور ہے اسی طرح قوتِ ضبط بھی کمزور ہے۔ اب وہ لاکھ کوشش کرے کہ کسی طرح نفس کو سوئے نظر سے روکوں مگر قدرت نہیں ہوتی، اور جوان کی جس طرح شہوت کامل اور زندہ ہے اسی طرح اس کی قوتِ ضبط بھی کامل اور زندہ ہے۔ اسی طرح جوان کو بوڑھے سے زیادہ عقمت پر

قدرت ہے، اور اس کی عفتِ شیخ کی عفت سے کامل بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ نہ اس کو زیادہ استر سال ہوتا ہے اور نہ استر سال کے بعد ضبط دشوار ہوتا ہے۔ پس بوڑھوں کو مجاہدے سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ ان کو جوانوں سے زیادہ پرہیز کی ضرورت ہے۔ پس سالکین کان کھول کر سن لیں کہ مجاہدے کی ضرورت چند روزہ نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت دائمی ہے چند روزہ مجاہدے کے بعد اگر تم نے بد پرہیزی شروع کی تو یاد رکھو اس کے بعد عود مرض اس شدت کے ساتھ ہو گا کہ ہلاکت کے قریب پہنچا دے گا۔ پھر بہت کم ہیں جو اس درجہ سے نجات پائیں۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں

اندر میں رہ می تراش و می خراش      تادمِ آخروے فارغِ مباحث  
تادمِ آخروے آخربود      کہ عنایت با تو صاحبِ مربود

یعنی اخیر دم تک اس راہ میں تراش و خراش ہی رہنی چاہئے بس جب سلامتی کے ساتھ موت آجائے گی اُس وقت مجاہدے سے فراغت نصیب ہوگی۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جب مجاہدے کے بعد بھی مجاہدے کی ضرورت ہے تو پھر صاحبِ مجاہدہ اور غنی صاحبِ مجاہدہ میں کیا فرق ہوا۔ اس کا جواب اوپر کی تقریر میں آچکا ہے، یعنی دونوں میں وہی فرق ہے جو بیمار کے پرہیز میں، اور بیماری سے صحت پانے والے کے پرہیز میں فرق ہے کہ پرہیز کی ضرورت بیمار کو کبھی ہے اور صحت پانے والے کو بھی مگر ظاہر ہے کہ بیمار کو سخت ضرورت ہے اور اس کا پرہیز بھی سخت ہوتا ہے اور صحت پانے کے بعد گو قدرے پرہیز کی ضرورت رہتی ہے مگر اب اتنا پرہیز نہیں ہوتا جتنا بیماری کی حالت میں تھا۔ تو کیا یہ فرق کھوڑا ہے کہ غیر صاحبِ مجاہدہ بیمار ہے اور صاحبِ مجاہدہ تندرست ہے۔ بیمار ہر وقت خطر میں ہے اور تندرست خطرے سے نکل چکا ہے۔ البتہ تندرستی کے بعد جس طرح حکیم کہتا کرتا ہے کہ اب تم کو ہر چیز سے تو پرہیز کی ضرورت نہیں، صرف فلاں فلاں اشیاء سے پرہیز رکھنا کیونکہ وہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح صاحبِ مجاہدہ

کو یہاں کہا جاتا ہے کہ تم کو بالکل بے فکر نہ ہونا چاہئے بلکہ تھوڑا بہت پرہیز اب بھی کرنا چاہئے جو کچھ دشوار پرہیز نہیں ہے بلکہ معمولی اور سہل ہے (ایضاً ص ۱۲ ملخصاً)  
(اشرف المسائل)

## قبول ذکر کی علامت

بس ایک بار اللہ کہہ کر جب دو بارہ اس نام کی توفیق ہوتی تو سمجھ لو کہ پہلا قبول ہو گیا اور یہی دوسرا ذکر اللہ تعلقے کی طرف سے جواب ہے۔ علیٰ ہذا تمہارے دل میں جو سوز و درد ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاصد ہے۔ اگر ان کو تعلق نہ ہوتا تو اپنا قاصد تیرے پاس نہ بھیجتے، کیونکہ ان کا قاصد ہر شخص کے پاس نہیں جایا کرتا۔ بلکہ جہاں وہ بھیجا چاہتے ہیں وہیں جاتا ہے اور یہ کیا ضرور ہے کہ قاصد عربی ہی بولتا آوے۔ یہ سوز و درد بھی قاصد ہے یہ وہ سکینہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہے ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین۔ اور ذکر کے وقت یہ سکینہ ضرور نازل ہوتا ہے۔ یقیناً ذکر سے پہلے قلب کی جو حالت تھی ذکر کے بعد وہ حالت نہوگی بلکہ کچھ اور حالت ہوگی۔ یہ اسی سکینہ کا اثر ہے جس سے ذکر کے بعد دل میں کبھی کھٹک سی معلوم ہوتی ہے کبھی درد و سوزش محسوس ہوتی ہے۔ یہ سب خدائی قاصد ہیں ان کو بیکار نہ سمجھو اسی کو فرماتے ہیں

گفت آل اللہ تو لبیک ماست  
دیں نیاز و سوز و دردت پیک است

روام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسی حالت پر دوام ہو جائے کہ کبھی کام کر لیا اور کبھی ناغہ ہو گیا۔ تم لستم لستم ہی کام کئے جاؤ۔ انشا اللہ ایک دن تم پر ضرور رحم ہوگا۔  
(خیر الحیات و خیر المات ص ۵۹)

ذاکر مرض کو چاہئے کہ جب تک کامل طور پر صحت و قوت نہ ہو جائے معمولات شروع نہ کرے البتہ بلا کسی قید کے زبان سے یا قلب سے جو ذکر سہل معلوم ہو اس کا خیال رکھے (ایضاً ص ۵)

ایک وقت معین پر ذکر کرنے میں زیادہ نفع ہے، یہ نسبت متفرق اوقات کے  
(تربیت السالک حصہ دوم ص ۵)

ذکر کرنے میں اگر مکان معلوم ہو تو ذکر کم کر دے اور تقویت مزاج کی بہ مشورہ  
کسی طبیب کے تدبیر کرے۔ (ایضاً ص ۵)

ناز اور ذکر میں اگر کوئی تکرار پیدا ہو جاوے تو اس کی طرف بقصد توجہ  
نہ کرے اس وقت جس کام میں ہے لگا رہے۔ (ایضاً ص ۵)

رات کو کم کھانا کھانا اور سویرے کھانا اور پانی کم پینا اور سوتے وقت سورہ  
کہف کی آخری آیتیں ان الذین امنوا سے آخر سورہ تک ایک بار پڑھنا،  
آخر رات میں اٹھنے کے لئے بید مفید ہے۔ (ایضاً ص ۵)

ثمرہ اصلی ذکر و شغل کا قرب و رضائے حق ہے، واردات غیبیہ یا ذوق و  
شوق ثمرہ اصلی نہیں بلکہ یہ بھی محض ایک ذریعہ ہے تربیت کا اور وہ بھی بعض کے  
لئے غیبی طور پر اور دوسرا طریقہ تربیت کا، صرف ہمت سے کام لینا ہے۔ پلا  
مواجید کے۔ (اصول الوجود ص ۲۳)

طریق اس استقامت علی الذکر کا کثرت ذکر ہے و بس (ایضاً ص ۲۳)  
ذکر کی کثرت تو مطلوب ہے ہی لیکن اس کا دوام اس سے زیادہ مطلوب ہے۔  
اور چونکہ وہ عادتاً موقوف ہے صحت پر، اس لئے وہ بھی مطلوب ہے گو بغیر سہی۔  
(تربیت السالک حصہ سوم ص ۲۴)

ذکر میں لگا رہنا اور کوتاہی پر استغفار کرنا کہ ایک درجہ میں ذکر ہی کے قائم مقام  
ہے اور علامت ترقی کی ہے۔ (اشرف المسائل)

ذکر میں اگر لذت نہ آوے تو پریشان نہ ہو جس روز لذت آجاوے اس کو غذا  
سمجھے اور جس روز لذت نہ آوے اس کو دوا سمجھے۔ (اشرف المسائل)

## دعائیں واحده صیغے میں الحاح زیادہ اور صیغہ جمع میں شرکت کا ثواب ہے غلبہ کیفیت کا اعتبار ہے

حالت: ایک اور بات لائق گزارش یہ ہے کہ جب اپنے لئے کوئی خاص دعا مانگتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ دعائیں اکثر جمع متکلم کے صیغہ میں منقول ہیں جن کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو شریک رکھنے مگر دوسروں کو شریک کر کے وہ خود غرضی والا الحاح نہیں پیدا ہوتا۔

تحقیق: دعائیں دونوں صیغوں سے منقول ہیں۔ واحد کے صیغہ میں الحاح کی مصلحت زیادہ ہے اور جمع کے صیغہ میں دوسروں کو شریک کر لینے سے اقرابتِ الاجابہ کی مصلحت زیادہ ہے، جس وقت جس کیفیت کا غلبہ ہو اس کا اتباع کر لیا جاوے اور میرا ذوق یہ ہے کہ اول ہر دعا میں منقول کا اتباع کرے کہ اقرب الی اللہ ہے پھر اس دعا کی تکرار میں ذوق وقتی کا اتباع کرے کہ دونوں مجتمع ہو جاویں۔  
(النور، رجب ۱۳۵۷ھ)

## دعائیں کہنا کہ اپنے اولیاء کے صدقہ، اس میں شبہ غیر منقول ہونے کا، اور اس کا جواب

حال: نیز بعض دعاؤں میں یہ کہہ لیا کرتا ہوں کہ اپنے اولیاء و اتقیاء (ان اکرمکم عند اللہ اتقکم) کے صدقہ اور اپنے رسول رحمۃ اللعالمین کی رحمت کے طفیل ایسا کر دیجئے مگر ادھر یہ دوسوہ ہونے لگا ہے کہ یہ طریقہ ماثور و منقول نہیں اپنی طرف سے کیوں بڑھاتا ہوں۔



تحقیق: اول تو منقول بھی ہے مگر کہیں کہیں تو اصل ہونے کے لئے اتنا کافی ہے  
اللہم انی اسئلك بحق السائلین علیك و امثالہا روایات میں وارد ہے  
اور اگر منقول بھی نہ مانا جائے تو منع بھی منقول نہیں بلکہ قواعد عامہ سے زیادت کا  
اذن ایسے مواقع میں منقول ہے۔ جیسے تلبیہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے زیادت  
منقول ہے اور جیسے فقہانے تشہد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک  
کے ساتھ سیدنا بڑھانے کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب کہا ہے۔ اس میں اس میں  
کیا فرق ہے۔ اس کے علاوہ دعائیں خود الحاح و مسکنت کا مقصود ہوتا بلا کسی منازع  
کے ثابت ہے اور ایسے زیادات سے اس مقصود کی تقویت ظاہر ہے، پس یہ دلیل کلی  
بھی حکم جواز کے لئے کافی ہے البتہ اگر ذوقاً اتباع ان مصالح پر غالب ہو تو اس کے  
لئے افضل عدم زیادت ہے۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ واللہ اعلم۔  
اشرف علی۔ یکم شعبان ۱۳۵۶ھ (النور۔ رجب ۱۳۵۷ھ۔ تربیت السالک حصہ دوم ص ۲۲۲)

## مسرتِ عقلی علامتِ ایمان ہے

حال: حضرت والا ارشاد نبویؐ اذا سرتك حسنتك وساءتك  
سئتك فانك مؤمن کے متعلق شبہ یہ ہوا کہ مسرت دو قسم پر ہے طبعی، عقلی۔ طبعی  
تو اکثر مفقود ہوتی ہے، عقلی بھی گاہ بگاہ بلکہ بسا اوقات۔ اس لئے کہ مسرت عقلی اس طرح  
ہوگی کہ ادائیگی حسنہ ذریعہ ہے ثواب اخروی کا، اور وہ قابل مسرت ہے یا اس طرح کہ  
ادائیگی حسنہ علامت ہے تعمیل حکم حق تعالیٰ کی۔ یہ بھی قابل مسرت ہے، مگر ہر حسنہ کے ادا  
کرنے کے بعد قلب محسوس کرتا ہے کہ اس حسنہ کے حقوق و آداب ادا نہیں ہو سکے کبھی  
اخلاص نہیں کبھی پوری توجہ نہیں کبھی ظاہری آداب مکمل نہیں۔ جب کئی ایک تقاضے  
عیوب بدرک ہیں تو نقصان غیر بدرک پتہ نہیں کتنے ہوں گے۔ الغرض ایسی صورت

میں وہ حسنہ سرے سے حسنہ ہی نہیں بلکہ محض صورت حسنہ ہے کہ اس پر مسرت کا جو منشا  
 ثواب اخروی یا تمیل ارشاد تھا وہ بھی متحقق نہ ہوا۔ اور ول کی تو خبر نہیں میری اپنی حالت  
 تو یہی ہے ایسی حالت میں ایمان مطلوب (کامل) کا بھی ٹھکانا نہیں۔

**تحقیق:** کامل کی قید کہاں سے لگانی، کیا حدیث میں ہے یا کوئی اور دلیل ہے۔  
 جب یہ قید بلا دلیل ہے تو ایمان سے مراد مطلقاً ایمان ہوا اور حسنہ اگر کامل نہیں تو ناقص ہے  
 پس ناقص حسنہ پر مسرت ناقص تو ہوگی مگر مطلق ایمان کی وہ بھی علامت ہے اور اس پر بھی  
 جزا کا وعدہ ہے لقولہ تعالیٰ فمن يعمل مثقال ذرۃ خیراً یسره۔ اب کیا  
 اشکال رہا۔ خلاصہ یہ ہے جیسی حسنہ ویسی ہی مسرت، اور ویسا ہی ایمان ان (کان)  
 کاملاً فکامل وان ناقصاً فناقص۔ اور یہ سب کلام باعتبار نظر کے ہے  
 ورنہ نظر غائر میں حسنہ ناقصہ پر بھی مسرت کامل ہوگی اور وہ علامت بھی ایمان کامل  
 کی ہوگی۔ کیونکہ بناء مسرت کی حقیقت میں یہ ہے کہ باوجود میرے نااہل ہونے کے  
 اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ نعمت دی کہ حسنہ کی توفیق ہوئی گو وہ ناقص ہی ہے مگر اس کا نقص  
 باعتبار اپنے نقص کے ہے، لیکن من اللہ ہونے کے اعتبار سے تو ناقص نہیں  
 یہ تو عملی نعمت ہے۔ دوسری نعمت اعتقاد ہی ہے کہ میں نے حسنہ کو حسنہ سمجھا تو یہ  
 نعمت مرکب ہوئی دو نعمتوں سے اور حق تعالیٰ کی توفیق پر مسرور ہونا اور اسی طرح عمقاً  
 کے صحیح ہونے پر دونوں علامت ہیں ایمان کامل کی بلکہ اگر حسنہ کامل بھی ہو تب بھی اس کو  
 ناقص سمجھنا کما هو مقتضی قولہ تعالیٰ والذین یؤتون ما اتوا  
 وقلوبہم وجلة انہم الی رہم راجعون۔ علی ما ورد فی الحدیث  
 من تفسیرہ بقولہ علیہ السلام ولكن ہم الذین یصومون  
 ویصدقون ویخافون ان لا یتبدل منہم الحدیث۔ ایمان کامل  
 کی علامت ہے ہر حال مطلق حسنہ کا صدور ناقصہ کانت او کاملہ علامت

ہے ایمان کامل کی پس حسنہ کا ناقص ہوتا بھی نہ مسرت کے منافی ہے نہ ایمان کامل کے  
گو عمل کامل کے منافی ہو۔ واللہ اعلم (التورہ شعبان ۱۳۵۷ھ، تربیت السالک حصہ دوم ۲۲۶)

## گذشتہ ذمیوی ناکامیابی یاد آکر دل کا برار ہنما مذموم نہیں

حال۔ بعض اوقات گذشتہ عمر کی ناکامیابی یاد آکر دل پر برا اثر پڑتا ہے، مثلاً  
فلاں وقت فلاں ملازمت کے لئے کوشش کی دعائیں بھی کیں پوری نہ ہوئیں، یا  
مثلاً فلاں جگہ سے نفع کی امید تھی مگر باوجود کوشش کرنے کے یاد آکر نئے کے نہ حاصل  
ہوا۔ اسی طرح مثلاً فلاں جگہ نکاح کی سعی کی دعائیں کیں پوری نہ ہوئیں۔ جب یہ خیال  
بندھتا ہے تو یکے بعد دیگرے ساری عمر کی ناکامیاں اور تکالیف کا ایک مضمون مستحضر  
ہو جاتا ہے اس سے دل بھیکا پڑ جاتا ہے۔ اعمال و معمولات کی چونکہ عادت ہے اس  
واسطے وہ جس طرح کے بھی ہوں، ہو جاتے ہیں۔ بالفرض اگر عادت نہ ہو تو ان خیالات  
کے ہوتے ہوئے نماز و ذکر وغیرہ محال ہے ان سے پریشانی رہتی ہے اور ہر وقت دل  
برار ہتا ہے۔ مختلف کتب کے مطالعہ یا قرآن مجید یاد مگر طریقوں سے یہ خیال دفع نہیں  
ہوتا بلکہ کچھ دیر کے لئے سکون ہو کر پھر زیادہ عود کرتے ہیں۔ تقریباً دو ہفتہ سے ان میں  
مبتلا ہوں ان کے لئے اگر کوئی تدبیر ہو تو مجھے اس سے مطلع فرما کر مشکور نہ رہتا۔

تحقیق: تدبیر تو ازالہ مذموم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ازالہ محمود کے لئے۔ کیا یہ حالت

مذموم ہے معلوم ہوتا ہے نہ نصوص میں غور کیا نہ اقوال اہل خصوص میں ورنہ معلوم  
ہو جاتا کہ دنیا کی ناکامیابی خود شعار ہے مقبولین کا اور تو اتر کامیابی خصوصاً معاصی کے  
ساتھ شعار ہے محذولین کا۔ کیا حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے واقعات  
قرآن مجید میں نہیں پڑھے۔ سورہ بقرہ کی آیت امر حسبکم ان تدخلوا الجنة الآت  
اور سورہ احزاب کی آیت اذ جاء وکم من فوقکم ومن اسفل منکم

وامثالہا پڑھئے اور سمجھئے، کامیابی دنیوی سے مقبولیت پر استدلال کا کفار کا طریقہ ہونا سورہ فجر میں مخصوص ہے فاما الانسان اذا ما ابتلاه ربه الخ مولانا رومی کے ارشاد کو دیکھئے سے

زماں بلا ہا کا نسبیا و برداشتند      سر پہ چرخ ہفتہاں افراشتند  
گرمادت را مذاق شکر است      بے مرادی نے مراد دلبر است  
ایسی بدیہی بات میں کہاں تک تطویل کروں، باقی دعا ہر حال میں کرنا سنت اور وظیفہ عبدیت ہے۔ دعا کی برکت سے فہم اور رضا و تحمل سب نصیب ہو جاتے ہیں، میں بھی دعا کرتا ہوں۔ (النور مجرم شدہ، تربیت السالک حصہ دوم صفحہ ۲۲۹)

جو کثرت کلام ناشی ہے انبساط اور انقباض عن الخلق سے خود نعمت مستقلہ ہے

حال: اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ بہت بگھی اور بکیرا ہی مشہور رہا ہوں مگر اب ایک مرت سے یہ حال ہو گیا ہے کہ جس طرح پہلے بہ تکلف چپ رہتا تھا اب بہ تکلف بولتا ہوں ذہن کند اور زبان گنگ معلوم ہوتی ہے اولاً تو کسی سے ملنا جلنا ہی بہت کم رہ گیا ہے خصوصاً تنہا ملنے سے بہت گھبراتا ہوں کہ سننے کے ساتھ بولنا بھی پڑے گا۔ ورنہ بد اخلاق بد دماغ وغیرہ خدا جانے کیا سمجھاؤں یہ خیال اس پر آیا کہ اور تو اور اب کئی مرتبہ دل چاہا کہ کسی عنوان سے حضرت کی غیر معمولی شفقتوں کا کچھ شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ مگر نہ کوئی عنوان سمجھ میں آیا نہ زبان کھل سکی۔ ظاہر ہے کہ حضرت تو اس کا خیال بھی نہ فرماتے ہوں گے مگر مجھ کو اپنی اور ہر طرح کی نا اہلیوں کے ساتھ اس مزید نالائقی پر مزید شرمندگی ہوتی ہے سو چیتا ہوں تو بلا مبالغہ حضرت کی مجلس میں قدم رکھنے کا میں کسی طرح اہل نہیں ہوں۔ پھر بھی ان شفقتوں سے نوازا جاتا ہوں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح پردہ پوشی فرما کر بخش دیں۔

تحقیق: کثرت کلام ناشی ہوتی ہے انبساط سے اور انبساط ناشی ہوتا ہے  
 انس سے اور اسی طرح مسبب کے اضداد و مسبب کے اضداد سے اور انقباض  
 عن الخلق خود نعمت مستقلہ ہے، پھر اگر انس مع الحق ہو تو نور علی نور اور اگر انس  
 مع الحق بھی کامل نہ ہو تو نور (مفرضی) الی نور یعنی وہ انقباض مفرضی الی الانس مع الحق  
 ہو جاتا ہے اور احیانا اسباب طبعیہ بھی اس انس و توحش کے موجب ہو جاتے ہیں مثلاً  
 ضعف طبیعت و کسل یا کوئی فکر و تشویش اور نشاط و فرح و مساعادت احوال نفسانیہ، سو یہ  
 نوع فی نفسہ نہ کمال ہے نہ نقص، مگر آثار کے اعتبار سے قلت کلام اکثر نافع ہوتا ہے اور کثرت  
 کلام محتاج مقاومت کہ حدود سے تجاوز نہ ہو جاوے، بہر حال قابل اہتمام و مطلوب ہر حال  
 میں حدود ہیں خواہ کسی کیفیت کے ساتھ ہوں کہ کیفیات اسی مطلوب کی مطلوبیت اور  
 غیر مطلوب کی عدم مطلوبیت کے بارے میں ارشاد ہے

روز ہاگر رفت گور و باک نیست تو ہاں بلے آنکہ چیل تو پاک نیست

اور اس تقریر سے اس حدیث کا بھی حل ہو گیا قال صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء والسعی  
 شعبتان من الایمان والبذاءة والبیان شعبتان من النفاق  
 رواہ الترمذی عن ابی امامہ لان اصل اقتضاء الایمان الانقباض  
 عن الخلق و اصل اقتضاء النفاق الانس مع الخلق اور اخیر کا مضمون اس نعمت  
 کا کاشف ہے کہ اپنے کو نعمتوں کا مستحق نہیں سمجھا گیا کہ فنا و مطلوب کا ایک خاص درجہ اور  
 نعمت ہے مگر اس کے ساتھ ہی نعمت کو نعمت سمجھنا اور عقلاً اس پر فرح نامور بہ ہے، نہ اس  
 حیثیت سے کہ وہ ہماری طرف منسوب ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ نعم کی طرف منسوب ہے۔  
 والاول محمل قولہ تعالیٰ لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین والثانی  
 محمل قولہ تعالیٰ قل بفضل اللہ وبرحمۃ فیذالک فلیفرحوا۔

رسوخ کے انتظار کی ضرورت نہیں اگر قصد مقاومت میں کامیابی ہو

حالت: الحمد للہ۔ علاج کبر سے بہت فائدہ ہے۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حالت: تو اب اس کے رسوخ کا انتظار کروں یا اب دوسرے مرض اور علاج کو

پیش کروں۔

تحقیق: اگر وقت پر ایسا استحضار ہو جائے کہ مقاومت کا قصد کر لیا جاوے،

اور اس قصد میں اکثر کامیابی ہوتی ہو تو رسوخ کا انتظار ضروری نہیں ورنہ اسی حالت مذکورہ کا انتظار مناسب ہے۔

حالت: آج کل معمولات کے شوق اور حضور قلب میں بہت کمی ہے اس لئے دعا کا

طالب ہوں۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔ باقی شوق کی کمی پر تعلق نہ چاہئے کہ یہ امر غیر اختیار ہی ہے،

اگر طبعی قلوب بھی ہو۔ اس عقلی مقدمہ کے استحضار سے اس کے اثر کو ضعیف کر دینا چاہئے، اور

حضور قلب کا جو درجہ مکلف یہ ہے یعنی احضار بالا اختیار خواہ حضور کسی درجہ کا بھی اس پر

مرتب ہو جاوے اس کی تجدید وقت پر کرنی جائے۔ (تربیت السالک حصہ دوم ص ۶۹)

## حصولِ فنا کا طریقہ

صوفیاء کے نزدیک فنا کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ارادات اپنی خواہشیں اور

ہوائے نفسانی بالکل ترک کر دے اس واسطے کہ حیات کے آثار میں سے یہی چیزیں تو ہیں

حقیقی اور غیبی حقیقت میں صرف یہی فرق ہے کہ حقیقی حواس متحرک بالا ارادہ ہے۔ سو جب اپنا

ارادہ دوسرے کے تابع کر دیا تو گو لغتاً وہ صاحب ارادہ ہے مگر اس معنی کر کے

غیر متحرک بالارادہ ہے کہ اس کو حرکت جب ہوگی جب دوسرے کا ارادہ دیکھ لے گا۔  
 تو اب وہ متحرک بالارادہ نہیں رہا مثلاً ہمارا ارادہ دوڑنے کا ہوا۔ سوچا کہ حق تعالیٰ  
 کا ارادہ تشریح ہمارے دوڑنے کے متعلق ہے یا نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارادہ دو  
 قسم کا ہے۔ ایک تشریح دوسرے تکوینیہ۔ تکوینیہ تو وہ ہے کہ اس سے  
 کسی وقت اور کوئی شے خالی نہیں خیر و شر سب اسی کی ایما سے ہوتا ہے تو اس  
 مرتبہ میں تو کوئی بھی صاحب ارادہ نہیں، مگر اس سے یہاں اس لئے بحث نہیں کہ اس  
 کا تابع ہونا امر اضطراری ہے۔ اختیاری مطلوب و کمال نہیں اور ایک ارادہ تشریحی ہے  
 کہ بعد سے اس کے موافق بھی فعل ہو سکتا ہے اور خلافت بھی۔ اس ارادہ تشریحی کا اتباع کرنا  
 کمال اور مطلوب ہے، مثلاً ہم نے جس وقت اٹھنے کا ارادہ کیا تو ہم نے شریعت سے  
 پوچھا اور معلوم ہوا کہ ارادہ تشریحی اس کے متعلق ہے۔ تب اٹھیں گے۔ اسی طرح  
 کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہا تو شریعت سے پوچھا اہل بیچونز ادرلا  
 (جاؤ ہے یا نا جاؤ) جواب ملا لا بیچونز (نا جاؤ)۔ فوراً آنکھ نیچی کر لی۔ توجیب  
 اپنا ارادہ کیا، مگر اس پر عمل بغیر اجازت کے نہیں ہوا تو وہ متحرک بالارادہ کیا ہوا۔ تو ثابت  
 ہو گیا کہ متحرک بالارادہ نہیں ہے۔ رہا حساس سو غلبہ اطاعت شریعت سے جس میں ارادہ  
 کا فنا مذکور ہوا ہے۔ جس میں بھی ایک انقلاب ہوتا ہے جس سے جس سابق کا باطل کا لڑا  
 ہو جاتی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ ہر چہ کہ اصل میں اعمال تابع علوم کے ہوتے  
 ہیں لیکن بعد رصوخ منکر کے علوم تابع اعمال کے ہو جاتے ہیں یعنی اعمال کے ترقی سے  
 ادراکات میں بھی ایک انقلاب عظیم واقع ہو جاتا ہے مثلاً پہلے ناز پر ہنا مشکل معلوم  
 ہوتا تھا آج آسان معلوم ہوتا ہے تو یہ تفادیت ادراک میں ہوا، اور جس کے اندر  
 تفادیت ہونے کا یہ مطلب ہے یہ نہیں کہ سوئی چھبے اور معلوم نہ ہو، پس ارادہ اور  
 جس دونوں اس طرح سے فنا ہو گئے۔ اس واسطے وہ حساس متحرک بالارادہ نہ رہا  
 پس یہ شخص گو حساس ہی ہے مگر حکماً میت ہے۔ (وعظ روح البیج و البیج ص ۲۱)

## طریق باطن میں اشتباہ و تلبیس

طریق باطن میں اشتباہ اور تلبیس بیکہ ہے۔ اخلاق حمیدہ اور اخلاق رذیلہ دونوں روش بدوش چلتے ہیں۔ ظاہر میں تحدث بالنعمت اور دعویٰ کی صورت یکساں ہوتی ہے۔ تواضع و ناشکری میں خلط ہے، سیاست اور حکم کی صورت یکساں ہوتی ہے۔ لطافت اور تن آرائی میں خلط ہے، انتظام اور بخل کی صورت یکساں ہے۔ غیرت و غضب ایک صورت سے ظاہر ہوتے ہیں استعلاء اور تکبر میں بظاہر فرق نہیں معلوم ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ اس لئے بعض رقعہ سالک پریشان ہو کر کہتا ہے

صد ہزار دام و دانہ است این خدا

دبیدم پابستہ دام تویم

مسیر ہانی ہر دمے مارا دیاز

سوئے دے میر ویم اے بے نیاز

مگر یہ نہیں ہے کہ واقع میں بھی مشرق نہیں۔ یا ایسا دقیق فرق ہے جس کو غور سے بھی نہ سمجھ سکے بلکہ دونوں میں قوی فاصل موجود ہے مگر اس فرق کے ادراک کے لئے اہتمام و تکرار کی ضرورت ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں

بجز تلخ و بجز شیریں ہمعنان

در میان شاں ست برزخ لایبغیان

بجز تلخ سے اخلاق رذیلہ مراد ہیں اور بجز شیریں سے اخلاق حمیدہ، مولینا

فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک فاصل قوی ایسا موجود ہے جس کی وجہ سے

ایک کی مجال نہیں کہ دوسرے میں مختلط ہو سکے۔ مگر صاحب واقعہ کو بعض رقعہ

اس فاصل کا ادراک نہیں ہوتا۔ اس لئے اس طریق میں خلط و اشتباہ بہت واقع

ہو جاتا ہے۔ اور صاحب واقعہ کو بھی یہ اشتباہ قلت اہتمام کی وجہ سے ہوتا ہے اور

اہتمام و فکر کے بعد اس کو بھی اشتباہ نہیں ہوتا کیونکہ اہتمام پر حق تعلق کا وعدہ ہے



رہبری کا چنانچہ ارشاد ہے والذین جاہدوا فینا لنھدینہم سیلنا  
 مجاہدے کی حقیقت اہتمام ہی ہے جس پر حق تعالیٰ خود رہبری کا وعدہ فرما رہے ہیں  
 تو اب ان کی دستگیری کے بعد کون چسپوز مانع ہو سکتی ہے کوئی نہیں پس یہ مسئلہ تو  
 مسلم ہے کہ اہتمام و مجاہدہ کے بعد خلط نہیں ہو سکتا مگر ہم میں تو اہتمام ہی کی کمی ہے  
 اس لئے ہم کو احسناق و ذلیلہ و جمیدہ میں خلط ہو جاتا ہے۔ ہمارا تحذرت  
 بالنعمت ریا و عجب سے مخلوط ہماری تواضع ناشکری سے مشتبہ ہمارا استغنا و  
 توکل تکبر سے ملتبس ہے۔ (الاسعاد و الابعاد ص ۱۱)

### کامیابی کے لئے طلب شرط ہے

آدمی کو چاہئے کہ طلب میں مشغول رہے اور کام کئے جائے اور حصول مقصود  
 میں تعجیل نہ کرے۔ ہاں پہلے یہ تحقیق کر لے کہ میں راستہ پر بھی چل رہا ہوں یا نہیں  
 جب یہ معلوم ہو جائے کہ راستہ پر چل رہا ہوں تو بس پھر اطمینان کے ساتھ چلتا رہے  
 کبھی نہ کبھی مقصود تک پہنچ ہی جائے گا، اور اگر راستہ ہی غلط ہے تو جتنا چلے گا  
 اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے اور راستہ پر پڑ جانے  
 کے بعد پھر یہ کوشش نہ کرے کہ وصول جلد ہی ہو جاوے۔ اگر دنیا میں بھی وصول  
 نہ ہو اتوا نشا اللہ مرنے کے بعد تکمیل ہو جاوے گی۔ ہاں یہ شرط ہے کہ برابر طلب میں  
 لگا رہے دوام طلب کو ہاتھ سے نہ دے اور اگر کبھی کبھی معمول ناغہ ہو جاتا ہو۔ تو اس  
 سے بھی نہ گھبراتے بلکہ ناغہ کے بعد پھر کام میں لگ جاتے۔ یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی  
 ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ کبھی کبھی ناغہ ہو جانے کو دوام کے خلاف نہ سمجھو اور اس سے گھبرا کر طلب  
 سے ہمت نہ ہارو۔ دیکھو جو شخص دس مرتبہ روزانہ وظیفہ پڑھتا ہے تو اس وقت سے  
 دوسرے وقت تک کتنے گھنٹے ذکر سے خالی گزر جاتے ہیں یہ بھی تو ناغہ ہے مگر پھر بھی اس

کو دوام کہا جاتا ہے تو اسی طرح ایک صورت دوام کی یہ بھی ہے کہ درمیان میں بجائے گھنٹوں کے ایام کا ناعہ ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں ۷

دوست دارد دوست این آشفنگی      کوشش بیہودہ بہ از خفتگی  
بس بالکل نہ ہونے سے ناعہ کے ساتھ کام میں لگا رہنا بھی مفید ہے۔ پس جس طرح ہو سکے  
طلب کو چھوڑو انشاء اللہ کسی وقت کامیاب ہو جاؤ گے ۷

اندریں رہ می تراش و می خراش      تا دم آخر دم ناعہ مباحش  
تا دم آخر دمے آخر بود      کہ عنایت با تو صاحب مر بود

وصول جب ہوتا ہے دفعہ ہوتا ہے بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام دل سے  
اس طرح نکلتا ہے جو سالک کو اصل کر دیتا ہے، اس لئے جتنا ہو سکے اس کو  
بیکار نہ سمجھو چاہے قاعدے سے ہو یا بے قاعدہ ناعہ سے ہو یا بلا ناعہ  
کرتے رہو۔ اسی طرح ایک دن عنایت ہو جاوے گی۔ حضرت حاجی  
صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں ۷

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہنچے وہاں      گرچہ کرتے ہیں بہت نالہ و فریاد ہم  
(دعظ زکوٰۃ لتفس)

## علمی کے تین حق ہیں

ان میں سے ایک تو اطاعت ہے مگر اطاعت کے وہ معنی نہیں جو محض اہل تشہر  
ظاہر پرست سمجھتے ہیں یعنی محض ضابطہ کی اطاعت بلکہ حقیقی اطاعت ہونا چاہئے۔  
اسے اس طرح سمجھتے کہ نوکر و طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو یورپین مذاق کا ہے کہ  
کھانا پکا دیا اور چل دیا۔ اگر آقا نے کبھی کہا بھی کہ کبھی ذرا پنکھا بھی جھل دو۔ تو کہا صاحب  
یہ میرے فرائض میں سے نہیں ہے۔ اور ایک نوکر ایشیائی مذاق کا ہے کہ کھانا بھی پکا دیا

اور کھلا بھی دیا اور پنکھا بھی چل رہا ہے اور اس سے فارغ ہونے کے بیٹھ گیا۔ آقا کے پاؤں دبلنے لگا آپ کہتے بھی ہیں کہ بس بھائی جاؤ یہ کام تمہارے ذمے نہیں ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں گو ذمہ نہ ہو مگر مجھے تو آپ کی خدمت سے راحت ہوتی ہے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ آپ زیادہ کس نوکر کی قدر کریں گے۔ اسی طرح خدا کے بندے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے وقت پر اطاعت کر لی پھر کچھ بھی مطلب نہیں رہا۔ نہ خدا سے محبت ہے نہ ادب ہے، کوئی گناہ صغیرہ ہو گیا تو کہتے ہیں یہ تو صغیرہ ہے، اور نماز روزے کے بعد چلتے پھرتے نظر آتے، نہ خدا کی یاد ہے نہ اشتیاق ہے۔ یہ دسی اطاعت ہے جیسے یورپین مذاق کے نوکر آپ کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ آپ اس نوکر سے منتقبض کیوں ہوتے ہیں جو کھانا پکا کر چل دیتا ہے اور تھوڑی دیر پنکھا بھی نہیں چھلتا اسی لئے تو کہ اتنے احسانات کے بعد بھی مجھے قلبی تعلق نہیں ہوا کہ ٹکاسا جواب دیدیا تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے نوکر سے دو حقوق کے طالب ہیں ایک خدمت، دوسرا تعلق قلبی۔ تو کیا خدا کا حق اتنا بھی آپ کے نہیں جتنا آپ اپنا حق نوکر پر سمجھتے ہیں۔

(اسرار العبادات ص ۳۶)

ہمیں یہ حقوق سمجھ کر فرائض کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہئے۔ چہ جائیکہ جن کاموں کو ضابطہ میں اور فہرست میں لکھ دیا ہو ان کو تو سب سے پہلے کرنا چاہئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سے محبت کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا یہ تو ضابطے ہی میں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک فرماتے ہیں،

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من مالہ وولدہ  
والناس اجمعین اور فرماتے ہیں من کان اللہ ورسولہ احب  
الیہ مما سواہما یعنی جب تک میں ہر ایک کے نزدیک سب سے زیادہ  
محبوب نہ ہو جاؤں۔ مال سے بھی اولاد سے بھی اور تمام لوگوں سے بھی۔ اس وقت

تک تم میں کوئی مومن نہ ہوگا اور ایسا ہی درجہ محبت کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی۔ تو نری محبت کافی نہ ہوتی۔ بلکہ سب محبتوں سے بڑھ کر یہ محبت فرض ہوئی۔ یہ دوسرا حق ہے منجملہ تین حقوق کے اور تیسرا حق ادب اور تعظیم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو بھی فرض فرمایا ہے لتؤمنوا باللہ ورسوله وتعزروه ووقروا۔ مزج ان ضائر کا واحد ہے۔ ان فرض خدا اور رسول دونوں کا یہ بھی ایک حق فرض ہوا۔ یعنی ادب و تعظیم اور اس مضمون سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں بلکہ غور کیجئے تو خود اسی آیت میں بھی ان حقوق کا ذکر ہے۔ کیونکہ اطاعت تو اس کا مرادف ہی ہے۔ اب اس کی حقیقت دیکھو کیا ہے۔ سو اطاعت ماخوذ ہے طوع سے اور طور ع کے معنی ہیں خوشی سے اطاعت کے معنی ہونے خوشی سے کہنا اور یہ بدون محبت و عظمت کے عادتاً ممکن نہیں۔ پس اطاعت کے ضمن میں محبت اور عظمت بھی فرض ہو گئی (ایضاً ص ۳۸)

اپنے دل میں حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کر لو اور عظمت حاصل کر لو۔ یہ دافع شبہات ماضیہ ہونے کے ساتھ قاطع شبہات مستقبلہ بھی ہے کیونکہ محبت یا عظمت کے بعد محبوب اور معظم کے کسی حکم میں شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا (خیر الحیات و خیر الممات ص ۱۰۱ - اشرف المسائل ص ۱۲۳)

## عبادت میں غلو منع ہے

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اور دن میں کھانے نہ تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے، تو حضور نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ ان لنفسك عليك حقاً ولعينك حقاً ولاهلك عليك

حَقَّاقُمْ وَنَمْرُوصُمْ وَافْطِرْ هَذَا مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنِ سُنَّتِي  
 فَلَيْسَ مِنِّي (تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے  
 تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے ہو کر سو رہو۔ دن  
 میں کبھی روزہ رکھو اور کبھی بے روزہ رہو۔ یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے  
 سے اعراض کرے وہ مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا، اگر مشقت میں ہر حالت میں  
 فضیلت و ثواب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابی کو مشقت سے کیوں منع فرمایا۔  
 ظاہر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضور نے ان صحابی کو تکثیر عمل سے منع فرمایا یہ غلط ہے بلکہ  
 آپ نے تقلیل عمل سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس تکثیر کا انجام تقلیل ہی ہے۔ تکثیر عمل کا  
 یہ طریقہ ہے کہ عمل مواظبت و مداومت کے ساتھ کیا جائے حدیث میں ہے خیر العمل  
 ما دیر علیہ وان قتل (بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ تھوڑا ہو)  
 اور اعتدال ہی میں نیا ہو سکتا ہے۔ اپنے کو مشقت میں ڈال کر ہم نیا نہیں کر سکتے۔  
 صاحبو! اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتدال کو نہ سمجھ سکو تو جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 سچے جانشین ہیں ان ہی کے اعتدال کا اتباع کرو انشا اللہ سوائے اصل نقل کے اور زیادہ فرق  
 نہ ہو گا پس خواہ مخواہ اپنے کو مشقت میں نہ ڈالو یہ ہر مشقت مجاہدہ اور ثواب نہیں (شرف المسائل)

## قبضِ شدیدِ مقامِ عبودیت کے حصول کا بہت بڑا معین ہے

اصطلاح صوفیاء میں ابتلائے شدید کو عبودیت سے تعبیر کرتے ہیں جو قبض کی اعلیٰ  
 ترین قسم ہے جس کا طریق بیان کاملین ہی پر ہوتا ہے ایسے شدید قبض میں ثابت قدم رہنے کے  
 بعد سالک بعون اللہ تعالیٰ مقام عبودیت میں (جو اعلیٰ ترین مقام سلوک ہے) نہایت متکون اور  
 راسخ القدم ہو جاتا ہے کیونکہ متصرف حقیقی کے تصرفات عظیمہ کو خود اپنے اندر مشاہدہ کر لینے کے  
 بعد اس کو اپنا بیچ در بیچ اور اپنے محض ہونا روز روشن کی طرح مشاہد ہو جاتا ہے اور اس

مشاہدہ عجز کی بدولت وہ بفضلہ تعالیٰ نزولِ کامل سے (جو ترقیات باطنہ کی انتہائی منزل) مشرف و ممتاز اور سر بلند و سر فراز ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ تغیرات احوال قلب کا اس کو خوب اچھی طرح اور ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا ہوتا ہے اس لئے عدم غلبہ ہدیت کی حالت میں بھی وہ عظمت و جلال خداوندی اور شوکت و مہبت قضا و قدر الہی سے ہمیشہ ترساں دلرزاں ہی رہتا ہے اور اچھی سے اچھی باطنی حالت کو بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہوئے اس کو کبھی عجب و ناز کا واہمہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ بر بنائے تجربہ سابق وہ اس حالت کو حد و ثامض مومہبت خدا اور بے تاعہ ہر وقت زیر تصرف رب العالمین یقین کئے ہوئے ہوتا ہے۔ غرض استحضار عظمت حق اس کا حال دائمی اور غایت ادب و احترام حضرت ذوالجلال والاکرام اس کا اقصائے طبعی اور تقویض کامل و فنائے تام شعار زندگی ہو جاتا ہے یا بطور حاصل یون کہتے کہ عبدیت محضہ اس کی صفت لازمہ اور بندگی و سرفرازی اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

(انفاس عینی حصہ دوم)

## سُلطان الاذکار

جب ذکر کرنے و الاذکار میں ایسا کمال حاصل کر لے کہ اس کی قلبی حرکت کا احساس اس کے دل کی زبان سے ہو سکے تو وہ حرکت قلبی تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور اس کی ابتدائیوں ہوتی ہے کہ پہلے کوئی عضو ایسی حرکت کرنے لگتا ہے کہ جو قلب کے لئے مخصوص ہے اور اس کے بعد کبھی کبھی ہاتھ اور پاؤں کبھی سر بلا تخریک حرکت کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کو تمام دنیا متحرک نظر آنے لگتی ہے۔ ذکر کا نور جب حرکت کرتا ہے تو تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور تھوڑی مدت میں تمام جسم کو گھیر لیتا ہے اور اس

ذکر کی وجہ سے اس پر مختلف انکشافات ہوتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں وہ کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے اور کبھی متحیر اور پریشان ہو جاتا ہے۔

ذکر کو چاہئے کہ ایسی حالت میں کسی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل ہوا تو کبھی اپنے تمام جسم کو ذکر پائے گا اور تمام اعضا قلب کے ہمسر ہو جائیں گے۔ اس ذکر میں ذکر تمام اعضاء کا ذکر سنا ہے۔

ایک فرقہ کا یہ خیال ہے کہ ذکر کی کثرت کی صورت میں ذکر خود اور دوسرے بھی ذکر کی آواز سنتے ہیں۔ یہ بات بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے کیونکہ ہر ذکر بھی ذکر کی آواز نہیں سن سکتا بلکہ اسی ذکر میں سننے کی طاقت ہے جو سالک ہو۔ اس ذکر کو اصطلاح میں سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ (ضیاء القلوب)

## الْبَيْعَةُ فِي حَدِّ الْبَيْعَةِ

سوال: جو لوگ کہ پیری مریدی کو فرض عین بتاتے ہیں اور آیت وابتغوا الیہ الوسیلة کو پیش کرنے ہیں آیا پیری مریدی کا اصل کیا ہے فرض عین ہے یا کہ واجب ہے یا کہ سنت موکدہ ہے یا کہ مستحب ہے اور جو لوگ آیت مذکورہ کو پیش کر کے فرض عین اور واجب بتاتے ہیں اس پر شرعاً کیا حکم ہے۔

تحقیق: بیعت کی ایک حقیقت ہے ایک صورت حقیقت اس کی ایک عقد ہے درمیان مرشد و مرشد کے۔ مرشد کی طرف سے تعلیم کا اور مرشد کی طرف سے اتباع کا۔ پھر اگر مرشد اور مرشد کے درمیان نبی اور امتی کا تعلق ہے تو نبی کی طرف سے تبلیغ اور امتی کی طرف سے ایمان جس میں سب احکام کا التزام ہے۔ اس حقیقت کی تحقیق کے لئے کافی ہے اور یہی محل ہے اس قول کا اگر ثابت ہو، من لای شیخ لہ فشیخ الشیطان۔ مگر کوئی مسلمان اس کا مصداق نہیں اور یہ بیعت

فرض ہے اور اس کے بعد بھی اگر کسی خاص حکم کا یا احکام کا عہد لیا جاوے وہ اس عہد مذکور کی تجدید ہے۔ کمانی حدیث عبادہ بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وحوله عصابة من اصحابه بايعوني الى قوله فبايعناه على ذلك متفق عليه (مشکوٰۃ کتاب الایمان) اور اگر مشرک و مشرکین دونوں امتی ہیں جیسا عہد نبوت کے بعد اور یہی وہ بیعت ہے جس کا لقب اس وقت پیری مریدی ہے تو وہ بھی مثل صورت ثانیہ کے تقویت ہے عہد اسلامی کی اور یہ اشباع ہے اس سنت کا جس کو اوپر تجدید عہد کہا گیا ہے اور چونکہ اس کے فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی حیثیت سے منقول ہے لہذا یہ بیعت مستحب ہوگی اور جس نے اس کے فرض یا واجب ہونے پر آیت مذکور سے استدلال کیا ہے محض بے دلیل اور تفسیر بالرائے ہے۔ صحیح تفسیر وابتغوا الیہ القرب بالطاعات ہے۔ اس طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر مداومت ثابت نہیں ہزاروں مومنین اس خاص طریقے پر اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں ہوئے اس لئے اس کو سنت مؤکدہ بھی نہیں کہیں گے۔ یہ سب تفصیل اس کی حقیقت میں ہے اور ایک اس کی صورت ہے یعنی معاہدے کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا یا کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دے دینا تو یہ عمل مباح ہے لیکن نامور بہ کے کسی درجہ میں نہیں حتیٰ کہ اس کے استحباب کا بھی حکم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منقول ہے وہ بطور عبادت اور دین کے نہیں بلکہ بطور عادت کے ہے کیونکہ عرب میں معاہدے کے وقت یہ رسم تھی۔ چنانچہ اسی عادت کی بنا پر اس کو صفقہ بھی کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ یہ بیعت معاہدہ صلی و حقیقت کے



اعتبار سے مستحب سے زیادہ نہیں اور اس کی خاص ہیئت مباح سے زیادہ نہیں  
 لہذا اس کا درجہ علماً یا عملاً بڑھانا مثلاً اس کو شرط نجات قرار دینا یا تارک پر  
 طعن کرنا یہ سب غلو فی الدین اور اعتدال و حد و دوسے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر بھی  
 بطریق متعارف کسی سے بیعت نہ ہو اور خود علم دین حاصل کر کے یا علما سے  
 تحقیق کر کے اخلاص کے ساتھ احکام پر عمل کرتا رہے وہ ناجی اور مقبول  
 اور مقرب ہے، البتہ تجربہ سے یہ کلیاً یا اکثریتاً مشاہدہ ہو گیا ہے کہ جو  
 درجہ عمل اور اصلاح کا مطلوب ہے وہ بدون اتباع و تربیت کسی کامل بزرگ  
 کے بلا خطر اطمینان کے ساتھ عادتاً حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اس اتباع کے لئے  
 بھی صرف التزام کافی ہے، بیعت متعارف شرط نہیں، لیکن ہذا آخر الکلام  
 واللہ اعلم (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

## سب مصائب گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتے

حالیہ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل تیسرے پہر ایک عریفہ ارسال  
 خدمت ہو چکا ہے جو اب کے لئے لفافہ نہیں رکھا تھا امید تھی کہ دو چار دن میں پاؤں  
 سفر کے لائق ہو جائے گا کہ مغرب کے بعد ہی پھر چوٹ میں چوٹ لگی۔ یہ چوتھا پانچواں  
 چکر ہے جس دن سامان سفر باندھا دوسرے ہی دن ایک ہی جگہ دو چوٹیں سہم کھائیں  
 پھر تین دن بعد تاریخ مقرر کی تو پھر روانگی سے ایک دن قبل ہی اس چوٹ پر چوٹ  
 کھائی۔ اب تاریخ غیر متعین تھی لیکن ارادہ بہر حال جلد از جلد تھا کہ گذشتہ مغرب کے بعد  
 اتنی سخت چوٹ لگی کہ قریباً پہلی حالت عود کر آئی۔ پہلے دین و دنیا کے اور ارادوں کی  
 طرح حضرت کی خدمت میں حاضری کا ارادہ بھی پورا ہو جاتا تھا۔ اب غالباً یہ تیسرا موقع ہے  
 کہ جب ذرا طویل حاضری کی نیت کی تو کچھ نہ کچھ اس قسم کی صورت پیدا ہوئی۔ اس مرتبہ پہلے

سب گھر کے ساتھ حاضری کا تہیہ کیا، اس میں خلل پڑا۔ پرواہ نہ کی۔ پھر خیال ہوا کہ کوئی ملازم ساتھ ہو تو اچھا ہے وہ بھی نہ ملا۔ اچھا نہ ملے تنہا جاؤں گا۔ تو اب پتہ چلا کہ جن بیروں سے جانے کا دعویٰ تھا وہ بھی اپنے کب ہیں۔ دل تو اس کے بعد بھی حاضری کے لئے بیتاب ہے لیکن اب کس زبان سے کچھ عرض کروں۔ حضرت اتفاق تو کوئی چیز نہیں پھر یہ کیا ہے؟ مارکھا تا جانا ہوں لیکن نہ دماغ سوچنا چھوڑتا ہے نہ دل ارادہ کرتا۔ اب یہ خیال مسلط ہے کہ ساری سزا کذب و جاہ کی ہے۔ گھر بنانے کی خواہش ہوئی تو کوٹھی بنائی اس کی ایسی سزا ملی کہ اب کوٹھری کی تمنا ہے۔ مصنف بننے کا شوق ہوا تو اس میں مقام امتیاء کی تلاش تھی۔ یہ سودا سر سے نکلا، دین کی راہ میں بظاہر قدم رکھا تو اس میں نظر نیچے نہیں پڑتی۔ یہ تو وہی نفسِ دانا معلوم ہوتا ہے جس نے محض بھیس بدل لیا ہے

و السلام مع الاکرام

**تحقیق:** پہلے خط کا جواب بھی لکھ کر رکھ لیا تھا کہ آنے کے وقت دیدوں گا، اس میں یہ دوسرا خط آ گیا جس پر بے ساختہ حدیث نعم العدا لان و نعم العاؤ یاد آگئی اور گو وہ حدیث قول مشہور پر تعد و بلاء کے ساتھ مقید نہیں۔ ہر بلاء پر یہ تعد و آراء موعود ہے مگر مطلق تعد کے علاوہ سے یاد آگئی۔ یہ حدیث تو حافظے میں تھی پھر اس کے ساتھ اس باب میں مواعید کے نصوص مناسب حال کتب حدیث دیکھ کر لکھنے کو جی چاہا چنانچہ نمونے کے طور پر منقول ہیں۔ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند ائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یوعک فمستہ بیدی فقلت انک توعک و عکاشدیدا قال اجل انی اوعک کما یوعک الرجلان منکم قلت ذلک بان لک اجرین قال اجل (للشیخین) وعن انس رفعہ ان عظم الجزاء مع عظم البلاء وان اللہ تعالیٰ اذا احب قومًا ابتلاہم فمن رضی نزلہ الرضا ومن سخط نزلہ السخط (الترمذی) عن محمد بن

خالد السامی عن ابيه عن جده سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان العبد اذا سبقت له من الله تعلقه منزلة لم يبلغها ابتلاها الله في جسده او في ماله او في ولده ثم صبره على ذلك حتى يبلغه المنزلة التي سبقت له من الله تعالى (ابن داود) عن مصعب ابن سعد عن ابيہ قلت يا رسول الله اى الناس اشد بلاء قال الانبياء ثم الامثال فالامثال بيتلى الرجل على حسب دينه فان كان في دينه صلبا اشتد بلاءه الحديث (للترمذی) عن عمرو بن مرة قال ان مما انزل الله تعلقه لبيتلى العبد وهو يجب لسمع تضرعه (للاوسط بلین) کلها من جمع الفوائد۔ مگر یہ سب عقل کا فتویٰ ہے باقی طبیعت پر جو طبعی اثر ہوا اور آپ پر بھی ہونا مستبعد نہیں وہ یہ ہے۔

ارق علی ارق ومثل یارت وجوی یزید وعبرة تترق

اور یہی اثر بھی بریکار نہیں اس عقلی فتوے کی جو بنائے صبر و تقویٰ وہ اسی طبعی اثر کا ثمرہ ہے کیونکہ یہ قوت سے الم اور جمع پر تیز دعا بھی اسی کا اثر ہے چنانچہ میں ل سے آپ کی صحت و قوت و تیسرے ملاقات کی دعا کرتا ہوں اور آپ بھی دعائیں کی نہ کجیے باقی یہ احتمال کہ یہ کسی گناہ کی پاداش ہے یہ بھی ایمان ہی سے پورے <sup>خست</sup> ناشی ہے جس کا مقضیٰ یہ ہے کہ دعا کے ساتھ استغفار کی بھی کثرت کی جاوے پھر تو یہ سب نور علی نور کا مصداق ہے۔ (تربیت سالک حصہ دوم ص ۱۹۹)

## تکالیف کا تحمل نہ ہونا ضعف ایمان کی دلیل نہیں

حالت: حضرت بیمار۔ آزار۔ دنیا میں کون نہیں ہوتا۔ اپنے جاننے والوں میں بہتوں کا حال اپنے سے بدتر پاتا ہوں۔

تحقیق: یہ اعتقاد اور اس کا استحضار ایک مراقبہ ہے جو ایک نعمت ہے۔  
حالت: پھر ایسے کتنے ہوتے ہیں جن کو معمولی تدبیر و علاج تک کی قدرت نہیں ہوتی۔  
تحقیق: یہ دوسرا مراقبہ ہے جو دوسری نعمت ہے۔

حالت: ساتھ ہی یہ بھی ایمان ہے کہ مومن کے کاٹنا چھیننا بھی ضائع نہیں جاتا۔  
تحقیق: یہ ایک تیسرا مراقبہ ان دونوں سے اعظم ہے، ان مراقبات کے عطا ہوتے ہوئے اگر تحمل میں جس کا ذکر آگے فرمایا گیا ہے کچھ نقصان بلکہ بالکل یہ نقصان بھی ہو مضر نہیں یہ مجموعہ اس نقص کا کافی تدارک ہے خصوصاً جبکہ یہ مراقبات اعمال اختیار ہوں اور وہ نقص طبعی و اضطراری ہو۔

حالت: مگر خدا جانے حضرت میری کمزوری و نردلی کس حد تک پہنچ گئی ہے کہ جہاں تکالیف کا تحمل روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ شاید ساہا سال کے سلسلہ علالت نے اتنا کم ہمت کر دیا ہے ادھر الحمد للہ کہ دو سال سے بہت اچھا تھا خصوصاً دمہ کے دوروں سے بالکل ہی محفوظ رہا اور طبیعت میں ذرا نشا طارہ نے لگا تھا کہ اس ہاتھ کے حادثے کے بعد اب کچھ دمہ کے آثار بھی پھر عود کر رہے ہیں جس سے اور دل خوف زدہ ہو رہا ہے۔ کاش ایمان ہی اتنا قوی ہوتا کہ صبر و رضا ہی کا اجر حاصل کر سکتا مگر اُلٹے کبھی کبھی شکایت کے دوا دس آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم و مغفرت فرماوے۔

تحقیق سے؛ کیا خدا ناکردہ یہ ضعف تحمل ایمان کے قوی نہ ہونے کی علامت ہے۔ اس وقت ایک حدیث ترمذی کی بے ساختہ ذہن میں آگئی جس کو جمع الفوائد بفضل الشہادۃ والشہداء سے نقل کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی ایک تقسیم فرمائی ہے اس میں قسم ثانی کے باب میں ارشاد ہے قال ورجل جید الایمان لقی العدو فکانما ضرب جلدہ بشوک طلع من الجبین اتاہ سہم غرب فقتلہ الحدیث۔ اس میں جوہد ایمان اور جہن کو مجتمع فرمایا ہے جس میں صاف دلالت ہے کہ عدم تحمل اور قوت ایمان جمع ہو سکتا ہے البتہ اس قسم کے شہید کو درجہ ثانیہ میں اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس سے فعل اختیاری یعنی قتال کا بوجہ جہن کے صدور نہیں ہوا اور جہاں فعل اختیاری کا صدور بھی ہو وہاں درجہ بھی کم نہ ہوگا۔ سو یہ آپ کے اختیار میں ہے الحمد للہ اس اختیار سے کام بھی لیا جا رہا ہے یعنی معترضانہ شکایت کا ارتکاب نہیں کیا جاتا اور خود عاجزانہ شکایت بھی خلاف قوت ایمان نہیں۔ لکن قال یعقوب علیہ السلام انما اشکوبشی و حزنی الی اللہ بعد قولہ یا اسفی علی یوسف اور وسوسہ تو کوئی معتد بہ وجود ہی نہیں رکھتا۔

فزال بحمد اللہ کل اشکال۔ (ترجمت السالک حصہ دوم ص ۷۷)

## حصول خشوع کے لئے اہتمام میں غلو تکلیف لایطاق ہے

حالت : تراویح میں قرآن شریف سنانے میں خشوع و خضوع نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ ہر رکعت کو جب کھڑا ہوتا ہوں تو خیال کرتا ہوں کہ جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیا کیساتھ توجہ رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اس خیال میں قراءت ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں اور رکوع و سجود میں بہت افسوس ہوتا ہے۔ حضرت والاد عافر مادیں کہ میری یہ تمنا پوری ہو اور اگر ان کو یہ منظور ہے تو اس میں خوش ہوں۔

حقیقت : خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لئے حصول خشوع اس حالت میں عادتاً متعذر ہے تو اس کا اہتمام ہی تکلیف لایطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابل افسوس اس لئے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معنأً حاصل ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے چنانچہ بعض احادیث فضل خشوع میں لم یحدث فیہا نفسہ شیئاً من دنیا اور بعض میں الایحیاء وارد ہے اس کی توضیح رسالہ تشریح اول کتاب الصلوٰۃ میں قابل مطالعہ ہے۔ ہاں طبعاً ناگواری یہ نظر ہے استغفار عن الغین کی۔

قد کیر نعمت : تحقیق منجملہ فن عظیمیہ الہیہ ہے جس میں کسب کا دخل نہیں اس کی بے قدری نہ کی جاوے میں بھی اسی میں مبتلا تھا حق تعالیٰ نے حقیقت منکشف فرمائی آگے اپنی ہمت ہے۔ فقط (الشور ص ۵۳۴ - تربیت السالک ص ۲۱۴)

علم ذات کا داعیہ علم ایمان ہے اور اس کی تمنا عین مطلوب ہے،

حال۔ والا نامہ نے لکھنؤ میں سعادت بخش تھی جس سے متعارف اہم ذات کے ذکر کے منصوص ہونے کا شبہ رفع ہو گیا۔  
تحقیق: الحمد للہ۔

حال، اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کی تھی کہ عرصہ سے کچھ علم ذات کا داعیہ بڑھ گیا ہے، رویت تو اس عالم میں ہے ہی نہیں، پھر کیا کسی اور طرح کسی درجہ میں ایمان کے علاوہ ذات کا کوئی علم اس زندگی میں نصیب ہو سکتا ہے۔

تحقیق: وہ علم ایمان ہی ہے اس علم میں ترقی اور قوت ایمان ہی کی قوت اور ترقی ہے اسی کے مراتب کے تفاوت سے عوام اور خواص اور اخص الخواص کے ایمان میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی قوت کو نصوص میں از زیاد ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان ہی مراتب کا نام علم الیقین و عین الیقین و حق الیقین ہے۔

حال: اور اس قسم کے داعیہ کا غلبہ کچھ مضر تو نہیں۔

تحقیق: بعد و ضوح حقیقت کے اس کا سوال اس کی تمنا عین مطلوب ہے۔

حال: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لذة النظر الی وجهک اور

شوق الی لقاءک کا جو سوال فرمایا تو اس کا مطلب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں صرف

شوق لقاء حاصل ہو سکتا ہے اور نظر الی الوجود تو حاصل ہی ہے۔ مطلوب صرف لذة النظر ہے

تحقیق: ماشاء اللہ خوب صحیح دلالت مجھ میں آئی۔ اس کے قبل میرا ذہن بھی اس تفسیر

کے ساتھ اس طرف نے گیا تھا۔ بخیر اکرم اللہ تعالیٰ علیٰ هذا التنبیہ۔

حال۔ لیکن حضرت اپنے اندر شوق لقاء کو کسی درجہ میں پاتا ہوں جس کو داعیہ علم

ذات سے اوپر تعبیر کیا ہے لیکن ایسا تو لو افشروا وجہ اللہ کی صریح نص کے باوجود

جب چاہتا ہوں کہ نظر الی الوجہ میں کچھ ذوق و لذت پیدا ہو تو بالکل نہیں پیدا ہوتی بلکہ ایسی چیزیں جو طبعاً مکروہ ہوتی ہیں ان پر وجہ اللہ کے اعتبار سے نظر کرنے میں طبیعت حرکتی ہے۔

تحقیق: غالباً آپ کے نزدیک وجہ کی تفسیر کا حاصل مظاہر و مناظر ہیں تو اس کے لئے دلیل کی حاجت ہے۔ دلائل سلف سے دو تفسیریں منقول ہیں، ایک جہت یعنی قبلہ اور اضافت الی اللہ باعتبار رضا کے ہے یعنی تم جس مکان میں ہو کر بھی توبی الی الکعبہ کرو وہ جہت مرضی حق ہے، دوسری تفسیر وجہ سے مراد ذات کما فی قولہ تعالیٰ کل شیء ہا لک الا وجہہ ای ذاتہ پھر ذات سے مراد علم کما یدل علیہ ما بعد ۸۔ ان اللہ واسع علیم اور مناظر و مظاہر کے ساتھ تفسیر یہ ذوقی و تصوفی اشارہ کے درجہ میں ہو سکتی ہے جس کا حاصل تفسیر الوجہ بالذات باعتبار تجلیہ فی المظاہر ہے شرح المعانی میں اس کو باب اشارہ میں اس عبارت سے ذکر بھی کیا ہے فی جہتہ یتوجہ المرء من الظاہر والباطن فتم وجہہ اللہ المتجلی بجمیع الصفات المتجلی بما شاء منہا عن الجهات وقد قال قائل القوم بالنجیم ۱۲

وما للوجه الا واحد غیرانہ اذا انت عددت المرایا تعددوا

اب سوال مذکور فی المکتوب اس پر مبنی ہو گا جس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ تفسیر غیر ثابت ہے پس حدیث میں اس کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ بر تقدیر تسلیم مناظر و مظاہر کی طرف نظر کرنا بھی موجب لذت ہے، گو ذاتِ مظہر کے اعتبار سے موجب لذت نہیں لیکن باعتبار اس کی مظہریت کے موجب لذت ہے، مگر یہ اس وقت موجب لذت ہے جب اس نسبت کے استحضار اور ذات کی محبت کا غلبہ طبعی ہو جائے پھر مناظر و مظاہر سب اس لذت کے اسباب ہو جائیں گے بلا تفسیرات بین الحسن و



غیر احسن جیسے محبوب کا میلہ کپڑا پہلے مکروہ معلوم ہوتا ہے مگر جب اس تلبس کا علم ہو گیا اس میں لذت پیدا ہو گئی بخصوص حالت لبس فقہاء نے اس کے احساس کے بعد یہ فتویٰ دیا النظر الی ملاءة الاجنبية حرام اور اگر اس تفسیر کو تکلف سمجھا جاوے اور حدیث میں تفسیر منقول عن الامام علی جاوے یعنی نظر سے مراد علم فی الدنیا کا درجہ تو اس وقت آپ کا سوال بالاستقلال اس طرح متوجہ ہو گا کہ علم میں بھی تو لذت نہیں پائی جاتی۔ اس کا جواب اس طرح ہو گا کہ نفس لذت کی نفی کا حکم عدم تامل کے سبب ہے ورنہ حق تعالیٰ کی یاد میں کہ علم کی ایک فرد ہے کس مومن کو لطف نہیں آتا خصوصاً جب اس کے صفات و کمالات کا تذکرہ بھی ہو کہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اور اگر اس نفی کے حکم کو صحیح بھی مان لیا جاوے تب بھی کوئی محذور نہیں نہ نقص ایمان کا شبہ ہو سکتا ہے، ایک کمال کی کمی ہے جس کے لئے سوال کی تعلیم فرمادی گئی ہے، جب اور حتمی نصیب ہو جائے،

(النور۔ رمضان ۱۳۵۸ھ، تربیت السالک حصہ دوم ص ۶۸)

## تشبیہ اور تشریح میں فرق

حال: صوفیانہ تفسیر یا اعتبار سے کچھ باطنی ذوق معلوم ہوتا ہے اکثر حضرات صوفیاء کے اعتبارات و ارشادات دل پر اتر جاتے ہیں۔ وجہ سے یہ حضرات شاید ظاہر و وجود مراد لیتے ہیں اور سارے خارجی مظاہر اسی ظاہری وجود کے مظاہر ہیں اس لئے جی چاہتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ اسی اعتبار سے گویا سامنے ہی موجود ہیں تو کیوں نہ اسی راہ سے حضوری حاصل کرنے کی کوشش کی جاتے۔ کہ اسی سے کچھ نسبت و محبت نصیب ہو سکے۔ اتنا کہ یہ حضرات باطن وجود کہتے ہیں اور اسی سے قرب و اقربیت وغیرہ کی تشریح کرتے ہیں۔ دل کو تو وہ بات بھی نہیں لگتی مگر اس میں ایک ہیبت معلوم ہوتی ہے اور پھر بہت خطرے کی چیز بھی معلوم ہوتی ہے، گو

الحمد للہ کہ جہاں تک عبد و رب کی غیریت کا تعلق ہے اس میں کبھی دوسو سہ نہیں ہوتا مگر حضرت اس میں شک نہیں کہ صحابہؓ کی اور سیدھی راہ وہی محبت و ایمان کی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق: جو چیز ذوقاً زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی ہے وہ تشبیہ کا رنگ ہے اور ظواہر نصوص اور صحابہؓ کا مسلک تشریح کا غلبہ ہے۔ اول بید خطرناک ہے، اور بعض اوقات بہت سے مفاسد کو آغوش میں لے لینا ہے پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لذت بھی باقی نہیں رہتی۔ پھر تشریح کی طرف آکر گذشتہ حالات پر متاسف ہوتا ہے اور ثانی بے خطر اور ثابت۔ یعنی اسلام بھی آدم بھی، اور جن نصوص سے تشبیہ کا ایہام ہوتا ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ایہام کا اعتقاد ہے پس ایہام بالتحتمانیہ کا علاج ایہام بالموحد ہے۔

حالیہ: جی یہ کہتا ہے کہ حضرت دعا فرمائیں تو انشا اللہ اس نعمت سے محروم نہ رہوں گا اپنی دعا بھی انشا اللہ مرتے دم تک جاری رہے گی۔

تحقیق: دعا کا وظیفہ عبید کا فرض اصلی ہے مگر مع اس کے انضمام کے خواہ ذکرًا خواہ فکرًا اللہم خولی و اخترلی (ترتیب السالک حصہ دوم ص ۷)

تشبیہ کا مسلک بید خطرناک ہے بخلاف تشریح کے دیکھ سکتے تشریح محض کبھی تشنی بخش نہیں، اس کے متعلق تحقیق عجیب!

سوال: مخدوم محترم ادام اللہ قلوبکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگرچہ حضرت نے محض اپنی شفقت سے اجازت دے رکھی ہے کہ جو کچھ بھی چاہوں بے تکلف خدمت میں عرض کر سکتا ہوں تاہم ایک امر کا عرصہ سے شدید غلبہ اور خیال ہونے کے باوجود عرض کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اس مرتبہ عرضہ میں غیر معمولی تاخیر کی بھی ایک وجہ یہی رہی کہ ایک

طرف طبیعت کا تقاضا تھا کہ اب کھل کے عرض ہی کر ڈالوں اور دوسری طرف ہمت کا برابر تقدم و تاخر لیکن گذشتہ عریضہ اور اس کے جواب گرامی میں چونکہ ایک حد تک راہ کھل چکی ہے اس لئے اب اس خلش کو پیش ہی کر دیتا ہوں۔

حضرت نے یہ بالکل ہی بجائے اور فرمایا کہ تشبیہ کا مسلک بید خطرناک ہے اور خود میرا بھی مدت تک اصلی مذاق و رجحان تنزیہ ہی کار ہا لیکن اب عرصہ سے تنزیہ محض سے بالکل تشغی نہیں ہو رہی ہے اور کسی طرح نہ دل اس کو قبول کرتا چاہتا ہے نہ دماغ نہ کہ حق و خلق میں وجود اولیٰ بعد یا انفصال ہو سکتا ہے، لیکن باایں ہمہ الحمد للہ دوسری طرف یہ بھی قطعاً غلط ناقابل فہم بلکہ سفاہت پاتا ہوں کہ کسی طرح بھی عبد معاذ اللہ رب یا رب عبد ہو سکے، اور وحدت وجود کے ساتھ کثرت موجودات میں کوئی قباحت ہی نہیں بلکہ یہی عقل و نقل سب کے موافق معلوم ہوتا ہے، اقربیت و معیت وغیرہ کے تمام اعتبارات کے باوصف غیریت اتنی اہل معلوم ہوتی ہے کہ عنایت کے مفسدہ کا الحمد للہ کبھی خطرہ و احتمال تک قلب پر نہیں آتا بلکہ ایک لحاظ سے غلبہ تنزیہ و تسبیح کار ہوتا ہے حتیٰ کہ عنایت کار حجان رکھنے والوں کی حماقت پر سخت غصہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ مجھ کو تو وہ انکار حق کے لئے نفس کی ایک وسیعہ کاری نظر آتی ہے۔ یہ بھی عرض خدمت ہے کہ اس مسئلہ سے فی الجملہ دلچسپی کے باوجود پڑھتا پڑھتا زیادہ ایسی چیزوں کو نہیں ہوں البتہ کلام مجید ہی کی تلاوت یا اس پر اگر کچھ تدبر و تفکر کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے، تو اس طرف کے بھی ذہن میں کچھ اعتبارات آجاتے ہیں۔

تحقیق: مکرمی دام لطفکم۔ السلام علیکم عربی مثل ہے اذا جاءت الالفۃ

افعت الکلفۃ۔ عارف شیرازی کا ارشاد ہے

ما حال دل را بایار گفستیم      نتوان نہفتن درد از طبیاں

اس کے تحت میں یہ سب محمود ہے۔ اب جواب عرض کرتا ہوں۔ حادث بعد الحدوث کو

مشاہدہ تدبیر کا واسطہ بنانا اور تعلق سے ہوتا ہے۔ ایک تعلق صانع و مصنوع کا۔

اس تعلق سے واسطہ بنانا مخصوص اور نامور ہے۔ آیات

ان فی خلق السموات والارض الی قولہ لایت لقوم یعقلون (بقرہ)  
 وان فی خلق السموات والارض الی قولہ ربنا ما خلقت هذا  
 باطلا (ال عمران)، و افلا ینظرون الی الابل الی قولہ کیف  
 سلطت (غاشیہ) وغیر ہا سب اسی توسیطہ پر وال ہیں اور دوسرا تعلق ظاہریت  
 و منظریت مصطلحہ کا زائد علی التعلق الاول جس میں اس وقت کلام ہے سو یہ تعلق اور اس کی  
 خصوصیات خود ذوقی و کشفی ہیں و نکذا تو سبب تعلق اول کی مثال کا تب و مکتوب  
 کا تعلق ہے اور تعلق ثانی کی مثال شمس و ارض کا تنویری تعلق ہے، پھر اس تعلق ثانی  
 کے توسیطہ کے دو درجے ہیں ایک تصور و تخیل کا دوسرا تصدیق و اعتقاد کا۔ دوسرا  
 درجہ تو ظاہر ہے کہ اختیاری ہی ہوگا اور پہلا درجہ دو طرح کا ہے ایک استحضار فی الذہن  
 قصد و اختیار سے، دوسرا حضور فی الذہن بدون قصد و اختیار کے، یہ کل تین درجے  
 ہوتے۔ سو چونکہ خود یہ تعلق اور اس کی خصوصیات کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور  
 ذوق و کشف حجت نہیں اس لئے تین درجات مذکورہ میں اول کے دو درجے، یعنی  
 اعتقاد و استحضار یا بالاختیار تحت نہی و تکیر ولا تقف مالیس لک بہ علم  
 وان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً الیہ  
 میں داخل ہوں گے اور تیسرا درجہ یعنی تصور و حضور فی الذہن بالاضطرار معفو عنہ ہوگا بقولہ  
 تعالیٰ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا اور اول کے دو درجے در اول شرعیہ  
 مذکورہ سے منکر ہونے کے علاوہ خود قواعد طریق سے بھی منکر ہیں۔ ان نکارت کا راز  
 یہ ہے کہ تمام اہل مثل حقہ جن میں حضرات صوفیاء بھی داخل ہیں اس پر متفق ہیں کہ  
 یہ دوسرا تعلق یعنی ظاہریت و منظریت مصطلحہ کا خود حادث بعد الذم السابق ہے اور

قبل حدوث یہ تعلق معدوم محض تھا سو اس تعلق کی قید سے جو استحضار ہوگا خواہ قصداً یا تصدیقاً رہ مقید کا ہوگا اور مقید بوجہ حدوث قید کے حادث ہوگا تو یہ استحضار قصداً حادث کا استحضار ہو جو غیرت محبت کے بالکل منافی ہے اس لئے خود وہ اہل ذوق بھی اس حکم کو ضبط نہ کر سکے کہ کل ما خطر ببالک فهو هالك واللہ اجل واعلیٰ من ذلک۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی تودہ آفتاب کا مشاہدہ اس تعلق کے واسطے سے کرے جو اس کو ارض سے حاصل ہے اور اس تعلق کے سبب خود دھوپ میں اجرام کے اختلاف ہنریات سے مختلف اشکال پیدا ہو گئے، مثل تدویر و تثلیث و تریح تو ان حصص مختلفہ الہیۃ کے ذریعہ سے مشاہدہ نور کا تصدیر تا ظاہر ہے کہ مستلزم ہوگا ان حصص کے تصدیر مشاہدہ کو۔ باقی اضطرار پر کوئی ملامت نہیں مگر یہ درجہ کمال سے متزل ہے، گو ضعیف کے لئے بالعرض اس طرح نافع ہو جاوے کہ درجہ کمال تک اس کے لئے موصل ہو جاوے۔ جیسے دوا غیر مقصود ہے مگر علیل کے لئے غذائے مقصود کی استعداد پیدا کرنے کی وجہ سے گوارا بلکہ تجویز کر لی جاوے۔ مولانا متعدد تمثیلات کے بعد اسی کو ارشاد فرماتے ہیں ۷

اے برہوں از وہم وقال وقیل من  
خاک بر سرق من و تمثیل من

وفیہ اظہار الاموال اصلی ۷

بندہ تشکبذ تصویر خوشت  
ہر دست گوید کہ جانم مفرشت

وفیہ اظہار الاموال العارضی اور تعلق اول کی توسیط میں ان وسائط کی ایسی مثال ہوگی جیسے عینک لگا کر کسی چیز کا مشاہدہ کرنا کہ عینک محض معین ہوگی۔ مشاہدہ شے مذکور کی اور مشاہدہ کے وقت بعض اوقات عینک کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں مسئلہ کے سب پہلوؤں پر کافی اور ضروری کلام ہو گیا ہے اگر کچھ جزو متروک ہو گیا ہو ظاہر فرماویں باقی کسی مامور بہ سے تشفی ہونا نہ ہونا یا دل و

دماغ سے اس کا ملحق نہ ہونا یہ قابل التفات نہیں۔ امتثال مقصود ہے نہ کہ کیفیت  
احوال۔ باقی اس جزو کو تیسیر الخطاب مکرر یاد دلانا ہوں کہ اضطراب پر نکیر نہیں۔

(تربیت السالک حصہ دوم ص ۷۷)

حال۔ عرصہ ہوا کہ خدمت والا میں خلق و حق کے تعلق کو سمجھنے کے لئے کچھ معروضات  
پیش کئے تھے جس کے جواب میں حضرت نے مسلک تیزی بہ کی جو تفہیم فرمائی تھی اس سے  
اطمینان ہو گیا تھا کہ سلامتی بلا شک ہی راہ میں ہے۔ پھر ایک اور عرضہ اسی سلسلہ میں تھا  
جو مع جواب والا سوال کے اندر میں شائع فرمادیا گیا تھا لیکن اب بھی اس ضمن میں ایک  
بڑی خلش باقی ہے۔ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ قرآن مجید میں معرفت یا مشاہدہ حق کی تعلیم  
بہت زیادہ صلح و مصنوع ہی کے تعلق سے فرمائی گئی ہے۔ خلق اشیا کی بظاہر تین صورتیں  
نظر آتی ہیں (۱) جیسے بیج سے درخت یا انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے (۲) جیسے کوئی  
صناع کسی مادہ میں کوئی تصرف کر کے کسی شے کو بناتا ہے مگر خود مادہ اس صناع کا مخلوق  
نہیں ہوتا (۳) پہلے خود مادہ کو عدم محض یا لاشی سے خلق کر کے پھر اس سے مختلف  
اشیا مخلوق ہوں حق تعالیٰ کے لئے بالعموم تیسری ہی صورت کا خیال ہوتا ہے۔  
تحقیق: کسی دلیل سے یا بدون دلیل۔ دلیل کیا ہے اور بدون دلیل  
لا تقف مالیس لک بہ عالم کا معارضہ ہے۔ خصوصاً جب دوسری صورتیں  
بھی عقلاً ممکن و محتمل ہیں اور نصوص قطعاً کسی کے ساتھ غیر ناطق خصوصاً جبکہ یہ بھی محتمل  
ہو، کہ مختلف صورتیں اشیا کی تخلیق کی ہوں۔

حال: مگر اس میں ایک طرف تو عقلاً لاشی سے شے کا وجود بالکل ناقابل تصور

معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق: کیا ہمارے تصور کی صعوبت امتناع یا نفی کی دلیل ہے۔

حال: دوسری طرف ام خلقوا من غیر شیء کی نص میں اس کی نفی

متبادر ہوتی ہے۔

تحقیق: صحیح تفسیر یا محتمل بالسواء تفسیر کا ذہن میں حاضر نہ ہونا اس تبادر کا منشا ہے چنانچہ مفسرین نے من غیر شییء کی تفسیر کی ہے من غیر خالق  
حال:۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مادہ اور اس کی مصنوعات کا وجود کو مخلوق حق  
ہوتا ہے لیکن اپنا وجود مستقلاً خالق سے جدا گانہ رکھتی ہیں جو وحدت وجود اور اللہ تعالیٰ  
کی اس ہمہ جانی کے منافی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔

تحقیق: خود اس عقیدہ ہمہ جانی ہی کی کوئی دلیل نہیں جب وہ مطلق حیت  
سے منزہ ہے تو متعدد احیاء سے اس کا تخریب تو امکان سے بعد ہے گو اس محاورہ میں  
توسع ہے کیونکہ مراد اس سے عدم آئید بالبحر ہے اور یہ محض تعبیر ہے اور وحدت وجود  
تعدد وجودات مضحکہ کاناہی نہیں۔

حال: ایک چوتھی صورت خلق اشیا کی وہ ہو سکتی ہے جس طرح ہم خود نفس میں  
اپنے خیالات و تصورات کو پیدا کرتے ہیں خصوصاً خواب کی صورت میں تو ہمارا ذہن  
ہو ہو بیداری کی دنیا کو پیدا کر لیتا ہے یا خود ہی اپنے معلومات و خیالات کی صورت  
میں ظاہر ہوتا ہے۔ زیادہ قدرت والی ذات نہ صرف بیداری میں اسی طرح سارا عالم پیدا  
کر سکتی ہے بلکہ ہمارے خواب سے بڑھ کر یہ قادر ذات اپنی تصویری مخلوقات انسان و حیوان  
و غیر ہا کو ایسا بنا سکتی ہے کہ وہ خود کو اپنی اپنی جگہ مستقلاً ذی حس و ادراک مخلوق پائیں  
خلق اشیا کی یہ صورت نہ صرف عقلاً زیادہ قابل قبول معلوم ہوتی ہے بلکہ نقلاً بھی  
بہت سے عقائد و نصوص کی تصحیح سہل و اقرب ہو جاتی ہے اس لئے کہ خالق و مخلوق کے  
اس تعلق کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم خود اپنے معلومات یا صور علمیہ کی صورتوں سے تجلی و  
ظہور فرماتا ہے۔ اس میں نہ خالق و مخلوق کا عین ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ معلوم عین  
عالم نہیں ہو سکتا نہ اس طرح غیر ماننا پڑتا ہے کہ خالق کہیں ہو اور مخلوق کہیں نہ اس میں

لاشئ سے شئی یا عدم ہے وجود کا لزوم ہوتا ہے۔ جدید فلسفہ اور سائنس کے رجحانات کے بھی یہ صورت اقرب ہے۔

حقیقہ: ان اشکالات کا حل تو کچھ اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ دوسری صورتوں میں بھی یہ اشکالات حل ہو سکتے ہیں۔ رہا سہولت حل، سو یہ سہولت قیاس الغائب علی الثابت ہر سے ناشی ہے۔ یہ قیاس ہی بلا دلیل ہے خصوصاً جبکہ کسی دلیل کے بھی خلاف ہو اور وہ دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ تصور کے بعد ان صورتوں کا محل کیا ہوگا ذات یا خارج۔ ادل شق میں ذات محل حوادث ہوگی جو مستلزم ہے حدوث کو۔ اور دوسری شق میں وہ صورت علمیہ نہ ہونگی۔ دوسری صورتوں میں اور اس میں کیا فرق ہوگا۔

حالت: کن نیکوئی تخلیق بھی اس سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ نفس نے کسی شئی کا ارادہ کیا نہیں کہ وہ خلق ہوگی۔ اقربیت، احاطت، بعیت وغیرہ میں تاویل و توجیہ کرنا نہیں پڑتی۔ عالم سے بڑھ کر معلوم کے اقرب۔ اس کو محیط اور اس کے ساتھ کون ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اولیت و آخریت ظاہریت و باطنیت کا تعلق سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ معلوم من حیث المعلوم اول و آخر ظاہر و باطن سب عالم ہی ہوتا ہے، پھر وہ ہو بکل شیئی علیم کو اگر ہو اول و الاخر و الظاہر و الباطن کے دعویٰ کی دلیل کا اشارہ دیا جاوے تو خلق اشیاء کی یہ صورت منصوص ہو جاتی ہے کہ وہ ہر شے کا اول و آخر، ظاہر و باطن اس لئے ہے کہ وہ ہر شے کا علیم ہے یعنی شے کی ماہیت اس کا معلوم ہوتا ہے۔

حقیقہ: یہ سب تخمینات و خرافات ہیں جن کی حقیقت ابھی عرض کی گئی ہے، اس لئے لوٹ پھر کے اسی تعلق میں پناہ لینا پڑتی ہے، جس کا حاصل ہے عدم خووض اور تفویض اور استرار بالعجز عن الادراک جو ان آیات میں منصوص ہے۔ قولہ تعالیٰ فلا تضرہوا اللہ الا مثل۔ قولہ تعالیٰ اشہدوا خالقہم۔ قولہ



عليه السلام تفكر وافي كل شيء ولا تفكر وافي ذات الله تعالى -  
ابو الشيخ في العظة عن ابن عباس (كذا في الجامع الصغير) واجمع  
العارفون على ان كل ما خطر ببالك فهو هالك والله اجل واعلى  
من ذلك. وقال العارف الرومي

نکتہ ہاچوں تیغ پولاد است تیز      چمن ننداری تو سپر واپس گر نہ  
پیش این الماس بے اسپر میا      کز بریدن تیغ را نبود حیا

پھر بعد تحریر بالابے ساتھ نہایت قوت وانشراح کے ساتھ اس مسئلہ کی روح ولب  
قلب پر وارد ہوئی جس کے بعد کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ وہ کلام ان الظن  
لا یغنی من الحق شیئاً کامصادم ہوگا وہ یہ کہ یہ تعلق بحدیث عنہ ایک نسبت  
ہے جس کے متبیین ایک حق ایک خلق ہے اور ضروری عقلی قطعی ہے کہ نسبت کا  
ادراک بالکنہ موقوف ہے، متبیین کے ادراک بالکنہ پر اور خود خلق کا ادراک  
بالکنہ گو ممتنع بالکنہ نہیں مگر حسب تصریح حکمائے محققین شیخ بوعلی سینا وغیرہ  
غیر واقع ہے اور حق کا ادراک بالکنہ باتفاق عقل و نقل ابدالآباد کے لئے ممتنع  
ہے پس نسبت کا ادراک بالکنہ بھی ممتنع ہوگا۔ پس اس کی طمع بھی عبث بلکہ  
مضر ہوگی۔ گو کلام کرنے والوں کے لئے کچھ تاویل کر لی جاوے گو اس تاویل کا درجہ  
اس سے زیادہ نہ ہوگا۔

علی استنی راض بان احمل الھوے  
واخلص منه لا علی ولا لیا

فقط احقر اشرف علی عفی عنہ

(تر بیت السالک حصہ دوم ص ۷۷)

## ملفوظات

### تصوف کا حاصل کرنا فرض ہے، اس کا ثبوت

حضرت جے سے سوال کیا گیا، کیا تصوف حاصل کرنا فرض ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ہر مسلمان کے لئے فرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَتَقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ کہ اللہ سے حق ڈرنے کا ڈرو۔ اسی کا دوسرا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس پر بعض نے شبہ کیا ہے کہ یہ تو منسوخ ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ پر سخت گزری اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ڈرنے کا کون ڈر سکتا ہے یہ تو طاقت سے باہر ہے اس پر آیت نازل ہوئی فَا تَقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت پہلی کے لئے ناسخ ہے۔ حضرت نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اس سے منسوخ ہونا حسب اصطلاح اہل اصول لازم نہیں آتا کیونکہ سلف اصطلاح میں لفظ نسخ طلاق مطلق تغیر پر آتا ہے گو وہ بیان تفسیری ہو۔ چنانچہ یہاں بھی یہی ہے کہ ظاہراً اَتَقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ سے فوراً استفادہ ہوتا تھا اور یہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر شاق ہوا اس کی تفسیر کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی، یعنی حسب استطاعت اس کا اہتمام رکھو۔ فی الفور تحصیل درجہ کمال نامور ہے نہیں۔

(مقالات حکمت حصہ سوم صفحہ ۵)

## علم دین ہی معتمد اخلاق ہے

حضرت حکیم الامت نے فرمایا میں دعویٰ کرتا ہوں کہ بدون علم دین کے فضائل اخلاق و سیرت پر بلند نظری عالی دماغی تہذیب اعدال افعال و انتظام احوال میسر ہونا ممکن نہیں، چنانچہ بے علم امراء میں ان اخلاق کا نام نہیں ہوتا لیکن مال کی بدولت خوشامدیوں کا اجتماع رہتا ہے اس لئے ان کے عیوب پر پروہ پڑا رہتا ہے سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہے کہ مولوی سے مراد عالم باطل ہے جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں ہم صرف عربی جانتے والے کو مولوی نہیں کہتے۔ مصر و بیروت میں بہت سے عیسائی دیہودی عربی داں ہیں (حتیٰ کہ علوم اسلامیہ کے بڑے بڑے واقف ہیں۔ مصر و بیروت کے علاوہ خود یورپ میں ہیں) تو کیا ہم ان کو مقتدلے دین کہنے لگیں گے،  
 العیاذ باللہ۔ (الافادات یومیہ)

## علم دین کے ساتھ اخلاق کی تعلیم

فرمایا کہ تعلیم اخلاق کو درس سے خارج کر دینے کی مضر تہیں اس قدر کثیر ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا، خلاصہ یہ کہ علماء کی اس فن سے بے خبری کی بدولت جھوٹے مکار بیر بن گئے جو خلقت و دنیا کو ذبح کر رہے ہیں اس لئے چاہئے کہ اخلاق کی کتابوں کو درس میں داخل کریں (اور صرف درس اخلاق ہی کافی نہیں) بعد فراغ التدریس اطلباء محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے عملاً آداب و اخلاق سیکھیں اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کریں اور چند سے ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں جس سے نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہو جائے تب خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں انشاء اللہ عموماً عوام اہل اسلام ان سے وابستہ ہو کر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے اور مضمون قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً طے آنکھوں سے نظر آجائے گا۔ (الافادات یومیہ)

## ایک حدیث جامع ایمان و اعمال

اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ہر سورت میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں کہ جو سب کی جامع ہوتی ہے اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا۔  
ان شرائع الاسلام قد كثرت على فقل لي قولاً احفظه  
واخذ به (او کما قال)

کہ یا رسول اللہ احکام اسلام میرے لئے بہت بہت زیادہ ہو گئے ہیں کوئی ایسی بات بتلاؤ <sup>سکھتے</sup> جس کو یاد کر لوں اور اس کے موافق عمل کرتا رہوں۔ آپ نے فرمایا قل امنت باللہ ثم استقم بس کہو کہ اللہ پر ایمان لایا پھر استقامت کے ساتھ رہو حضور نے ساری شریعت ابتدا سے انتہا تک اس ایک جملہ میں بھری۔ امنت باللہ میں جملاً تمام اعتقادات کو بیان فرمادیا اور ثم استقم میں اعمال کے اندر استقامت کی تعلیم دی جس میں روزہ نماز حج زکوٰۃ معاملات و معاشرت سب آگئے (الافادات یومیہ)

## ایمان ظاہر و باطن

تشریح میں سب سے زیادہ ضروری ایمان ہے اس میں اسی قدر سہولت ہے کہ عمر بھر میں ایک بار کلمہ شریف کا اعتقاد کر لیتا اور زبان سے کہہ لیتا کافی ہے۔ تکرار، استحضار و اظہار کی نجات مطلقہ کے لئے ضرورت نہیں، صرف آنا ضروری ہے کہ ایک مرتبہ دل سے ان کا اعتقاد و اظہار کر کے کسی وقت اس کی ضد کا اعتقاد و اظہار نہ ہو۔ باقی ہر وقت اس کا اعتقاد و اظہار مکمل ایمان تو ہے جس سے درجات میں ترقی ہوگی (مگر نجات مطلقہ کا موقوف علیہ نہیں۔ اگر کسی کو عمر بھر میں ایک بار بھی زبان سے اس کے اظہار کی قدرت نہ ہو

تو دل میں تصدیق کر لینا ہی کافی ہے۔ ہاں اگر قدرت ہو تو عدم اظہار میں اختلاف ہے۔ کہ اس وقت محض تصدیق قلبی عند اللہ ایمان معتبر ہے یا نہیں۔ مذہب منصور اور صحیح قول یہ ہے کہ عند اللہ ایمان بھی معتبر ہے مگر باوجود قدرت کے عدم اظہار معصیت ہے جس کا گناہ ہوگا اور عند الناس یہ شخص احکام ظاہرہ میں کافر ہوگا کیونکہ ہم کو بدون اظہار کے ایمان کا علم نہیں ہو سکتا اور علم ہو بھی جائے تو چونکہ اس نے باوجود قدرت کے ایمان ظاہر نہیں کیا اس لئے ہم اس کو احکام دین میں مومن نہیں کہہ سکتے نہ اس کے جنازے کی نماز پڑھیں گے نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے مگر عند اللہ یہ شخص مومن ہے گو عاصی بھی ہے (جمال الجلیل)

## حقیقتِ ایمان

ارشاد فرمایا کہ اول یہ مقدمہ سمجھ لو کہ ایمان ہر وقت فرض ہے اور مومن ہر وقت مومن ہے اس کی کوئی ساعت ایمان سے خالی نہیں حالانکہ ایمان کی حقیقت تصدیق بالقلب ہے اب اگر دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اس تصدیق کا ہر وقت استحضار رہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ہر وقت استحضار نہیں ہوتا معلوم ہو کہ دوام کے کوئی اور معنی بھی ہیں پس سمجھو کہ دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ایک بار تصدیق کا استحضار کر کے پھر اس کی ضد کا استحضار نہ ہو۔ جب تک ضد کا استحضار نہ ہوگا۔ اس وقت تک اس استحضار کو باقی سمجھا جائے گا اور یہ شخص ہر ساعت میں مومن ہے، یہ تو شرعی مثال ہے جس سے دوام کے یہ معنی معلوم ہوئے اور محسوسات میں بھی اس کی چند مثالیں ہیں مثلاً مشی (چلنا) فعل اختیاری ہے مگر کیا ہر قدم پر قصد جدید ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہو تو مشی (چلنا) دشوار ہو جائے لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ ابتداء میں جو ایک با قصد کیا ہے وہی اخیر تک مستمر (جاری) ہے۔ (حقیقت تصوف و تقویٰ ص ۸۵)

## حقیقتِ عبدیت

شرمایا حقیقت یہ ہے کہ عبدیت اسی میں زیادہ ہے کہ اپنی مشیت و اختیار کو تسلیم کر کے اس کو مشیتِ حق کے تابع سمجھے۔ اس میں عبدیت کچھ زیادہ نہیں کہ اپنی مشیت و اختیار کی بالکل نفی کر دے اور جبر کا قائل ہو جائے۔ کمال تو یہ ہے کہ اپنے اختیار کا مشابہہ کر رہا ہے اور پھر اس کو ضعیف سمجھ رہا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کے سامنے رعیت کا ایک معمولی آدمی اپنے آپ کو بے اختیار سمجھے یہ زیادہ کمال نہیں۔ ہاں اگر کوئی نواب اپنے آپ کو کسی قدر با اختیار سمجھتے ہوئے بھی اپنے اختیار کو بادشاہ کے اختیار کے تابع بنا دے یہ کمال عبدیت ہے اسی سے اہل سنت کا مذہب عبدیت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ان کے عقیدے میں عبدیت اہل جبر سے زیادہ ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

## إِتْبَاعِ رَسُولٍ

ارشاد فرمایا کہ کامل اور مکمل وہی ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطا ہر ہر مثل ظاہر پیغمبر کے۔ اور باطن ہو مثل باطن پیغمبر کے۔ یعنی بر امر میں اور ہر حال میں پیغمبر ہی اس کے قبلہ و کعبہ ہوں اس کے ظاہر کا قبلہ حضور کا ظاہر ہو اور اس کے باطن کا قبلہ حضور کا باطن ہو۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے دیکھئے تو یہی نانا کی صحت کے لئے قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ ہاں قبلہ سے تھوڑا فرق ہو تو خیر۔ مضائقہ نہیں نماز صحیح ہو جائے گی چاہے رکعتیں بھی زیادہ نہ پڑھے اور چلبے قرأت میں بھی کچھ تغلیل ہو، مگر ہو قبلہ رُخ۔ تب ہی نماز کی صحت متحقق ہوگی اور اگر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، تو چاہے رکعتوں کی تعداد بھی زیادہ ہو اور قرأت میں بھی تطویل ہو لیکن نماز صحیح نہ ہوگی (وعظ حقیقت تصوف و تقویٰ)

## تعلق مع اللہ ہی دوائے غم و مصائب کے

ارشاد توبہ و استغفار کرو اور ہر روز پانچ سو مرتبہ کم از کم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ط کا وظیفہ مقرر کرو۔ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہو جائے گی کیونکہ حدیث میں آیا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ كَتَمَن كُنُورِ الْجَنَّةِ وَطُحُودِ وَاَعْتَسَعِينَ دَاعِ الْيَسْرِهَا اللَّهُمَّ غَضِيكَ حَقِّ تَعَالَى سَ تَعْلُقُ بِيَدِكَ كَرُو اس کے سوا سب سے نظر قطع کرو۔ کیونکہ راحت و کلفت سب اس کے ہاتھ میں ہے اس کو دعا صحتی کرو ان شاء اللہ وہ تمام مصائب کا انتظام فرمادیں گے امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض ء انہ مع اللہ قلیلا ماتذکرون (انفاس عیسیٰ)

## غیرت و حیا

فرمایا غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سیکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے۔ غیرت قریب قریب سب گناہوں کے لئے محافظ ہے۔ بہت سے ایسے باریک گناہ ہیں جن کو عقل بھی نہیں سوچ سکتی۔ لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے ان کی طبیعت میں خود بخود وہ کھٹک جاتے ہیں پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے جب ہی تو ایمان کے شبوہوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کر کے حیا کا خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ الْحَيَاءُ شَعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ - حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ حالانکہ ضرورت نہ تھی، کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

## سوالگ کثرت کی ہو س نہ چاہئے

فرمایا سالک کو کسی چیز کی ہو س نہ چاہئے کوئی ذوق و شوق کا متمنی ہے کوئی رقت قلب کی خواہش کرتا ہے کسی کو کشف و کرامت کی تمنا ہے۔ کوئی جنت کو مقصود سمجھ کر اس کا طالب ہے حالانکہ کسی چیز کی بھی طلب و ہو س نہ کرنا چاہئے کیونکہ عبادت کے منہی ہیں مالک کے سامنے سر جھکا دینے کے اور جو حکم ہو اس پر بسر و چشم قبول کر کے عمل کر لینے کے۔ پھر عیب ہو کر کسی چیز کی بندس کرنا کٹھنہ یہ ملے وہ ملے۔ یہ ہو س حقیقت میں فرمائش ہے ناک پر اور یہ کیونکر جائز ہو گا اگر کوئی مشبہ کرے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔  
اللہم انی اسئلت رضاک والجنۃ۔ یہاں پر جنت کا سوال کیا گیا ہے جو اب یہ ہے کہ اس سوال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ فلان صاحب سے کہاں ملاقات ہوگی کہا جائے کہ ہاں۔ اس پر وہ شخص باغ میں جانے کا آرزو مند ہے تو حقیقت میں وہ باغ مقصود بالذات نہ ہو گا بلکہ مقصود وہ صاحب ہیں مگر چونکہ وہ باغ میں ملیں گے، اس لئے اس کی تمنا ہوئی ہے کہ وہ اس مقام پر رہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں مقصود رضائے جس کو جنت پر مقدم فرمایا ہے مگر چونکہ اس کا حصول جنت میں ہو گا لہذا جنت کا سوال ہی کیا گیا جو سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ورضوان من اللہ اکبر۔ یہاں پر رضائے کو جنت سے اکبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز ہی ہے۔ پھر یہ نکتہ بیان کیا کہ اس اکبر کی تحصیل کے لئے ذریعہ بھی اکبر ہی ہونا چاہئے۔ سو فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے تمام اعمال پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔

(اشرف المسائل)

## جاہ عند الخلق و جاہ عند الحق

فرمایا حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جیسے جاہ عند الخلق



مذموم ہے محققین کے نزدیک جاہ عند الحق بھی اسی درجہ میں ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جیسے نیک کام اس لئے کرنا کہ میں خلق کے نزدیک بزرگ اور بڑا بن جاؤں، یہ بُرا ہے اسی طرح طاعت اس لئے اختیار کرنا کہ میں خالق کی نظر میں صاحب جاہ بنوں، یہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک امر منکر ہے، بُرا ہے۔ اس لئے کہ کبر یا قی تو خاصہ خاص باری تعالیٰ کا ہے۔ حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے جاہ کے کسی مرتبے کی بھی ہوس زیب نہیں۔  
(ترجمہ المفیدہ علی المصلحتہ ص ۱۸۰۔ اشرف المسائل)

## تلقین کی صلاحیت کا اندازہ

فرمایا کہ اگر کسی مرید کو شیخ نے اجازت تلقین کی زدی ہو، اور وہ اپنے اندر تلقین کی قوت پائے تو اس کو جائز ہے کہ وہ بغیر اجازت بھی دوسرے کو تعلیم دے پس تعلیم اور بیعت لینے میں اجازت تو شرط نہیں لیکن کسی کا مرید ہونا شرط ہے کسی نے پوچھا کہ وہ قوت کیوں کر دریافت ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ خود بخود معلوم ہو جاتی ہے جیسے جو شخص بالغ ہوتا ہے اس کو کسی کی شہادت دینے کی ضرورت نہیں رہتی، تو اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ابھی وہ قوت نہیں پیدا ہوئی۔ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید میں یہ قوت نشوونما پارہی ہے لیکن ابھی بالکل ظاہر نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے مرید کو اس پر اطلاع نہیں ہوتی اور شیخ کو ادراک ہو گیا اور اس لئے اجازت دیدی۔ ایک وقت وہ بھی ہوگا کہ قوت بالکل ظاہر ہو جائے گی اور اس کو بھی ادراک ہونے لگے گا۔

(مقالات حکمت حصہ چہارم)

## کیفیت باطنی مقصود نہیں دوام عمل مقصود ہے

فرمایا۔ جو لوگ اہل حق ہیں وہ فرائض تو ترک نہیں کرتے مگر حصول کیفیات کے بعد ذکر و نوافل و تلاوت قرآن وغیرہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں مقصود تو حاصل ہی ہے پھر اتنی مشقت کی کیا ضرورت ہے کہ چھ ہزار دفعہ ذکر اسم ذات کریں یا تہجد کے لئے اٹھیں۔ اب تو ملکہ یادداشت حاصل ہو گیا ہے۔ اب تو ہمارا سونا بھی ذکر ہے۔ موجب تک یہ کیفیت ہے اس وقت تک عمل ہی نہیں کرتے اور جب کیفیت نہ رہی اب پھر ذکر و شغل اور تہجد وغیرہ شروع کر دیتے ہیں بغرض ان لوگوں کے دل میں عجیب عجیب موجیں اٹھتی ہیں۔ کوئی تو کیفیت کے نہ ہونے سے عمل میں کمی کرتا ہے، اور کوئی اس کے ہونے سے عمل میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہو تو پھر کوشش کرتا ہے۔ یہ شخص بھی کیفیت ہی کو مقصود سمجھتا ہے، چونکہ وہ عمل ہی سے پیدا ہوتی تھی اس لئے سلب کیفیت یا قلت کیفیت کے وقت عمل کا اہتمام کرتا ہے یہ بھی غلطی پر ہے۔ بس راستہ پر وہ شخص ہے جو عمل ہی کو مقصود سمجھتا ہے اور کیفیت ہو یا نہ ہو ہر حال میں عمل پر دوام رکھتا ہے۔

(رعظ تعلیل المنام۔ اشرف المسائل)

## سآلك و غير سآلك كى حالت ميں فرق

دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو عوام جنہوں نے اس طریق میں قدم ہی نہیں رکھا۔ اور طلب کی شان ہی ان میں پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ جس وقت ان کا قلب پاک و صاف ہوا اللہ کا نام لے لیا ان کو تو اس کی کچھ پرواہ ہی نہیں اس لئے استحضار محصیت ان کو طاعت سے مانع نہیں ہوتا۔ اور ایک وہ لوگ ہیں جو اس راہ کو قطع کر رہے ہیں اور کچھ ذوق ان کو حاصل ہو گیا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو

ان کے قلب کی تعلق مع اللہ کی وجہ سے کیفیت ہے اس میں کسی غفلت و معصیت کی وجہ سے اگر ذرا بھی فرق آجائے تو ان کو بوجہ غم ہوتا ہے اور خود ذکر و طاعت سے بھی ہمت پست ہو جاتی ہے اور آئندہ کو ذکر و طاعت کی جرأت نہیں ہوتی، نہ اس وجہ سے کہ اپنے مولیٰ تعالیٰ کے شانہ سے ان کو غفلت ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کس منہ سے نام لیں سو یہ حالت بظاہر اچھی نہیں اس لئے کہ مانع ذکر ہے، لیکن یہ بھی بعض حالات میں رحمت ہے اس لئے کہ اس کا اثر بعض دفعہ یہ ہوگا کہ پھر ان سے وہ معصیت کبھی نہ ہوگی سو اس حالت کا طریقہ بیان تو رحمت ہے لیکن اتنی بات قابل تہنیه ہے کہ اس حالت کے مقتضاء یعنی ترک ذکر پر عمل ہرگز نہ کرے۔ بلکہ اسی حالت والے کو یہ ضروری ہے کہ ذکر سے ایک دم کو غافل نہ ہو اور ہمت نہ ہارے، اگرچہ سینکڑوں گناہ ہوتے رہیں، مگر ذکر نہ چھوڑے کیونکہ جو ظلمت مانع ہوئی تھی ذکر سے وہ زائل اس ذکر ہی سے ہوگی اور کوئی اس کا مرتیل نہیں ہے کہ اس کو زائل کر کے پھر ذکر میں لگے۔ اگر ذکر میں لگے رہو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک روز اس بلا سے بھی خلاصی ہو جائیگی (شرف المسائلہ) <sup>۱۵۴</sup>

## وصول کا آسان طریقہ

فرمایا کہ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهَبْنَهُمْ مِمَّا جَاهَدُوا  
سے مراد غور و فکر، دعا و انتہا یعنی دو کوشش حتیٰ تعالیٰ کے سامنے الحاح و زاری۔ تواضع و خاکساری یہ چیزیں پیدا کرو۔ رونا چلانا شروع کرو۔ نوحوت و تکبر کو دماغ سے نکال کر پھینک دو۔ اس کے بعد وصول میں دیر نہیں ہوتی۔ بجز اس حالت کے پیدا کئے ہوئے کامیابی مشکل ہے۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد و فضل شاہ

## محققین کی نظر میں ہر چیز آئینہ جمال الہی بن جاتی ہے

فرمایا۔ محققین اور منتہمین کی یہ شان ہوتی ہے کہ ان کے لئے ہر چیز آئینہ جمال خداوندی بن جاتی ہے جہاں زیادہ غصہ کا موقع ہوتا ہے زیادہ غصہ کرتا ہے جہاں رنج کا موقع ہوتا ہے زیادہ رنج کرتا ہے غرض وہ جہاں جیسا محل ہوتا ہے ویسا بن جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس مضمون کا جو حدیث میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، (ترجمہ) میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اس کے آلہ بن جاتے ہیں۔ بلکہ جیسے آلہ و ذی آلہ میں اختلاف نہیں ہوتا اسی طرح وہ بالکل امر حق کے تابع بن جاتا ہے اور اس کا کوئی قول و فعل امر حق کے مخالف نہیں ہوتا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظہ ص ۳۵)

## انعامات الہیہ کا صحیح استعمال

فرمایا کہ خدا اگر کسی کو بے فکری سے کھانے کو دے تو یہ نعمت ہے لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے کہ کبر، ناز و عجب، غرور اور غفلت، غریبوں کی تحقیر، کمزوروں پر ظلم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا علاج اور تدارک یہ ہے کہ تدبیر و تفکر سے کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے ورنہ میں بالکل نااہل تھا۔ مجھ میں کوئی کمال بھی نہیں تھا بلکہ اپنے گناہوں پر نطفہ کر کے سوچے کہ میں تو سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھتے والے پریشان حال پھرتے ہیں پھر اس کا فضل ہی تو ہے جو اس نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اب میں ناز کس بات پر کروں۔

اگر روزی بدانش بر فزوسے ز ناداں تنگ تر روزی نہ بود

یعنی رزق کا مدار عقل پر نہیں لیاقت سے رزق کا ملنا فاروق کا عقیدہ ہے۔ (کمالات اشرفیہ، ملفوظ نمبر ۱۱۵۲)

## دنیوی ثروت کے ساتھ بھی زہد جمع ہو سکتا ہے

فرمایا کہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہو سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ درپے نہ ہو، پس یہ نہ ہر ہے، اور اگر بغیر طلب و انہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالیٰ عطا فرمادیں تو یہ بھی زہد کے خلاف نہیں اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو موثر نہ سمجھے نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو ان ہی کی عطا سمجھے، اس کے لئے ترک اسباب اور ترک ملازمت ضروری نہیں۔ (کمالات اشرفیہ)

## طلب جاہ حاکمیت

فرمایا کہ محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو، کیونکہ یہ کمال محض وہی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسروں کے خیال کے ساتھ قائم ہے، چونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا، جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے، وہ جب چاہے اپنا خیال بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے، مگر طالب جاہ خوش ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ پس ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ وہ سراسر دوسرے کے تابع ہے یعنی وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو، دوسرے نقص یہ ہے کہ اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ محض وہی ہے یعنی بڑائی اور عزت، کیونکہ بڑائی اور عزت سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائداد بڑھتی ہے محض دل خوش کر لو۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ نمبر ۱۱۹۲)

## علم کے یہ نسبت عمل زیادہ متاثر ہے

فرمایا کہ صوفیاء علم کے اہتمام سے زیادہ عمل کا اہتمام کرتے ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امت میں تمہارے متعلق ان چیزوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کرتا جن کا تم کو علم نہیں کیونکہ علم کی کمی میں کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بے باکی کی دلیل نہیں اس لئے جرم خفیف ہے لیکن یہ دیکھو کہ جن چیزوں کا تم کو علم ہے ان میں تم کیسا عمل کرتے ہو اس حدیث کی تصریح میں حضرت قشیریؒ نے تشریح کی ہے کہ جتنی نظر عالم کی دقت و حدید ہوگی مواخذہ بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔ بہذا کسی عالم کو شرح ناز مناسب نہیں بلکہ خشیت و ہمت سے اس کی تعدیل مناسب ہے اس وقت وہ نسبت فرح نیاز کا مستحق ہے۔

(کمالات اشرفیہ ملفوظ ۲۳۸)

## مصائب مجاہدہ غیر اختیاری ہیں

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں اور مجاہدہ اختیار یہ سے اس کو قاصر اور عاجز دیکھتے ہیں تو ایسے اسباب غیب سے پیدا فرمادیتے ہیں جس سے اس کے امراض نفسانیہ، جب جاہ وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے، مثلاً اس پر کوئی مرض مسلط ہو جاتا ہے، یا کوئی دشمن مسلط ہو جاتا ہے جو اس کو ایذائیں خصوصاً بدنامی کی ایذا پہنچاتا ہے جس کی روایا کو اگر کوئی غلط سمجھتا ہے تو دوسرا صحیح سمجھتا ہے اور اس طرح سے وہ رسوا ہو جاتا ہے جو اول اول نفس کو بید ناگوار ہوتا ہے مگر جب وہ صبر و رضا اختیار کرتا ہے تو پھر تو اس میں ایسی قوت تحمل پیدا ہو جاتی ہے کہ نہایت ہمت کے ساتھ یہ کہنے لگتا ہے

ساقیا بر خیز و دردہ حجام را      خاک بر سر کن غم ایام را  
گر چہ بدنامی است نزد عاقلان      نامی خواہم نیم سنگ و نام را

پھر اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کے موافق اللہ تعالیٰ اس کو قبول عام و عزت نصیب فرماتے ہیں جس میں اس کو ناز نہیں ہوتا جس قدر رفعت بڑھتی جاتی ہے نیا زین ترقی ہوتی جاتی ہے، پس جاہِ عظیم میسر ہوتی ہے اور جاہِ پسندی فنا ہو جاتی ہے۔

عُسْر کو یُسْر میں خاص دخل ہے کیونکہ عُسْر سے نفس پامال ہوتا ہے اور عارف کو اس وقت اپنا عجز و فنا کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ نیز صبر جمیل اور رضا بالقضا حاصل ہوتا ہے۔ یہ سب یُسْر و فرح کا سبب بن جاتے ہیں اس کے ساتھ جب وہ حدیثِ سلامی جاوے کہ انبیاء پر تکالیف و شدائد اس لئے زیادہ آتے ہیں تاکہ ان کے درجات بلند ہوں پھر تو عُسْر کے سبب یُسْر میں کوئی بھی اشکال نہ رہے گا۔ اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لیجئے کہ عُسْر یُسْر باطنی کا سبب تو ہوتا ہی ہے۔ کیونکہ درجات بڑھتے ہیں مگر اکثر یُسْر ظاہری کا سبب بھی بن جاتا ہے۔  
(کمالات اشرفیہ)

## مصائبِ کاراز

فرمایا کہ جس طرح والدین بچے کے ذہل کا آپریشن کراتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ پس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی۔ مگر انجام دونوں کا راحت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے، کہ پندرہ بیس دن ہی میں ذہل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہو جاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا (کمالات اشرفیہ۔

## معصیت بڑی مہلک چیز ہے

تحقیق سے معصیت کجنت نہایت ہی بڑی اور مہلک چیز ہے اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے وہ ذلت اور وہ گھڑی بند سے کئے لئے نہایت ہی مبغوض اور منحوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے بعض نافرمانیوں کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے عمل کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ بڑے خوف کی بات ہے، اور معصیت میں ایک اور خاصیت بھی ہے کہ اس کے محکوم اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہونے وہ شوخی کرنے لگا فرمایا آج ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور پیش	کہ گردن نہ پیچد حکم تو پیش
ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید	ترسدا زوے جن و انس دہر کہ دید

اور ایک خاصیت معصیت کی سب سے اشد ہے وہ یہ کہ کبھی بے فکری اور بے خیالی سے صغیرہ گناہ سے کبیرہ گناہ صادر ہو جاتا ہے اور وہ سبب کفر کا بن جاتا ہے اس لئے انسان کبھی گناہ کر کے بے فکر نہ ہو تو بہ استغفار کرتا رہے مگر یہ بھی نہیں کہ اسی کو مشغلہ بنالے اور اسی مراقبہ میں رہا کرے بلکہ ایک بار خوب اچھی طرح باقاعدہ توبہ کرے اور اپنے کام میں مشغول رہے۔ اس کے بعد پھر جب کبھی خیال آجائے تو اللہم اغفر لی اللہم اغفر لی کہہ کے مطمئن ہو جائے۔ (انف اس عینی حصہ دوم ص ۱۰)

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہی دافع پریشانی ہے

تحقیق: اگر انسان وحی کو عقل پر ترجیح دے تو سمجھ میں آجائے کہ پریشانی کا



سبب ہمیشہ معصیت ہی ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا کی نافرمانی ہے اگر خدا کو راضی کرنے کی سعی کی جاوے تو اس بد تری اور پریشانی سے نجات ہو سکتی ہے ورنہ کوئی اور چیز اس سے نجات نہیں دلا سکتی اس لئے خدا کو راضی کرنے کی فکر ہونا چاہئے۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

## نا کامیوں پر عدم سکون کا علاج

فرمایا۔ تدبیر تو ازالہ مذموم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ازالہ محمود کے لئے، اگر نصوص میں اور اقوال اہل خصوص میں غور کیا جاوے تو معلوم ہو جاوے کہ دنیا کی ناکامی خود شعار ہے مقبولین کا اور تو اتر کامیابی خصوصاً مہاسی کے ساتھ شعار ہے۔ محمد ولین کا سورہ بقرہ کی آیت  
 اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ الْاَيَّةِ اور سورہ احزاب کی آیت اذ جاؤ کھر  
 من فوقکم ومن اسفل منکم کامیابی دنیوی سے مقبولیت پر استدلال  
 کفار کا طریقہ ہوتا سورہ فجر میں منصوص ہے فاما الانسان اذا  
 ما ابتلا لاربه الخ

مولانا رومی کا ارشاد ہے

زبان بلا ہا کا نسبیا برداشتند

مہر چہ پیرخ ہفتیں افزا شدند

گر مرادت را مذاق شکر است

بے مرادی نے مراد و لبر است

باقی دعا ہر حال میں کرنا سنت اور وظیفہ عیدیت ہے دعا کی برکت سے فہم در رضا و تحمل نصیب ہو جاتے ہیں۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم)

## عشق کی حقیقت تفویض ہے

فرمایا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ وہ جس طرح چاہیں اس میں نصرت کریں بشرطیاً بھی اور تنگویناً بھی اور ہر حال میں راضی رہے۔ یہ حقیقت ہے تفویض کی

جس کی ابتدا شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کر دینے سے ہوتی ہے۔ اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ تفویض جب خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے، تو شیخ کے ہاتھ میں تفویض کرنا غیر اللہ کو اللہ کا حق دینا ہے، جو اب یہ ہے کہ چونکہ یہ تفویض اس تفویض مطلوب کا مقدمہ ہے اس لئے تفویض الی شیخ تفویض الی غیر الحق نہیں ہے۔ (اشرف المسائل)

## نماز میں حضور قلب کی ترکیب

فہرمایا کہ مطلوب سالک دو قسم کے ہیں بعض غیر اختیاری ہیں اور بعض اختیاری اور غیر اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو شرعاً بھی مطلوب ہیں اور ایک وہ جو شرعاً مطلوب نہیں۔ یہ کل تین قسمیں ہوتیں پس ان میں سے امور اختیاریہ کا تو یہ حکم ہے کہ ان کو عمل کر کے حاصل کرو، اور غیر اختیاری امور جو شرعاً غیر مطلوب ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی طلب سے نکال دو، ان کے درپے نہ ہو اور جو غیر اختیاری شرعاً مطلوب ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ مثلاً احضار قلب نماز میں مامور بہ ہے اور یہ اختیاری ہے، اس کو تو عمل سے حاصل کرو۔ یاد رکھتے ہیں نے احضار قلب کہا ہے اس سے حضور قلب نہ سمجھئے گا۔ وہ اختیاری نہیں اور نہ اس کا مکلف کیا گیا ہے بلکہ حکم اس کا ہے کہ تم اپنی طرف سے قلب کو حاضر رکھنے کی کوشش کرو۔ اس احضار قلب کی حقیقت ان لوگوں سے پوچھو جو عمل کرتے ہیں۔ ان سے نہ پوچھو جو ہر کام کو بدون عمل ہی کے دشوار کہہ دیتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اس کی حقیقت یہ فرمائی کہ نماز فعل مرکب ہے جس کے مختلف اجزاء ہیں۔ قیام و قعود اور رکوع و سجود اور قراعت و اذکار وغیرہ پس احضار قلب یہ ہے کہ اس کے اعمال و اقوال کو حفظ سے ادا نہ کرو بلکہ ارادہ اور توجہ سے ادا کرو، کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں، اب یہ لفظ کہہ رہا ہوں اور اب رکوع میں جاتا ہوں، اب سجدہ کر رہا ہوں۔ ہر فعل اور ہر لفظ پر جدید ارادہ

کر۔ اس طرح احضار قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا کے اس ارشاد کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے من صلی رکعتین مقبلاً علیہما بقلبہ اس میں ضمیر علیہما کا مرجع رکعتیں یعنی صلوٰۃ ہے، حاصل یہ ہوا کہ اپنے دل سے نمانہ پر متوجہ رہے اور وہ مرکب ہے تو اس پر توجہ و اقبال وہی ہے جو مولانا نے بیان فرمایا یہ تو امر اختیاری ہے اس کو تو ہمت و عمل سے حاصل کرنا چاہئے، اور ایک ہے حضور قلب یہ اختیاری نہیں یعنی اس کا وہ درجہ اختیاری نہیں جس کی سالکین کو طمع ہے۔ ورنہ جو درجہ حضور کا مطابقت احضار ہے وہ تو اختیاری ہے اس حضور زائد کے لئے صرف دعا کرنا چاہئے مجاہدہ وغیرہ اس کی تدبیر نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ان کے لئے صرف دعا آئی ہے اللھم انی اسئلك شوقاً الی لقاءك۔ سو مجاہدہ وغیرہ حصول شوق کی غرض سے نہ کرو۔ نہ شیخ سے اس کے حصول کی تدبیر لو چھو۔ نہ اس سے یہ شکایت کرو کہ ہمارے اندر شوق پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے محض دعا کرو۔

(اشرف المسائل)

## کاملین پر بھی غلبہ حال ہوتا ہے

فرمایا۔ صاحب مقام ہو جانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سالک تغیرات احوال سے بالکل ہی خالی ہو جاتا ہے کیونکہ تغیرات عارضی تو برہنئے مصلح لو لازم سلوک سے ہیں جو رسوخ کامل اور تمکین تام کے حصول کے بعد بھی سالکین کے احوال میں گاہ گاہ واقع ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں ہشدار و امتداد و اعتدال نہیں ہوتا۔ جیسے صحت کاملہ کے حاصل اور اعتدال مزاج قائم ہو جانے کے بعد بھی موسم کے بدلنے یا دیگر اسباب خارجی سے اچانک کبھی زکام بھی ہو جاتا ہے کبھی طبیعت کسلمند ہو جاتی ہے کبھی بخار ہو جاتا ہے۔ مگر اس قسم کی عارضی شکایات صحت طبیعت کے منافی نہیں ہوتیں۔ غرض اعتبار غالب حالت کا ہے۔ اگر سالک میں آثار مقام غالب میں

تو وہ صاحب مقام ہے گواہیاً اس میں آثار حال کا کبھی ظہور ہو اور اگر آثار حال غالب ہیں تو وہ صاحب حال ہے گواہیاً اس میں آثار مقام بھی پلٹے جائیں بغرض کالمیں پر بھی کبھی کبھی غلبہ حال ہو جاتا ہے لیکن وہ منافی کمال نہیں ہوتا بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر بھی کبھی کبھی ان حضرات کی شان کے موافق غلبہ حال طاری ہوا ہے لیکن صاحب مقام پر جو غلبہ حال ہوتا ہے اس میں وہ حدود سے خارج نہیں ہوتا۔ بخلات صاحب حال کے کہ وہ کبھی حدود سے خارج ہو جاتا ہے مگر اس کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ بوجہ مغلوبیت وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے (الفہام غیبی حصہ دوم)

## انسان اسی قدر عمل کا مکلف ہے جس قدر اس کے امکان میں ہے

فرمایا۔ کہ حدیث میں ہے کہ "تو مومن کو اس حال میں پائے گا کہ جو عمل اس کی طاقت میں ہو اس میں کوشش کرے اور جو اپنی طاقت میں نہ ہو اس پر افسوس کرتا ہے" اس سے دو امر ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ امور اختیار یہ میں طاقت اور ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ امور غیر اختیار یہ میں اپنے کو تعب میں نہ ڈالتا چاہئے اس کے فوت ہونے پر حزن کافی ہے مگر اس حزن کے درجات ہیں۔ ایک حزن معتدل جو اس عمل کے محبوب ہونے سے اور اپنے عاجز ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے یہ تو محمود ہے کہ عمل حسن کی محبت لوازم ایمان ہے اور اپنے عجز کا مشاہدہ عبدیت کا شعبہ ہے۔ دوسرا درجہ حزن مغرط ہے جس سے قلب میں پریشانی پیدا ہو کر مایس کا غلبہ اور ہمت میں ضعف ہو جائے یہ مذموم ہے کہ محض بے عمل میں جو کہ مقصود تھا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ ص ۲۸۴)

## لغو باتوں کا تدارک

فسر مایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہوتا ہے

ہے۔ اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کر لیا کر دو۔ اس کی ضرورت حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی۔ اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہ کہہ لیا کریں سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ یہ کلمات جامع ہیں۔ ذکر اللہ اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو علماء نے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارۃ مجلس ہے۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ نمبر ۱۲۷۱)

## اپنے گناہوں پر توبہ کو بیکار سمجھنا حماقت ہے

فرمایا کہ بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اس قدر ہیں یا اس درجہ کے ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے کیونکہ توبہ صورتہ شرمندگی ہے لیکن حقیقت میں یہ کبر ہے کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے حق تعالیٰ کا کچھ ایسا نقصان کر دیا ہے کہ اب اس کو وہ معاف نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو یہ برتاؤ بالکل مساوات کا سہ ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کا ملکہ کے سامنے تمہاری اور تمہارے انعام کی ہستی ہی کیا ہے۔ سارا عالم بھی تانہ فرمان ہو جاوے تو ان کا ذرہ برابر بھی کچھ نقصان نہیں ہو سکتا۔ نہ ان کو عفو و کرم سے مانع ہو سکتا ہے مشہور ہے کہ ایک چمچ بیل کے سینگ پر جا بیٹھا، جب وہاں سے اڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجئے گا کہ آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوتی ہوگی۔ بیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں ہوتی تو کب بیٹھا کب اڑا۔ (کمالات اشرفیہ ملفوظ ۲۲۵)

## نفس و شیطان کے خطرات میں مشرق

فرمایا کہ نفس و شیطان کے گناہ کرنے میں اکثر فرق یہ ہے کہ اگر بار بار ایک ہی گناہ کا تقاضا ہو تو یہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر ایک دفعہ ایک گناہ کا تقاضا ہو پھر اس کے رُک جانے کے بعد دوسرے کا تو یہ شیطان کی جانب سے ہے۔ کیونکہ شیطان کو تو مقصود ہر گناہ کرانا ہے چاہے کوئی بھی گناہ ہو۔ اور خود شیطان کو اس میں کوئی حَظ نہیں کہ کسی معین گناہ پر اصرار ہو۔ بخلاف نفس کے اس کو اس میں حَظ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ نفس بھیسج ہے۔ شیطان صرف مشورہ دیتا ہے جیسا کہ دَسْعَوْنَكُمْ سے پتہ چلتا ہے، اور اس میں بھی اصل داعی نفس ہے، کیونکہ شیطان کو بھی اسی نفس نے گمراہ کیا اور فرمایا علاج کئی یہ ہے کہ معاصی کا نفس میں جو تقاضا ہوتا ہے اس تقاضے پر عمل نہ کرے۔ اصل علاج تو یہ ہے باقی ذکر اس میں معین ہوتا ہے۔ کیونکہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا، تو حق تعالیٰ دست گیری فرماتے ہیں۔ اس دست گیری سے سہولت ہو جاتی ہے۔ یہ صورت ہوتی ہے اعانت کی۔ لیکن خالی ذکر سے کچھ نہیں ہوتا۔ پھر اصل علاج میں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے پھر شیخ کے معاملہ میں طالب کے ذمہ دو چیزیں ضروری ہیں، ایک اتباع دوسری امتثال۔

(اکمالات شریفہ)

## دروو ایسی طاعت ہے جو کبھی رَد نہیں ہوتی

ارشاد۔ درود شریف ایسی طاعت ہے جو کبھی رَد نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درخواستِ رحمت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے جو درخواست کی جاتی ہے وہ رَد نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم بادشاہ سے شاہزادے کے متعلق ایسی بات کی سفارش کریں جو بادشاہ خود اس کیلئے کرنے والا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی سفارش کیوں رَد ہوگی۔ (انفاس عیسیٰ)

## رخصت و عزیمت پر عمل

فرمایا کہ میں بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے افضل سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص عزائم پر عمل کرتا ہے اس کو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے اس کے دل میں شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو اتنے دن سے ایسی مشقت نہ ہو تو تقویٰ کی اٹھارہ ماہوں اور اتنا عرصہ کر و شغل کرتے ہو گیا اور اب تک کچھ نصیب نہیں ہوا۔ یہ کس قدر گناہ کا خیال ہے، برخلاف اس کے جو بعض دفعہ رخصتوں پر عمل رکھتا ہے اس کو اپنے عمل پر نظر کبھی نہیں ہو سکتی۔ اس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے زیادہ سمجھتا ہے اور در صورت عدم و درود کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو شکایت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کرتا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں۔ بہر حال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلہ بمقابلہ اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے یہ کس قدر بڑی نعمت ہے بعض لوگوں کو عزیمت ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں۔ رخصت شریعتیہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے باوجود ضرورت کے بھی کام نہ لینا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ حدیث شریف میں ہے **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى رُخْصَةً كَمَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى عَزَائِمَةً**۔ یعنی حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کی رخصتوں پر بھی ویسا ہی عمل کیا جاوے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی عزیمتوں پر عمل کیا جاوے۔ (اشرف السوانح)

## حیاتِ طیبہ کا راز

سرمایا۔ یہ بات کان کھول کر دینداروں ہی کو نہیں دنیاداروں کو بھی سن لینا چاہئے اور سمجھ لینی چاہئے جیسا اپنے اور پرلئے سب کے تجربات سے واضح کیا جا چکا کہ قلب کی رخصت

یا دل کے سکھ چین کا راز مادی ساز و سامان یا فصولیات کی بہتات میں نہیں بلکہ ضرورتاً زندگی پر قناعت ہی میں پوشیدہ ہے اور ساتھ ہی اگر ایمان و عمل صالح یا دینداری کی زندگی بھی نصیب ہو تو حیوۃ طیبہ کی موعودہ زندگی کا تجربہ اسی دنیا میں ہو جاتا ہے جس کا جی چاہے آزا کر دیکھ لے۔ (الاقادات الیومیہ)

## اپنے انجام کی کسی کو خبر نہیں

منر مایا کبھی کسی آدمی کو بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کہ میری حالت اخیر تک مامون رہے گی۔ اپنی حالت پر کیا ناز کرے کسی کو کیا حقیر سمجھے، اس لئے کہ کیا خبر ہے کسی کو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے بعض وقت فساق و فحشا میں بھی خود فسق و فجور کے زمانے میں ایسی بات ہوتی ہے کہ وہ بیڑا پار کر دیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل علی شانہ کے ساتھ تعلق اور محبت یہ بھی ایک عمل مخفی ہے جس کی بدولت یہ شخص قتلِ محبتِ ہیبت ہونے کی وجہ سے شہداء میں سے ہے۔ تو کیا کسی کو حقیر و ذلیل سمجھا جاسکتا ہے، اسی کو فرماتے ہیں گناہِ اُنیۃ عفو و رحمت است اے شیخ  
میں ہمیشہ حقارت گناہ گاراں را

فرمایا کام کرنا چاہئے اور اس پر آمادہ رہنا چاہئے کہ کچھ نفع ہو یا نہ ہو اور عمل بھی خواہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو اس کی طرف نظر ہی نہ کرے کام شروع کر دے، اور ایک بات کام کی اس وقت ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ ماضی کی کوتاہی کو بھلا دینا چاہئے۔ یہ بھی ایک بڑی غلطی ہے کہ ماضی پر مستقبل کو قیاس کرتے ہیں کہ آئندہ کبھی ایسی کوتاہی ہوگی۔ اس سے بھی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ نیز اگر کام کرنے کے زلمے میں کوئی نغزش ہو جائے، یا کسی نامناسب بات یا فعل کا صدور ہو جائے تو اس کا بھی مراقبہ کرنے نہ بیٹھ جائے بس دل سے اللہم اغفر لی کہہ کر آگے چلے۔ ورنہ پھر یہ مراقبہ بھی اپنا ہی مطالبہ ہوگا۔



اس طرف کا مشاہدہ تو پھر بھی نہ ہوا۔ ایک ضروری بات اور بھی ہے کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خواہ قلیل ہی کی توفیق ہو اور ہمیشہ کے لئے بھی توفیق کی امید نہ ہو، اس کو بھی غنیمت سمجھے۔ مثلاً یہ خیال کرے کہ آج کی دو رکعت بھی کیوں چھوڑیں۔ شاید یہی نجات کا سبب ہو جائیں۔ سو اس طریق سے کام کر کے دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے۔

(اشرف السوانح ۲)

## اعمال پر جزا

فرمایا کہ ہمارے اعمال کی جزا محض عطا و انعام ہیں۔ ہمیں تو ہر وقت ان کی رحمت اور ان کے فضل کی ضرورت ہے جو کچھ ملے گا وہ محض انعام ہے گو نام کو جزائے اعمال ہے۔ مگر ہمارے اعمال ہی کیا جس پر جزا کا استحقاق ہو بلکہ خود ان اعمال میں شمار کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہی ہے ورنہ ہمارے اعمال تو حسانات کہنے کے بھی قابل نہیں بلکہ وہ اپنے فضل سے ان کو حسانات بنا دیں گے چنانچہ بعض اہل رطائف نے اَوْلِيَاءِكَ يَبْدُلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ كِي تَفْسِيْرٌ كِي هِيَ بِطَرَايْقِ رَحْمَتِيْ هِيَ كہ ہمارے اعمال محدود اور جزا غیر محدود اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ وہ جزا برائے نام ہے ورنہ محض عطا ہی ہے اس کی دلیل خود قرآن میں ہے جَزَاءٌ مِّن رَّبِّكَ

عَطَاءٌ حَسَابًا۔ اس تقریر سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ اگر وہ جزا ہے تو عطا کیسی اور اگر عطا ہے تو پھر حساب کیا؟ جواب یہ ہے کہ جزا صورت ہے اور عطا حقیقت، اور حساب جزا یا عطا کے لئے نہیں بلکہ خود اہل عطا میں تفاوت کے لئے حساب ہو گا باقی جو عطا ہو گا وہ بغیر حساب ہی ہو گا۔ (انفاس عیسیٰ)

## بندے کا کام صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو بجز اللہ اپنے بزرگوں کی برکت سے اس کی پروا نہیں کہ کوئی معتدّر ہے گا یا غیر معتدّر ہو جائے گا جو جس کا جی چاہے کرے، اگر سارا عالم بھی ایک طرف ہو جائے مجھ کو بغفل خدا اس کی پروا نہیں پروا کی تو صرف ایک ہی چیز ہے وہ رضائے حق ہے۔ اگر یہ حاصل ہے تو سارا عالم اس کے سامنے گروہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے صرف یہی ایک چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے میں لگا رہے اگر وہ راضی ہیں تو اس نے سب کچھ پالیا اور حاصل کر لیا اور اگر یہ نہیں تو اگر تمام دنیا دماغیہا بھی اس کو مل جائے تو ایک چھپرے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ (امرت السواخ)

## حَرْفِ آخِر

### مقید یا غیر مقید کام کا مراقبہ

ایک ضروری مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا جاوے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں، یہ آخرت میں مُنصر ہے یا مقید۔ اس مراقبہ کے لئے کوئی وقت معین نہیں، بلکہ یہ ایسا مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس کا وقت ہے، چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہو اور کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی، اور رنج و غصہ میں بھی، کوئی حرکت اور کوئی سکون اس مراقبہ سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد

انشاء اللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر  
 ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار گنہگار ہوں گے، سرکش و غافل  
 گنہگار نہ ہوں گے، اور یہ بھی ایک بڑی دوست ہے کہ انسان  
 کو گناہ کے وقت تنبیہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ  
 کا کیا۔ اس سے دل پر ایک چپر کہ لگتا ہے جس کے بعد  
 معاتوبہ و استغفار کو دل چاہتا ہے (وعظ الاسعاد والعباد)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ آمَنَّا بِكِتَابِكَ  
 هَذَا بِكَلِمَاتِ الصَّالِحِينَ فَاَجْعَلْهُ كِتَابًا نَافِعًا لِلْمُسْلِمِينَ  
 مِنَ الطَّالِبِينَ وَالسَّالِكِينَ وَاجْعَلْهُ ذَخِيرَةً لِي فِي الْآخِرَةِ  
 يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ بِحَقِّ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَرَحْمَةِ الْعَالَمِينَ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا ط

حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی درامت برکاتہم کی دیگر مقبول عام تالیفات

# اُسُوۃُ رَسُوْلِ اَکْرَم

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ گذشتہ تین سال کے دوران اس کتاب کے دس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ یہ مبارک کتاب سندھی زبان میں بھی شائع ہو چکی ہے اور انگریزی و گجراتی میں بھی اس کا ترجمہ ہو رہا ہے اس کتاب کو نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بے حد پسند فرمایا۔ چند علمائے دین کی آراء کے اقتباسات پیش خدمت ہیں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا:۔۔۔

”ہمارے محترم بزرگ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عرفی نے جو سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ خاص ہیں عوام لوگوں کو اطاعت رسول اور اتباع سنت کا صحیح مفہوم سمجھانے کے لئے شامل و خصائل کی مستند کتابوں سے ہر شعبہ زندگی کے متعلق ہدایات کو واضح اور نمایاں کر کے جمع فرما دیا ہے جو کتب شامل کا اصل مقصد ہے جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان کا مستند اور معتبر ہونا خود اس مجموعے کے مستند ہونے کی ضمانت ہے، الحمد للہ شامل نبویہ کا یہ بہت اچھا مجموعہ عام فہم اور میں زبان میں جمع ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور کتاب کو مقبول اور مفید بنادیں وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ“

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب زاد اللہ فیوضہم نے قبلہ ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:۔۔۔

”آپ کی مبارک کتاب بہت ہی برکات کی حامل ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ منتفع فرمائے اور جناب کو دارین کی ترقیات سے نوازے“

سائز ۱۸x۲۷ آفٹ کاغذ، دیدہ زیب کتابت و عکسی طباعت اور جازب نظر پلاسٹک کوڑھیت ۳۶ روپے

مختصر نصاب اصلاح نفس روزمرہ کے مستون اوراد و وظائف اور تمام خصوصیات

**معمولات یومیہ**

تصوف کا مختصر خلاصہ جو ہر مسلمان کیلئے نہایت ضروری اور سیدنا نافع ہے۔

کتابت و طباعت بہت عمدہ آفٹ کاغذ صفحات ۸۸، ہدیہ چار روپے

# ماثر حکیم الامت

(نظر ثانی شدہ تیسرا جدید ایڈیشن)

ارشادات و افادات حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی ضاعا مرقی دامت برکاتہم

خلفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

\* یہ تذکرہ ہے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج، شانِ تربیت اور اندازِ زندگی کا۔

\* اس میں انتخاب ہے حکیم الامت کے ان ملفوظات کا جس کی نظیر کتب تصوف

میں کم ملے گی۔

\* ایک ایسا خزانہ جس کی قدر و قیمت کا پتہ مطالعہ کے بعد ہوتا ہے۔

\* ایسے وقت پر کام آنے والی کتاب جبکہ بہت سے رہبر بھی کام نہ آسکیں۔

\* ایک ایسی تصنیف جس کے مطالعے سے دین کا راستہ آسان اور دلکش نظر آنے لگے۔

\* جس کو پڑھ کر نیکی کی امنگ، طاعات کا شوق اور اتباعِ سنت کا دلولہ بیدار ہو۔

\* اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ دو سال کے دوران اس کے

تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس جدید ایڈیشن میں اکثر و بیشتر مضامین کو از سر نو حسن

ترتیب سے آراستہ کیا گیا ہے اور ایک معرکہ آرا رسالہ "افادات عارفیہ" بھی

شامل کتاب کر کے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے گئے ہیں۔

عدہ کاغذ، عکسی طباعت، دیدہ زیب پلاسٹک کور، قیمت ۳۲ روپے

ملنے } ایچ ایم سعید پبلیشرز ادب منزل پاکستان چوک کراچی فون نمبر ۲۱۲۸۲۱

کا } ادارہ اشاعت اسلام، فرودگاہ رضوان۔

پتہ } ۵/۳ ایف ناظم آباد ۲، کراچی، فون نمبر ۶۱۵۸۱۰

